75

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ؕ

# سیرتِ کبریٰ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرورِ انبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

## جلد اوّل

جو دیباچہ اور ۲۰ صفحات کے مقدمہ اور ۱۶۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں ضرورت وحی منصب نبوت کی حقیقت، اس کے لوازم وخصائص اور قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصاً عرب کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا تذکرہ ہے۔ اصل کتاب میں آپکا نسب مبارک، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ سے لے کر آپ کے والد امجد تک خاندانی حالات آپکی بعثت کی بشارتیں۔ عہد طفلی، قبل از بعثت کی چہل سالہ زندگی، نزول وحی، برملا تبلیغ حق کا فرمانِ خداوندی، دعوت کی مشکلات، مخالفتِ قریش کے اسباب، قریش کی چیرہ دستیاں، صحابہ کی مظلومی۔ حبشہ کیطرف پہلی ہجرت۔ راہ تبلیغ میں قریش کی مزاحمتیں اور آپ کے قتل وجان ستانی کی پیہم کوشش وغیرہ، کوائف وحالات بالتفصیل درج ہیں

مرتبہ

مولانا ابو القاسم رفیق مدظلہ دلاوری مصنف ائمہ تلبیس، سیرت ذوالنورین، سیدہ فاطمہ، شمائلِ کبریٰ
رئیسِ قادیان وغیرہ

ناشر: مکتبہ صدیقیہ بیرون بوہڑ دروازہ ملتان شہر

بار اول    تعداد ۱۲۵۰    قیمت [illegible] ۸/۵۰-

۲۹۵۶۹۹۲۱
DATA ENTERED

# فہرست مضامین مقدمۂ سیرت کبریٰ

| مندرجات | صفحہ |
|---|---|
| دیباچہ | ۱۴ |
| مقالۂ اوّل ۔ آسمان کی نوری اور زمین کی ناری مخلوق | ۱۷ |
| مقالہ ۲ ۔ وحی، الہام اور رویائے صالحہ | ۲۴ |
| مقالہ ۳ ۔ حضرت سیدالمرسلینؐ کی وحی کے طُرق واقسام | ۲۷ |
| مقالہ ۴ ۔ نبوت کی حقیقت | ۳۰ |
| مقالہ ۵ ۔ انبیاء علیہم السلام کے مدارج واقسام | ۳۱ |
| مقالہ ۶ ۔ خرق عادت اور معجزاتِ انبیاء | ۳۳ |
| مقالہ ۷ ۔ تنزیلِ قرآن کی ضرورت | ۴۰ |
| مقالہ ۸ ۔ قرآن کو رسول اللہ کا کلام سمجھنے کی کوتہ اندیشی | ۴۵ |
| مقالہ ۹ ۔ حضرت مفخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ناخواندہ ہونا | ۴۸ |
| مقالہ ۱۰ ۔ قبل نبوت کی چہل سالہ پاکیزہ زندگی | ۵۴ |
| مقالہ ۱۱ ۔ منکرین وحی رسالت محمدی کی مضحکہ خیز قیاس آرائیاں | ۵۶ |
| مقالہ ۱۲ ۔ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عقلی ثبوت | ۶۰ |
| مقالہ ۱۳ ۔ فضائل سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم | ۶۱ |
| مقالہ ۱۴ ۔ افضلیت خیرالبشرؐ کے عقلی وجوہ | ۶۷ |
| مقالہ ۱۵ ۔ عقیدۂ توحید و رسالت کی امتیازی تعلیم | ۷۰ |
| مقالہ ۱۶ ۔ ایمان بالغیب کی اسلامی تعلیم | ۷۲ |
| مقالہ ۱۷ ۔ اسلام کوئی جدید دین وملت نہیں | ۷۴ |
| مقالہ ۱۸ ۔ ملت اسمٰعیلی کی اصلاح وتجدید | ۷۵ |

صفحہ
مقالہ ۱۹ ۔ بعثت نبوی کے وقت اقوام و ملل عالم کا ذہنی و اخلاقی زوال ۷۷
مقالہ ۲۰ ۔ جاہلی عرب کے مذاہب ۷۹
مقالہ ۲۱ ۔ عرب میں اصلاحی مشکلات اور اہل کتاب کی تبلیغی ناکامی ۸۲
مقالہ ۲۲ ۔ عرب میں رومی اور ایرانی حکومتوں کی استعماری سرگرمیاں ۸۵

# فہرست مضامین سیرتِ کبریٰ جلد اوّل

فصل ۱ ۔ سرورِ انبیاء کا نسب مبارک ۸۹
فصل ۲ ۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نسب ۹۱
فصل ۳ ۔ حضرت خلیل کا آتش نمرود میں ڈالا جانا ۹۳
فصل ۴ ۔ ہاجرہ سے عقد اور حضرت اسمٰعیل کا تولد ۱۰۴
فصل ۵ ۔ حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ مکہ کے بیابان میں ۱۰۶
فصل ۶ ۔ مکہ معظمہ کی آبادی اور کعبۂ معلیٰ کی تعمیر ۱۰۹
فصل ۷ ۔ رسول الثقلین کی بعثت کے لیے حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا ۱۱۲
فصل ۸ ۔ حضرت ابراہیم کو منجانب اللہ بعثتِ سرور عالم کی بشارت ۱۱۳
فصل ۹ ۔ نبیٔ آخرالزمان علیہ السلام کے حق میں بائبل کی ایک اور بشارت ۱۱۵
فصل ۱۰ ۔ حضرت ابراہیم کا وصال ۱۱۷
فصل ۱۱ ۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی رحلت ۱۲۰
فصل ۱۲ ۔ حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کی بشارت ۱۲۴
فصل ۱۳ ۔ یسع علیہ السلام کی پیشین گوئی ۱۲۸
فصل ۱۴ ۔ بخت نصر کا خواب اور دانیال علیہ السلام کی تعبیر گوئی ۱۳۰
فصل ۱۵ ۔ دو یہودی عالموں کی طرف سے نبی آخرالزمان کی ہجرت گاہ کا احترام ملحوظ رکھنے کی تلقین ۱۳۲
فصل ۱۶ ۔ عرب پر بخت نصر کا حملہ اور معدّ کا حرّان پہنچایا جانا ۱۳۴
فصل ۱۷ ۔ معدّ کی اولاد ۱۳۶
فصل ۱۸ ۔ حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام کی پیشین گوئی ۱۳۷
فصل ۱۹ ۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ایک اور شہادت ۱۳۹

صفحہ
فصل ۲۰ ۔ اسرائیلیوں کے سر سے تاج نبوت و بادشاہت کا اتارا جانا ۱۴۰
فصل ۲۱ ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتیں ۱۴۱
فصل ۲۲ ۔ شاہ یمن کا بھولا ہوا خواب اور اس کی تعبیر ۱۵۱
فصل ۲۳ ۔ مکہ معظمہ میں بت پرستی کا آغاز ۱۵۵
فصل ۲۴ ۔ نضر بن کنانہ اور ان کی اولاد ۱۵۹
فصل ۲۵ ۔ بیت اللہ کی تولیت بنو خزاعہ کے ہاتھ میں ۱۶۱
فصل ۲۶ ۔ قصیّ بن کلاب کا عروج و اقتدار ۱۶۲
فصل ۲۷ ۔ بنو عبد مناف کی تولیت اور سرداری ۱۶۴
فصل ۲۸ ۔ ہاشم کی سیادت ۱۶۶
فصل ۲۹ ۔ عرب کے دو مشہور کاہنوں کا بعثت سید المرسلینؐ کی خبر دینا ۱۶۹
فصل ۳۰ ۔ عبد المطلب کی تولیت کعبہ ۱۷۳
فصل ۳۱ ۔ عبد المطلب کا رویائے صالحہ ۱۷۹
فصل ۳۲ ۔ حضرت خاتم الانبیاء کا جمال مبارک دیکھنے کی حسرت ۱۸۱
فصل ۳۳ ۔ سرور انبیاءؐ کے توسل سے یہود کا فتح کی دعائیں مانگنا ۱۸۲
فصل ۳۴ ۔ مکہ معظمہ پر اصحاب الفیل کی یورش ۱۸۴
فصل ۳۵ ۔ عبد المطلب کی اولاد ۱۸۹
فصل ۳۶ ۔ حضرت عبد اللہ بحیثیت ذبیح ۱۹۲
فصل ۳۷ ۔ جناب عبد اللہ کی شادی ۱۹۴
فصل ۳۸ ۔ حضرت عبد اللہ کا سفر آخرت ۱۹۷
فصل ۳۹ ۔ ولادت نبوی کی رات سرخ ستارے کا طلوع ۱۹۸
فصل ۴۰ ۔ ولادت حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۰۰
فصل ۴۱ ۔ حسن و جمال احمدی ۲۰۹
فصل ۴۲ ۔ اسمائے مبارکہ ۲۱۲
فصل ۴۴ ۔ شیر خوارگی ۲۱۵
فصل ۴۵ ۔ شق صدر و تطہیر جنان ۲۲۱

| | صفحہ |
|---|---|
| فصل ۴۶ ۔ مُہرِ نبوت | ۲۲۵ |
| فصل ۴۷ ۔ والدۂ مکرمہ کا سفرِ آخرت | ۲۲۷ |
| فصل ۴۸ ۔ عبدالمطلب کی کفالت | ۲۲۹ |
| فصل ۴۹ ۔ ابوطالب کی ولایت و پرورش میں | ۲۳۱ |
| فصل ۵۰ ۔ بچپن میں عادات وخصائل | ۲۳۲ |
| فصل ۵۱ ۔ طلبِ باران میں آنحضرت ؐ کا توسل | ۲۳۴ |
| فصل ۵۲ ۔ دشمنانِ دین کی طرف سے آپ کے قتل کی ناکام جدو جہد | ۲۳۶ |
| فصل ۵۳ ۔ شام کا پہلا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات | ۲۳۸ |
| فصل ۵۴ ۔ بکریاں چرانے کا مشغلہ | ۲۴۲ |
| فصل ۵۵ ۔ قوم کی طرف سے آمین کے معزز لقب کا پیشکش | ۲۴۴ |
| فصل ۵۶ ۔ حرب فجار میں بادلِ ناخواستہ شرکت | ۲۴۵ |
| فصل ۵۷ ۔ حلف الفضول میں شرکت | ۲۴۷ |
| فصل ۵۸ ۔ حضرت خدیجہ طاہرہ رضہ سے عقد ازدواج | ۲۵۰ |
| فصل ۵۹ ۔ حضرت زید رض کا مکہ آکر فروخت ہونا | ۲۵۷ |
| فصل ۶۰ ۔ سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیت تاجر | ۲۶۳ |
| فصل ۶۱ ۔ بعثت سے پہلے بتوں سے بُعد و اجتناب | ۲۶۴ |
| فصل ۶۲ ۔ قریش کے معمول کے خلاف آنحضرتؐ کا قیام عرفات | ۲۶۵ |
| فصل ۶۳ ۔ حلیمہ اور ان کے گھرانے سے حُسنِ سلوک | ۲۶۷ |
| فصل ۶۴ ۔ حجرِ اسود پہ باہمی نزاع کا حکیمانہ فیصلہ | ۲۶۹ |
| فصل ۶۵ ۔ قیس بن ساعدہ ایادی کا غائبانہ ایمان | ۲۷۲ |
| فصل ۶۶ ۔ زید بن عمرو موحد کا بعثت نبوی کی پیشین گوئی کرنا | ۲۷۴ |
| فصل ۶۷ ۔ اُمیہ بن ابوصلت کی حرمان نصیبی | ۲۷۸ |
| فصل ۶۸ ۔ نبیٔ آخر الزمانؐ کے شوقِ لقامیں وَرَقہ رض بن نوفل کا قصیدہ | ۲۸۱ |
| فصل ۶۹ ۔ فرشتوں کا خواب میں آنا اور پتھروں اور درختوں کا سلام کرنا | ۲۸۲ |
| فصل ۷۰ ۔ بچھڑے میں سے انسانی آواز | ۲۸۴ |

| | صفحہ |
|---|---|
| فصل ۹۶ ۔ قریش کا اعتراض کہ منصب نبوت کسی رئیس کے شایانِ شان تھا | ۳۴۴ |
| فصل ۹۷ ۔ پیغمبر زادیوں کو طلاق دلانے کی سفیہانہ کوشش | ۳۴۵ |
| فصل ۹۸ ۔ عُتیبہ کی فرومایگی اور اس کا عبرت ناک انجام | ۳۴۷ |
| فصل ۹۹ ۔ جبریل امین ؑ کا اپنی اصلی صورت میں بُرُوز و ظہور | ۳۴۹ |
| فصل ۱۰۰ ۔ اہل حق کے خلاف مجلس ایذا رسانی کا قیام | ۳۵۰ |
| فصل ۱۰۱ ۔ حضرت عثمانؓ پر چچا کا قہر و عتاب | ۳۵۲ |
| فصل ۱۰۲ ۔ حضرت طلحہؓ پر بڑوں کا عتاب | ۳۵۴ |
| فصل ۱۰۳ ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعیدؓ پر جور و ستم | ۳۵۵ |
| فصل ۱۰۴ ۔ حضرت سعدؓ اور ان کے بھائی کی استقامت | ۳۵۶ |
| فصل ۱۰۵ ۔ حضرت مُصعبؓ بن عُمیر زندانِ بلا میں | ۳۵۷ |
| فصل ۱۰۶ ۔ عبداللہ ذوالبجادین اور ہشامؓ بن عاص کی مظلومی | ۳۵۸ |
| فصل ۱۰۷ ۔ حضرات ابوجندلؓ اور عبداللہؓ کی قید و بند | ۳۶۰ |
| فصل ۱۰۸ ۔ حضرت خالدؓ بن سعید کا ابتلاء | ۳۶۰ |
| فصل ۱۰۹ ۔ حضرت سَلَمہ بن ہشام کی قید و بند | ۳۶۳ |
| فصل ۱۱۰ ۔ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کی استقامت | ۳۶۴ |
| فصل ۱۱۱ ۔ حضرت بلالؓ کے مصائب | ۳۶۵ |
| فصل ۱۱۲ ۔ حضرت خبابؓ کی داستانِ مصائب | ۳۶۸ |
| فصل ۱۱۳ ۔ حضرت عمار کا ابتلاء، اور ان کے والدین کا حادثۂ شہادت | ۳۶۹ |
| فصل ۱۱۴ ۔ حضرت صُہیبؓ اور حضرت ابوفکیہہ کی مظلومی | ۳۷۰ |
| فصل ۱۱۵ ۔ دوسرے لونڈی غلام جنہیں حضرت صدیق اکبرؓ نے آزاد کرایا | ۳۷۲ |
| فصل ۱۱۶ ۔ صحابۂ کرام کی استقامت اور حواریانِ مسیح علیہ السلام | ۳۷۴ |
| فصل ۱۱۷ ۔ انتقام جوئی سے باز رہنے کا فرمانِ رسالت | ۳۷۵ |
| فصل ۱۱۸ ۔ غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی | ۳۷۶ |
| فصل ۱۱۹ ۔ قریش کی طرف سے راہ تبلیغ میں مزاحمت | ۳۸۳ |
| فصل ۱۲۰ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن خوانی کی سزا | ۳۸۴ |

صفحہ
فصل ۱۲۱۔ آقائے دوجہاںؐ کو کلید بردار کا کعبہ میں داخل ہونے سے روکنا ۳۸۶
فصل ۱۲۲۔ قرآن کی حفاظت اور اس کے جمع کیے جانے کا وعدۂ خداوندی ۳۸۸
فصل ۱۲۳۔ قرآن کا سا پاکیزہ اور ہدایت آموز کلام پیش کرنے کی دعوتِ عام ۳۹۰
فصل ۱۲۴۔ قرآن میں سے بت پرستی کی مذمت خارج کر دینے کا مطالبہ ۴۰۰
فصل ۱۲۵۔ قرآن کے تدریجاً نازل کیے جانے پر جرح و قدح ۴۰۱
فصل ۱۲۶۔ قرآن کے عربی زبان میں نازل کیے جانے پر اعتراض ۴۰۳
فصل ۱۲۷۔ قرآن خوانی کے وقت بت پرستوں کا شور و غل ۴۰۴
فصل ۱۲۸۔ مُہبطِ وحی کو صابی، مجنون، شاعر، ساحر اور کاہن قرار دینے میں اعداء کی بدباطنی ۴۰۶
فصل ۱۲۹۔ محبوبؐ رب العالمین کو ابن ابی کبشہ سے ملقب کرنے کی شیطنت ۴۱۳
فصل ۱۳۰۔ ولید بن مغیرہ پر قرآن کی اثر انگیزی ۴۱۴
فصل ۱۳۱۔ ایک مشرک کی طرف سے ولید کے گناہ اُٹھانے کی ذمہ داری ۴۱۵
فصل ۱۳۲۔ اعداء کی ایک اور بدسگالی ۴۱۷
فصل ۱۳۳۔ حضرت طُفیل بن عمرو دوسی کے دل میں نورِ توحید کی جلوہ گری ۴۱۸
فصل ۱۳۴۔ معاندینِ رسالت کا ایک خاص اجتماع ۴۲۱
فصل ۱۳۵۔ منصبِ قضا سے حضرت صدیقِ اکبرؓ کی برطرفی ۴۲۳
فصل ۱۳۶۔ سرزمینِ حبشہ کی طرف مظلوم صحابہ کی پہلی ہجرت ۴۲۴
فصل ۱۳۷۔ ولید بن مغیرہ کی حمایت و جوار سے حضرت ابن مظعونؓ کی دست برداری ۴۲۷
فصل ۱۳۸۔ ایک پردیسی مظلوم کی داد رسی ۴۳۰
فصل ۱۳۹۔ نضر بن حارث کو اقدامِ قتل میں ناکامی ۴۳۲
فصل ۱۴۰۔ حضرت خباب صحابیؓ کی رقم دینے سے عاص بن وائل کا انکار ۴۳۴
فصل ۱۴۱۔ وقوعِ قیامت کے انکار پر قریش کا اصرار ۴۳۶
فصل ۱۴۲۔ فرزندِ گرامی کی رحلت پر لاولد رہنے کا طعن ۴۴۰
فصل ۱۴۳۔ آسمان سے نام بنام نوشتے اتارے جانے کا مطالبہ ۴۴۳
فصل ۱۴۴۔ نت نئے معجزے دکھلانے پر قریش کا اصرار ۴۴۴
فصل ۱۴۵۔ صدقِ نبوی جانچنے کے لیے نزولِ عذاب کا احمقانہ معیار ۴۴۶

صفحہ

فصل ۱۴۶ - فی الفور عذاب نہ نازل ہونے کے وجوہ واسباب ۴۴۹
فصل ۱۴۷ - نبوت محمدیؐ پر قریش کے سہ گانہ اعتراضات ۴۵۱
فصل ۱۴۸ - خزانہ نازل نہ ہونے یا فرشتہ کے مشایعت نہ کرنے کا اعتراض ۴۵۲
فصل ۱۴۹ - اشقیائے قریش کا قول کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں ۴۵۴
فصل ۱۵۰ - علمائے یہود کے پاس قریش کی سفارت ۴۵۵
فصل ۱۵۱ - ایک علمی استفسار کے لیے یہودی قاصد کا ورود مکہ ۴۵۷
فصل ۱۵۲ - اسلامی رفعت وترقی کا وعدہ عروج یوسفی کے رنگ میں ۴۵۹
فصل ۱۵۳ - قریش کے سامنے تصدیق نبوت کے سہل معیار ۴۶۰
فصل ۱۵۴ - بعض زعمائے قریش کی طرف سے مجلس نبوی میں حاضر ہونے کی خواہش ۴۶۲
فصل ۱۵۵ - نابینا صحابی سے بے اعتنائی کرنے پر مشفقانہ انتباہ خداوندی ۴۶۷
فصل ۱۵۶ - اپنے مفترض الطاعۃ نبی کی جان لینے کے لیے مخزومیوں کی سازش ۴۷۰
فصل ۱۵۷ - افضل الامت رضہ پر شوریدہ سر اعدائے دین کی یورش ۴۷۱
فصل ۱۵۸ - قوم کے اعراض وتمرد پر رحمت عالمؐ کا رنج وقلق ۴۷۵
فصل ۱۵۹ - عامۂ قریش کے قبول اسلام اور اتباع رسولؐ کی پیشین گوئی ۴۷۶
فصل ۱۶۰ - زعمائے قریش کو اُن کے غرۂ اموال واولاد پر سرزنش ۴۸۰
فصل ۱۶۱ - زعمائے قریش کی ہلاکت کی پیش گوئی ۴۸۱
فصل ۱۶۲ - سرور انبیاءؐ کو اپنے قبیلہ قریش سے شغف ۴۸۲
فصل ۱۶۳ - غلبۂ روم کی پیشین گوئی ۴۸۴
فصل ۱۶۴ - وصال نبوی کے بعد بعض پیش گوئیوں کے ظہور کا وعدۂ خداوندی ۵۰۰
فصل ۱۶۵ - صحابۂ کرام رضہ کو معبودان باطل پر سب وشتم کا امتناع ۵۰۲
فصل ۱۶۶ - رضاعی والدہ کی سعادت اندوزیٔ ایمان ۵۰۳
فصل ۱۶۷ - ابوطالب کے پاس قریش کا وفد ۵۰۴
فصل ۱۶۸ - رسول اللہ کی جاں ستانی کا متفقہ فیصلہ ۵۰۹
فصل ۱۶۹ - ابوطالب کو تمام قبائل عرب کے چڑھ آنے کا خدشہ ۵۱۱

# فہرست مضامین سیرت کبریٰ جلد ۲

| | صفحہ |
|---|---|
| فصل ۱۷۰۔ قریش کی طرف سے ہاشمیوں کا عام مقاطعہ | ۵۱۳ |
| فصل ۱۷۱۔ حبشہ کی طرف صحابہ کرامؓ کی دوسری ہجرت | ۵۱۵ |
| فصل ۱۷۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عزم حبشہ | ۵۱۹ |
| فصل ۱۷۳۔ شاہ حبشہ کے پاس قریش کی سفارت | ۵۲۰ |
| فصل ۱۷۴۔ حضرت سیّد المرسلینؐ کو زن، زر اور حکومت کا پیشکش | ۵۳۷ |
| فصل ۱۷۵۔ ہادیٔ عالمؐ کا ارشاد کہ میں کسی سے تبلیغ کی اجرت نہیں چاہتا | ۵۴۰ |
| فصل ۱۷۶۔ قریش کی طرف سے ایک دوسرے کے معبودوں کی پرستش کرنے کی تجویز | ۵۴۲ |
| فصل ۱۷۷۔ مسیحی وفد کی سعادت اندوزی اسلام | ۵۴۴ |
| فصل ۱۷۸۔ حضرت حمزہؓ آغوش اسلام میں | ۵۴۵ |
| فصل ۱۷۹۔ حضرت عمرؓ کے نہاں خانۂ دل میں اسلام کی جلوہ گری | ۵۴۹ |
| فصل ۱۸۰۔ حضرت عمرؓ بت پرستوں کے نرغہ میں | ۵۵۸ |
| فصل ۱۸۱۔ عہد مقاطعہ کی تنسیخ اور ہاشمیوں کی گھروں کو واپسی | ۵۶۲ |
| فصل ۱۸۲۔ ایک بطلِ جلیل پر فتح عظیم | ۵۶۸ |
| فصل ۱۸۳۔ ابوطالب کی رحلت | ۵۷۲ |
| فصل ۱۸۴۔ اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کا سفر آخرت | ۵۷۶ |
| فصل ۱۸۵۔ ابولہب کی طرف سے سرور عالمؐ کی عارضی حمایت و تائید | ۵۷۹ |
| فصل ۱۸۶۔ حضرت عائشہؓ اور محترمہ سودہؓ سے عقد تزویج | ۵۸۲ |
| فصل ۱۸۷۔ واجب الاطاعت نبیؐ سے درندانہ سلوک | ۵۸۷ |
| فصل ۱۸۸۔ مجلس ایذارسانی کی جدید حشر انگیزیاں | ۵۸۸ |
| فصل ۱۸۹۔ عقبہ کا حالت سجدہ میں دوش مبارک پر نجس اوجھ رکھنا | ۵۹۳ |
| فصل ۱۹۰۔ مشرک ہمسایوں کی روحانی و جسمانی ایذارسانیاں | ۵۹۵ |
| فصل ۱۹۱۔ حضرت زُبیر بن عوام کا جذبۂ فدویت | ۵۹۷ |
| فصل ۱۹۲۔ حضرت طُلَیبؓ کے جاں نثارانہ جذبات | ۵۹۸ |

صفحہ
فصل ۱۹۳ - ایذارسانی کی بعض نامراد کوششیں ۵۹۹
فصل ۱۹۴ - قریش کو سرورِ عالمؐ کا حق قرابت جتلانا اور قوم کی ناسپاسی ۶۰۲
فصل ۱۹۵ - اعجوبہ نما معجزات کے لیے قریش کی جاہلانہ استدعا ۶۰۴
فصل ۱۹۶ - حضرت ابوذر غفاری رضہ کی خونیں پرسش ۶۱۰
فصل ۱۹۷ - حج کے اجتماع اور میلوں میں توحیدِ الٰہی کی دعوت ۶۱۳
فصل ۱۹۸ - ایاس بن معاذ کے کشت زارِ دل میں اسلام کی آبیاری ۶۱۷
فصل ۱۹۹ - سیدہ زینبؓ کی اشک باری اور خواجۂ عالمؐ کی تلقینِ صبر ۶۱۸
فصل ۲۰۰ - ابن زبعری کا جاہلانہ استدلال ۶۲۱
فصل ۲۰۱ - قریش پر عذاب قحط مسلط ہونے کی پیش گوئی ۶۲۲
فصل ۲۰۲ - مستہزئین نافرجام کی بدانجامی ۶۲۵
فصل ۲۰۳ - مسجد اقصیٰ میں انبیائے کرام کی امامت اور امام الانبیاءؐ کا سماوی عروج ۶۲۸
فصل ۲۰۴ - جنّات کی سعادتِ ایمانی اور حضرت سلطان الانبیاءؐ سے ملاقاتیں ۶۸۸
فصل ۲۰۵ - طائف کا تبلیغی سفر ۶۹۵
فصل ۲۰۶ - طائف سے مراجعت اور آلِ مُطعِم کی حمایت و جوار ۷۰۰
فصل ۲۰۷ - فریضۂ تبلیغ میں ابولہب اور ابوجہل کی مزاحمت ۷۰۳
فصل ۲۰۸ - قبیلۂ بنو شیبان کو دعوتِ حق ۷۰۷
فصل ۲۰۹ - مزید تبلیغی دَورے ۷۰۹
فصل ۲۱۰ - اہل یثرب کی بیعتِ اسلام ۷۱۲
فصل ۲۱۱ - مدینہ منورہ میں نمازِ جمعہ کا قیام ۷۱۸
فصل ۲۱۲ - قریش کے پاس مسلمانانِ مدینہ کی سفارت ۷۲۰
فصل ۲۱۳ - عمرو بن جموح دائرۂ اسلام میں ۷۲۱
فصل ۲۱۴ - تہتر انصارِ مدینہ کے ہمراہ حضرت مُصعب کا ورودِ مکہ ۷۲۲
فصل ۲۱۵ - معجزۂ شق القمر ۷۳۴
فصل ۲۱۶ - دارالامان مدینہ کو صحابۂ کرام رضہ کی ہجرت فرمائی ۷۳۸
فصل ۲۱۷ - حضرت امّ سلمہؓ کے مصائب ہجرت ۷۴۶

صفحہ

فصل ۲۱۸۔ ابوجہل کا اپنے مہاجر بھائی کو مدینہ منورہ سے واپس لانا ۷۴۸
فصل ۲۱۹۔ شفیق عالمؐ کا ارشاد کہ کون بہادر ہے جو عیاش اور سلمہؓ کو قید سے چھوڑا لائے؟ ۷۵۰
فصل ۲۲۰۔ مہاجرینِ عظام کے فضائل ۷۵۱
فصل ۲۲۱۔ حضرت سیدالمرسلینؐ کی ہجرت مقدسہ ۷۵۴
فصل ۲۲۲۔ قُبا میں ورود ۷۸۱
فصل ۲۲۳۔ مدینہ منورہ میں داخلہ اور عدیم النظیر خیر مقدمؐ ۷۸۸
فصل ۲۲۴۔ مدنی آب و ہوا کے خوشگوار ہونے کی دعا ۷۹۵
فصل ۲۲۵۔ حضرت صرمہ بن ابی انس انصاریؓ کی سعادتِ ایمانی ۷۹۶
فصل ۲۲۶۔ یہود کے اعلم العلماء حضرت عبداللہ بن سلام آغوشِ اسلام میں ۷۹۹
فصل ۲۲۷۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی سعادت اندوزیٔ اسلام ۸۰۴
فصل ۲۲۸۔ مہاجرین کرام کے مکان کی فروخت ۸۱۰
فصل ۲۲۹۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ کی رحلت ۸۱۱
فصل ۲۳۰۔ نبیٔ آخرالزماںؐ کی بعثت کا مژدہ سنانے والے یہودی عالم کی حرماں نصیبی ۸۱۲
فصل ۲۳۱۔ چاہ رومہ کی خریداری اور مسجد نبوی کی تعمیر ۸۱۳
فصل ۲۳۲۔ مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر ۸۱۸
فصل ۲۳۳۔ اہل بیتِ اطہار کا قدومِ مدینہ ۸۲۲
فصل ۲۳۴۔ بے خان و مان مساکینِ ملت کے قیام و طعام کا انتظام ۸۲۶
فصل ۲۳۵۔ سواد بن قارب کا قبول اسلام۔ ۸۳۲
فصل ۲۳۶۔ مہاجرین و انصار میں اخوت و یگانگت کا قیام ۸۳۴
فصل ۲۳۷۔ مدینہ منورہ میں منافقوں کی فتنہ پرور جماعت کا ظہور ۸۳۸
فصل ۲۳۸۔ یہود سے معاہدۂ صلح ۸۴۵
فصل ۲۳۹۔ ہجرت کے بعد قریش کی جدید فتنہ انگیزی ۸۴۷
فصل ۲۴۰۔ دو یہودی عالموں کا عذر لنگ ۸۵۱
فصل ۲۴۱۔ سرورِ عالمؐ کے خُلق عظیم سے متأثر ہو کر یہودی عالم کا قبول اسلام ۸۵۲
فصل ۲۴۲۔ اسلام کی تائید میں یہودی عالم کی جاں سپاری ۸۵۴

صفحہ
فصل ۲۴۳ - ایک یہودی عالم اور ایک یہودی سردار کی تصدیق نبوت ۸۵۶
فصل ۲۴۴ - حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نبوت تسلیم کرنے میں پیغمبر عربی کی دلیل صدق ۸۵۷
فصل ۲۴۵ - اسرائیلیوں کے سیاسی اور مذہبی عروج کی تاریخی اہمیت ۸۵۸
فصل ۲۴۶ - یہود کو کفرانِ نعمت اور ناسپاسی کی سزا ۸۶۰
فصل ۲۴۷ - حضرت سید الانام ﷺ سے یہودی سردار کی کینہ توزی ۸۶۳
فصل ۲۴۸ - یہود کا زعم و ادعا کہ دنیا میں ہمارے سوا اللہ کا کوئی ولی نہیں ۸۶۵
فصل ۲۴۹ - یہودی قوم کے اعراض و انکار کے اسباب ۸۶۷
فصل ۲۵۰ - حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں ایک گستاخ یہودی کی سرکوبی ۸۶۹
فصل ۲۵۱ - دو یہودی مجرموں کا سنگسار ۸۷۱
فصل ۲۵۲ - سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی ۸۷۳
فصل ۲۵۳ - تحویل قبلہ و فرضیت رمضان ۸۹۸
فصل ۲۵۴ - اسیرانِ پنجۂ ظلم کو مکہ سے برآمد کرانے کی جدوجہد ۹۰۳
فصل ۲۵۵ - عمایدِ قریش کے خار وجود سے ارضِ حرم کا پاک کیا جانا ۹۰۵
فصل ۲۵۶ - مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ۹۰۶
فصل ۲۵۷ - بدر کے میدانِ کارزار میں لشکر اسلام کی شاندار فتح ۹۱۴
فصل ۲۵۸ - حضرت نوفلؓ بن حارث ہاشمی کی سعادتِ ایمانی ۱۰۱۰
فصل ۲۵۹ - جگر پارۂ رسول سیدہ رقیہؓ کی رحلت ۱۰۱۱
فصل ۲۶۰ - ابولہب کی ذلت آفرین ہلاکت ۱۰۱۴
فصل ۲۶۱ - ہزیمت بدر کی انتقام جوئی ۱۰۱۶
فصل ۲۶۲ - بادۂ حق سے حضرت ابان بن سعید کی مخموری ۱۰۱۷
فصل ۲۶۳ - سیدہ زینبؓ بنت النبی ﷺ کی ہجرت ۱۰۱۸
فصل ۲۶۴ - مخفی راز کے انکشاف پر عازم قتل عدو کی حیرت اور اس کے باطن میں نور توحید کی جلوہ گری ۱۰۲۱
خاتمۃ الکتاب ۱۰۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ذِی الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ
النَّبِیِّ الْاَکْرَمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ خَیْرِ الْاُمَمِ۔

## وقائع نبوی کی تدوین کا اہتمام

جریدۂ عالم پیغمبر عربی سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی ایسے نبیٔ مرسل، داعیٔ ملت یا قومی مصلح کی مثال پیش نہیں کر سکتا، جس کے تمام اقوال و افعال اور عادات و خصائل خاص اہتمام کے ساتھ مدوّن و منضبط کیے گئے ہوں اور قرناً بعد قرنٍ پوری احتیاط کے ساتھ منقول ہوتے چلے آئے ہوں اور پھر کامل اطمینان کے لیے اُن کے تمام راویوں کے حالات دریافت کیے گئے ہوں اور تحقیق کی گئی ہو کہ ان میں سے ہر ایک ثقہ اور صادق البیان تھا یا نہیں ؛ فاسق فاجر، دروغ گو، جاہل یا وہ گو یا بد مذہب تو نہیں تھا ؛ اس کے حافظہ اور یادداشت کی کیا کیفیت تھی ؛

آج خدا کے برگزیدہ رسول مقبول علیہ التحیۃ والسلام کو اِس عالم صُوری سے رخصت ہوئے قریباً چودہ صدیاں گزر چکیں، مگر آپ کے واقعات زندگی اس تفصیل و تنقیح کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہیں کہ انسانیت کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ صفحۂ ارضی پر نہ کوئی ایسی قوم گزری اور نہ آج پیش کی جا سکتی ہے جس نے اپنے ہادی و رہبر کے حالات اس اہتمام اور شرح و بسط سے جمع کیے ہوں جس طرح وابستگانِ اُسوۂ رسولِ انام نے کیے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ کے لوگ اشرفِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آپ سے اتنے ہی قریب پاتے رہیں گے، جس قدر کہ آپ اپنے تربیت یافتہ اصحاب سے قریب تھے۔

## غیر مسلم اہل قلم کی شہادت

انگلستان کے شہرۂ آفاق مستشرق مسٹر جون ڈیون پورٹ نے اس حقیقت باہرہ کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"یہ امر بالکل یقینی ہے کہ دنیا کے تمام مشہور مقننوں اور فاتحوں میں سے کسی ایک کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا، جس کے وقائع عمری محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی کی طرح کامل ثقاہت و صداقت اور پوری تفصیل کے ساتھ مل سکتے ہوں۔" (اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن مطبوعۂ لندن صفحۂ اول)

### ختمِ نبوت کی بُرہانِ قاطع

انبیاء و رُسل کی بعثت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا اور ہمارے پاس انقطاعِ نبوت کے سیکڑوں دلائل موجود ہیں؛ لیکن اگر بالفرض اس کا کوئی اور ثبوت نہ ہوتا تو یہی ایک برہانِ قاطع کافی تھی کہ اگر پیغمبرِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد دنیا میں کوئی نبی مبعوث ہونے والا تھا، تو آپ کے وقائعِ حیات بھی اسی طرح طاقِ نسیان کی نذر ہو جاتے، جس طرح انبیائے سابقین علیہم السلام کے حالاتِ زندگی نسیاً منسیا ہو چکے تھے اور ان کی تدوین کی طرف لوگوں کو کوئی التفات نہ ہوتا۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ انبیائے سلف میں سے کسی نبی کے تفصیلی حالاتِ زندگی دنیا میں موجود نہیں ہیں، حالانکہ اُن میں متعدد ایسے رسول بھی تھے جن کے ماننے والے ہر زمانہ میں صفحۂ ہستی پہ کروڑوں کی تعداد میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں، تو عقلِ دور اندیش یہی فیصلہ کرتی ہے کہ پہلے انبیاء کا دورِ نبوت و رسالت منقضی ہو چکا تھا، اس لیے ان کے تفصیلی حالاتِ زندگی کی بقا بھی غیر ضروری تھی۔ بخلاف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی نبوت و شریعت کا سلسلہ ابدالآباد تک جاری و مستمر رہنے والا تھا، اس لیے خدائے حکیم کی قدرتِ قاہرہ نے آپ کے کلی و جزئی سوانحِ حیات کے حفظ و بقا کا غیر معمولی اہتمام فرمایا۔

### ضرورتِ تالیف

حضرت سیّد موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مبارکہ پر مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں آج تک سیکڑوں ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اردو زبان میں بھی اس کا کافی ذخیرہ موجود ہے، لیکن آج تک اُردو کی کوئی ایسی سیرت راقم کی نظر سے نہیں گزری جس میں آپ کے تمام ضروری احوال اور وہ ساری اہم تفصیلات مندرج ہوں کہ سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری جن کی مقتضی ہے۔ آپ کی نبوت کے تمام اہم آثار و کیفیات کا منظرِ عام پر لانا، کہ ہر متنفس آپ کی نبوت کا ذوق شناس ہو سکے، ہمارا قومی و مذہبی فریضہ ہے۔ گو آپ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، مگر آپ کی سیرتِ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات و ارشاداتِ گرامی ہمارے سامنے ہیں۔ اُن سے ہر شخص آپ کی نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے۔

پس ضرورت ہے کہ آپ کے زیادہ سے زیادہ محاسن و کمالات سے جو ثقہ راویوں سے منقول ہیں لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔ بنابریں اس خاکسار ہیچ مداں نے متوکلاً علی اللہ ارادہ کیا کہ آپ کی حیات طیبہ کے صحیح و مستند حالات بالتفصیل مرتب کرے۔ چنانچہ راقم آثم کی طرف سے یہ اوراق "سیرت کبریٰ" کے نام سے قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

**عقاید اور امور آخرت میں تاویل کاری** عہد حاضر میں بہت سے مصنف اور تاریخ نگار خصوصاً وہ حضرات جنہیں مغربی تعلیم حاصل کرنے کا امتیاز حاصل ہے، اپنی تالیفات میں نہایت بے باکی کے ساتھ اسلامی سواد اعظم کے دائرہ سے نکل کر اعتزال بلکہ الحاد و زندقہ کی سرحدیں جا پڑتے ہیں۔ لیکن یہ انتہا درجہ کی محرومی و زیاں کاری ہے۔ عالم بعد الطبیعت میں قدم رکھتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اب ہم سائنس کی قلمرو سے باہر ہیں۔ امور آخرت سے متعلق بجز اس کے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات حقہ اور ثقہ راویوں کے بیانات پر بھروسہ کیا جائے، توجیہ و تاویل سے کام نہیں چل سکتا۔ عقاید اور مذہبی تعلیمات کی دنیا سائنس کی حکومت سے بالکل باہر ہے۔ اگر ہم عقائد اور امور آخرت کے باب میں تاویل و تحریف کا سہارا لیں گے تو عامۃ الناس کو ہدایت کا راستہ دکھانے کے بجائے قعر ضلالت میں دھکیل دیں گے۔

**معجزات انبیاء** خرق عادت کا ظہور بھی منجملہ دلائل نبوت کے ایک زبردست دلیل ہے اور معجزات اکثر حالات میں نبوت کے لیے لازم ہیں۔ پس کسی نبی کی سیرت زیب رقم کرتے ہوئے کسی اعجازی واقعہ کو معجزہ کے لباس سے عاری کر دینا دراصل نبی کے معجزات اور اس کے باطنی تصرف کا انکار ہو گا۔ چونکہ ملاحدۂ دہر معجزات کا تذکرہ پڑھ کر بدکتے اور وحشت زدہ ہوتے ہیں، ہمارے بعض "مصلحت اندیش" سیرت نگاروں نے ابنائے تعلیم جدید کو مطمئن کرنے کی بے سود کوشش میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع زندگی کو معجزات کے حلیۂ دل آویز سے عاری کر دیا ہے اور اعجازی واقعات کی صورت کچھ ایسی مسخ کی ہے کہ واقعہ خارق عادت نہیں رہا بلکہ ایک معمولی سانحہ بن گیا ہے، حالانکہ اس سے نبی اور غیر نبی میں کچھ نمایاں فرق اور بیّن امتیاز نہیں رہ جاتا۔ لیکن راقم السطور نے بتوفیق ایزدی واقعات کو ان کی اصلی حیثیت پر برقرار رکھا ہے اور ہر اعجازی وقوعہ کو اس کے حقیقی رنگ میں پیش کیا ہے۔

**حوالہ جات** اس کتاب میں جہاں کہیں واقعات کی نسبت کتابوں کے مختلف حوالے

دیے ہیں، اُن سے یہ غرض و منشا نہیں کہ یہ بیان سب کتابوں میں بدیں الفاظ بجنسہٖ درج ہے بلکہ ہر جگہ محض مضمون کا ماخذ بتلایا گیا ہے۔ مثلاً جس جگہ بخاری، طبری اور ابن سعد کا حوالہ ہے وہاں یہ جتلانا مقصود ہے کہ یہ اندراج صحیح بخاری، تاریخ طبری اور طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہے، نہ یہ کہ تینوں نے یہ واقعہ ان لفظوں میں یکساں نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں راقم نے کئی جگہ مختلف روایتوں کو باہم متداخل و مخلوط کر کے ایک مربوط و مسلسل مضمون بنا دیا ہے۔ حالانکہ اگر ان مختلف مآخذ کو الگ الگ دیکھا جائے گا تو کسی میں اس ترتیب سے مسلسل عبارت نہ ملے گی جو بحالت تداخل کتاب میں زیب رقم ہوئی۔ اس ضروری صراحت کو ذہن نشین رکھتے ہوئے حوالوں کے بارہ میں اکثر غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

## ایک افسوسناک فروگزاشت

"سیرت کبریٰ" کی کتابت میں ایک افسوسناک تسامح یہ ہو گیا ہے کہ فصل ۴۲ کے بجائے فصل ۴۳ لکھا گیا اور پھر عدد کی یہ فروگزاشت دوسری جلد کے آخر تک مسلسل چلی گئی۔ اس مسامحت کا احساس نہ تو کاپیوں کی تصحیح کے وقت ہوا اور نہ پروف پڑھتے وقت توجہ ہوئی۔ آخر جب فہرست مضامین سپرد قرطاس ہوئی تو معلوم ہوا کہ ۴۲ کی گنتی چھوٹ گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی فصل اندراج سے رہ گئی، بلکہ محض ۴۲ کا شمار قلم انداز ہو گیا۔ گو یہ غلطی سیرت کے کسی واقعہ پر لفظاً یا معناً ہرگز اثر انداز نہیں، تاہم غلطی کو غلطی ہی سے تعبیر کیا جائے گا گو کسی درجہ میں ہو۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ط

# مُقدّمہ

اِن ابتدائی صفحات پر حضور سرورِ کون و مکان صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے پڑھنے والوں کی بصیرت افروزی کے لیے ایسے اہم مقالات حوالۂ قرطاس ہوں گے، جن پر آپ کے مقامِ نبوت اور مدارجِ کمال اور اکثر حالات و واقعات کا سمجھنا موقوف ہے۔ ان کے اندراج کے بعد ان شاء اللہ العزیز اصل کتاب "سیرت کبریٰ" شروع ہوگی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَ عَلَیْہِ التُّکْلَانُ ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلٰہُ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ط وَ قَیُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ ط وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَاِمَامًا لِّلْمُتَّقِیْنَ وَ حُجَّۃً عَلَی الْخَلَآئِقِ اَجْمَعِیْنَ ط وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰٓی اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ط وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَصَحَابَتِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ ۰

# مقالۂ اوّل۔ آسمان کی نُوری اور زمین کی ناری مخلوق

وحیِ الٰہی کی بحث سے پہلے وجودِ ملائکہ کے مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس بحث کے ضمن میں جنّات اور شیاطین کا تذکرہ بھی بالاجمال قلمبند ہوگا۔

**خالق و مخلوق میں رابطہ و توسط کی ضرورت**

ظلمانی انسان جس قدر محاسن و کمالات سے متصف ہے اور اسے جو کچھ مادّی و روحانی کامرانیاں حاصل ہیں، وہ سب ذاتِ لطیف یعنی ربّ السمٰوات والارض کا فیضان ہے۔ مگر چونکہ ہمارا

خالقِ کردگار ذو جسم نہیں، اور نہ وہ دکھائی دیتا ہے، اور نہ کسی جگہ یا مکان کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے حصولِ فیضان اور باہمی مناسبت کے لیے کسی ایسے درمیانی ذریعہ کی ضرورت ہوئی جو من وجہٖ اپنی لطافت کی وجہ سے ذاتِ لطیف کے ساتھ کوئی مناسبت رکھتا ہو، اور من وجہٖ اپنی کثافت کے باعث عالمِ کثیف سے بھی متعلق ہو۔ پس اس درمیانی واسطہ و ذریعہ کو جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان قائم ہے، فرشتہ یا ملک کہتے ہیں۔

اس نوری مخلوق کا وجود عقل و درایت کے لحاظ سے بھی ضروری ہے، کیونکہ جانداروں کی عقلی تقسیم ان اقسامِ سہ گانہ کے وجود کی مقتضی ہے۔ پہلی قسم ناطق و گویا (یعنی بولنے والی) اور قابلِ فنا ہستی یعنی انسان ہے۔ دوسری قسم کی جاندار مخلوق وہ ہے جو ناطق نہیں مگر فانی ہے، اور وہ بہائم، طیور اور حشرات ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو ناطق و گویا بھی ہے اور فنا پذیر بھی نہیں، اور وہ فرشتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ ان تینوں قسموں میں ادنیٰ ترین مخلوق وہ ہے جو گفتگو کی بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور فانی بھی ہے۔ اور اوسط درجہ کی مخلوق وہ ہے جو ناطق و گویا تو ہے، مگر اسے موت سے چارہ نہیں، اور وہ انسان ہے۔ اور سب سے اعلیٰ و اشرف وہ صنف ہے جسے قوتِ گویائی بھی حاصل ہے اور اس پر موت و فنا بھی وارد نہیں ہوتی، اور وہ فرشتے ہیں۔

### عالمِ عُلوی کی فضیلت وجودِ ملائکہ سے

پس ظاہر ہے کہ جب خدائے حکیم و خبیر عزّ اسمہٗ کی حکمت نوازی اوسط اور ادنیٰ نوع کی پیدائش کی مقتضی ہوئی تو شرف و اعلیٰ کی تکوین و تخلیق کو بھی ضرور چاہے گی۔ مزید براں فطرت اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ عالمِ عُلوی عالمِ سفلی سے اشرف و برتر ہے۔ اور اس امر پر بھی شاہد ہے کہ زندگی عقل اور گویائی اپنے اضداد و مقابلات یعنی فنا، بے عقلی اور بے زبانی سے اعلیٰ و افضل ہیں۔

پس یہ امر بعید از قیاس ہے کہ یہ ظلمانی دنیا تو زندگی، عقل اور گویائی سے بہرہ مند ہو مگر عالمِ علوی جو نور و ضیاء کا منبع و مخزن ہے، ان صفات سے محروم رہے۔ اسی طرح اربابِ دانش اور اصحابِ بینش اس پر بھی متفق ہیں کہ جس طرح عالمِ سفلی کا شرف اور قدر و منزلت انسان کی ذات سے ہے اسی طرح عالمِ علوی کی زینت و فضیلت ملائکہ کے وجود سے ہے۔ اور جس طرح یہ مادی عالم نظام و قانون کا پابند ہے، اسی طرح خدائے حکیم و برتر نے عالمِ ملکوت میں بھی ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ بلکہ عالمِ ناسوت کا نظم و نسق دراصل عالمِ ملکوت ہی سے وابستہ ہے اور ملائکہ منجانب اللہ عالمِ سفلی کے مدبر و منتظم ہیں۔

## ملائکہ کے خواص وصفات

فرشتے نوری مخلوق اور جسیم ہیں مگر اس قدر لطیف جسم رکھتے ہیں کہ ظاہری آنکھ ان کو نہیں دیکھ سکتی، گویا کہ روحیں ہیں۔ ملائکہ کو ایسی روحیں عطا کی گئی ہیں کہ وہ حسب ضرورت ہر جسمانی پوشاک کو زیب تن کر سکتے ہیں، اور عالم اجسام کے ہر مقام پر ہر رنگ میں نمودار ہو سکتے ہیں۔ قیوم السموات والارض نے انہیں بڑے بڑے عجائب وغرائب پر قدرت بخشی ہے۔ وہ معصوم محض اور خیر محض ہیں۔ ان میں نافرمانی کا مادہ نہیں رکھا گیا۔ اسی بنا پر تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔ اطاعت، فرمان پذیری، اور عبادت الٰہی کے سوا، ان کا کوئی مشغلہ نہیں۔ انہیں جو صفات وکمالات بخشے جاتے ہیں، سب یک بارگی پیدائش کے وقت عطا کر دیے جاتے ہیں۔ اس حالت پر کوئی اضافہ یا انحطاط نہیں ہوتا۔ پس وہ ترقی وتنزل، جوانی، بڑھاپے، توانائی اور کمزوری کے جھمیلوں سے بری ہیں۔ وہ نر اور مادہ کی تقسیم بھی نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے توالد وتناسل کے قضیہ سے پاک ہیں۔

بعض روایتوں میں جو از روئے اسناد کچھ ایسی قابل اعتماد نہیں ہیں مذکور ہے کہ فرشتے آسمانوں میں ہر جگہ موجود ہیں وہاں ایک قدم رکھنے کی بھی ایسی جگہ نہیں، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع وسجود میں مصروف نہ ہو۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انسان تعداد میں جنات کا دسواں حصہ ہیں اور انسان اور جن دونوں مل کر بری جانداروں کا دسواں حصہ ہیں اور یہ تینوں اقسام مل کر پرندوں کے دسویں حصہ کے برابر ہیں۔ اور یہ تمام مل کر حیوانات بحر کا دسواں حصہ ہیں۔ اور یہ سب مخلوق مجتمعاً ملائکۂ ارض کا دسواں حصہ ہیں۔ اور ملائکۂ سموات کی تعداد کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ واللہ اعلم

## ملائکہ کی دو اصولی قسمیں

ملائکہ کی اصولی قسمیں جن کے نیچے سیکڑوں چھوٹے چھوٹے اقسام ہیں دو ہیں۔ ملائکۂ تربیت اور ملائکۂ ہلاکت۔ ملائکۂ تربیت کے سرگروہ جبرئیل اور میکائیل ہیں۔ ملائکۂ ہلاکت کے سرگروہ اسرافیل اور عزرائیل ہیں۔ جبرئیل جن کو عقل کل اور معلم اول بھی کہتے ہیں، روحانی تربیت کے رکن ہیں اور میکائیل جسمانی تربیت کے۔ اسی طرح اسرافیل ہلاکت کلی کے کارندہ ہیں اور عزرائیل جزئی ہلاکتوں کے۔ یہ چاروں فرشتے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام دنیا کے ارکان اربعہ ہیں۔ پھر ان چاروں کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ملائکہ میں ان کی وہی حیثیت ہے جو انبیاء علیہم السلام میں ہمارے آقا ومولیٰ سیدنا احمد مجتبیٰ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

جبرئیل جامع الحیثیات ہیں۔ وہ ہر کام کر سکتے اور کرتے ہیں جس طرح وہ تربیت روحی کے

لیے انبیاء علیہم السلام تک خدائے برتر کا پیام و کلام لایا کرتے تھے اور لیلۃ القدر میں آکر عابدین سے معانقہ کرتے ہیں، اسی طرح کبھی کبھی زمین پر عذاب الٰہی لاکر اسرافیلی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔ انہوں نے تن تنہا حضرت لوط علیہ السلام کے شہر کو اٹھا کر الٹ دیا تھا۔ لیکن ان کی ممتاز خدمت انسانوں کی روحانی تعلیم و تربیت ہے۔ اسی بنا پر وہ روح القدس اور روح الامین کے ناموں سے بھی موسوم ہیں۔ ہمارے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عموماً دحیہ کلبی نام ایک نہایت حسین و جمیل صحابی کی شکل میں آیا کرتے تھے۔

### ضرورتِ وحی سے انکار

بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب خدا کی قدرت ہر جگہ کارفرما ہے اور سفیر و قاصد بھیجے بغیر الہام و القاء سے بھی کام چل سکتا تھا تو انبیاء کے پاس فرشتہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ معترضین کے نزدیک یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ خدائے حکیم و قدیر جو علۃ العلل یا علتِ اولیٰ ہے نزولِ باران کے لیے پہلے آفتاب کی شعاعیں سمندر پر ڈالتا ہے اور تمازت و حرارت آفتاب سے پانی کو بخارات کی شکل میں منتقل کرتا ہے۔ پھر ہواؤں کے ذریعہ سے انہیں خشکی کے اوپر فضائے عالم میں لاتا ہے۔ پھر انہیں ٹھنڈی ہواؤں سے کثیف کر کے بادل کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ غرض اتنے اسباب و وسائط کے بعد پانی برسا کر اسے نباتات کی روئیدگی کا سبب بناتا ہے۔ لیکن تو ابھی دیکھو کہ جب انہی قائلین اسباب سے کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک مَلَکی وجود کو اپنی پیام رسانی کا ذریعہ بنایا تو اس سے انکار کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی آنکھ تاریکی میں نہیں دیکھ سکتی بلکہ ظاہری دید و بصارت کے لیے انسانی آنکھ دن کی روشنی کی محتاج ہے لیکن حیرت ہے کہ وہ روحانی آنکھوں کے لیے کسی آسمانی و ملکوتی روشنی کی ضرورت سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ظاہر ہے کہ کوئی بشر دار دنیا میں خدا کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، اس لیے نبیوں کے پاس مَلَک مقرب کو پیغامبر کی حیثیت سے بھیجا جاتا تھا تاکہ اس سے اطمینان کے ساتھ بالمشافہہ گفتگو کر کے ہر معاملہ میں حقیقت حال معلوم کر سکیں اور ظاہر ہے کہ عالمِ روحانی سے عالمِ جسمانی کی طرف پیغام لانے کے لیے لطیف وجود (فرشتہ) ہی موزوں ہو سکتا تھا جو دو مختلف عالموں کے درمیان واسطہ و ذریعہ بن سکتا۔

### جبرئیلؑ کلام الٰہی کہاں سے لاتے تھے؟

بعض دفعہ یہ بھی سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت

جبریلؑ جو انبیاء علیہم السلام کے پاس کلام لاتے تھے تو اسے کہاں سے اور کس طرح حاصل کرتے تھے؟ کیا براہِ راست رب العالمین سے سنتے تھے یا کہیں سے لکھا ہوا دیکھ آتے تھے؟

اس کی نسبت التماس ہے کہ ملائکہ مقربین اپنی نورانیت کی وجہ سے خدائے قدوس کے تقرب سے ممتاز ہیں۔ پس ان کے لیے باری تعالیٰ سے ہم کلام ہونا نہایت آسان ہے لیکن باری تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کی ہم کلامی اس آواز اور ان حروف سے نہیں جن کی وساطت سے انسان اظہارِ مدعا کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں تو اس عالمِ ناسوت میں ہمارے اظہارِ خیال کے آلات ہیں۔ جبریل علیہ السلام علمِ الٰہی اور مشیت ایزدی سے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے مطلع ہوتے اور احکام معلوم کرتے تھے۔ اور الفاظ بھی بذریعۂ الہام تلقین پا کر مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حسب ضرورت پہنچا جاتے تھے۔ گو خدائے برتر کے کلام میں آواز اور حروف نہیں تاہم ربِ جلیل کلام کرتا ہے۔ آپ اس کو اس حقیقت پر قیاس کر سکتے ہیں کہ جب ہم نیند میں بے ہوش پڑے ہوتے ہیں تو خواب میں آنکھیں بند ہونے کے باوجود دیکھتے بغیر زبان کے بولتے اور حواس خمسہ کے بغیر سارے کام انجام دیتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب ہم مخلوق کے اندر یہ کیفیت تجربہ میں آ رہی ہے تو خالق کونین کی شان تو اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے کہ وہ آواز اور لفظوں کا محتاج ہو۔

### پروردگار عالم کا عینی مشاہدہ

عامۃ الناس کا عموماً یہ گمان ہے کہ حضرت جبریل امینؑ اور دوسرے ملائکہ مقربین درگاہ خداوندی کے حاضر باش ہیں اور پروردگار عالم کو ہر وقت اسی طرح قریب سے دیکھتے ہیں جس طرح اہل دربار اپنے حکمران کے پاس شب و روز آتے جاتے ہیں اور بے تکلف باہم مواجہہ ہوتا ہے۔ مگر یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ میں یہاں اس مسئلہ کی تھوڑی سی وضاحت کرتا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا کہ آیا ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج باری تعالیٰ کو برأی العین دیکھا تھا یا نہیں؟ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس سے انکار تھا اور حضرت ابن عباسؓ اس کے قائل تھے۔ لیکن چونکہ کسی طرف بھی دلیل قاطع موجود نہیں، اکثر سلف صالح نے توقف کی راہ اختیار کی ہے۔

تاہم اگر قائلین رؤیت کا خیال صحیح تسلیم کیا جائے تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے سوا کوئی نبی، کوئی صدیق، کوئی ولی، کوئی فرشتہ ایسا نہیں جس نے خالق ارض و سما کو کبھی بچشم خود دیکھا ہو یا کوئی جنتی داخلۂ جنت سے پہلے اس ذاتِ بے ہمتا کا جمال مبارک دیکھ سکتا ہو۔ البتہ اہل جنت کو ایسی آنکھیں عطا ہوں گی جو خالق یکتا کو علانیہ دیکھ سکیں گی۔ اس دنیوی عدم رؤیت

کی نسبت خود ربِّ جلیل نے فرمایا ہے۔ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کرسکتیں)۔

## آنکھیں تابِ نظارہ نہیں لاسکتیں

اصل یہ ہے کہ رؤیتِ الٰہی دنیا میں امکان سے خارج نہیں ہے۔ کیونکہ آخر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے بعد پہاڑ کی طرف نمود ہوئی تھی۔ پس عدمِ رؤیت کی وجہ یہ ہے کہ اس وار دنیا میں آنکھیں جمالِ الٰہی کی تاب نہیں لاسکتیں اور یہ کچھ انسان پر موقوف نہیں مخلوق میں سے کوئی چیز بھی جلوۂ خداوندی کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ تھی کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے کسی حجاب کا کوئی گوشہ اٹھا کر پہاڑ پر ایک خفیف سی جھلک ڈالی تو پہاڑ کے پرخچے اُڑ گئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ اسی معنیٰ میں حضور فخرِ انام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ۔ رواہ مسلم و ابن ماجہ

حق تعالیٰ سوتا نہیں۔ اس کا حجاب نور ہے اگر نور کے ان پردوں کو ہٹا دے تو جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے انوارِ الٰہی ہر چیز کو جلا کر خاکستر کردیں۔

## جبرئیل بھی محروم الرؤیت ہیں

یاد رہے کہ مخلوق کے عموم میں ملأ اعلیٰ کے مکین بھی داخل ہیں یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی باآں ہمہ قرب و خصوصیت محرومانِ دیدار کی صف میں دکھائی دیتے ہیں۔ اور صرف عینی مشاہدہ سے محروم نہیں بلکہ انوارِ الٰہی کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ امین سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ یہ سُن کر حضرت جبرئیلؑ (سوال کی عظمت اور اپنی بے بسی کے پیشِ نظر) تھرا اُٹھے اور بولے اے محمدؐ! میرے اور خدائے برتر کے درمیان نور کے ستر پردے حائل ہیں۔ اگر میں کسی پردے کے قریب جاؤں تو جل کر فنا ہوجاؤں۔ رواہ فی المصابیح و اخرجہ ابو نُعَیم فی الحلیہ عن انس لیکن ابو نعیم کی روایت میں جبرئیلؑ کے تھرا جانے کا ذکر نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ)

اسی طرح اسرافیل کی نسبت حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسرافیلؑ یومِ پیدائش سے برابر ایک حالت میں حکمِ الٰہی کے انتظار میں اس طرح کھڑے ہیں کہ نگاہ بھی اوپر کو نہیں اُٹھاتے۔ ان کے اور ربِ تبارک و تعالےٰ کے درمیان ستر نور ہیں اگر وہ کسی نور کے بھی قریب پھٹکیں تو جل کر نابود ہوجائیں۔ رواہ الترمذی و صححہ۔

۸۹۲م

### فرشتہ اور جنّ میں امتیاز

فرشتہ کی طرح جنّ اتنا لطیف جسم ہے کہ اس کو انسان کی ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ پھر اتنا قوی الروح بھی ہے کہ عجائب و خوارق پر قدرت رکھتا ہے۔ جنّ میں ایک چیز شکلوں کی تبدیلی ہے۔ جس طرح ہم جب چاہیں اور جو چاہیں لباس بدل سکتے ہیں، اسی طرح جنّات جس وقت چاہیں اور جس شکل میں چاہیں، اپنے آپ کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ مَلک اور جن کی حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ فرشتہ نوری ہے اور جنّ ناری۔ چونکہ فرشتہ کی پیدائش نور سے ہے اور جن کی نار سے، اس بنا پر دونوں کی لطافت اور قوت میں بھی نور و نار کا فرق ہے۔ جنات کا تصرف عالم سفلی تک محدود ہے۔ وہ عالم بالا کے کسی کام میں دخل انداز نہیں ہو سکتے۔ ملائکہ کی حالت کے خلاف جنّ نر و مادہ کی تقسیم رکھتا ہے اور انسان کی طرح توالد و تناسل سے بھی موصوف ہے۔ جنّات نیک و بد ہر قسم کے ہوتے ہیں اور ان میں انسان کی طرح ترقی و تنزل کی صلاحیت بھی رکھی گئی ہے۔ گو جنات میں خیر و اطاعت کا مادہ کچھ نہ کچھ موجود ہے تاہم ان میں شر اور طغیان کا مادہ بالطبع قوی ہے۔ جن بھی انسان کی طرح شرائع آسمانی کے مکلف ہیں اس لیے ماجور و ماخوذ اور معذب و مثاب ہوں گے اور ہماری طرح بہشت یا دوزخ میں داخل کیے جائیں گے۔

### شیاطین

جنّات میں ایک خاص صنف شیطان ہے جس کا خاصہ شر انگیزی اور اغوائے خَلق ہے۔ اس صنف کے سرگروہ کا نام ابلیس ہے۔ ابلیس صیغۂ اغوا میں جبریل علیہ السلام کا حریف مقابل ہے۔ جس طرح حضرت جبریل امین کے ماتحت اربوں کھربوں ملائکہ ہیں، اسی طرح اربوں کھربوں شیطانوں پر ابلیس کی حکومت و سرداری قائم ہے۔ ابلیس پوری نوع انسانی کا مستقل دشمن اور قیامت تک کے لیے ہر انسان کے اغوا کا مسلسل کارکن ہے اور اس کام کے لیے اس کو اور اس کی ذریات کو حیرت انگیز قوتیں دی گئی ہیں۔ وہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے پیشتر سے ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شیاطین اپنے سلسلۂ اغوا کوشی میں انسان کے رگ و پے میں گھس کر خون کی طرح گردش کر سکتے ہیں اور ہر طرح سے وسوسے ڈالنے میں منہمک ہیں (بخاری، مسلم وغیرہما) اس سے شیطان کی یہ غرض ہوتی ہے کہ وسوسے ڈال کر انسان کو ہلاک کرے یا غیر محسوس طور پر اس کو مقام قرب سے گرا دے۔ لیکن خدائے رؤف و ودود نے اپنے کلام پاک میں ہم کو خبر دی ہے کہ جو لوگ ایمان رکھتے اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں، ان پر شیطان کا کچھ قابو نہیں چلتا۔ اس کا قابو تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ ارتباط و موالات

رکھتے ہیں یا جو شرک میں مبتلا ہیں۔ (۱۶ : ۱۰۰)

معلوم ہو کہ شیطان وسوسے تو ہر انسان کو صالح ہو یا غیر صالح ڈالتا ہے لیکن ایک متقی انسان معاً ان وسوسوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور فاسق ان پر عمل پیرا ہو کر تباہ ہوتا ہے۔

# مقالہ ۲۔ وحی، الہام اور رؤیاے صالحہ

### وحی

جس طرح انسان قوتِ عقل کے ذریعہ سے بہت سے ایسے امور معلوم کرتا ہے جو حواس خمسہ کی رسائی سے باہر ہیں، اسی طرح ایک اور درجہ ہے جو عقل سے بھی بالاتر ہے۔ اس درجہ پر فائز ہو کر خدا کے برگزیدہ بندوں کو ایک ایسی قوت عطا ہوتی تھی جس کی مدد سے ان پر بہت سے غیبی امور منکشف ہوتے تھے۔ ان آنکھوں کی روشنی میں اُن پر ایسی ایسی باتیں ظاہر ہوتی تھیں جنکو عقل انسانی دریافت کرنے سے اسی طرح عاجز و بے بس ہے جس طرح انسان کی قوت سامعہ کسی چیز کے رنگ و بو کی تمیز کرنے سے قاصر ہے۔ اسی قوت کو وحی کہتے ہیں۔

### علم وحی کا دُنیوی نمونہ

انبیاء کرام کو وحی کے ذریعہ سے جو علم عطا ہوتا تھا دنیا میں بھی اس کا نمونہ خواب کی شکل میں موجود ہے۔ انسان بسا اوقات آیندہ کے حالات خواب میں نہایت صفائی کے ساتھ دیکھ لیتا ہے یا کسی ایسی صورت مثالی میں مشاہدہ کرتا ہے جس کی تأویل و تعبیر اس کی اصلیت کو ظاہر کر دیتی ہے۔ اگر انسان خواب نہ دیکھتا، اور پھر کوئی شخص اُس سے کہتا کہ انسان پر ایک ایسی حالت بھی طاری ہوتی ہے جس میں تمام حواس معطل ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں وہ بعض امور غیبیہ کو معلوم کرتا ہے تو وہ جھٹ اس سے انکار کر دیتا اور معاً کہہ دیتا کہ یہ سخت ناممکن ہے اور بڑے طمطراق سے ناممکن ہونے کی یہ دلیل پیش کرنے لگتا کہ جب ظاہری قوٰی (سمع، بصر وغیرہ) کے بغیر کوئی چیز دیکھی سنی نہیں جا سکتی، تو جو شخص بیداری میں حواس خمسہ کے موجود ہوتے ہوئے غیب کی باتیں معلوم نہیں کر سکتا وہ عالم رؤیا میں جب کہ حواس بالکل معطل ہو جاتے ہیں ان امور کا کیونکر ادراک کر سکے گا؟ حالانکہ روزمرہ کا مشاہدہ اس دلیل کو غلط ٹھیرا رہا ہے۔

### وحی اصطلاحی

بندوں سے حق تعالےٰ کے تکلّم و تخاطب کے تین طریقے ہیں۔ (۱) یا تو بذریعہ الہام و کشف القا فرماتا ہے۔ (۲) یا پردۂ غیب سے کوئی ایسی آواز سُنائی

دیتی ہے جسے مخاطب کے سوا کوئی نہیں سُن سکتا۔ یہ طریقِ خطاب ایک صدائے بے کیف ہوتی ہے کہ مخاطب اس کا مفہوم نہایت آسانی سے سمجھ جاتا ہے۔ اسی معنیٰ میں کسی شاعر نے کہا ہے ؎

میان عاشق ومعشوق رمزے ست　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

کبھی ایسا ہوتا رہا کہ خدائے قدوس براہِ راست اپنا کلام سعادت جبریلؑ امین کے دل پر القا فرماتا اور جبریلؑ دنیا میں نازل ہو کر وہ کلام نبی کے دل پر القا کرتے اور کلام و پیام الٰہی کو یاد کرا کر واپس جاتے۔ کلام الٰہی میں ہے:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط

(۴۲ : ۵۱)

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ ربِ قدیر اس سے دنیا میں بالمشافہ و بالواسطہ گفتگو کرے۔ البتہ اس کے کلام و فیضان کے تین طریقے ہیں۔ ایک الہام و کشف۔ دوسرا حجابِ کبریائی کے پیچھے سے بلاکیف خطاب و ندا۔ تیسرا جبریلؑ امین کی وساطت سے پیام رسانی۔

آخری قسم کی وحی یعنی جبریل علیہ السلام کی پیام رسانی تو انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص تھی مگر پہلی اور دوسری قسم یعنی الہام میں اہل اللہ کو بھی حصہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ نبیوں کے کامل پیرو اور جانشین ہوتے ہیں۔ لیکن آج کل کی اصطلاح میں عموماً آخری قسم کو وحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور پہلی قسم الہام کے نام سے مشہور ہے۔

## رؤیاے صادقہ

بخاری اور مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ سالارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت مختتم و منقطع ہو چکی۔ اب مبشرات کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ صحابہؓ عرض پیرا ہوئے یا رسولؐ اللہ! مبشرات سے حضور کی کیا مراد ہے؟ فرمایا "مومن کا سچا خواب"۔

اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے خواب و وحی میں بہت بڑا فرق ہے لیکن اس حیثیت سے کہ دونوں میں کسی حد تک مشابہت ہے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ علّامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حدیث میں جزءِ نبوت سے وہ نسبت مراد ہے جو عوام الناس کی ابتدائی استعداد کو انبیاء علیہم السلام کی انتہائی استعداد سے ہے چونکہ

نوع بشری میں یہ استعداد علی العموم ضعیف اور ابتدائی درجہ میں ہوتی ہے اور بہت سے موانع و مزاحم بھی درپیش ہیں اس لیے ربّ قدیر نے انسان کو ایسی فطرت عطا فرمائی ہے کہ خواب کی حالت میں حواس کے حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔ اس وقت نفس جس چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسے اسی کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی اعتبار سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رؤیا کو مبشرات سے تعبیر فرمایا

### خواب کے اقسام

بخاری و مسلم رحمہ نے امام محمد بن سیرین رحمہ سے روایت کی ہے کہ خواب تین قسم کے ہیں۔ ایک حدیث النفس یعنی دلی خیالات، دوسری شیطانی تخویف، تیسری بشارت خداوندی۔ اور ایک اَور روایت میں خواب کی یہ تین قسمیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ پہلی من جانب اللہ، دوسری من جانب الملائکہ، تیسری وساوس شیطانی۔ بعض علماء نے اس کی یہ تفصیل بیان کی ہے کہ جو خواب صریح اور جلی ہوتے ہیں وہ خدائے علیم و برتر کی طرف سے ہیں اور جن میں تعبیر و تاویل کی ضرورت پڑتی ہے وہ القاء روحانیہ میں محسوب ہیں، اور بُرے خواب وساوس و القاء شیطانی ہیں۔

### انبیاء کرام کے خواب

آئینۂ خیال جس درجہ مصفّا ہو خواب اسی قدر زیادہ سچا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کا خواب بھی وحی تھا کیونکہ وہ خطا و عصیان سے مبّرا تھے۔ وہ انتہا درجہ کے نیک نہاد اور پاکیزہ سرشت تھے۔ ان کے خیالات نہایت مصفّا اور باطن انتہاء درجہ کے طاہر و معصوم تھے۔ انبیاء کرام کے خواب بعینہٖ صحیح ہوتے تھے اور رؤیا ان میں تاویل و تعبیر کی ضرورت پیش ہی نہیں آتی تھی یا آتی تھی تو بہت کم۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت کی ہے کہ آغاز نبوت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم رات کو جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہی چیز علے الصباح فلق صبح کی طرح مشاہدہ میں آجاتی تھی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے خواب میں اپنے تئیں فرزند کو ذبح کرتے دیکھا تو بلا تامل اس پر عمل کرنے کا عزم صمیم فرمالیا۔

اہل اللہ کے خواب بھی علی العموم سچے ہوتے ہیں کیونکہ وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دولت صحبت سے بے واسطہ یا بالواسطہ مشرف ہوئے ہیں اور اتباع شریعت کے ذریعہ سے صفائی خیالات اور استجلائے باطن حاصل کر لیتے ہیں۔ مولنا جلال الدین رومی رحمہ نے فرمایا ہے ؎

آن خیالاتے کہ دام اولیاست
عکس مہرویانِ بستانِ خداست

یعنی جب ان کے باطن میں جو فرعی آئینہ ہے اور متابعت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے

ذریعہ سے حاصل ہوا ہے کبھی اصلی ظلمت ظاہر ہو جاتی ہے تو آئینۂ خیال مکدر ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر کشف و رؤیا میں خطا ہو جاتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ مرحوم لکھتے ہیں کہ یہ تکدر کبھی تو ارتکاب محرم یا مشتبہ کی وجہ سے رونما ہوتا ہے اور کبھی حد اعتدال سے تجاوز کرنے یا عوام کے انعکاس و اختلاط سے۔ اور عوام کا خواب ان کی ظلمت باطنی کی وجہ سے عموماً کاذب ہی ہوتا ہے۔

## مقالہ ۳۔ حضرت سیّد المرسلینؐ کی وحی کے طُرق و اقسام

علماء ملت نے حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی الٰہی کے متعدد مراتب و کیفیات بیان کیے ہیں۔ پہلی کیفیت رؤیاء صالحہ تھی۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پیشتر سچے اور بھلے خواب دکھائی دینے شروع ہوئے تھے۔ ملک مقرب آپ کو رؤیا میں نظر آیا کرتا تھا لیکن قرآن حکیم کی کوئی سورۃ یا آیۃ ایسی نہیں جو آپ کو خواب میں القاء کی گئی ہو۔ البتہ بعض سُنن عالم رؤیا میں نازل ہوئی تھیں۔

دوسری کیفیت۔ جبریل امینؑ تشریف لاتے اور بغیر اس کے حضرت خیر العباد علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دیکھ سکیں، القائے وحی کیا کرتے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ جبریل علیہ السلام کسی انسان کی شکل میں متمثل ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے اور تعلیمات الٰہیہ یاد کرا دیتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ اَحْیَانًا یَّتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَیُكَلِّمُنِیْ فَاَعِیْ مَا یَقُوْلُ۔ (کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آ کر مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اُسے بخوبی سمجھتا اور یاد کر لیتا ہوں)۔ احادیث صحیحہ میں ہے، کہ حضرت جبریل امینؑ زیادہ تر دحیہ کلبیؓ نام ایک صحابی کی شکل میں آیا کرتے تھے جو قبیلہ بنو کلب کے ایک نہایت وجیہ و خوبرو جوان تھے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ استفادہ اور استفاضہ کے لیے کلام کرنے والے اور سننے والے کے درمیان مناسبت شرط ہے یہاں یہ مناسبت دو طرح پر تھی۔ کبھی جبریلؑ کی ملکیت و روحانیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر غالب آتی تھی اور آپ کو بشریت سے غائب کر دیتی تھی یہ وحی کی پہلی قسم ہے اور جب کبھی آپ کی بشریت جبریل علیہ السلام کی ملکیت پر غالب ہوتی تھی تو جبریل وصف بشریت کے ساتھ متصف ہوتے تھے اور یہ دوسری قسم ہے۔

چوتھی یہ کہ روح الامین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جرس کی سی آواز سے آتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ ایسی آواز ہوتی تھی جس کے کلمات اور معانی کو سید کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ وحی تمام انواع فیضان میں شدید ترین وحی تھی، یہاں تک کہ ایام سرما میں بھی آپ کی جبین مبارک اس کے اثر سے عرق آلود ہو جاتی تھی۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو وحی کی آمد کا علم ہوتا ہے یا نہیں؛ فرمایا میں ایک جرس کی سی آواز سنتا ہوں۔ پھر وہ آواز بند ہو جاتی ہے اور میں ہر مرتبہ یہ گمان کرتا ہوں کہ شاید میری رُوح اس کی تاب نہ لا کر پرواز کر جائے گی۔"

اس طریق وحی میں یہ حکمت تھی کہ آپ کو نزولِ وحی کی پیشتر سے اطلاع ہو جائے اور آپ اس کے حصول کے لیے دنیا و مافیہا سے منقطع اور فارغ الذہن ہو کر اپنے اندر کامل استعداد پیدا کر سکیں۔ یہ آواز محققین کے نزدیک قوائے جسمانیہ اور قوائے ملکوتیہ کے تصادم سے اسی طرح پیدا ہوتی تھی جس طرح بعض قسم کے بخاروں میں دو قوتوں کے تقابل سے جھنجھناہٹ سنائی دیتی ہے۔ وحی کے وقت قوت ملکیہ بڑے زوروں پر ہوتی تھی جس کی وجہ سے جسمانی قویٰ پر بے طرح زور پڑتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کسی سفر میں حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کی ران پر سر مبارک رکھے سو رہے تھے کہ یکبارگی وحی نازل ہوئی۔ اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ انہیں اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو گیا۔

جب ان اقسام سہ گانہ میں سے کسی قسم کی وحی آپ پر نازل ہوتی تو اس کی شدت سے آپ پر کرب طاری ہوتا کیونکہ وحی کا بدرجۂ غایت اہتمام رکھنے کی وجہ سے آپ ایسے شخص کی مانند ہوتے تھے جسے غم نے گھلا رکھا ہو۔ یہ غم اس وجہ سے ہوتا تھا کہ وحی میں شدت اور وعید بھی ہوتی تھی۔ پس بلحاظ اُمت کے آنحضرتؐ کو غم ہوتا تھا کہ دیکھیں کیا حکم آتا ہے اور آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا

اور مسلمؒ نے روایت کی ہے کہ جب وحی اُترتی تو آپ اور آپ کے صحابہؓ سر جھکا لیتے اور جب وحی منقطع ہو جاتی اور وہ حالت دور ہو جاتی تو سر اُٹھا لیتے۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا سر جھکانا یا تو ان کے اندر حالِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سرایت کرنے کی وجہ سے تھا یا موافقت و اتباع کے خیال سے ایسا کرتے تھے۔

پانچویں نوع یہ تھی کہ کبھی جناب سید کائنات صلے اللہ علیہ وسلم حضرت جبریلؑ کو ان کی

اصلی صورت پر دیکھا کرتے تھے۔ سورۃ النجم کی آیۃ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

چھٹی قسم یہ تھی کہ جب آپ شب معراج آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں آپ پر وحی کی گئی۔ چنانچہ اسی وقت آپ نماز پنجگانہ اور بعض دوسرے احکام کے مامور ہوئے۔

ساتویں صورت یہ تھی کہ ربّ ذوالمنن بلا وساطت جبریل علیہ السلام آپ سے اس طرح ہمکلام ہوتا تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔

آٹھویں یہ تھی کہ حق تعالےٰ نے آپ سے شب معراج آشکارا و بے حجاب کلام فرمایا لیکن اس قسم کی وحی صرف ان علماء کے نزدیک مسلّم ہے جن کے خیال کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج ربّ العزت کے شرف دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔

## تعلیم وارشاد کے لحاظ سے وحی کی دو قسمیں

سطور بالا میں نزول وحی کی جو صورتیں بیان کی گئیں، وہ باعتبار کیفیت کے تھیں لیکن تعلیم وارشاد کے لحاظ سے وحی الٰہی کی دو قسمیں ہیں مَتْلُوٌّ اور غیر مَتْلُوّ۔ جو وحی جبریل علیہ السلام کی وساطت سے آتی تھی اس کو مَتْلُوّ کہتے ہیں اور جو فرشتہ کی وساطت کے بغیر براہ راست پہنچتی تھی اس کو غیر مَتْلُوّ کہتے ہیں۔ اسلامی زبان میں ان دونوں کے مشہور نام قرآن اور حدیث ہیں۔ قرآن کا طریق حصول یہ تھا کہ اس کو جبریل علیہ السلام پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے تھے اور پھر آپ اس کو بلفظہٖ اُمّت تک پہنچاتے تھے۔ حدیث کا مضمون بلا واسطہ فرشتہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں القاء ہوتا تھا اور پھر آپ اس مضمون کو اپنے لفظوں میں دوسروں کو سناتے تھے۔ اسی بنا پر قرآن میں الفاظ کی بھی بدرجۂ کمال پابندی کی گئی ہے یہاں تک کہ اس میں ایک حرف کا بھی تغیر نہیں ہوا۔ لیکن حدیث میں الفاظ کی پوری پابندی نہیں البتہ مطالب کی بدرجۂ اتم حفاظت کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن اور حدیث یقین واذعان کے لحاظ سے ایک درجہ میں تھے اور ذاتی حیثیت سے افراد اُمت کے لیے بھی دونوں مساوی الدرجہ ہیں۔ لیکن خارجی علتوں کی وجہ سے حدیث قرآن کے درجہ میں نہیں رہی۔

قرآن قطعی الیقین اور اصل دین ہے۔ اس کا منکر بلکہ متردد بھی خارج از اسلام ہے لیکن حدیث کا انکار یا تردد کفر نہیں بشرطیکہ متواتر نہ ہو۔ گو حدیث قرآن کے مقابلہ میں قطعی الیقین نہیں تاہم صحت و وثوق کے عام درجہ سے اس کا پایہ بہت بلند ہے پس اصطلاح عام میں حدیث بھی

قطعی الصحت اور بہترین اعتماد کے لائق ہے۔ حدیث متواتر کا منکر کافر اور حدیث مشہور کا منکر بدعتی ہے۔

# مقالہ ۴۔ نبوّت کی حقیقت

عامۃ الناس کی ہدایت وراہ نمائی کے لیے کچھ خاص انسان رب السموات والارض کی طرف سے منتخب ومامور ہوتے تھے۔ ان کو منجانب اللہ وحی کے ذریعہ سے ایک خاص روحانی ملکہ عطا کیا جاتا تھا۔ اسی ملکہ کو نبوّت کہتے ہیں۔

امام محمد غزالی رحؒ نے حقیقت نبوت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انسان اصل فطرت کے لحاظ سے بالکل جاہل پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ بچہ پیدائش کے وقت موجودات میں سے کسی چیز کو نہیں پہچانتا۔ سب سے پہلے جو اسے آلہ ادراک عطا ہوتا ہے وہ حِسّ لمس ہے۔ اس سے وہ بہت سے اقسام موجودات مثلاً حرارت، برودت، رطوبت، یبوست، نرمی، سختی، کھردرا پن وغیرہ کو پہچانتا ہے۔ لیکن اس کی قوت لامسہ جو اسے سب سے پہلے عطا ہوتی ہے، رنگ اور آواز کی دریافت سے قاصر ہوتی ہے۔ اس کے بعد اُسے قوت بصارت ملتی ہے۔ اس قوت کی بدولت وہ رنگ روپ شکل صورت دریافت کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے قوت سامعہ کا دروازہ کھولا جاتا ہے جس سے مختلف قسم کی آوازیں سننے لگتا ہے۔

اس کے بعد اسے حِسّ ذوق (چکھنے کی قوت) شامہ (سونگھنے کی صلاحیت) اور دوسری قوتیں عطا ہوتی ہیں، یہاں تک کہ قریباً سات سال کی عمر میں محسوسات کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ اس عالم سے قدم بڑھا کر وہ عالم تمیز میں پہنچتا ہے۔ اس حالت میں وہ ایسے ایسے امور پر مطلع ہوتا ہے جو اس سے پیشتر اس کے حیطۂ علم سے باہر تھے۔ اب وہ اور ترقی کرتا ہے اور اسے ممکن، محال، جائز، ناجائز اُمور کا ادراک ہوتا ہے یہاں تک کہ اُسے بتدریج نفع وضرر کا کامل احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کمال عقل کے بعد ایک اور بھی درجہ ہے، جس میں انسان کے لیے ایک اَور آنکھ کھلتی ہے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر وہ امور غیب مستقبل کی باتوں اور بہت سے دوسرے امور کو دریافت کرتا ہے، جو عقل انسانی کی رسائی سے باہر ہیں۔

جس طرح عقل وتمیز کے مدرکات کے لیے حواس خمسہ بالکل بیکار ہیں، اسی طرح اس درجہ کے اَوج معلومات تک پرواز کرتے ہوئے طائر عقل کے پَر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عقلاء

دہریے جو نبوت کی حقیقت سمجھنے سے قاصر تھے، مدرکات نبوت کے وجود سے انکار کر دیا حالانکہ ان کا انکار محض کوتہ اندیشی پر مبنی تھا۔ اس معاملہ میں اذکیائے زمانہ کی مثال اس بچہ کی سی ہے جو ہنوز قوائے ذہنیہ و عقلیہ سے محروم ہے۔ اگر بچہ عقلیات کے تسلیم کرنے سے انکار کرے، تو اسے ہمیشہ معذور سمجھا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ازراہ مکرمت انسان کو خاصیت نبوت کا ایک نمونہ عطا فرما کر اسے علم نبوت سے مطلع فرما دیا ہے، جس کا نام خواب ہے، کیونکہ انسان کو بسا اوقات خواب میں زمانہ مستقبل کے بارہ میں بہت سے امور غیبیہ دریافت ہوتے ہیں۔ یا تو انسان انہیں بالتصریح خواب میں دیکھتا ہے، یا صورت مثالی میں مشاہدہ کرتا ہے، جس کی تعبیر اس کی اصلیت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

پس جیسا کہ عقل قوائے انسانی میں سے ایک قوت ہے جس کے ذریعہ سے آدمی کے لیے ظاہری آنکھوں کے سوا ایک اور آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ اس آنکھ سے ایسے معلومات دریافت کر سکتا ہے جن کے ادراک سے ظاہری حواس بیکار ہیں، اسی طرح نبوت ایک درجہ ہے جو عقل سے بھی بالاتر ہے۔ اس کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کے لیے ایک تیسری آنکھ کھلتی تھی، جس کی روشنی میں ان پر امور غیبیہ منکشف ہوتے تھے اور ایسی ایسی باتیں ظاہر ہوتی تھیں جن کو عقل انسانی دریافت کرنے سے بالکل عاجز و درماندہ ہے۔

## مقالہ ۵۔ انبیاء علیہم السلام کے مدارج و اقسام

یورپ میں علی العموم اور یونان میں بالخصوص بڑے بڑے حکیم، فیلسوف، فضلائے دہر پیدا ہوئے، لیکن ان میں سے کوئی متنفس نبی نہ ہو سکا۔ بلکہ سیکڑوں اس آرزو میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے، مگر شاہد مقصود کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوا، کیونکہ یہ درجہ کسبی نہیں۔ اگر نبوت کسبی ہوتی تو ریاضت جسمانی و نفسانی کی بدولت ہر شخص کو میسر آ سکتی۔ لیکن یہ ایک وہبی منصب ہے۔

### منصب نبوت کے ضروری صفات

یہ دولت صرف ان بلند طالع نفوس کو ملتی تھی جن کے بدن کا مزاج نہایت اعتدال پر ہوتا۔ اور طبیعت بہت قوی ہوتی مگر دل کے تابع۔ اور دل نہایت متین ہوتا مگر عقل کے تابع۔ اور عقل

نہایت تیز اور پختہ ہوتی ملأ اعلیٰ کے تابع، بلکہ ملأ اعلیٰ کا آئینہ و نمونہ۔ ان کی قوت حافظہ ملأ اعلےٰ کے ادراک کے مشابہ ہوتی تاکہ وحیِ الٰہی کو بآسانی قبول کر سکے۔ ان کی قوت عاملہ نہایت صلاحیت پذیر تھی، اسی لیے عصمت ان کا مایۂ خمیر اور عنصرِ حقیقی تھا۔

الغرض منصب نبوت اہل زمانہ میں سے ان حضرات کو تفویض ہوتا تھا جن کی تخلیق صفات مذکورہ پر ہوتی تھی۔ بہت سے ایسے انسان ہیں جو ایک بڑی حد تک نفوس قدسیہ رکھتے ہیں، لیکن منصب نبوت پر فائز نہیں ہو سکتے کیونکہ پہلے تو کوئی ایسا جامع صفات انسان پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر بالفرض قرنوں کے بعد کوئی پیدا ہو جائے تو بھی اب اس منصب سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ مقامِ رفیع خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم ہو چکا۔

### انبیاء کی رُوح قدسی

انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص روح عطا ہوتی تھی جسے روح قدسی کہتے ہیں۔ وہ فطرۃً معصوم تھے۔ ان سے گناہ کا صدور کبیرہ ہو یا صغیرہ قبل از نبوت ہو یا بعد از نزول وحی ناممکن تھا۔ ہاں کسی صغیرہ گناہ کا تخیل ممکن تھا، مگر اس تخیل کا عمل میں آنا ناممکن تھا۔ انبیاء علیہم السلام ذاتی طور پر غلطی میں پڑ سکتے تھے، مگر وحی الٰہی جو ہر وقت اُن کی نگہبان تھی، انہیں غلطی سے بچا لیتی تھی۔

نبی اپنی ذات میں دو حیثیتیں رکھتے تھے۔ بشریت و ملکیت۔ بشریت کی حیثیت سے وہ مکمل بشر تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح بشریت کی تمام خاصیتیں ان سے لپٹی ہوتی تھیں ملکیت کی حیثیت سے وہ پورے فرشتے تھے۔ ملائکہ کے تمام خواص اُن کو حاصل تھے اور اسی جامعیت کی بنا پر وہ انسانوں اور فرشتوں کے درمیان اور خدا اور انسانوں کے درمیان برزخ تھے۔ انبیاء علیہم السلام کو عام انسانی قوتوں سے الگ ایک خاص قوت عطا کی جاتی تھی جو قوت قدسی کہلاتی ہے۔ وہ اسی کے ذریعہ سے عالم ملکوت سے مرتبط تھے اور انہیں اشرف الملائکہ حضرت جبریل امینؑ کے واسطہ سے علم الٰہی حاصل ہوتا تھا۔

عامۃ الناس کے لیے نبی کی پیروی کے سوا اپنے خالق و رازق کی طاعت و رضاجوئی کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ اسی لحاظ سے نبی کی پیروی خدا کی پیروی، ایمان کی بنیاد اور نجات کی لازمی شرط ہے۔

### انبیاء کے مدارج

نبی کے تین درجے ہیں۔ نبی محض، رسول، رسول اولو العزم۔ سب سے اعلیٰ درجہ اولوا العزم رسول کا ہے، اور سب سے کم درجہ نبیٔ محض کا، اور اوسط

درجہ رسول کا ہے۔ بنیٔ محض پر وحی نازل ہوتی تھی مگر صاحب شریعت نہ تھے۔ رسول صاحب شریعت تھے مگر صاحب اعمالِ عظیمہ نہ تھے۔ رسول ذوالعزم صاحب شریعت ہونے کے باوجود اعمال و افعالِ عظیمہ کے بھی مالک تھے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی ؒ نے نبی اور رسول میں یہ فرق بتایا ہے کہ انبیار کے پاس جو وحی آتی تھی، وہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوتی تھی، دوسروں کے پاس اس کی تبلیغ اس وقت تک جائز نہ تھی جب تک کہ ابلاغ کا حکم نہ ہوتا تھا۔ لیکن رسول اس بات کے مامور تھے کہ احکام کی عام تبلیغ کریں۔ اسی بنا پر انہیں رسول یا نبی تشریعی کہتے ہیں۔ لیکن بعض نبی ایسے بھی گزرے ہیں جو کسی شریعت کی تو تبلیغ کرتے تھے مگر کوئی حکم ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا تھا۔ اولوا العزم رسول چھ حضرات تھے۔ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد علیہم السلام معتزلہ اور قدریہ کے نزدیک آدم علیہ السلام نہ رسول تھے اور نہ صاحب شریعت کیونکہ ان کو کوئی کتاب نہ دی گئی۔ لیکن ہمارے (اہل سنت وجماعت کے) نزدیک وہ بھی رسول اور صاحب شریعت تھے گو ان کو کتاب نہ دی گئی مگر وہ احکام اور وحیٔ ظاہر سے مؤید تھے۔ علاوہ ازیں صُحُفِ اُولیٰ میں سے دس صحیفے دیے گئے تھے جو احکام پر مشتمل تھے۔

**قرآن اور حدیث**

حلقۂ دعوت کے اعتبار سے انبیار کی دو قسمیں ہیں۔ خاص اور عام بنیٔ خاص ایک قوم یا ایک ملک کے ساتھ مخصوص تھے۔ دوسری قوم یا دوسرا ملک ان کے دائرۂ نبوت سے باہر ہوتا تھا۔ نبیٔ عام تمام روئے زمین اور کل بنی نوع انسان کے لیے عام ہے۔ کوئی قوم کوئی ملک اس کی نبوت کے حلقہ سے باہر نہیں۔ نبیٔ خاص ہر ملک و قوم کے الگ الگ ہوتے تھے اس لیے ان کی تعداد کثیر تھی۔ نبیٔ عام تمام دنیا میں اور تمام مدت دنیا میں سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں ہوا الگ الگ ممالک و اقوام کے لحاظ سے انبیار خاص کے سلسلے الگ الگ تھے مثلاً شامی نبیوں کا سلسلہ، مصری نبیوں کا سلسلہ لیکن یہ تمام مختلف سلسلے ابتدار اور انتہا میں متحد ہیں۔ سب کی ابتدار حضرت آدمؑ ہیں اور انتہا سید المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

## مقالہ ۶۔ خرقِ عادت اور معجزاتِ انبیارؑ

حکیم علی الاطلاق نے تمام دنیوی امور کو اسباب کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے کسی امر کو

اس سبب کے بغیر ایجاد نہیں کرتا۔ اس سنت الٰہی کو عادت اور فطرت کہتے ہیں۔ لیکن خدائے قدیر بعض اوقات اپنی قدرت کاملہ کے اقتضار سے اس عادت کو توڑ بھی دیتا ہے۔ جس طرح ہم اپنے بے جان اعضائے جسم پر پورا اختیار رکھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں، اسی طرح رب السموات والارض اس بے جان عالم کائنات سے جس طرح چاہتا ہے مختلف افعال اور حرکات صادر کراتا رہتا ہے۔ اس کو پورا اختیار ہے کہ عادت مستمرہ کے مطابق اس سے کام لے یا اس کے خلاف افعال صادر کرائے۔

## عطائے معجزہ کا مقصد

چونکہ پیغمبروں کی برگزیدہ جماعت اس دعوٰی کے ساتھ مبعوث ہوتی تھی کہ وہ خدا کے مامور اور سعادت دارین کے راہ نما ہیں، اور کوئی دعوٰی بغیر دلیل و برہان کے قابل قبول نہیں اور ظاہر ہے کہ عقلی اور لفظی دلائل سے الزام دے کر منکر کو خاموش کرنا نہایت دشوار ہے کیونکہ لسان اور جھگڑالو مناظر جس کا مقصد محض فریق مقابل کی شکست ہوتا ہے، بحث و جدل سے کسی طرح باز نہیں آتا، اس لیے جب خدائے حکیم انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندوں کے پاس اس غرض سے بھیجتا کہ انہیں منجیات کا پتہ دیں اور مہلکات سے روکیں تو اپنی بعض قدرتوں کو بطور گواہ ان کے ساتھ کر دیتا تھا۔ ان قدرتوں کو معجزات، آیات، براہین یا آیات بیّنات کہتے ہیں۔

قاعدہ کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے مکان یا دکان سے کوئی چیز منگوانا چاہتا ہے تو اپنے کسی معتمد علیہ کو کوئی ایسی نشانی دے کر بھیجتا ہے جسے دیکھتے ہی گھر والے فوراً پہچان لیں کہ پیام رساں ان کے مالک ہی کا فرستادہ ہے، اس طرح وہ اس کی طلب و خواہش کی تعمیل کرتے ہیں اور مطلوبہ چیز فوراً قاصد کے حوالے کرتے ہیں۔ اسی طرح معجزہ بھی انبیاء علیہم السلام کو نشان صدق کے طور پر دیا جاتا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ صاحب واقعی خدائے برتر کے فرستادہ ہیں۔

## عالم ملکوت کی چیزوں کو عیاناً دیکھنے کی صلاحیت

جس طرح انسان کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ بکری اس سے باتیں کر رہی ہے، یا مرا ہوا شخص کوئی چیز دے رہا ہے، یا خواب دیکھنے والا اپنے آپ کو فضائے بسیط میں پرندوں کی طرح اڑتے دیکھتا ہے یا وہ چشم زدن میں ہزارہا کوس کی مسافت پر پہنچ گیا ہے۔ یہی اور اس قسم کے دوسرے امور انبیاء و رسل کو بیداری میں پیش آتے تھے۔ عالم ملکوت کے اسرار ان کے دل پر منکشف ہوتے تھے اور وہاں کی چیزیں انہیں اسی طرح عیاناً دکھائی دیتی تھیں جس طرح ہم زمین کی چیزوں کو برای العین دیکھتے ہیں۔

قانون فطرت اس طریق پر جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے، حیوانات، حشرات، نباتات، جمادات انسان سے ہمکلام نہیں ہوتے۔ شجر و حجر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادی نہیں آتے۔ کوئی شخص سطح زمین کی طرح پانی پر نہیں چل سکتا۔ کٹورا بھر پانی لشکر کو سیراب نہیں کر سکتا ایک آدمی کی خوراک سیکڑوں انسانوں کو سیر نہیں کر سکتی۔ لیکن اس عام قانون فطرت کے خلاف انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزات دلیل صدق کے طور پر ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ درخت اور پتھر ان سے ہمکلام ہوتے تھے۔ وہ پانی پر چل سکتے تھے۔ ان کی توجہ سے ایک آدمی کی خوراک سیکڑوں آدمیوں کو سیرابی بخشتی تھی۔ ایک کٹورا پانی سارے لشکر کی پیاس بجھاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب انبیاء کا دعویٰ اس قدر بلند تھا تو اس کی دلیل بھی اسی قدر شاندار ہونی چاہیئے تھی۔ اگر ان مقبولان بارگاہ ایزدی کو کوئی معجزہ نہ دیا جاتا اور وہ محض عقلی اور لفظی دلائل ہی سے کام لیتے تو عوام کے پاس حق و باطل کا کوئی قطعی اور فیصلہ کن معیار نہ رہتا۔

## انبیاء کی روحانی قوت کی اثر انگیزی

پس ظاہر ہے کہ جو خداے قدیر ایک دانۂ اناج سے ہزار ہا دانے، اور رتی بھر کے بیج سے تناور درخت اور قطرۂ آب سے انسان اور بہائم جیسی مخلوق پیدا کرتا ہے، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ کسی بے جان چیز میں جان ڈال دے یا جمادات اور بہائم کو قوت گویائی بخشے۔ جس طرح پانی آفتاب کی حرارت سے بہت دیر میں گرم ہوتا ہے لیکن آگ اُسے تھوڑی سی دیر میں گرم کر دیتی ہے، اسی طرح جو امور فطرۃً بتدریج وقوع میں آتے ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کی روحانی تاثیر سے فوراً عرصۂ وجود میں آ جاتے تھے۔ مثلاً ایک بیج زمین میں پڑ کر دس سال میں ایک بڑا درخت بنتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ ایک نبی کے ہاتھ پر وہی بیج آناً فاناً بڑا درخت بن جائے اور درمیان کے دہ سالہ وسائط کو چشم زدن میں مکمل کر لے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مرغی بہت دن تک انڈے سینے میں مصروف رہتی ہے، اس کے بعد کہیں تین ہفتوں میں بچے نکلتے ہیں۔ لیکن ایک مشین ایسی بنی جاتی ہے جو انڈوں کو گھنٹہ بھر میں اتنی گرمی پہنچا کر بچے برآمد کر دیتی ہے کہ مرغی کو جس کے لیے بیس بائیس دن لگ جاتے ہیں۔

بہر حال معجزہ ان تمام انسانوں کے لیے جو نور عقل یا مجرد تبلیغ و دعوت سے ایمان اور ہدایت کی خوبیاں نہ جان سکتے تھے، دلیل دعویٰ کا کام دیتا تھا۔ پس جو حرماں نصیب معجزہ دیکھنے کے بعد بھی بدستور کفر پر مصر رہے، اس کی علت جذبات بغض و عناد کی شدت یا فطری پست خیالی یا شقاوت ازلی کے سوا اور کچھ نہیں قرار دی جا سکتی۔

## کیا معجزہ قانون فطرت کے خلاف ہے؟

معجزات اور خوارق عادات کے منکر کہتے ہیں کہ معجزہ قانون فطرت کے خلاف ہے اس لیے اس کا صدور ممتنع و محال ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا فطرت کے تمام تر قوانین جن کے ماتحت معجزہ خلاف فطرت سمجھا گیا، منضبط و متحقق ہو چکے ہیں؟ اہل تجربہ جانتے ہیں کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن ایک خاص مقدار میں ملائے جائیں تو پانی بن جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پانی دو مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ اور یہ حقیقت سائنس دانوں کے نزدیک مسلم ہے لیکن جب تک اس کا عملی تجربہ نہیں کیا گیا تھا، تمام حکماء، دو ڈھائی ہزار سال سے پانی کو ایک مفرد عنصر یقین کرتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوانین فطرت تجربہ کے شرمندۂ احسان ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ کسی چیز کو خلاف فطرت کہہ کر اس کو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آفرینندۂ فطرت چاہے تو کبھی کبھی ان مسلمہ قوانین فطرت کو تبدیل بھی کرسکتا ہے۔

اور پھر جن امور کو آج خلاف فطرت اور خارق عادت کہہ رہے ہو، ممکن ہے کہ کچھ مدت کے بعد وہی فعل تجربے میں آکر تمہارا مسلمہ بن جائے۔ آج سے دس بارہ سال پہلے کون کہہ سکتا تھا کہ ریڈیو کے ذریعہ سے ایک شخص لندن یا نیویارک میں بیٹھا ہوا اپنی باتیں ہمیں اسی طرح سنا سکتا ہے جس طرح کوئی پاس بیٹھا ہو۔ اسی طرح لاسلکی کی ایجاد سے پہلے یہ امر قطعاً بعید تھا کہ آپ کراچی میں بیٹھے ہوئے اپنے دوست کو لندن اور نیویارک میں ایک منٹ میں اپنا پیام دے سکتے ہیں۔ لیکن آج یہ چیزیں حقیقت ثابتہ ہیں۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جب کبھی کوئی نئی ایجاد ہوئی اور جدید تحقیق عالم وجود میں آئی تو خود سائنس دان ہی سب سے پہلے آستینیں چڑھا کر مخالفت کو کھڑے ہو گئے کہ یہ ناممکن ہے۔ آخر کچھ زمانہ کے بعد وہی ایجاد صحیح ثابت ہو کر ان کی فہرست مسلمات میں درج ہوگئی ظاہر ہے کہ جب خود سائنس سے متعلق ان کا یہ شیوہ رہا، تو روحانیات کی تو وہ جس قدر مخالفت کریں کم ہے کیونکہ یہ امور ان کی سطح فہم و ادراک سے بہت بلند ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عقل و فہم کی میزان اتنی بڑی نہیں کہ اس پر ذات و صفات خداوندی، حقیقت وحی و نبوت، معجزات اور امور آخرت جیسے ماوراء العقل مغیبات بھی وزن کیے جا سکیں اصل بحث یہ ہے کہ اگر ثقہ راویوں کی وساطت سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ فلاں نبی کے ہاتھ پر یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا تو اس کے تسلیم کرنے میں شک و ریب کو دخل نہ دینا چاہیے کیونکہ خالق فطر

ہی اس فطرت کو کبھی بدلنا چاہے تو وہ بدل سکتا ہے اور اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ قوانین الٰہیہ دو قسم پر ہیں۔ عام اور خاص۔ معجزات عام قوانین سے مستثنےٰ اور خاص قوانین قدرت کے احاطہ میں داخل ہیں۔

## معجزہ اور مسمریزم

آزاد مشرب لوگ اور ابنائے تعلیم جدید جو اسلامی تعلیمات سے کہیں زیادہ یورپ کے الحاد و زندقہ سے وابستہ ہیں معجزات کے وجود سے ہمیشہ انکار کیا کرتے تھے۔ لیکن مسمریزم کے تجربوں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزوں اور ریاضت کش بزرگوں کے فوق الفطرت واقعات کی پوری طرح تصدیق و توثیق کر دی ہے۔ آج مسمریزم کا عامل ارواح پر ایسا تصرف کرتا ہے کہ اس کا معمول غیب کی خبریں سنانے لگتا ہے۔ عامل اپنے معمول کو بے ہوش کر کے اس سے جو کام لینا چاہے لے سکتا ہے۔ معمول مردہ کی طرح بے حس ہو جاتا ہے اور اگر عامل اس اثر کو بروقت زائل نہ کر دے تو بسا اوقات اس کے ساز ہستی کا تار ہی ٹوٹ جاتا ہے۔

مسٹر ہڈسن نے کتاب لا اوف سائیکک فینامنا میں ایک واقعہ بیان کیا ہے جو خود اس کے ساتھ گزرا۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے ایک جرنیل کو روحانی طاقت کا کرشمہ دکھانے کے لیے ایک عاملہ عورت کے سامنے بٹھایا۔ جرنیل سے کہا گیا کہ وہ عاملہ سے مخفی رکھ کر اپنے ان احباب کے نام چھ چٹھیاں لکھے جو بہت فاصلہ پر ہوں۔ جرنیل نے وہ چٹھیاں لکھیں اور لپیٹ کر اپنے سامنے میز پر رکھ لیں۔ پھر عاملہ نے ان چٹھیوں کے قریب دو سلیٹیں ایک دوسری کے اوپر رکھ دیں سلیٹوں کے بیچ میں ایک سلیٹ پنسل بھی رکھ دی گئی۔ اب جرنیل اور عاملہ نے اپنے اپنے ہاتھ ان چٹھیوں اور سلیٹوں پر رکھ دیے۔ اس کے بعد یک بیک سلیٹوں کے اندر پنسل چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ تھوڑی دیر میں ہم نے تین خط کھینچنے کی آواز سنی۔ عاملہ کہنے لگی کہ یہ تین خط اس بات کی علامت ہے کہ چٹھیوں کے جواب لکھے جا چکے۔ عاملہ نے سلیٹیں اٹھا کر جرنیل کو دیں تو وہ اپنے دوستوں کے جواب پڑھنے لگا اور یہ دیکھ کر محو حیرت ہوا کہ ہر چٹھی کے وہی جواب درج تھے جو ہر ایک دوست کی طرف سے موزوں ہو سکتے تھے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات قلمبند کرنے کے بعد ہڈسن نے لکھا ہے کہ مہذب دنیا ان واقعات کے صحیح ہونے کا ایسا ہی یقین رکھتی ہے جس طرح ہر انسان کو وجود آفتاب کا علم و یقین ہے۔ اس لیے آج جو شخص ان روحانی مناظر سے انکار کرتا ہے وہ جاہل مطلق ہے یا اسے خلل دماغ کا عارضہ ہے۔

### مسمر کے قول و فعل پر ایمان

ملحدانِ تعلیم جدید اب بھی اس مرض میں بکثرت مبتلا ہیں کہ اگر انبیائے کرام میں سے کسی کا کوئی معجزہ قرآن یا حدیث سے ان کے سامنے پیش کیا جائے تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے لیکن اگر مسمریزم کے موجد مسمر کا قول ان کے سامنے رکھا جائے تو آمنّا و صدّقنا کہہ کر سر جھکا دیتے ہیں۔ ایسے آوارہ مزاجوں کے بارہ میں کسی حق گو نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے کہ بر مائدۂ یورپ مہماں باشی      حیف باشد اگر از جملۂ ایشاں باشی
حیف اگر از فلسفۂ مغربیاں      منکر فلسفۂ سنت و قرآں باشی
مسمر از شعبدۂ جلوہ دہد سر بنہی      منکرِ معجزۂ موسیٰ عمراں باشی

### معجزہ اور سحر کا فرق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس قسم کے اعجوبہ روزگار امور صادر ہوتے ہیں، جادو، طلسم، نیرنگ، شعبدہ، مسمریزم، ہپناٹزم وغیرہ سے بھی اس قسم کی باتیں دکھائی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ اگر جادو یا مسمریزم وغیرہ سے بھی معجزہ کے سے عجیب و غریب امور صادر ہو سکتے ہیں تو عامۃ الناس کے لیے حق و باطل میں تمیز کرنا بہت مشکل ہے"

لیکن معجزہ اور سحر وغیرہ میں امتیاز کرنا نہایت آسان ہے۔ معجزہ اور سحر میں سب سے اہم اور اقدم امر فارق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام اعمال و کردار پاکیزہ، مقدس اور سراپا خیر ہوتے تھے، مگر ساحر اور اسی قماش کے دوسرے لوگوں کے افعال مذموم اور فتنہ پرور ہوتے ہیں۔ اور بغرض شرور و فتن عمل میں لائے جاتے ہیں۔ انبیاء کی استعانت صرف ذاتِ خداوندی سے ہوتی تھی۔ لیکن ساحر ماسوی اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ پیغمبروں کا مطمح نظر رضائے الٰہی، تزکیۂ نفوس، ہدایت و فیض رسانی خلق اور مخلوق کے تعلقات خالق سے استوار کرنا تھا، لیکن ساحروں کو لوگوں کی اصلاح اور تہذیب نفوس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا بلکہ وہ تو ان باتوں کے نہ اہل ہیں اور نہ مدعی۔

ساحر اور مسمریزم کے عامل نیک کرداری اور عفت و طہارت کا کوئی اعلیٰ نمونہ پیش نہیں کر سکتے بلکہ ان کی حرکتیں عموماً اس قسم کی ہوتی ہیں کہ لوگوں میں خون خرابہ کرا دیا، میاں بیوی میں جدائی ڈال دی، طالب کو اس کے مطلب تک پہنچا دیا، کسی کے دشمن کو ہلاک کر دیا۔ الغرض ان کی تمام تر قوت سحر شر و زیان میں صرف ہوتی ہے۔ ساحروں اور اس قسم کے دوسرے شعبدہ بازوں سے اگر کوئی بڑی سے بڑی نیکی ظہور میں آ سکتی ہے تو وہ کسی بیمار کو اچھا کرنا ہے مگر یہ کبھی ممکن نہیں کہ فاسق سے اس کا فسق چھوڑا دیں، دنیا کے اندر کوئی روحانی انقلاب پیدا کر دیں، زنگ آلود دلوں کو جلا

دے سکیں۔ کیونکہ وہ تو بذاتِ خود پیکرِ شر اور مجسمۂ شیطنت ہوتے ہیں۔

معجزہ اور سحر میں دوسرا فرق یہ ہے کہ معجزہ بے توسطِ اسباب محض ارادۂ خداوندی سے صادر ہوتا تھا۔ سحر اور دوسرے عجائب امور میں وسائطِ غیر معروفہ مثلاً اسبابِ نفسی وطبعی وغیرہ کا واسطہ پایا جاتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ معجزہ کی غرض داعیٔ حق کی تائید، اربابِ ایمان کی تسکین وتثبیت، اتمامِ حجت یا دعوۃ الٰہی کے معاندین کی ہلاکت وتخریب ہوتی تھی۔ سحر کی طرح کھیل تماشہ اور شعبدہ بازی مقصود نہ ہوتا تھا۔ معجزہ اور سحر میں چوتھی حدِ فاصل یہ ہے کہ جب کبھی باہم دونوں کا مقابلہ ہُوا تو معجزہ ہمیشہ غالب رہا اور سحر مغلوب ہُوا۔

پانچواں فرق یہ ہے کہ معجزہ سے جو عظیم الشان خوارق وعجائب صادر ہوتے تھے مثلاً چاند کا شق ہونا، دریا میں خشک راستے پیدا ہوجانا وغیرہ یہ امور سحر کی رسائی اور قوتِ عمل سے باہر ہیں۔ چھٹا یہ ہے کہ معجزہ میں قلبِ حقیقت اور تبدیلِ خاصیت ہوتی تھی۔ سحر میں انقلابِ ماہیت نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف شعبدہ گری اور نیرنگ سازی ہے۔ کلامِ الٰہی کی متعدد آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو صرف فریبِ نظر یا چشم بندی اور شعبدہ بازی کا دوسرا نام ہے! ارشادِ خداوندی ہے

| | |
|---|---|
| (۱)۔ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى۔ | موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جادو کی نسبت یہ گمان ہُوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔ |
| (۲)۔ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سَاحِرٍ۔ | ان لوگوں نے جادو کا کرتب کیا تھا۔ |
| (۳)۔ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔ | ساحروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ |

پہلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ صرف تخیل تھا کوئی واقعی چیز نہ تھی۔

دوسری میں کید کا لفظ موجود ہے۔ یہ لفظ جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو تدبیر کے معنی میں آتا ہے اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو اس کے معنی عموماً فریب کے ہیں۔

تیسری آیۃ میں صاف موجود ہے کہ انہوں نے نظر بندی کی تھی۔

معجزہ اور سحر میں چھ قسم کا جو فرق اوپر بتایا گیا ان میں سے بعض فرق ایسے ہیں جن سے معجزہ اور غیر معجزہ میں کوئی ظاہری اور غیر مشتبہ امتیاز نمایاں نہیں ہوسکتا اور ان سے التباس و اشتباہ کی حقیقی گرہ نہیں کھلتی۔ پس ان تمام امور میں سب سے بڑی ما بہ الامتیاز چیز یہی ہے کہ اصحابِ خوارق کی اخلاقی اور عملی حالتوں کا باہم موازنہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان میں سے معصوم وپاک زندگی کس کی ہے ناپاک کس کی، نیک کرداری اور حق پرستی کا علمبردار کون ہے،

بدی اور شر کا کون؟ توحید اور شرائع الٰہی کا داعی کون ہے، کفر و وثنیت کا مصدر و منبع کون؟ کس کا اثرِ صحبت نیکی کی طرف مائل کرتا ہے اور کس کا فسق و معصیت کی طرف؟

**معجزہ اور کرامت** جو خرقِ عادت پیغمبر سے ظاہر ہو اسے معجزہ، آیت یا دلیل نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اور ولی سے صادر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ ولی وہ مومن ہے جو رب العالمین کی ذات و صفات کا علم حاصل کرنے کے بعد عبادات پر مواظبت کرے، گناہوں سے بچے، لذات و شہوات نفسانی سے کنارہ کش رہ کر انقطاع و تبتّل اختیار کرے اور جذبۂ شوقِ الٰہی اسے محبوبِ حقیقی کی طرف کھینچ لے۔ ولی نبی کا پیرو ہوتا ہے اس لیے اس کی کرامت بھی دراصل نبی ہی کا معجزہ ہے، جو صداقت نبی کی دلیل ہے۔ معجزہ میں دعوائے نبوت ہوتا تھا، کرامت میں دعویٰ نہیں ہوتا۔ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ بھی ایک دائمی معجزہ ہے کہ آپ کے کامل پیروؤں کے ہاتھ پر انقراضِ عالم تک خوارقِ عادت ظاہر ہوتے رہیں گے۔

بہت سے جہّال کرامت اور استدراج میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔ وہ تارکانِ صلوٰۃ، بھنگ نوش، شراب خوار فاسقوں اور مبتدعین دہر کے شعبدے دیکھ کر انہیں ولی کامل سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ اتباعِ شریعت اور پیروئ سنت کے بغیر کوئی انسان عارفانِ الٰہی اور خاصانِ بارگاہ کے زمرہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

# مقالہ ۷۔ تنزیلِ قرآن کی ضرورت

قرآن مجید تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں اور دس سال تک مدینہ منورہ میں یعنی تیئیس سال کی مدتِ رسالت میں بتدریج نازل ہوتا رہا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کی کتابیں تورات، زبور، انجیل دنیا میں موجود تھیں تو قرآن کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یہ سخت بوالعجبی ہے کہ دنیا میں رب السموات والارض کا کلام لوگوں کی راہنمائی کے لیے موجود ہو اور پھر اس کو تو طاقِ بے التفاتی پر رکھ دیا جائے اور اس کی جگہ دوسرا کلام الٰہی نازل ہونے لگے۔

**انسانی استعدادوں کی تکمیل** لیکن اس کی دو وجہیں تھیں۔ پہلی یہ کہ جس طرح حیاتِ انسانی شیر خوارگی، طفلی، نوجوانی، پختگی عمر کے مختلف مدارج طے

کرتی ہے اسی طرح نبوت کو بھی آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک کئی مدارج طے کرنے پڑے۔ حضرات آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام کے زمانوں میں نبوت شیر خوارگی، طفلی اور نوجوانی کی منزلیں طے کر رہی تھی، اس لیے ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے جدا جدا پیغمبر آتے رہے اور ان کو جو ہدایت نامے دیے گئے وہ بھی ان کی محدود ضروریات کے لحاظ سے محض وقتی اور خاص اُن کی اپنی اپنی قوم کے لیے ہوتے تھے۔ آخر جب نوع انسان پر وہ وقت آیا کہ اس کی استعدادیں مکمل ہوگئیں تو رب قدیر نے تمام دنیا کو ایک شہر کی اور تمام نوع انسانی کو ایک قوم کی حیثیت بخشی اور سطح ارضی کی ہر قوم، ہر نسل، ہر ملک اور ہر زمانہ کے لیے ایک اکمل ہادی اور مکمل ہدایت نامہ بھیج دیا۔ اس کامل ہادی اور مکمل ہدایت نامہ نے اپنے ماننے والوں کی ترقی و رفعت کے تمام مدارج طے کرائے اور بلند ترین مقام عروج پر پہنچا کر اپنے کامل ہونے کا عملی ثبوت دے دیا اور نوع انسانی پر حجت پوری کر دی کہ آیندہ قیامت تک کوئی انسان اس کامل ہدایت نامہ اور کامل ہادی کی پیروی کے بغیر سعادت و فلاح سے ہرگز بہرہ ور نہ ہو سکے گا۔

### پہلے ہدایت ناموں کا محفوظ و موجود رہنا غیر ضروری تھا

ابتدائے آفرینش سے لے کر اخیر زمانہ تک بسیط ارض پر جس قدر انبیا، آسمانی کتابیں یا صحیفے لے کر آئے، خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم اور کسی زمانہ میں آئے ہوں، ان میں سے قسم کھانے کو بھی ایک کتاب یا صحیفہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ و موجود نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام ہدایت نامے اپنے معین و محدود وقتوں کے لیے تھے۔ لہٰذا ان کے ہمیشہ موجود رہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی بنا پر رب قدیر نے ان میں سے کسی کی بھی تحریف و تبدیل سے حفاظت نہ فرمائی۔ لیکن چونکہ دنیا کا آخری ہدایت نامہ یعنی قرآن ہر زمانہ اور دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک کے ہر انسان کی راہ نمائی کے لیے بھیجا گیا تھا، اس کا ابداً محفوظ و موجود رہنا لازمی و لابد تھا۔ چنانچہ قرآن مجید بحمداللہ اس طرح محفوظ ہے کہ اس میں ایک نقطہ اور ایک شوشہ بھی اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تورات، زبور، انجیل میں سے کوئی کتاب بھی نزول قرآن کے وقت اپنی اصلی حالت پر دنیا میں موجود نہ تھی، بلکہ سب نے مُحرَّف و مُبَدَّل ہوتے ہوتے اپنی اصلیت کھو دی تھی اور اس طرح عملاً وہ سب دنیا سے ناپید ہو چکی تھیں۔

### تحریف لفظی بھی ہوئی اور معنوی بھی

تحریف بدل ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہ تغیر و تبدل خواہ

باعتبار معنیٰ کے ہو جسے تحریف معنوی کہتے ہیں، خواہ باعتبار الفاظ کے ہو جسے تحریف لفظی کہتے ہیں۔ اور تحریف لفظی کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو ایک لفظ کو دوسرے لفظ کی جگہ رکھ دیں، یا کسی لفظ کو اپنی طرف سے بڑھا گھٹا دیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن سے پہلے جس قدر صحیفے اور آسمانی کتابیں تھیں اُن سب میں معنوی اور لفظی دونوں طرح کی تحریفیں ظہور میں آئیں لیکن ہم میں اور اہل کتاب میں تحریف معنوی سے متعلق کوئی نزاع نہیں البتہ تحریف لفظی متنازع فیہ ہے اور مسلمان بدلائل قاطعہ اس کو ثابت کیا کرتے ہیں کہ بائبل وغیرہ کتابیں بجنسہٖ وہ کتابیں نہیں جو آسمان سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

## بائبل ۶۶ کتابوں کا مجموعہ ہے

معلوم ہو کہ قرآن کی طرح بائبل کسی ایک کتاب کا نام نہیں بلکہ ۶۶ مختلف، ایک دوسرے سے بے واسطہ اور آزاد کتابوں کا مجموعہ ہے جس میں تورات، زبور اور انجیل نام کی کتابیں بھی داخل ہیں۔ اور پھر باعتبار اصل زبان بھی سب کی ایک نہیں۔ یہ کتابیں ایک دوسری سے نصف درجن صدیوں بلکہ بعض تو ہزار برس بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کے لکھنے والے بھی مختلف درجہ، خیال اور زمانہ کے لوگ ہیں ان میں سلاطین، درباری، کاتب، عالم، جاہل، کسان، گڈریے، مختلف العقیدہ، مختلف الخیال، متقی غیر متقی سب ہی قسم کے اشخاص تھے۔ یہ تمام کتابیں اپنے موضوع، اغراض و مقاصد، طرز، اور اخلاقی و مذہبی محاسن میں بھی مختلف ہیں۔

## موجودہ تورات و انجیل محض ملفوظات کی حیثیت رکھتی ہیں

بدھ، پارسی، بت پرست اور دوسری مشرک قومیں تو سرے سے اس تخیل ہی سے ناآشنا ہیں کہ رب العالمین کی طرف سے کسی بندے پر کوئی کتاب نازل ہو سکتی ہے لیکن لطف یہ ہے کہ جن قوموں پر آسمانی کتابیں فی الحقیقت نازل ہوئی تھیں یعنی یہود و نصاریٰ آج وہ بھی کسی کتاب الٰہی کے نزول کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک الہامی کتاب کے صرف یہ معنیٰ ہیں کہ خدائے برتر نے کسی برگزیدہ ہستی کے دل میں جسے اس نے ہدایت خلق کے لیے منتخب فرمایا کچھ مضامین القا کر دیے۔ ان کے زعم میں ایسے الہام کے لیے نبوت و رسالت کی بھی کوئی شرط نہیں بلکہ ایسا الہام والقا ہر عارف باللہ کو ہو سکتا ہے۔ اور پھر عارف ان الہامی مضامین کو اپنے لفظوں میں اپنے پیروؤں کو سناتا ہے۔ غرض یہود و نصاریٰ کے نزدیک توراۃ، زبور اور انجیل کی حیثیت وہی ہے جو مسلمان بزرگوں کے ملفوظات کی ہوتی ہے لیکن چونکہ موسوی اور عیسوی

دونوں دینوں کی صورت مسخ ہوگئی اور دنیا میں آسمانی تعلیمات کو روایۃً نقل نہ کیا گیا اس لیے ان بیچاروں کو اتنا بھی معلوم نہ رہا کہ توراۃ، زبور اور انجیل جو علی الترتیب حضرات موسیٰ، داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں، ان کا ایک ایک حرف ارشاد خداوندی تھا، جن میں ان تینوں مقدسین کا اپنا ایک حرف بھی نہ تھا۔ اسی ذہنیت کا اثر ہے کہ عیسائی لوگ قرآن پاک کو بھی کلام الٰہی ماننے کو طیار نہیں۔ بلکہ اس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خیال کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی پادری یہ کہتا ہے کہ بائبل محرف و مبدل نہیں ہوئی تو اس سے اس کی یہ مراد ہوتی ہے کہ تصنیف و ترتیب کے بعد اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

### آیت قرآنی سے پادریوں کا استدلال

تحریفات یہود و نصاریٰ پر بیسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں اس کی صراحت کا موقع نہیں۔ البتہ پادری صاحبان کے ایک قرآنی استدلال کا جواب دینا لوازمات سے ہے۔ وہ اپنے زعم عدم تحریف میں قرآن کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں:۔ فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (اے سامع اگر تو اس کلام سے جو ہم نے تیری طرف اتارا ہے شک میں ہے تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں (۱۰: ۹۴) اس آیت میں خدائے برتر اہل شرک کا شک رفع فرمانا چاہتا ہے جو بمقتضائے بشریت کبھی اس خلجان میں پڑتے تھے کہ قرآن میں بعض بعید از فہم باتیں ہیں۔ مثلاً ایسے بشر کا نبی ہونا جو ہماری طرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہے یا انبیاء کے بیان کردہ معجزات یا ملائکہ کا وجود یا قیامت میں مُردوں کا زندہ ہونا وغیرہ۔

اس کے متعلق خدائے ذی المنن فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے واہمہ کا شکار ہو تو وہ اہل کتاب سے پوچھ کر بھی شک رفع کر سکتا ہے کہ انبیائے سلف پر حق تعالیٰ کا جو کلام پہلے نازل ہوتا رہا ہے اس میں بھی یہ سب باتیں موجود تھیں۔

پادری صاحبوں کے خیال میں آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اہل کتاب کی مقدس کتابیں محرف نہیں ہوئی تھیں۔ اگر کسی میں تحریف ہوئی ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ خدا اس آیت میں حکم کرتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں کی طرف رجوع کرو اور شک کے وقت ان سے پوچھو لیکن ہم نے آیت کا جو مطلب و مفہوم اوپر بیان کیا اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ اس آیت کو پادری صاحبوں کے مدعا سے کوئی ربط اور دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ یہ آیت مشرکوں کے توہمات کے جواب میں اُتاری گئی ہے۔

### مخاطب رسول اللہ لیکن مقصود دوسرے لوگ

اور اگر پادری صاحبان کہیں کہ آیت کے الفاظ فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَكٍّ (اگر تجھے شک ہو) میں مخاطب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے مشرک مراد نہیں ہو سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو خطاب بظاہر آپ کو ہے مگر مقصود دوسروں کو خطاب کرنا ہے۔ قرآن شریف میں سیکڑوں آیتیں ایسی ہیں جن میں صیغۂ واحد حاضر استعمال کیا گیا ہے مگر مقصود دوسرے ہیں۔ مثلاً

| | |
|---|---|
| وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۹:۱۰) | اور اُن لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (ایسا کرنے سے) آپ تباہ ہو جائیں گے۔ |

گو آیت کے مخاطب خود مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں مگر ظاہر ہے کہ آپ کی طرف سے اس بات کا کوئی بعید سا بھی احتمال نہیں تھا کہ آپ (معاذ اللہ) آیات اللہ کو جھٹلائیں گے پس یا تو مخاطب آپ اور مقصود دوسرے لوگ ہیں یا مبالغۃً ایسا کہا گیا ہے کہ جب اس ذات قدسی کو جس کی نسبت کسی درجہ میں بھی آیات اللہ کے جھٹلانے کا کوئی احتمال نہیں، روکا گیا ہے، تو جن لوگوں میں اس کا احتمال ہے، ان کو تو بدرجۂ اولیٰ باز رہنا چاہیئے۔ پہلی آیت کے نزول کے وقت جسے پادری استدلال میں پیش کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقصود بالخطاب نہ ہونے کو ان الفاظ میں ظاہر فرما دیا تھا۔ لا اشك و لا اسأل (نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ کسی سے پوچھوں گا) اخرجہ عبد الرزاق و ابن جریر عن قتادہ مرفوعاً و مرسلاً کذا فی الدر المنثور[1]

### کتب سابقہ محرّف نہ ہوتیں تو بھی نزول قرآن ناگزیر تھا

الغرض جب پہلی آسمانی کتابیں دنیا سے مفقود ہو چکی تھیں، تو ضرور تھا کہ خلق خدا کی ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا جاتا، جو رب العالمین کا آخری کلام وحی اور اَبَدی ضابطۂ خداوندی ہے۔ اور اگر پہلی کتابیں بالفرض محرف و مبدل نہ ہوئی ہوتیں تو بھی قرآن کا نزول ایسا ہی ضروری تھا جیسا تورات کی موجودگی میں زبور کا، اور زبور کے ہوتے ہوئے انجیل کا، کیونکہ پہلی تمام کتابیں اپنے اپنے زمانہ اور اپنی اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھیں، بخلاف قرآن کے جو ہر زمانہ کے ہر انسان کے

---

[1] قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفٰے میں بہت سی آیتیں جمع کی ہیں جن میں مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن مراد دوسرے لوگ ہیں۔

لیے دوامی و ابدی ہدایت نامہ ہے۔

# مقالہ ۸۔ قرآن کو رسولؐ اللہ کا کلام سمجھنے کی کوتہ اندیشی

غیر مسلم عام طور پر فرقان حمید کو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام گمان کرتے ہیں، مگر یہ انتہا درجہ کی کم فہمی اور کوتہ اندیشی ہے۔ یہاں تین دلیلیں پیش کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ قرآن کسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام نہیں ہوسکتا۔

**پہلی دلیل** قاعدہ کی بات ہے کہ کوئی مصنف اپنی کتاب میں اپنے آپ کو موردِ الزام نہیں ٹھیرایا کرتا اور بذاتِ خود طعن و تشنیع کا آماج گاہ نہیں بنتا۔ لیکن ہم قرآن میں متعدد مقامات پر دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی زیرِ عتاب ہے۔ کسی جگہ آپ کی کسی فروگذاشت پر گرفت ہے۔ کہیں کوئی اور حرف گیری کی گئی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ مجلس مبارک میں رؤسائے قریش کی آمد پر آپ تبلیغ میں منہمک تھے تو ایک نادار نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آکر بے طرح سوالات پوچھنے شروع کر دیے۔ آپ کو شدتِ انہماک میں ان کا یہ فعل ناگوار ہوا اور ان کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اس پر سورۂ عَبَسَ میں بالفاظ ذیل آپ پر زجر و توبیخ ہوئی

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بات پر) تیوری چڑھائی اور منہ موڑ بیٹھے کہ (ایک) نابینا ان کے پاس آیا۔ (اے پیغمبرؐ!) تم کیا جانو کہ (تمہاری تعلیم سے) وہ سنور جاتا اور اس کو نصیحت سود مند ہوتی۔ لیکن جو شخص (دین کی طرف سے) بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تم خوب توجہ کرتے ہو، حالانکہ اگر وہ (ہدایت قبول کر کے گناہوں سے) پاک نہ ہو تو تم پر کچھ (الزام) نہیں، اور یہ جو (خدا سے) ڈر کر تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا، تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔"

جب تبوک کو جاتے وقت آپ نے بعض سچے عذر خواہوں کے ساتھ بعض منافقوں کو بھی شریکِ جہاد نہ ہونے اور مدینہ میں پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تو یہ فرمان خداوندی آیا:۔

"اللہ نے تم کو معاف کیا۔ تم نے ان (منافقوں) کو کیوں اجازت دی۔ ان کو اس وقت تک اجازت نہ دینی چاہیئے تھی جب تک ہم بذریعہ وحی آپ کو یہ اطلاع نہ دے دیتے کہ عذر پیش کرنے والوں میں سچے کون کون ہیں اور جھوٹے کون کون۔"

جب سورۂ تحریم نازل ہوئی تو اس کی پہلی ہی آیت میں آپ پر یہ شفقت آمیز گرفت تھی:۔

"اے پیغمبرؐ! جو چیزیں خدا نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، تم اپنی بیوں کی خوشنودیٔ خاطر کے لیے ان کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ظاہر ہے کہ اگر قرآن سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہوتا تو اس میں تذکرۂ صدر جرح و قدح ہرگز نہ دکھائی دیتی۔

### قرآن کے کلام رسولؐ نہ ہونے کی دوسری دلیل

قرآن مجید کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ہمارے پاس آسمانی تعلیمات کے دو مجموعے موجود ہیں۔ وحی متلوّ اور وحی غیر متلوّ یعنی قرآن اور حدیث۔ ان دونوں میں بحیثیت تنزیل جو فرق ہے اس کی تشریح مقالۂ سوم میں گزر چکی ہے۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن و حدیث دونوں نورٌ علٰے نور ہیں لیکن ہم بالبداہت دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام یعنی حدیث میں اور کلام الٰہی میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے، حالانکہ منکر لوگ حدیث کی طرح قرآن کو بھی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا کلام بتاتے ہیں لیکن ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ اگر یہ دونوں انسانی کلام ہوں تو دونوں ایک شخص کا کلام نہیں ہو سکتے۔ حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ۲۳ سالہ زمانۂ نبوت کا کلام موجود ہے۔ کہیں اہل بیت، ازواج مطہرات سے بے تکلف گفتگو ہے۔ کہیں وفود کے سامنے تبلیغی تقریریں ہیں۔ کہیں جمعہ کے وعظ ہیں۔ کہیں صحابہؓ کو عبادات کی تعلیم ہے، کہیں والیان حکومت کے نام مراسلات ہیں، کہیں جہاد پر وعظ، کہیں حالت درماندگی کی دعائیں، کہیں وداعی وصیتیں۔ غرض آپ کو معمولی اور پُر زور کلام کے مختلف مواقع پیش آئے ہیں، ان تمام ارشادات نبویہ میں یک رنگی پائی جاتی ہے، اور سب کی شان ایک ہے۔ لیکن حدیث کے مقابلہ میں قرآن پڑھو۔ مختلف الالحان، مختلف الوزن اور مختلف القوافی ہونے کے باوجود تمام قرآن اوّل سے آخر تک مرصع و رنگین اور انتہا درجہ کا فصیح و بلیغ معلوم ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی قائل کا کلام اور رسول اللہ کے کلام یعنی حدیث سے بالکل ممتاز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو تفاوت قرآن اور حدیث میں ہے، وہ تفاوت ایک ہی شخص کے دو مبسوط اور مختلف کلاموں میں کبھی نہیں ہو سکتا۔

### تیسری دلیل

قاعدہ کی بات ہے کہ حالات کے تغیر اور ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ انسان کا طرز تخاطب ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً جب غضب آلود ہوتا ہے اور اس کے جذبات متلاطم ہوتے ہیں تو اس کی گفتگو میں تلخی اور درشتی کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ جب رنج و کرب

میں مبتلا ہو تو اس کی زبان میں افسردگی اور پژمردگی کے ساتھ حلم و مسکنت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ جب محظوظ و مسرور ہوتا ہے تو اس کی باتوں سے حلاوت مترشح ہوتی اور سرور و انبساط کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ جب کبھی عنانِ اقتدار ہاتھ میں آتی ہے تو لب و لہجہ میں تحکم کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ایک مسلمہ نفسیاتی کیفیت ہے جس سے کسی ذی ہوش کو انکار نہیں ہو سکتا۔

اب دیکھیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو قریباً تیئیس۲۳ برس میں تدریجاً دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس طویل مدت میں آپ کو بڑے بڑے انقلابات سے سابقہ پڑا۔ مکہ معظمہ میں نبوت کے دس گیارہ سال سخت مظلومیت اور پریشان حالی سے ہمدوش رہے۔ ہمدرد و غمگسار گنتی کے چند نفوس تھے۔ باقی سارا شہر آپ کے لیے بھڑوں کا چھتا بنا ہوا تھا۔ آپ جس کسی کو توحید کی طرف بلاتے، وہ اس دعوت کا جواب اینٹ پتھر سے دیتا۔ اس عہدِ آشوب میں ہاشمیوں کا عام مقاطعہ ہوا۔ دشمنانِ دین نے انہیں پہاڑ کے درے میں محصور کر کے آب و دانہ تک بند کر دیا۔ ان پریشانیوں کی آخری کڑی ہجرت تھی۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد معاندین اسلام سے آپ کے مقابلے رہے۔ اکثر میں فتح ہوئی گو ایک آدھ میں مسلمانوں کو ہزیمت بھی اٹھانی پڑی۔ حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتوں سے صلحیں کیں۔ معاہدے فرمائے۔ وفود کی آمد و رفت رہی۔ غرض کہ نبوت کی ساری ۲۳ سالہ زندگی سخت انقلاب آفریں حالات میں گزری۔ اس سارے زمانہ میں آپ برابر قرآن لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ لیکن اس کے طریق خطاب اور طرزِ بیان میں کوئی فرق نہ آیا اور اس کی شان رعب و دبدبہ اور بے نیازی ایک نہج پر قائم رہی۔

پس ظاہر ہے کہ اگر قرآن حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہوتا تو اس میں موجودہ یک رنگی ہرگز نہ پائی جاتی بلکہ حالتوں کے تغیرات کی جھلک ضرور نمایاں ہوتی۔ مثلاً جو سورتیں مکہ کی مظلومانہ زندگی میں آپ نے پیش کیں، ان میں درماندگی و بیچارگی اور عجز و مسکنت کا اظہار ہوتا اور کثرتِ فتوحات کے دور کی سورتوں اور آیتوں میں جلال و جبروت اور رعب و دبدبہ کا طمطراق پایا جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آخری مدنی سورتوں میں جو زمانۂ فتوحات میں نازل ہوئیں، جو شوکت و سطوت ہے بالکل وہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تو فرد دورِ مظلومی و بے بسی کی مکی سورتوں اور آیتوں میں ظہور فرما ہے۔

مثلاً ابوجہل کی نسبت ملاحظہ ہو۔ مکہ کا یہ گردن کش اور کینہ پرور رئیس سخت آفت کا پرکالہ

تھا۔ اس کی مفسدہ پردازیوں پر سورۂ علق کی جو پُرجلال و ہیبت زا آیتیں نازل ہوئیں اُن میں فرمایا گیا ہے:۔ دیکھو اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی اور یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے۔ اگر یہ شخص (اپنی شرارتوں سے) باز نہ آئے گا تو ہم ضرور اس کو اس کی جھوٹی اور خطاکار پیشانی سے دھر گھسیٹیں گے اور اس کا منہ رگڑ دیں گے۔ پھر وہ اپنے حمایتیوں کو (جن کے برتے پر کود اکرتا ہے) اپنی مدد کے لیے بلالے۔ ہم بھی دوزخ کے فرشتوں کو (اس کی مزاج پرسی کے لیے) حاضر ہو جانے کا حکم دے دینگے"۔ اسی طرح مکہ کے رسوائے عالم سرمایہ دار ابولہب کی چیرہ دستیوں اور عناد کوشیوں اور اس کی شریر بیوی کی ایذارسانیوں پر جو بلاشبہ شیطان کی نانی تھی، سورۂ تَبَّتۡ یدا نازل ہوئی جس میں بڑے دھڑلتے سے ان دونوں کے لیے عذاب جہنم کی پُرفضیحت پیش گوئی کی گئی۔

الغرض قرآن حکیم کو اول سے آخر تک پڑھ جایئے، اس کے طرزِ خطاب میں آپ کسی جگہ وہ تفاوت نہ پائیں گے جو تغیر پذیر حالات کے ماتحت انسانی کلام میں رونما ہوتا ہے۔ اس سے بھی قطعاً یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ قرآن حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف نہیں۔ بلکہ اس خدائے لایزال کا کلام ہے، جس کی ذاتِ والا حوادث اور ان کے اثرات سے پاک ہے۔

## مقالہ ۹۔ حضرت مفخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ناخواندہ ہونا

خدائے جلیل نے اپنے کلام پاک (۷ : ۱۵۷) میں حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیٔ اُمّی کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ اور اُمّی اس کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ اُمّۃُ العرب کی طرف نسبت ہے کیونکہ عربوں کی بہت بڑی اکثریت لکھنے پڑھنے سے بے بہرہ تھی، اور امام محمد باقرؒ نے فرمایا ہے کہ لفظ اُمّی اُمّ القرٰی (مکہ معظمہ) کی طرف منسوب ہے کیونکہ مکہ کے قریب قریب سارے باشندے ناخواندہ تھے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ اُمّ عربی زبان میں ماں کو کہتے ہیں اور یا نسبت کی ہے۔ پس اُمّی وہ شخص ہے کہ جس حالت میں شکم مادر سے متولد ہوا ہو اسی پر بدستور قائم رہے۔ لکھنا پڑھنا کسی سے نہ سیکھے۔ چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بالکل ناخواندہ تھے اور لکھنا پڑھنا قطعاً نہ جانتے تھے، اس بنا پر رب جلیل نے آپ کو اس صفت سے موصوف فرمایا۔

لیکن یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ جس طرح شیوۂ تکبر و انانیت دوسروں کے لیے باعثِ نقص

ومذمت اور باری تعالیٰ کے لیے صفت مدح ہے' اسی طرح ان پڑھ ہونا اوروں کے لیے تو نقص میں داخل ہے لیکن حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صفت مدح اور باعث ستائش ہے۔ کیونکہ آپ کے حق میں امی کا لفظ سنتے ہی معًا خیال اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ ناخواندہ ہونے کے باوجود آپ کی ذات اقدس میں ایسے علمی اور عملی کمالات ودیعت رکھے گئے تھے کہ جن کی نظیر کائنات کی کسی بڑی سے بڑی ہستی میں بھی نہیں پائی جاتی تو آپ یقینًا خدا کے برگزیدہ رسول تھے۔

### مکاتب اور کتب خانوں کا فقدان

اس حقیقت سے کبھی خالی الذہن نہ ہونا چاہیئے کہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام بعثت میں نہ دنیا کے اندر ریل گاڑی تھی' نہ طیارے اور موٹریں تھیں۔ نہ تار اور لاسلکی کا کہیں نام ونشان تھا اور نہ ریڈیو اور ٹیلیفون کا کہیں وجود۔ نہ اخبارات اور رسالے شائع ہوتے تھے اور نہ کہیں مطابع اور دار الاشاعت پائے جاتے تھے۔ نہ کاغذ سہل الحصول تھا اور نہ کتابیں اس سہولت اور کثرت سے شائع ہوتی تھیں۔ جو باتیں آج ہر کس وناکس کی زبان پر ہیں اُن کا جاننے والا عنقا کا حکم رکھتا تھا۔ بالخصوص عرب میں جہاں ہمارے ہادی ومقتدا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے' نہ کوئی مکتب تھا اور نہ کتب خانہ۔ نہ لوگوں میں تعلیم وتعلم کا چرچا تھا اور نہ علوم وفنون سے کوئی ذوق اور لگاؤ۔ سارے جزیرۂ عرب میں صرف چند آدمی کچھ لکھنا پڑھنا جانتے تھے باقی سب ناخواندہ تھے۔

### کلام میں فطری فصاحت وبلاغت

البتہ ان کے کلام میں فطرۃً فصاحت وبلاغت پائی جاتی تھی۔ منیٰ میں ہر سال شعراء کا جو مجمع ہوتا تھا اس میں ہر کوئی اپنا کلام جا سناتا تھا اور اگر کسی نے اس سے ترقی کی تو ممتاز خاندانوں کے نسب یا عہد ماضی کی رزمیہ داستانیں یاد کرلیں۔ بعض لوگ اس فطری قابلیت کے ساتھ کچھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیتے تھے۔ اسی عامۃ الورود ناخواندگی کے باعث خدائے برتر نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح عرب کے دوسرے باشندوں کو بھی اپنے کلام پاک (۶۲ : ۲۰) میں امی فرمایا ہے۔

لیکن حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمی ہونا دوسرے عربوں کی اُمیت سے جداگانہ حیثیت رکھتا تھا۔ اور لوگ تو علوم وفنون کے اعتبار سے اُمی تھے لیکن آپ کا اُمی ہونا حقیقی

تھا۔ کیونکہ نہ تو آپ کو شعر و شاعری سے کوئی مس تھا اور نہ اس نوشت و خواند سے واقف تھے جس کا ملک میں بقدر قلیل رواج تھا۔ گو یہ علیحدہ امر ہے کہ اُمّی محض ہونے کے باوجود آپ عقل و دانش میں نہ صرف وحید العصر بلکہ ارسطو اور افلاطون کے بھی اُستاد الاستاد تھے۔

## ناخواندہ رہنے کے حِکَم و مصالح

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمّیٔ محض رکھنے میں بہت سی خدائی حکمتیں مضمر تھیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اَن پڑھ لوگ عموماً بدتمیز اور کُندۂ ناتراش ہوتے ہیں۔ ان کی ذات سے علوم و معارف کا ظہور تو درکنار ان کے اپنے اخلاق و اطوار ہی ناہموار ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ وہ دوسروں کو روحانی اور اخلاقی تعلیمات سے کیا بہرہ مند کر سکیں گے؟ قرآن و حدیث میں جس قدر علوم و معارف کا بحرِ زخّار موج زن ہے، اس کی یہ شان ہے کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی یا مصلح نے کبھی دنیا کے سامنے ایسی پاکیزہ تعلیمات پیش کیں۔ نہ آپ کے بعد آج تک قرآن اور احادیث نبویہ کو دیکھ کر کوئی ان کا چربہ اُتار سکا اور نہ ان پر کچھ اضافہ کر سکا۔

گو آپ کے خواندہ ہونے کی حالت میں بھی ان کا ظہور و صدور اعجاز تھا لیکن آپ کی اُمیّت نے ان کے اعجاز پر اور چار چاند لگا دیے۔ ربّ عزیز نے اپنے کلام مجید میں جابجا انبیاے سلف اور امم سابقہ کے واقعات بیان فرما کر ہر مرتبہ اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ اے رسول! آپ کو یہ حالات و واقعات وحیٔ الٰہی کی وساطت سے معلوم ہوئے ہیں ورنہ اس سے پیشتر آپ ان سے بالکل بے خبر تھے۔" پس یہ سب بیانات و تعلیمات از قبیل اعجاز ہیں کیونکہ مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحیٔ الٰہی کے سوا ان حالات کے دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

## آنحضرتؐ کے اُمّی ہونے سے انکار

چونکہ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا صداقتِ اسلام کی سب سے روشن دلیل ہے، بعض ہٹ دھرم لوگ اس کوشش میں منہمک رہتے ہیں کہ کسی طرح آپ کا خواندہ ہونا ثابت کیا جا سکے۔ بہت کچھ حیلہ سازیوں اور سخن تراشیوں سے کام لیا گیا، مگر کوئی بات بنائے نہ بنی۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اگر آپ نے کسی انسان معلم سے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھا ہوتا تو جس وقت مکہ معظمہ کے اندر قرآن کی سورۂ عنکبوت میں آپ کے امی و ناخواندہ ہونے کا یہ اعلان عام ہوا تھا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ
قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ

اے نبی! نزول قرآن سے پہلے نہ تو آپ نے
کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ آپ کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا

بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۔ (۲۹ : ۴۹)

تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ منکر خواہ مخواہ شبہہ کرتے۔

تو قریش مکہ جو آپ کے دشمن جان تھے اور اس بات کے بڑے حریص تھے کہ آپ کے خلاف کوئی حجتِ قاطع ہاتھ آئے، وہ اسی وقت گرفت کرتے اور آپ کے خواندہ ہونے اور کسی استاد کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنے کی علمی شہادتیں پیش کرتے، لیکن کوئی عدوے رسالت ایسا نہ کر سکا۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی! اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو اعداے دین ضرور شبہہ کرتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلی کتابوں میں سے مضامین کا اقتباس کر کے یہ قرآن بنا لیا ہے، مگر آپ کے ناخواندہ ہونے کے باعث کوئی شخص یہ شبہہ نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی جو انکار کرے تو اس کی نری ہٹ دھرمی ہے۔

مزید برآں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ اگر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمی ہونے کی نسبت کلام الٰہی کا بیان (معاذ اللہ) غیر صحیح ہوتا تو ضرور تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آپ کی صداقت مشتبہ ہو جاتی اور انہیں قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کا یقین نہ رہتا۔ ایسی حالت میں ان سے وہ قربانیاں اور جان نثاریاں کبھی ظہور میں نہ آتیں جن کا انہوں نے ہر موقع پر ثبوت دے کر صداقت اسلام کے عملی نمونے پیش کیے۔ پس قرنہا قرن کے بعد قرآن حکیم کے بیان پر لب کشائی کرنا عقل اور دیانت سے دشمنی کرنا ہے۔

**ناخواندہ تسلیم کرنیکے باوجود حیلہ تراشی**

بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمیّت کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ لوگوں کو تعلیم دی وہ بالمشافہ کسی سے حاصل کی ہو گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جن علمی معلومات کے حاصل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ آپ نے اپنے وطن میں حاصل کیے تھے یا کسی غیر ملک میں؟ اگر کہا جائے کہ غیر ملک میں حاصل کیے تھے تو اس کی نسبت تواریخ بتلاتی ہیں کہ آپ نے صرف دو مرتبہ شام کو سفر کیا تھا۔ پہلی بار سن بلوغ سے پہلے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تشریف لے گئے تھے اور دوسری مرتبہ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کے غلام کے ہمراہ۔ ان دونوں سفروں میں آپ تنہا نہ تھے۔ اور جن قافلوں میں آپ تشریف لے گئے تھے ان میں سے کسی

مسافر یا تاجر نے ہرگز یہ نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کوئی بات چیت تک کی ہو۔ پھر یہ کہ آپ مکہ معظمہ سے اتنے ہی دن باہر رہے تھے جتنے دن کہ تجارتی سفر کے لیے ضروری تھا۔ لکھنا پڑھنا سیکھنے کے لیے معتدبہ مُدت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر آپ چند سال تک پردیس میں رہتے تو البتہ کہا جا سکتا تھا کہ آپ نے ان ایام میں علوم کی تحصیل کی ہوگی۔

پھر سوال یہ ہے کہ ایک ایسے شخص کو جس کی ابتدائی عمر کی ناداری و بے نوائی مسلّم ہے اور جس کو نہ تو کوئی صحیح مشورہ دینے والا تھا اور نہ علمی فضیلت حاصل کرنے کی ترغیب دینے والا' کس چیز نے اس پہ آمادہ کیا تھا کہ اپنے ذریعۂ معاش کو ترک کر کے وطن سے دور کسی غیر ملک میں چلا جائے۔ کافی مدت تک وطن سے باہر رہے اور اہل وطن پر اس کے باہر رہنے کا حال ہمیشہ مخفی رہے۔ علاوہ ازیں اگر آپ نے شام یا کسی دوسرے ملک میں جا کر تحصیل علم کی ہوتی' تو صنادیدِ قریش سے بعید نہ تھا کہ وہ اُس ملک سے چند ایسے لوگوں کو شہادت کے لیے مکہ معظمہ بلا بھیجتے' جو یہاں آ کر یہ بیان دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے یا فلاں فلاں علماء سے علم حاصل کیا تھا۔ لیکن عزیز ترین خواہش اور سر توڑ کوشش کے باوجود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کبھی کوئی دلیل قریش کے ہاتھ نہ آئی۔

**اگر آپ کا کوئی معلم تھا تو اس نے خود کیوں نمود حاصل نہ کی؟**

پھر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا معلم یا اُستاد کون تھا؟ اگر کوئی بت پرست تھا تو یہ امر ناممکن ہے کہ اس نے توحید کی تعلیم دی ہوگی' کیونکہ ایسا کرنا اس کے عقائد و خیالات کے خلاف تھا۔ اگر وہ یہودی تھا تو یہ کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ آپ کو حضرت مسیح اور ان کی والدہ ماجدہ علیہما السلام کے فضائل کی تعلیم دیتا' اور نہ کبھی یہ کہتا کہ تورات ایک محرّف کتاب ہے' حالانکہ قرآن مجید میں تحریفات یہود کی نسبت بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ اور اگر آپ کا معلّم کوئی عیسائی تھا تو وہ آپ کو تین خداؤں اور مسیح علیہ السلام کی ابنیت کی تعلیم دیتا' اور عقیدۂ تثلیث کو ہرگز کفر نہ قرار دیتا۔

اور اگر وہ معلّم کوئی ایسا شخص تھا جس نے کوئی نئی تحریک شروع کی تھی' تو ایسے شخص سے تو یہ توقع تھی کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں میں مشہور کر کے نمود حاصل کرتا' یا کم از کم اس کا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا۔ اس میں کون امر مانع تھا کہ اس معلم نے لوگوں کو اپنی پیروی کی دعوت نہ دی؟ یہ امر قطعاً محال ہے کہ ان ایام میں کسی شخص میں اتنی قابلیت ہو کہ وہ ایک

بالکل ناخواندہ شخص کو وہ تہذیب سکھا دیتا جو آپ میں پائی جاتی تھی اور آپ کے ذہن میں نبوت، وحی، توحید، تنزیہ کے مسائل راسخ کر دیتا۔ یہ کام اسی شخص سے ممکن تھا جو علوم و فنون کا غیر معمولی ماہر، بڑا مقتدر عالم اور حکیم کامل ہوتا۔ لیکن اس زمانہ میں نہ تو عرب کے اندر نہ ہمسایہ بلاد و امصار میں کوئی ایسا شخص موجود تھا۔ اور اگر واقعی کوئی ایسا ذی علم موجود تھا تو اس نے اپنے علم و فضل میں کیوں شہرت حاصل نہ کی اور اس زمانہ کے کسی مصنف یا مؤرخ نے کیوں اس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھا؟ اور خصوصًا ان عقائد و عبادات، معاملات و اخلاق وغیرہ کی تعلیم کے سلسلہ میں جو قرآن اور احادیث نبویہ میں پائی جاتی ہے۔

**ایک لمحۂ فکریہ**

یاد رہے کہ گو عرب کے بقدر قلیل افراد شعر و سخن کا مذاق رکھتے تھے اور انہیں فطرۃً اس فن سے لگاؤ تھا، لیکن ان کے اشعار کو ایک نظر دیکھ جائیے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کے عادات و اطوار اور جذبات و میال کی اقلیم پر سراسر وحشت، جہالت اور خواہشات نفسانی کی حکومت تھی۔ نہ عرب میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت تھا اور نہ کسی آئین و ضابطہ کا نشان۔ اخلاق کا معیار جس درجہ پست تھا اتنا شاید دنیا کے کسی ملک اور کسی قوم کا نہ ہوگا۔ ایسے ملک اور ایسی فضا میں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کے ایام طفلی ہی میں پہلے والدین کا اور پھر دادا کا ظل عاطفت اٹھ گیا۔ اس لیے ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے عاری رہا۔ ہوش سنبھالتے ہی بکریاں چرانی شروع کر دیں اور آغاز شباب میں تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا، اور گو اس سلسلہ میں ایک آدھ مرتبہ وطن سے باہر جانے کا اتفاق ہوا لیکن ظاہر ہے کہ پردیس کی چند روزہ عاجلانہ آمد و رفت میں تحصیل علم اور حصول تربیت کے مواقع بالکل ناپید تھے۔

اب مقام غور ہے کہ جب ایک بالکل ناخواندہ شخص کی ذات میں ایسی زبردست اخلاقی قوتِ عمل موجود تھی جس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ہستی کا معیارِ اخلاق پیش نہیں کیا جاسکتا اور اس نے ایسی روحانی اور اخلاقی تعلیمات سے کشور قلوب کی تاریکیوں کو دور کیا جس کے نمونے دنیا کے کسی بانیٔ مذہب اور مقتدا کی ذات میں نہیں پائے جاسکتے اور اس نے فلسفۂ اخلاق کے وہ مسائل تعلیم کیے کہ ارسطو اور افلاطون کا طائرِ خیال بھی وہاں تک پرواز نہ کر سکا تھا، تو خدارا انصاف سے بتاؤ کہ ان تعلیمات اور زبردست قوتِ عمل کا سرچشمہ وحیٔ الٰہی اور فیضان خداوندی کے سوا کچھ اور بھی ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ گو دنیا میں اور بھی بے شمار ہادی و رہبر آئے لیکن پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سیرت

مبارکہ کا مطالعہ کرنے والا یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ؎

کسے بحسن و ملاحت بیارِ ما نہ رسد ترا دریں سخن انکارِ کارِ ما نہ رسد
ہزار نقش برآید ز کلکِ صُنع و لے یکے بخوبیٔ نقش نگارِ ما نہ رسد

# مقالہ ۱۰۔ قبل نبوّت کی چہل سالہ پاکیزہ زندگی

یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم دعوائے نبوت سے پہلے چالیس سال کا طویل زمانہ مکہ معظمہ میں قریش کے اندر گزار چکے تھے۔ اس دوران میں آپ کی زندگی ایسی پاکیزہ رہی کہ ہزار چھان بین اور تلاش و جستجو کے باوجود اعداء آپ کے اخلاق و اعمال پر کبھی کوئی خردہ گیری نہیں کر سکے۔ نزول وحی سے پہلے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ حاصل تھا۔ ان ایام میں آپ کی دیانت اور حسنِ معاملگی اس درجہ شہرت ہوئی کہ لوگ اپنا سرمایہ بلا تامل آپؐ کے سپرد کر کے منافع میں شرکت کرتے تھے۔ آپ کے شرکائے تجارت کے بیانات سے جو کتب حدیث و سیرت میں مذکور ہیں، ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عدیم المثال دیانت و راست بازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے رہے۔

## تجارتی زندگی میں دیانت و امانت کی دھاک

تقویٰ و دیانت کے اعتبار سے تاجرانہ زندگی سخت نازک و مخدوش ہوتی ہے۔ اس میں قدم قدم پر بدمعاملگی، دروغ گوئی، خیانت اور خلاف وعدگی کے الزام عائد ہوتے ہیں۔ لیکن اس دور میں بھی آپؐ کی دیانت و امانت اور خوش معاملگی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ قریش نے آپؐ کو امین کا معزز خطاب دے رکھا تھا۔ تاجروں کا کیسۂ اخلاق عموماً ایفائے عہد کی جنس سے خالی ہوتا ہے لیکن آپؐ نے منصب نبوت سے پہلے بھی اپنے عہد کو جس خوبی سے انجام دیا وہ اخلاق کی دنیا میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

## تین دن ایک ہی جگہ انتظار میں بیٹھے رہے

عبداللہ بن ابی حمساء ایک صحابی کا بیان ہے کہ بعثت سے پہلے میں نے آپؐ سے کوئی لین دین کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا۔ میں دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ اتفاق سے میں تین دن تک اس بات کو بالکل بھولا رہا کہ میں آنے کا وعدہ کر آیا ہوں۔ تین دن کے بعد جب مجھے اپنا وعدہ

یاد آیا تو میں وعدہ گاہ میں پہنچا۔ آپؐ کو وہیں منتظر پایا۔ اس خلفِ وعدہ پر آپؐ نے کچھ بھی اظہارِ ناراضی نہ فرمایا۔ صرف اتنا کہا کہ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں برابر تین دن سے یہیں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ (سنن ابوداؤد)

باوجودیکہ دعوائے نبوت کے بعد قوم دشمن ہوگئی تھی' تاہم اُس وقت بھی لوگوں کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ امانتیں آپؐ ہی کے سپرد کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کو اس غرض سے مکہ معظمہ چھوڑ گئے تھے کہ لوگوں کی امانتیں واپس کی جاسکیں۔

## آپؐ کے اخلاق پر کبھی حرف گیری نہ کی جاسکی۔

آیندہ صفحات پر ان شاء اللہ العزیز قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ قریش دعوت و تبلیغ حق کی پاداش میں آپؐ کے پیرووں کو آغازِ دعوت ہی سے اور آپؐ کو وفات ابوطالب کے بعد سے ہجرت تک برابر جسمانی و روحانی صدمے پہنچاتے رہے۔ آپؐ کا مقاطعہ کیا' اور قتل کی سازشیں کیں مگر کسی عدوے حق کو کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ آپؐ کے اخلاق و عادات پر بھی کوئی حرف گیری کرسکے۔ حالانکہ آپؐ کا دعوائے وحی اس امر کو مستلزم تھا کہ آپؐ اپنی عصمت و پارسائی اور طہارت و معصومیت کا دعوےٰ کر رہے ہیں۔ اعدائے دین نے آپؐ کے دعوائے وحی کے بطلان کے لیے ہزار جتن کیے لیکن یہ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ آپؐ کی ذات گرامی کو ہدف بنا کر آپؐ کے دعوائے نبوت کے بطلان کی کوشش کرے۔ کیونکہ شہر بھر میں آپؐ سے بڑھ کر کوئی شخص راست باز امانت دار اور خوش معاملہ نہیں مانا جاتا تھا۔ ہاں منکروں سے زیادہ سے زیادہ جو ہوسکا وہ یہ لغو بیانی تھی کہ (معاذ اللہ) آپؐ کے حواس بجا نہیں رہے' یا یہ کہ آپ میں (معاذ اللہ) شاعرانہ تعلی پیدا ہوگئی ہے۔

## آپؐ کی صدق بیانی پر دو دشمنوں کی شہادت

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ قیصر روم نے قاصد نبوی کے پہنچنے پر امیر معاویہؓ کے والد ابوسفیان بن حرب کو جو غزوۂ اُحد و خندق میں لشکر قریش کے قائد اعظم تھے تفتیش حال کے لیے بلا بھیجا تھا' اور ان سے جو سوال کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا تم لوگوں کو مدعیٔ نبوت کی نسبت کبھی غلط بیانی کا بھی تجربہ ہوا ہے؟ تو انہوں نے اس کا نفی میں جواب دیا تھا۔ اسی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل نے کہا تھا کہ محمدؐ! ہم نے تمہیں غلط بیانی کرتے کبھی نہیں سنا' اس لیے تم کو تو غلط گو نہیں کہتے۔ البتہ تمہارے دعوائے رسالت کو

صحیح نہیں سمجھتے۔ اس پر کلام مجید کی آیت (۶ : ۳۳) نازل ہوئی، جس میں خدائے قدوس نے فرمایا اے پیغمبرؐ! ہم جانتے ہیں کہ آپ ان منکروں کی باتوں سے غمزدہ ہوتے ہیں۔ سو یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔" (ترمذی)

## اخلاق طاہرہ پر مسٹر سکاٹ کی شہادت

مشہور مستشرق مسٹر سکاٹ لکھتے ہیں کہ وحی اول کے وقت تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی ایسی پاکیزہ رہی ہے کہ آپؐ کے دامن اخلاق پر کوئی ادنیٰ سا دھبا بھی نہیں۔ جوانی ہی میں آپ کو "امین" کا نہایت معزز لقب مل چکا تھا۔ (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی رحلت تک آپؐ کی زندگی برابر ایسی پاک تھی، اور زن و شوئی کے تعلقات ایسے قابل تعریف تھے کہ آپ کے بدترین دشمن ہزار جستجو کرتے ہیں مگر کوئی نقص اور عیب نہیں پاتے (ہسٹری اوف دی مُورِش امپائر ان یورپ، مطبوعہ لندن جلد اول ص ۹۶)

بعض جاہل و متعصب پادری حضور سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے وحی کو (معاذ اللہ) ہسٹیریا کا اثر بتایا کرتے ہیں۔ اس افترا اور کذب بیانی کی نسبت مسٹر سکاٹ لکھتے ہیں "اس سے قطع نظر تاریخی تنقید نے اس افترا کو بلاشک و شبہ بیہودہ ثابت کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیزنطائن لوگوں نے اس برگزیدہ ہستی کی نسبت جہاں اور بہتان جوڑے ہیں وہاں اعصابی ہسٹیریا کا افسانہ بھی انہی لوگوں کا دماغی اختراع ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ بیزنطائن لوگ دروغ بافی میں دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔ (ایضاً ص ۹۸)

# مقالہ ا۔ منکرین وحی رسالت محمدیؐ کی مضحکہ خیز قیاس آرائیاں

یہ حقیقت تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت پیغمبر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ مکرر لکھا جا چکا ہے اُمّی یعنی ناخواندہ تھے۔ اور آپ نے جو پاک تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کیں، وہ آپ کو کسی انسانی ذریعہ سے حاصل نہ ہوئی تھیں۔ بایں ہمہ مستشرقین اور عیسائی مشنری اس وحی خداوندی کے منکر ہیں۔ انہوں نے ہزار جتن کیے کہ اسلامی تعلیمات کا کوئی انسانی ماخذ ثابت کر سکیں، مگر ناکام رہے۔ یہ لوگ جن مضحکہ خیز اور بعید از کار قیاسات کو علمی تحقیق کی صورت میں پیش کیا کرتے ہیں وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں:۔

### بحیرا راہب سے تعلیمات حاصل کرنے کا واہمہ

پہلا خیال یہ ہے کہ ایام طفولیت میں آپؐ نے شام جاکر بحیرا راہب سے علوم حاصل کیے ہوں گے"۔ اس کی نسبت پہلے بھی لکھا جاچکا ہے اور اب مکرر التماس ہے کہ مکہ کا تجارتی قافلہ جس میں پیغمبر علیہ السلام طفولیت میں اپنے چچا کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے، وہ راہب کی خانقاہ کے پاس چند گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ایک دن ٹھیرا تھا۔ پس یہ امر کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ راہب مذکور اس علم وفضل اور اعجاز و کرامات کا مالک تھا کہ اس نے ان تمام علوم وحکمت کا بحر زخار جن سے قرآن اور احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں، چند گھنٹوں یا ایک دن میں نو دس سال کے طفل کے سینے میں داخل کر دیا۔

اور اگر راہب مذکور علوم وحکمت میں واقعی کوئی ایسی ہی یکتا ہستی تھی کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے مقتدائے عالم اس کے شاگرد تھے، تو از راہ نوازش ہم کو اس کے دوسرے ارشد تلامذہ کے اسمائے گرامی بھی بتائے جائیں۔ اس کے علاوہ اس نادر روزگار ہستی کی تصنیفات یا تعلیمات اور علمی تحقیقات کا سرمایہ بھی دنیا میں کہیں نہ کہیں ضرور پایا جاتا ہوگا۔ ایسی حالت میں اگر راہب مذکور کے حکیمانہ اکتشافات اور علمی وعملی کارناموں کا چہرہ بے نقاب کر دیا جائے تو بڑی عنایت ہوگی۔

### یہودیوں سے علوم وفنون حاصل کرنے کی خیال آفرینی

ایک خیال آفرینی یہ ہے کہ شروع شروع میں یہودیوں سے آپؐ کے تعلقات اچھے تھے، اس لیے ممکن ہے کہ آپؐ نے ہجرت کے بعد مدینہ جاکر یہ سب علوم حاصل کیے ہوں"۔

لیکن یہ خیال بھی سخت مضحکہ خیز ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لے جانے سے تیرہ سال پہلے مکہ معظمہ میں نبوت اور وحیِ الٰہی کا دعویٰ کر کے دعوت وتبلیغ شروع کی تھی۔ اس مدت میں قرآن کا بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا۔ آپ کی سیکڑوں پیش گوئیاں پوری ہو چکی تھیں۔ پس یہ امر کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ کوئی مقتدا جو تیرہ سال کی مدت سے لوگوں کو اپنی نبوت ووحی کی دعوت دے رہا ہو، اور کثیر التعداد پیرو رکھتا ہو، ترپن سال کی عمر میں کسی غیر قوم کے پاس تعلیم حاصل کرنے کو جائے۔ اور پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ مدینہ جاکر یہودیوں کے سرچشمۂ علوم سے سیراب ہوئے تھے تو حضرت عبداللہ بن سلام جیسے سربرآوردہ وممتاز علمائے یہود اسلام کے حلقۂ اطاعت ومتابعت میں کیوں داخل ہوئے؟

### کیا قرآن کا مواد بائبل سے ماخوذ ہے؟

ایک واہمہ یہ ہے کہ انبیائے سلف کے حالات و واقعات بائبل اور قرآن میں یکساں پائے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں یہ مواد بائبل سے اخذ کیا گیا ہے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ تورات اور قرآن دونوں کا مصدر و منبع وحیِ الٰہی ہے، اس لیے ضرور ہے کہ دونوں کے بیانات و مندرجات میں یکسانی اور مطابقت ہو۔ پس قرآنی مضامین کا بائبل کے مواد سے مطابقت رکھنا، خود قرآن کے صدق اور اس کے مُنزّل مِنَ اللہ ہونے کا ایک بدیہی ثبوت ہے اور تورات و قرآن میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، اس کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بائبل بہت کچھ محرّف و مبدّل کتاب ہے، جس کے باعث اس کے شرعی احکام اور عقائد عموماً مسخ شدہ صورت میں پائے جاتے ہیں، اختلافات کی دوسری بنا یہ ہے کہ ہر دین اپنی کچھ خصوصیات رکھتا ہے۔ اسی بنا پر تمام آسمانی مذاہب فروعات مسائل میں مختلف ہیں۔

### اہل کتاب سے واقعات سن کر قلمبند کر لینے کا افسانہ

اب رہا یہود و نصاریٰ سے سن کر پہلے واقعات کا علم تو دوست دشمن سب کو معلوم ہے کہ مکہ معظمہ میں یہود و نصاریٰ کی کوئی آبادی نہ تھی کہ ان سے آپ کی صحبت رہی ہو۔ لے دے کر بحیرا راہب کا افسانہ رہ جاتا ہے جسے پادری صاحبان پیش کیا کرتے ہیں، حالانکہ سفر شام میں اپنے چچا کے ساتھ بحیرا سے ملاقات ایک ساعت سے زیادہ نہ ہوئی تھی۔ اگر دس بارہ برس کا یہ بچہ چند منٹوں یا آدھ گھنٹہ کی ملاقات میں وہ سب کچھ حاصل کر سکا جو قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں ہے تو یہ مافوق الفطرت صلاحیت بجائے خود ایک معجزہ اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

### اسلامی عقائد و تعلیمات کا ایک اور موہوم ماخذ

میور لکھتا ہے کہ قرآن میں مذکور ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوئے تھے۔ چونکہ یہ بیان مسیحیت کے بدعتی قدما و اسلاف کے عقائد سے پوری مطابقت رکھتا ہے، اس لیے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خیالات و تعلیمات کا ماخذ نوسٹک (نسطوری) فرقہ کے عقائد ہیں۔" (نوسٹک عہد سابق میں عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا جس نے موجودہ اناجیل اربعہ کے مسائل کو افلاطون اور فیثاغورث کے عقائد کے مطابق ثابت کر دکھایا تھا) لیکن اس کے بعد خود میور نے اس زعم باطل کی تردید کر دی ہے چنانچہ لکھتا ہے :-

لیکن نوسٹک مذہب چھٹی صدی مسیحی سے پہلے ہی مصر سے مفقود ہو چکا تھا۔ اور یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اس مذہب نے کسی زمانہ میں عرب کے اندر قدم جما لیے تھے۔ اس سے قطع نظر نوسٹک مذہب کے ماوراء العقل قصّوں کو قرآن کی معقولیت سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں (لائف آف محمدؐ باب ۷ ص ۱۵۴)

### حنیفی خیالات پر اسلامی عقائد کی بنیاد رکھنے کا گمان

بعض اوقات عیسائی معترض یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ بُت پرستی اختیار کرنے سے پہلے اہل مکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مذہب کے پیرو تھے۔ اور گو قرنہا قرن کے بعد اہل مکہ کا عام مذہب بت پرستی ہو گیا تھا تاہم چند افراد اب بھی ایسے پائے جاتے تھے جنہیں اپنے گم شدہ دین کے نعم البدل کی جستجو تھی اور بُت پرستی سے بہتر دین کی تلاش میں سرگردان نظر آتے تھے۔ طائف میں اُمیّہ بن صلت اور مکہ میں زید بن عمرو اور ورقہ بن نوفل اسی خیال کے لوگ تھے جو حنیف کہلاتے تھے۔ انہوں نے شرک سے اظہار نفرت کیا تھا اور توحید کے دل دادہ تھے۔ پس یہ نتیجہ نکالنا محال نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وحیٔ الٰہی سے اطلاع پانے کی بجائے انہی لوگوں کے موحدانہ خیالات پر اپنے دین کی عمارت کھڑی کی ہو۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں تو مکہ کے اندر چار یا پنچ سے زیادہ توحید پسندوں کا وجود ثابت نہیں ہوتا لیکن جناب موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تو خود موحدوں کی قوم بنو اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے اور ان دونوں اولوالعزم رسولوں نے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی تھی۔ کیا ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح اور قرین صواب ہوگا کہ ان دونوں جلیل القدر ہستیوں نے اپنی قوم کے موحدانہ خیالات پر موسویت اور عیسویت کی بنیادیں استوار کی تھیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو خدارا بتایا جائے کہ پھر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تسلیم کرتے میں کیا عذر ہے؟

قابل غور یہ امر ہے کہ اگر رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم مامور من اللہ اور وحیٔ الٰہی سے مؤید نہیں تھے تو آپ نے بالکل ناخواندہ ہونے کے باوجود قرآن جیسی روحانی کتاب کہاں سے حاصل کی؟ اور ایسی تعلیمات حقہ پیش کرنے پر کس طرح قدرت پائی جو نہ صرف زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی صحیح راہ نمائی کرتی ہیں بلکہ اصلاح معاد اور نجات اُخروی کی بھی ہر طرح سے کفیل ہیں۔

# مقالہ ۲ا پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا عقلی ثبوت

جن امور میں انبیاء علیہم السلام دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے ان میں ایک نمایاں چیز یہ ہے کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری اور بالکل ناخواندہ تھے۔ ان کی تمام تر روحانی و اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ وحی و الہام الٰہی تھا چنانچہ اسی معنٰی میں حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَ لَا نَحْسُبُ (رواہ البخاری ومسلم)

ہم پیغمبر ناخواندہ گروہ ہیں۔ نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ کہیں سے حساب کتاب سیکھا ہے۔

اور یہ امر مسلّم ہے کہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی محض یعنی بالکل ناخواندہ تھے۔ کوئی نہیں ثابت کرسکتا کہ آپ نے کسی انسان معلم سے ایک حرف سیکھا ہو۔ چنانچہ مسٹر کارلائل کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ میں رقم طراز ہیں :۔

### معلومات کے ظاہری ذرائع

ایک اور حقیقت بھی ہمیں فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی تھی اور جس تعلیم کو ہم تعلیم مدرسہ کہتے ہیں وہ کہیں سے قطعاً حاصل نہ کی تھی۔ فن تحریر عرب میں ابھی نیا نیا رائج ہوا تھا اور یہ رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آپ لکھ نہیں سکتے تھے۔ آپ کے تمام تجربے محض صحرائی معلومات تھے اور یہ امر بھی حیرت انگیز ہے کہ آپ کے پاس کسی قسم کی کتابیں بھی نہیں تھیں۔ معلومات کا ذریعہ یا تو عینی مشاہدے تھے یا وہ افواہیں جو صحرائے عرب میں گوش زد ہوسکتی تھیں۔ ان سے زائد امور کا جاننا آپؐ کے لیے ناممکنات میں داخل تھا۔ مشاہیر عہد میں سے بھی کسی کی اس جلیل القدر ہستی کے ساتھ خط و کتابت نہ تھی اور نہ کسی سے کبھی ہم کلامی کا موقع ملا تھا۔"

### دفعۃً منظر عام پر آکر لوگوں کی کایا پلٹ دی

غرض آپ کے تمام علوم و معارف جن سے قرآن اور احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں اکتسابی نہیں بلکہ من جانب اللہ تھے۔ اب غور کرو کہ وہ شخص جس نے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو، جس نے مدت العمر اپنے گرد و پیش بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو، بچپن میں والدین اور جد امجد کا

سایہ اُٹھ جانے کی وجہ سے اُس تربیت سے بھی محروم رہا ہو جو کسی عرب بچے کو مل سکتی تھی۔ جس نے ہوش سنبھالتے ہی بکریاں چرانی شروع کر دی ہوں، اور جوان ہونے پر تجارتی جھمیلوں میں لگ گیا ہو۔ جس نے الٰہیات، اخلاق، قانون تمدّن اور اصول معاشرت کے متعلق کبھی ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو، وہ دفعتہً منظرِ عام پر آئے اور ایک طرف تو اپنے پیروؤں کو الٰہیات، تزکیۂ نفس، فلسفۂ اخلاق، اصول تمدّن، قانون معاشرت اور اصلاح معاد کی تعلیم دینا شروع کر دے، اور وہ وہ حقائق و دقائق بیان کرے جو کسی حکیم و فلسفی اور کسی مصلح و مقنن نے کبھی نہیں بتائے تھے اور دوسری طرف اپنی قوم میں جو انتہائی پستی کے چاہِ عمیق میں ڈوبی ہوئی ہو، پاکیزگیٔ اخلاق اور صدق و صفا کی وہ رُوح پھونک دے کہ دفعتہً لوگوں کی کایا پلٹ جائے۔ کیا ایسا شخص نبی اور مرسل ربّانی کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں پس رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

# مقالہ ۱۳۔ فضائل سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اب نقلی حیثیت سے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فضائل کتاب مشکوٰۃ المصابیح سے درج کیے جاتے ہیں۔

## تمام انسانوں کی سرداری

منجملہ فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بعض یہ ہیں کہ قیامت کے دن آپ سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے اور آپ کو انبیاء اور غیر انبیاء تمام نوع انسانی کی سیادت کے منصب جلیل سے نوازا جائے گا اور شفاعت کبریٰ کا اختیار دے کر سرفرازی بخشی جائے گی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن بنو آدم کا سردار ہونگا میری قبر سب سے پہلے کھلے گی۔ میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری شفاعت سب سے پہلے مقبول ہوگی۔ رواہ مسلم

ہر چند کہ آپ دنیا اور آخرت دونوں جہان میں خلق خدا کے سردار ہیں لیکن ہمارہ دنیا میں غیر مسلم آپ کی سیادت کو تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ قیامت میں جب ہر متنفس مصیبت میں گرفتار ہوگا اور انبیائے سلف میں سے بھی کسی کو شفاعتِ خلق کے لیے لب کشائی کی جرأت نہ ہوگی،

اس وقت آپ شفاعت کے لیے آگے بڑھیں گے اور بارگاہ ایزدی میں لوگوں کے حساب و کتاب شروع کیے جانے کی نسبت عرض معروض کریں گے اور آپ کی شفاعت مقبول ہوگی یہی آپ کا شفاعت کبرٰی کا مقام ہے۔ اس وقت ہر متنفس پر آپ کی سرداری ظاہر ہوجائیگی اور غیر مسلم دنیا میں ایمان سے محروم رہنے اور ملت اسلام سے اعراض کیے رہنے پر دست تاسف ملیں گے لیکن اس وقت کا اظہار تاسف سودمند نہ ہوگا۔

## داخلۂ جنت میں اُمت محمدؐی کی سبقت

آپ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ دار آخرت میں جہاں پہلے اور پچھلے تمام لوگ ایک جگہ جمع ہوں گے، حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تمام دوسری اُمتوں سے کثیر التعداد ہوگی اور آپ اپنی امت کو لیے ہوئے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے پیرو دوسرے نبیوں کی اُمتوں سے تعداد میں زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے در جنت کو دستک دوں گا۔ رواہ مسلم۔

اور مسلم کی دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ میں بہشت کے دروازہ پر جاؤں گا اور اس کے کھولنے کے واسطے کہوں گا۔ داروغہ پوچھے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا میں محمدؐ ہوں، وہ کہے گا کہ ہاں میں اس کا مامور ہوں کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے باب جنت نہ کھولوں۔" اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس قدر لوگوں نے (دعوائے نبوت میں) میری تصدیق کی، اتنی کسی نبی کی تصدیق نہیں ہوئی۔ اور انبیاء میں سے ایک نبی ایسے گزرے ہیں کہ ان کی اُمت (دعوت) میں سے صرف ایک شخص ان پر ایمان لایا تھا۔ رواہ مسلم۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک تو آپ تمام انبیائے کرام کے سردار ہیں۔ دوسرے قیامت تک آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد دوسری امتوں کے مقابلہ میں بہت کثیر ہوگی، اس لیے ہمارے آقا و مولٰی کو شفاعت کرنے کا سب سے پہلے حق ملے گا۔

## تمام انبیاء رایتِ محمدؐی کے نیچے

آپ کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام بنو آدم کا سردار ہوں گا، اور یہ بات کچھ فخر سے نہیں کہتا۔ اس روز لوا حمد میرے

ہاتھ میں ہوگا، اور اس بیان میں بھی مجھے کچھ فخر منظور نہیں، اور آدم علیہ السلام سے لے کر اخیر زمانہ تک جس قدر انبیاء ہوئے، وہ قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ بات بھی فخر سے نہیں کہتا، اور میری قبر سب سے پہلے شق ہوگی، اور اس بات میں بھی کچھ فخر و پندار مدنظر نہیں۔ رواہ الترمذی

حضرت سرورانام صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بار بار فرمایا کہ "میں یہ بات فخر و پندار سے نہیں کہتا" اس سے آپ کی یہ مراد تھی کہ جو کچھ کہتا ہوں تحدث بالنعمۃ کے طور پر حقیقتِ حال کا اظہار کرتا ہوں، اصل یہ ہے کہ آپ اپنے خدائے برتر کی طرف سے انعامات الٰہیہ کے اظہار کے لیے مامور تھے۔ ربِّ جلیل نے اپنے کلام پاک کی سورۂ والضحیٰ میں حکم دیا تھا۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (لوگوں سے اپنے پروردگار کی نعمتوں اور احسانوں کا تذکرہ کیا کرو) اور اس تحدث بالنعمۃ و اظہار احسانات میں بظاہر یہ حکمت تھی کہ اہل اسلام کا ایمان اور زیادہ راسخ ہو اور شیفتگان کفر و ضلال آپ کے کمالات کا حال معلوم کرکے اسلام کی طرف مائل ہوں۔

### رسول اللہ کے ساتھ مساکین اُمت کا داخلہ جنت

ایک حدیث میں آپؐ نے انبیاءِ سابقین کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی برتری کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ چند صحابہؓ بیٹھے ہوئے باہم مذاکرہ کر رہے تھے۔ اس اثنا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے تشریف لائے۔ جب نزدیک پہنچے تو ان کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ ایک نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا کہ ربّ ذوالمنن نے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں۔ تیسرے بولے کہ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ چوتھے نے کہا کہ خدائے برتر نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو سنی، اور تمہارے اظہار تعجب کا بھی مجھے علم ہوا۔ واقعی ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں، اور بلاشبہ موسیٰؑ نجی اللہ ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ عیسیٰؑ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، اور یہ بھی صحیح ہے کہ آدم علیہ السلام کو خدا نے برگزیدہ کیا لیکن اسی کے ساتھ یاد رکھو کہ میں حبیب اللہ ہوں، اور یہ بات فخر سے نہیں کہتا، اور قیامت کے دن لواء حمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء سب اُس عَلَم کے نیچے ہوں گے، اور یہ بھی کچھ فخر کی راہ سے نہیں کہتا، اور میں سب سے پہلا شافع ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس بیان میں بھی کچھ فخر و تعلی منظور نہیں، اور میں ہی سب سے

پہلے درجنت کو دستک دوں گا اور حق تعالیٰ کے حکم سے میرے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور خدائے قدوس ایسی حالت میں مجھے جنت میں داخل کرے گا کہ غریب و مسکین مومن میرے ساتھ ہوں گے اور یہ امر بھی کچھ فخر سے نہیں کہتا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اگلوں اور پچھلوں سے زیادہ مکرم ہوں اور اس بیان میں بھی فخر و مباہات منظور نہیں رواہ الترمذی والدارمی

### آپ کو سب سے پہلے بہشتی حُلّہ پہنایا جائے گا

اور ایک حدیث سے یہ فضیلت بھی مترشح ہوتی ہے کہ جب لوگ عالم برہنگی میں قبروں سے اُٹھیں گے تو سب سے پہلے حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت کا جوڑا پہنایا جائے گا چنانچہ ابوہریرہ رض کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے مجھے بہشت کے حُلّوں سے جوڑا پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش الٰہی کی داہنی جانب سے اُٹھوں گا۔ میرے سوا کوئی متنفس نہیں جو اس مقام پر کھڑا ہو۔ رواہ الترمذی۔ اور جامع الاصول میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ سبؐ سے پہلے میری قبر شق ہوگی۔ اس وقت مجھے حُلّہ پہنایا جائے گا۔"

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرقد منور سے باہر تشریف لائیں گے۔ ان کے بعد حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام جو مدینہ منورہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی مدفون ہوں گے، برآمد ہوں گے۔ پھر دوسرے انبیاء جابجا اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کے بعد صدیقین، شہداء اور صالحین پھر عوام مسلمان، ان کے بعد تمام فساق و کفار تھوڑے وقفہ کے بعد اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہر پیغمبر کی اُمت اس کے ساتھ ہوگی۔ چونکہ دلوں پر انتہا درجہ کا ہول سمایا ہوگا سب کی نظریں اوپر کی طرف اُٹھ رہی ہوں گی۔ ہر بشر برہنہ ہوگا لیکن یہ مجال نہیں ہوگی کہ دوسروں کی شرمگاہ کی طرف التفات کرے اور اگر کوئی کسی کی طرف دیکھے گا تو اسی طرح بے حس ہو کر دیکھے گا جس طرح چھوٹے بچے ایک دوسرے کو نفسانی داعیہ سے خالی الذہن رہ کر دیکھتے ہیں (حجج الکرامہ)

### سیدالمرسلین امام الانبیاء کی حیثیت سے۔

جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی تھی، اسی طرح قیامت میں بھی آپ کو ان کی قیادت و امامت کا فخر حاصل ہوگا۔ چنانچہ بروایت اُبیّ بن کعبؓ آپ نے فرمایا کہ جب قیامت

کا دن ہوگا تو میں نبیوں کا امام اور خطیب اور ان کا صاحب شفاعت ہوں گا اور اس اظہار میں کوئی بڑائی جتلانا منظور نہیں بلکہ امر واقعی کا اظہار مقصود ہے۔ رواہ الترمذی۔

اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب مُردے اُٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے (قبر سے) نکلوں گا۔ اور جب (ربّ العالمین کے سامنے) پیش ہوں گے تو میں اُن کا قائد ہوں گا اور جب وہ (عذر داری سے) خاموش ہونگے تو میں ان کا خطیب ہوں گا (اور خلق خدا کی طرف سے صفائی پیش کروں گا) اور جب وہ (حساب کتاب شروع نہ ہونے کے باعث موقف میں) روکے گئے ہوں گے تو میں اُن کے لیے سفارش کروں گا، اور جب وہ فلاح وبہبود سے ناامید ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا اس دن لواء حمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں ربّ جلیل کے دربار میں بنو آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا۔ رواہ الترمذی والدارمی

ذیل میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث درج کی جاتی ہے تاکہ قارئین کرام کو حضرت انسؓ کی اس حدیث کی جو ابھی قلمبند ہوئی کامل فہم وبصیرت حاصل ہو سکے۔

### عالم سراسیمگی میں لوگوں کا آنحضرتؐ سے شفاعت خواہ ہونا

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن آفتاب نزدیک ہوگا اور لوگ اس درجہ کرب واضطراب میں گرفتار ہوں گے جو ان کی طاقت سے باہر ہوگا۔ اس عالم سراسیمگی میں آپس میں کہیں گے کہ کسی ایسی بزرگ ہستی کو تلاش کرنا چاہیئے جو خدائے احکم الحاکمین کے پاس ہماری سفارش کرے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کے پاس جاکر عرض مدعا کریں گے۔ وہ فرمائیں گے کہ مجھ میں تو یارائے گفتار نہیں ہے تم لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ نوح علیہ السلام کے پاس پہنچ کر التماس کریں گے کہ چل کر خالق کردگار سے سفارش کیجیئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نجات بخشے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ تم لوگ ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جو خلیل الرحمٰن ہیں۔ لوگ ان کے پاس حاضر ہوکر انہیں بارگاہ خداوندی میں شفیع لانا چاہیں گے لیکن وہ عذر خواہ ہوکر لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے۔ مگر موسیٰ کلیم علیہ السلام ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے۔ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر سفارش کی استدعا کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں۔ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض معروض کرو۔ لوگ میرے پاس آ جمع ہوں گے اور شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے۔ میں کہوں گا ہاں میں اس کام کا اہل ہوں۔ چنانچہ میں چل کر عرش کے نیچے جاؤں گا اور اپنے پروردگار سے (حاضری کا) اذن مانگوں گا۔ رب قدیر مجھے اس کی اجازت دے گا اور میں سربسجود ہو کر اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کروں گا۔ حق تعالیٰ حمد و ثنا کے ایسے ایسے الفاظ میرے دل میں القا فرمائے گا جو اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں ہیں اور نہ مجھ سے پہلے کسی کو کبھی ویسے محامد اور حسن ثنا کی توفیق ارزانی ہوئی۔ میں برابر سربسجود رہ کر رب العالمین کی حمد و ثنا کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ مجھ سے کہا جائے گا محمدؐ! تم اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو جو مانگتے ہو۔ تمہاری التماس قبول کی جائے گی اور سفارش کرو تو مقبول ہوگی۔ اس وقت سر اٹھا کر میں لوگوں کے لیے شفاعت خواہ ہوں گا۔ رواہ البخاری و مسلم

### فضیلت کے شش گانہ وجوہ

ایک حدیث میں آپؐ نے دوسرے انبیا علیہم السلام پر اپنے شش گانہ فضائل و خصوصیات کی صراحت فرمائی ہے چنانچہ حسب روایت حضرت ابوہریرہ رضؓ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان چھ باتوں میں (خاص طور پر) دوسرے انبیاء پر فضیلت بخشی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے (۲) مجھے رعب کے ذریعہ سے نصرت بخشی گئی (۳) میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا (۴) ساری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور طہور بنا دی گئی (۵) میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا (۶) نبیوں کی بعثت کا سلسلہ میری ذات پر ختم کر دیا گیا۔ رواہ مسلم

جوامع الکلم یعنی جامع کلمات۔ جامع کلمہ وہ ہے جس میں الفاظ تھوڑے ہوں لیکن مطلب و مفہوم بہت زیادہ نکلتا ہو۔ جامع کلمات سے قرآن اور حدیث مراد ہے کہ ان کے معانی و مطالب کی کوئی تھاہ نہیں اور ان میں جتنا زیادہ تامل کیا جائے اسی قدر زیادہ مطالب و معانی کھلتے جاتے ہیں۔ اور دشمنان دین پر آپ کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ہرقل (قیصر روم) جیسا زبردست فرمانروا ہزار کوس کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا آپ سے ترساں و لرزاں تھا۔ چنانچہ غزوۂ تبوک میں آپ مہینہ بھر اس کی مصاف آرائی کے لیے چشم براہ رہے لیکن اس کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مساجد و معابد کے سوا اور کسی جگہ یہود و نصاریٰ کی نماز نہ ہوتی تھی اور ان کے لیے تیمم بھی مشروع نہ تھا۔ لیکن رب ذوالمنن نے امت محمدیؐ کو روئے زمین پر ہر جگہ نماز پڑھنے اور تیمم کرنے کی اجازت بخشی پہلی امتوں کو مال غنیمت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ تھی لیکن خدائے رحیم و ودود نے اپنے

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو اس سے متمتع ہونا روا کر دیا۔ پہلے انبیاء صرف اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے تھے، لیکن حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تا اَبَد تمام خلق کی راہ نمائی کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آخیر زمانہ تک نبیوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا لیکن آپ کی ذاتِ گرامی پر یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

### دُعائے خلیلؑ اور نوید مسیحؑ

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے آپ کی بعثت کے لیے دعا فرمائی۔ اور انبیاء سابقین کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے خاص طور پہ دنیا کو آپ کے قدوم فرما ہونے کی بشارت سُنائی۔ چنانچہ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو کچھ اپنے آغازِ کار کی خبر دیتا ہوں۔ میں ہی دعائے ابراہیمؑ اور بشارت عیسیٰؑ ہوں، اور میری پیدائش کے وقت میری والدہ سے ایک نور ظاہر ہوا تھا جس سے ان کے لیے شام کے محل روشن ہو گئے۔ رواہ احمد و رواہ فی شرح السنۃ عن العرباض بن ساریہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۹ میں اور مسیح علیہ السلام کی بشارت سورۂ صف کی چھٹی آیت میں اور انجیل یوحنا میں مذکور ہے

### حضرت مسیحؑ اُمت محمدیؐ کے زمرہ میں

حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم اس خصوصیت سے بھی ممتاز ہیں کہ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام اپنے نزول کے بعد دین محمدیؐ کی متابعت کریں گے کیونکہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی لیکن نزول کے بعد رسول کے عہدہ پر بحال رہیں گے پس اس حیثیت میں وہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔

## مقالہ ۱۴۔ افضلیت خیر البشرؐ کے عقلی وُجُوہ

مقالۂ سابقہ میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نقلی فضائل سپردِ قلم ہوئے، ان سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو گئی کہ آپ کی حیثیت عام انبیاء کی سی نہیں تھی، بلکہ آپؐ سید الانبیاء اور افضل الرسل تھے۔ اب اسی حقیقت کو تین عقلی وجوہ سے مُبَرہَن کیا جاتا ہے۔

### افضلیت کی بنائے اوّلین

خواصِ نبوت میں سے ایک بڑا خاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام

نفوس انسانی کے معالج تھے۔ اس بنا پر جس نبی میں یہ وصف جس قدر زیادہ کمال کے ساتھ پایا جائے گا وہ نبوت میں بھی اسی قدر کامل ہوگا۔ اب انبیاے سابقین کی دعوت و تبلیغ پر غور فرمائیے حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کی تبلیغ کا اثر بنو اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے متجاوز نہ ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر ابتدا میں ایمان لانے والے چند نفوس سے زیادہ نہ تھے۔ اور جب مسیحیت کو بام ترقی پر پہنچنا نصیب ہوا تو عیسائی تین خدا ماننے لگے چنانچہ جو لوگ آج مسیحیت کے مدعی ہیں وہ سب تثلیث کے قائل ہیں، حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو توحید ہی کی طرف بلایا تھا تثلیث کی تعلیم نہیں دی تھی۔ اس بنا پر جو لوگ مسیحی کہلاتے ہیں ان میں درحقیقت ایک بھی عیسائی نہیں۔

اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر غور فرمائیے۔ آپ کی نبوت سے پہلے دنیا کا عام مذہب بت پرستی تھا یہود خداے واحد کو مجسم مانتے تھے۔ عیسائیوں نے تین خدا تجویز کر رکھے تھے۔ صابی ستاروں کی پوجا میں منہمک تھے۔ غرض تمام دنیا گمراہ ہو رہی تھی حضرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا تھا کہ تمام ادیان باطلہ سرنگوں ہو گئے اور آفتاب توحید کا نور تمام دنیا پر چھا گیا۔ اس سے بداہتہً ثابت ہے کہ آپ کی ہدایت و رہنمائی کا اثر انبیاے سابقین کی تعلیمات سے کہیں بڑھ کر ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ آپ نبیوں کے سرتاج اور کائنات کی سب سے اعلیٰ و افضل، فائق و برتر ہستی ہیں۔

### افضلیت کی دوسری حیثیت

حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور حیثیت سے بھی افضل الانبیا ہیں۔ دنیا کے وہ اولوا العزم رسول جن کے دین کے پیرو بسیط زمین پر بکثرت پائے جاتے ہیں، تین ہیں۔ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور خاتم الانبیا، حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔ توراۃ اور دوسرے صحیفوں میں صراحتہً لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام محض بنو اسرائیل کو قبطیوں کے پنجۂ عذاب سے نجات دلانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اسی مقصد وحید کے حصول میں انہوں نے عمر کا بڑا حصہ صرف کر دیا اور اپنی حدنگاہ اور دائرۂ عزم کو آل یعقوب کے حدود سے باہر نہ جانے دیا۔

ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ آپ نے محض اس مقصد سے تعلق رکھا کہ جو لوگ شریعت موسوی سے سرتابی کر رہے تھے ان کو راہ راست پر لائیں اور ان کے سامنے مشعل ہدایت رکھیں۔ غرض مسیح علیہ

السلام نے بھی اپنے وعظ و تذکیر کا دائرہ اسرائیلیوں تک محدود رکھا چنانچہ جب ایک کنعانی عورت نے اپنی رنجور بیٹی کی شفایابی کے لیے آپ سے چارہ جوئی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ میں بنو اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا (انجیل متی ۱۵ : ۲۴)

اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے حواریوں کو تاکید فرمائی کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ بنو اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (متی ۱۰ : ۵-۶)

الغرض یہ دونوں اولوالعزم رسول محض وقتی طور پر صرف اپنی قوم بنو اسرائیل کی ہدایت و رہبری کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان کی رسالت کو کسی دوسری قوم کسی دوسرے ملک اور کسی دوسرے زمانہ کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔

لیکن ان کے مقابلہ میں رسالت سیدالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عمومی دیکھیئے کہ آپ بلا استثنا، دنیا کے ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانہ کے ہر انسان کے لیے پیغام حق لے کر آئے تھے۔ خدائے برتر نے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (اے پیغمبر! ہم نے تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ۳۴ : ۲۸) اور فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور اے پیغمبر! ہم نے آپ کو دنیا جہان کے لوگوں کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ۲۱ : ۱۰۷) اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دین اسلام کے احکام کسی خاص ملک اور کسی خاص نسل اور کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں بلکہ آپ تمام کائنات کو اپنے آغوش شفقت میں لینے کے لیے مامور ہوئے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اولوالعزم رسولوں میں سے حضرت ختم رسل ؐ کے سوا کوئی رسول ایسے نہیں جنہوں نے ساری دنیا کے ہادی ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔

اس فرق کو اگر عملی حیثیت سے دیکھا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ انبیائے سلف میں سے کسی نے کسی غیر قوم یا غیر ملک کے کسی شخص کو اپنے دین کی دعوت کبھی نہ دی۔ بخلاف رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے دنیائے معلوم کے تمام تاجداروں اور فرمانرواؤں کو تبلیغی مکتوب روانہ فرمائے اور نجات اُخروی کو اسلام کی متابعت پر منحصر ٹھیرا کر لوگوں کو دین حق کی طرف بلایا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ کی دعوت کا دائرہ اقصائے عالم تک پھیلا ہوا ہے

اورقاعدہ کی بات ہے کہ جس فرمانروا کی سلطنت جتنی زیادہ وسیع ہو وہ اسی قدر زیادہ جلیل القدر بادشاہ متصور ہوتا ہے اور جس کی عملداری جتنی مختصر ہو وہ اتنا ہی کمتر درجہ کا والی یقین کیا جاتا ہے انبیائے سلف کی روحانی عملداری محض اپنی اپنی قوم و مرز بوم اور اپنے اپنے زمانہ تک محدود تھی لیکن حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانروائی ساری دنیا پر ابدالآباد تک ہے اس لیے افضلیت کا تاج بھی آپ ہی کے فرق مبارک پر زیب دیتا ہے۔

**افضل الانبیاء ہونے کا تیسرا پہلو**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ نبوت و رسالت کی صورت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی رہی ہے۔ کبھی نبی بصورت بادشاہ و خلیفہ اور کبھی بصورت عالم دین اور کبھی بصورت زاہد و مرشد آتے رہے ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نبوت و رسالت بصورت بادشاہت تھی۔ زکریا علیہ السلام بصورت حبر و عالم دین نبی تھے۔ حضرت یونس، حضرت مسیح اور حضرت یحییٰ علیہم السلام بصورت عابد و زاہد نبی تھے۔ لیکن حضرت افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بادشاہت، حبریت اور زہد سب کی جامع تھی۔ مغرب کے ظاہر بینوں نے حضور فخر الاولین والآخرین علیہ التحیۃ والسلام کی نبوت کو بادشاہت و سلطنت خیال کیا ہے، وہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کی حقیقت سے بے خبر رہ کر شقاوت ابدی کے زندان میں گرفتار ہو گئے، اور اتنا نہ سمجھ سکے کہ جب افضل شریعت افضل الانبیاء پر نازل ہو تو اس کی صورت بھی تمام صورتوں کی جامع ہوگی۔ پس ضرور تھا کہ آپ کی نبوت میں بیک وقت خلافت و ریاست، حبریت و معلمیت اور زاہدیت و انقطاعیت کی ہر شان پائی جائے۔ (م)

# مقالہ ۱۵۔ عقیدہ توحید و رسالت کی امتیازی تعلیم

اب یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری دنیا کے خیالات سے الگ جو توحید الٰہی پیش کی اس کی نوعیت کیا تھی؟

**ذات باری کی نسبت اہل مذاہب کی غلط فہمیاں۔**

عقاید میں سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ جو فی الحقیقت اُمّ المسائل ہے، باری تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے۔ بعثت نبوی کے وقت تمام دنیا طرح طرح کی

غلط فہمیوں میں مبتلا تھی۔ ان ایام میں بسیط ارض پر یہود ہی ایک ایسی قوم تھی جو ایک خدا کی قائل تھی لیکن اُنہوں نے بھی ذات رب العالمین جل سلطانہ کے لیے ایسے اوصاف تجویز کر رکھے تھے کہ وہ انسان سے کچھ برائے نام ہی فوقیت و برتری رکھتا تھا۔ عیسائی تین خدا مانتے تھے اور تین کو ایک اور ایک کو تین کہتے تھے۔ یہ اجتماع نقیضین خود ان کے حیطۂ فہم سے باہر تھا۔ پارسیوں کی عقل اس حقیقت کے سمجھنے سے قاصر تھی کہ نیکی اور بدی دونوں کا ایک ہی خالق ہے۔ اس بنا پر انہوں نے خیر و شر کے دو الگ الگ خدا تجویز کر رکھے تھے۔ دیوتا پرست ہنود کے زعم میں تین بڑے خدا تھے۔ برہما، وشنو اور مہیش، اور نچلے درجہ کے خداؤں یعنی دیوتاؤں کا تو ان کے ہاں کوئی حساب و شمار ہی نہ تھا۔ اہل مصر نے ہزاروں لاکھوں خدا بنا رکھے تھے۔ دہریہ اور مادہ پرست سرے سے رب الارباب کے وجود ہی کے منکر تھے۔

## صفات باری کی نسبت سرورِ عالم کی تعلیم

دنیا اسی ہمہ گیر تاریکی میں ٹھوکریں کھا رہی تھی کہ حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر ان تمام غلط عقائد و خیالات کا پردہ چاک کر دیا۔ آپ نے بتایا کہ خدا احد محض ہے جس کی ذات و صفات میں کسی متنفس کو کسی قسم کا اشتراک نہیں۔ وہ ذاتِ برتر نہ زمین پر ہے نہ آسمان میں، نہ اوپر نہ نیچے، نہ زمان میں نہ مکان میں، نہ داہنی طرف نہ بائیں طرف، نہ آگے نہ پیچھے، نہ نیچے نہ اوپر، اور پھر ہر جگہ اس کا علم محیط اور قدرت و ارادہ کارفرما ہے۔ وہ ہمارے دلوں کے مخفی راز اور خطرات سے پوری طرح مطلع ہے۔ سمندر کے ہر قطرہ اور خشکی کے ہر ذرہ کی اُسے ہر وقت اطلاع ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بے مثل اور بے کیف ہے۔ اس کا کوئی جسم نہیں اور کسی جسم میں سما نہیں سکتا۔ اس کا کوئی کفو اور ہمسر نہیں۔ وہ تمام کائنات کا خالق اور رازق ہے۔ اس کی حقیقت اور کیفیت کو کوئی نہیں جانتا۔ وہ تمام عیوب اور کمزوریوں سے پاک ہے۔

## ایسے بلند ترین خالق یکتا کو آپؐ اپنے دماغ سے پیدا نہیں کر سکتے تھے

ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کامل مُنزّہ اور بالاتر معبود برحق محض اپنے خیال سے تجویز نہیں کر سکتے تھے کیونکہ فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ جو خیال اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ انہی حالات، خیالات اور روایات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد و پیش میں پھیلے ہوتے ہیں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے دل میں اپنی فطرت کے رُو سے خدائے قدوس کا خیال آیا ہوتا تو وہ اسی قسم کا ہوتا جو آپؐ کے ماحول میں پایا جاتا تھا اور آپؐ کے ہمعصر جس کے معتقد تھے۔ اور اہل عرب اور سکان مکہ کے جو عقاید و خیالات رب العالمین سے متعلق تھے وہ ان شاء اللہ العزیز بیسویں مقالہ میں قارئین کرام کی نظر سے گزریں گے۔ آپ کی بعثت سے پہلے جو چند موحد مکہ مکرمہ میں موجود تھے وہ بھی رب السمٰوات والارض کو ذات کے اعتبار سے تو واحد جانتے تھے لیکن اس کے ان صفات عالیہ سے بالکل بے خبر تھے جن کی سرور دوجہان علیہ التحیۃ والسلام نے تلقین فرمائی۔ الغرض ایسے بلند ترین خالق یکتا کو آپ نے محض اپنے مخیلۂ دماغ سے پیدا نہیں کیا اور نہ کر سکتے تھے، بلکہ اسی مکوّنِ کائنات عزّ اسمہٗ نے آپ پر اُن خیالات کا اِلقا فرمایا تھا جو ان صفات عالیہ کے ساتھ متصف ہے۔

**نبوت کے بارہ میں عالمگیر غلط فہمی**

توحید کے بعد نبوّت کا عقیدہ ہے۔ اس کی نسبت بھی دنیا میں یہ عالمگیر غلط فہمی پھیلی ہوئی تھی کہ انبیاء خدا کے مظہر یا اوتار ہوتے ہیں۔ اسی غلط فہمی نے حضرت مسیح علیہ السلام، زرتشت، رام، کرشن وغیرہم کو عین خدا یا کم از کم مظہر خدا بنا رکھا تھا لیکن رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر برملا اپنی بشریت کا اعلان کیا اور فرمایا کہ تمام انبیائے سلف بھی انسان ہی تھے، اور قرآن حکیم نے اعلان کیا کہ مسیح علیہ السلام جنہیں لوگوں نے خود خدا یا ابن اللہ بنا رکھا ہے وہ بھی ایک بشر اور بندۂ خدا تھے۔

عہد نبوی سے پہلے جس قدر ادیان و ملل دنیا میں پائے جاتے تھے انہوں نے خدائی اور نبوت کو باہم ملا رکھا تھا لیکن یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے دونوں کی حدّیں بالکل جدا کر دیں۔ (م)

# مقالہ ۱۶۔ ایمان بالغیب کی اسلامی تعلیم

**یوم الجزاء کا ماننا لازمۂ ایمان ہے**

سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العالمین عزّ اسمہٗ کی ذات و صفات کے متعلق جو امتیازی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی اسی کے ساتھ آپ نے بتایا کہ خدائے عزیز و برتر ہر زمانہ میں اپنے آسمانی احکام کی تعلیم و تبلیغ کے لیے انبیاء و رسل بھیجتا رہا ہے اور میں اس سلسلۂ نبوت و رسالت کی آخری کڑی ہوں۔ آپ نے

اس کلام کے علاوہ جو قرآن کے نام سے آپؐ پر نازل ہو رہا تھا، اُن کتابوں اور صحیفوں کا ماننا بھی ضروری قرار دیا جو منجانب اللہ پہلے رسولوں پر نازل ہوئے تھے۔ مزید براں آپؐ نے قیامت یعنی یوم الجزاء کا ماننا بھی ضروری اور لازمی قرار دیا جس میں تمام پہلوں اور پچھلوں کو خالق کائنات کے حضور میں حاضر ہو کر زندگی بھر کے اعمال و افعال کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔

**آزمایش کا مدار معاینہ کے بغیر تسلیم کرنا ہے**

اُن تمام غیبی امور کو جن کی انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم نے تعلیم دی، دلی یقین کے ساتھ تسلیم کر لینا ایمان بالغیب کہلاتا ہے۔ فی الحقیقت اس ناسوتی دنیا کے اندر انسان کی ساری آزمایش ہی اس امر پر موقوف ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر تسلیم کرتا ہے یا نہیں اور تسلیم کرنے کے بعد اتنی اخلاقی جرأت رکھتا ہے کہ عدول حکم پر قدرت رکھنے کے باوجود فرمان بردار رہے؛ چنانچہ خدائے عزیز نے انبیاء کرام کی بعثت، آسمانی کتابوں کی تنزیل حتیٰ کہ معجزات اور خوارق عادات تک میں اس اخلاقی قوت کو آزمانا چاہا ہے۔

اس بنا پر اس ذات بے ہمتا نے کسی حقیقت کو کبھی اس طرح بے نقاب نہیں کیا کہ انسان کے لیے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہے۔ کیونکہ اگر حقائق کو اس طرح بے پردہ اور واشگاف کیا جاتا تو ایمان بالغیب کی آزمایش عبث ٹھیرتی۔ ایمان لانے اور احکام خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کی ساری قدر و قیمت اُسی وقت تک ہے جب تک حقیقتیں حواس انسانی سے مخفی ہیں اور انسان محض دلائل سے ان کو تسلیم کر کے اپنی عقل و فہم کا اور محض فہمائش سے اس کی اطاعت و پیروی کر کے اپنی اخلاقی قوت کا ثبوت دیتا ہے۔

**ہر چیز کو بچشم خود دیکھ کر ماننا ہیچ ہے۔**

ورنہ جب حقیقت اور اصلیت بے پردہ ہو کر سامنے آ جائے اور انسان بچشم خود دیکھ لے کہ خالق السموات والارض اپنے تختِ جلال و کبریائی پر متمکن ہو کر نظامِ کائنات کو چلا رہا ہے اور ملائکہ اس کے حکم کے ماتحت زمین و آسمان کے انتظام میں مصروف ہیں، اور انسان پوری بے بسی کے ساتھ اس کے قبضۂ قدرت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، تو اس وقت اگر کوئی ایمان لایا اور اطاعت و فرمان پذیری پر آمادگی ظاہر کی تو پھر اُس ایمان و اطاعت کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی کیونکہ ایسے وقت میں تو نمرود، فرعون اور ابوجہل جیسے متمرد لوگ بھی انکار اور نافرمانی کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

ایمان لانے اور اطاعت کرنے کی مہلت انسان کو اسی وقت تک ملی ہوئی ہے، جب تک دنیا کا موجودہ نظام چل رہا ہے اور قیامت نہیں آتی لیکن جب یوم الجزا برپا ہو گیا تو پھر نہ کوئی مہلت ہے نہ آزمایش، بلکہ وہ فیصلہ اور جزا کا دن ہے۔

# مقالہ ۷۱۔ اِسلام کوئی جدید دین و مِلّت نہیں

یاد رہے کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں جو سیدنا و مولٰنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ ظاہر ہوا ہو اور چودہ سو سال سے عرصۂ وجود میں آیا ہو، بلکہ یہ وہی صراط مستقیم ہے جس کی ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام دعوت دیتے چلے آئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ انبیاے سلف کی دعوت زینے کا حکم رکھتی تھی، مگر جس مسلک حق کی تعلیم حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی وہ بلندی کی کامل انتہا ہے۔

**انبیاء سب بھائی ہیں**

ایک حدیث میں حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاے سلف سے اپنا تعلق ان دل آویز الفاظ میں ظاہر فرمایا۔

اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَۃٌ مِّنْ عَلَّاتٍ وَّ اُمَّھَاتُھُمْ شَتّٰی وَدِیْنُھُمْ وَاحِدٌ ۔ رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ

تمام پیغمبر آپس میں علاتی بھائی ہیں۔ مائیں سب کی مختلف ہیں، مگر دین سب کا ایک ہے۔

**قصرِ نبوت کی آخری اینٹ**

ایک حدیث میں آپ نے انبیاے سابق کو نبوت کے محل کی اینٹوں سے اور اپنے تئیں اس کی آخری خشت سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت فخرِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور انبیاے قبل کی مثال اس محل کی سی ہے جس کی تعمیر و تشئید نہایت حسن و خوبی سے ہوئی مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ لوگ اس محل کو دیکھتے پھرتے ہیں اور اس کی خوبصورتی اور دل آویزی پر آش آش کرتے ہیں، مگر جب اس خالی اینٹ کی جگہ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اینٹ بھی لگ جاتی تو مکان مکمل اور حسین و جمیل ہو جاتا۔ پس میں نے آکر اس خالی اینٹ کی جگہ کو پُر کر دیا۔ میرے آنے پر وہ عمارت بالکل مکمل ہو گئی اور رسول بھی ختم ہو گئے۔ اور ایک روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں نبیوں کا ختم کرنے

والاہوں۔ رواہ البخاری ومسلم۔

**مذاہب عالم کے اتحاد وارتباط کی شرط**

کسی زبان کو دیکھو۔ گو اس میں بعض محاورات اور لغات جدیدہ کا اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن زبان علیٰ حالہا قائم رہتی ہے اور اس کے الفاظ وہی رہتے ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔ یہی حال آسمانی مذاہب کا ہے کہ ان کی اصل وہی ہے جس کی بنیاد بحکم رب جلیل آدم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ البتہ ممالک، اقوام یا زمانہ کے مقتضیات کے لحاظ سے اس میں بقدر قلیل رد و بدل ہوتا رہا ہے اور جس قدر اختلاف پائے جاتے ہیں وہ انسان کی دماغی ترقی کے مراحل کو ظاہر کرتے ہیں۔ پس دنیا کا کوئی آسمانی مذہب جو شہنشاہ ارض و سما کی قدوسیت و شہنشہی کا معترف ہے، رد کرنے کے قابل نہیں ہے۔ البتہ وہ اسلام کے منتظم سلسلہ میں منسلک ہونے کا محتاج ہے یعنی اگر ان مذاہب کے افراط و تفریط کو ساقط کر کے انہیں اعتدال و اصلاح حقیقی کا جامہ پہنایا جائے تو وہ اسلام کے قالب پر بالکل راست آئے گا۔

**انبیاء عقائد و اصول میں متحد تھے**

انبیاء علیہم السلام ذات و صفات باری تعالیٰ، نزول وحی، ارسال رسل، نعمائے جنت، خلود عذاب جحیم، حشر و نشر، ملائکہ، جن، قضا و قدر غرض تمام بنیادی عقائد و اصول دین میں متحد تھے۔ ان کا اختلاف محض ان احکام میں تھا جو فروعات دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ معاشر انبیاء میں یہ عقیدہ برابر مسلم رہا ہے کہ الٰہ العالمین کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ خدائے واحد کی ذات و صفات میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہ موحدانہ عقائد انبیاء علیہم السلام اور اُن کے سچے پیروؤں کے ساتھ ہی مخصوص رہے ہیں۔ دوسرے لوگ اس سعادت سے کبھی بہرہ اندوز نہیں ہوئے۔ اور اگر غیر مسلموں میں سے کوئی فرد کسی لنگڑی لولی توحید سے بہرہ اندوز ہوا تو بھی اسے یہ سعادت اہل اسلام ہی کی تقلید سے حاصل ہوئی۔

# مقالہ ۱۸۔ ملت اسماعیلی کی اِصلاح و تجدید

**مذہبی طریقوں میں اختلاف کا اصول**

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی مثال اس طبیب کی سی ہے جو مزاج کو تمام حالتوں

میں اعتدال پر رکھنے کی کوشش کرے یہی وجہ ہے کہ افراد اور موسموں کے یکساں نہ ہونے کی صورت میں اس کے احکام میں تغیر و تبدّل ہو جاتا ہے۔ وہ جوان کو بعض ایسی باتیں بتائے گا جن کی بُوڑھوں کو ممانعت ہوگی۔ وہ یہ دیکھ کر کہ موسم گرما میں باہر کھلی جگہ سونا اعتدال مزاج کا سبب ہے، یہ حکم دے گا کہ اس موسم میں باہر سونا چاہیئے اور موسم سرما میں سردی کا لحاظ کرکے اندر سونے کی ترغیب دے گا۔ دینی احکام کی بھی یہی حالت ہے۔ جو شخص دین کے اس اصول کو معلوم کرلے گا اور اُن اسباب کو سمجھ لے گا جن کی بنا پر مناہج مذہب مختلف ہوئے تو اسے ادیان میں کسی قسم کا اختلاف دکھائی نہ دے گا

## ملّتِ ابراہیمؑ کی پیروی کا مفہوم و مقصد

جب لوگ مُدّت دراز تک کسی دین کے متبع رہا کرتے تھے تو اس دین کے شعائر کی عزت و حرمت ان کے قلوب میں راسخ ہو جاتی تھی، اور مفسدات و بدعات کے نشو و نما پا جانے کے باوجود اس کے مسائل بمنزلہ بدیہیات اولیٰ کے ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد دوسری نبوت اس غرض سے آتی تھی کہ پہلے دین کے نقائص و بدعات کو دور کرے اور اس کی بگڑی ہوئی باتیں سنوار دے۔

اب یہ دوسرے نبی نبوت سابقہ کے قابل اعتماد اور مشہور احکام کی تفتیش کرتے تھے۔ جو جو امور سیاست مذہبی سے متعلق ہوتے تھے ان کو بحال رکھتے تھے، بلکہ اس پر عمل پیرا رہنے کی زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ یہ حضرات جن امور میں کوئی خرابی دیکھتے یا تحریف کا دخل پاتے ان میں بقدر ضرورت اصلاح و ترمیم کر دیتے تھے اور جو باتیں اضافہ کی محتاج ہوتی تھیں ان پر مستزاد فرما دیتے۔ چونکہ ان احکام میں بہت سے امور نبیٔ سابق کے مقررہ اصولوں کے موافق ہوتے تھے، اس لیے مجازاً کہا کرتے ہیں کہ یہ نبی فلاں نبی کی ملت پر یا اس کے گروہ میں سے تھے۔ یہی مطلب ہے عَلٰی مِلَّةِ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ (اپنے باپ ابراہیمؑ خلیل کا منہاج اختیار کرو) کا۔

## آلِ اسمٰعیلؑ پر شرک و ثنویّت کی تاریکی

جس صورت میں کہ خالق اکبر جل و علا نے فرمایا عَلٰی مِلَّةِ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ تو ضرور ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے اصول قابل تسلیم اور اس کے احکام متعین و منضبط ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ جب نبی ایسی قوم میں مبعوث ہو جس میں مسلک صحیح اور سنت راشدہ کے آثار باقی ہوں تو ان طریقوں میں تغیر و تبدیل بے معنیٰ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انبیائے کرام ایسے آثار و احکام کو علیٰ حالہا چھوڑ دیتے تھے۔ بنو اسمٰعیل حجاز میں آباد تھے۔ ان کے جدِ امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا طریقہ قرنوں سے متوارث

چلا آتا تھا یہاں تک کہ ایک شخص عمرو بن لُحی پیدا ہوا جس نے ملت اسمٰعیلی میں بہت سے کفریات اور بدعات داخل کر دیے۔ اور بنو اسمٰعیل پر کفر و ثنیت کی تاریکی چھا گئی۔ اس کے بعد خداوند عالم نے دنیا کے مصلح اعظم سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ملت اسمٰعیلی کے تمام نقائص دور کیے اور اس کو شوائب شرک و بدعت سے پاک کر دیا۔

**ملّتِ اسمٰعیلی شریعت محمدیؐ کے لباس میں**

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ اُمی و ابی) نے بنو اسمٰعیلؑ کے مروّجہ مذہب پر غور کیا۔ جو جو باتیں مسلکِ اسمٰعیلی کے موافق تھیں، ان کو بحال رکھا اور جن امور میں تحریف و تبدیل نے دخل پا لیا تھا یا کوئی اور بدعت و خرابی پیدا ہو گئی تھی ان کو معدوم فرما دیا۔ آپ نے ان امور میں جو عادات سے تعلق رکھتے تھے، خراب رسموں کی ممانعت کی۔ پاکیزہ رسوم کی طرف راہ نمائی فرمائی اور جو جو پاکیزہ عادات و رسوم متروک ہو گئے تھے، ان کا احیاء فرمایا۔ اس طرح خدائے جلیل کا روحانی انعام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور ملتِ اسمٰعیلی شریعت محمدیؐ کے نام سے کامل و مستقیم ہو کر دنیا میں جلوہ گر و ضیا پاش ہوئی۔

# مقالہ ۱۹۔ بعثت نبویؐ کے وقت اقوام و ملل عالم کا ذہنی و اخلاقی زوال

لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث بر و بحر میں فساد پھیل گیا (قرآن حکیم ۳۰ : ۴۱)

کلام الٰہی کی اس آیت نے اُن خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو دنیا میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت رونما تھیں۔ ان ایام میں لوگوں کے عقاید و اعمال بگڑ چکے تھے اور بنی نوع انسان پر ہر طرف ذہنی، اخلاقی اور روحانی موت طاری تھی۔

**اعتقادی خرابیاں**

ساتویں صدی عیسوی میں دنیا کا روحانی اور اخلاقی نظام بالکل بگڑا ہوا تھا۔ اعتقادی مسائل میں سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ ہستی باری تعالیٰ اور اس کی ذات و صفات کا ہے۔ بعثت نبوی کے وقت دنیا کے تمام مذاہب اس بنیادی

---

عہ یہ مقالہ شاہ ولی اللہ رح کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے مع بعض ضروری تصرفات ۱۲

مسئلہ میں بھی عجیب قسم کی بھول بھلیوں میں پھنسے تھے۔ یہود گو ایک خدا کو مانتے تھے لیکن انہوں نے ذات رب العالمین کے ایسے اوصاف قرار دیے تھے کہ اس کی حیثیت ایک کامل انسان سے بڑھ کر متصور نہ تھی۔ عیسائیوں نے تین خدا بنا رکھے تھے۔ مجوس یعنی آتش پرست پارسیوں نے نیکی اور بدی کے دو الگ الگ خدا تجویز کر رکھے تھے۔ ایک کو یزدان اور دوسرے کو اہرمن کہتے تھے، اور یہ حقیقت نفس الامران کی سمجھ سے بالا تھی کہ نیکی اور بدی دونوں کا خالق ایک ہی خدائے قدیر ہے۔ ہنود کے معبود ہزاروں سے متجاوز ہو کر شاید لاکھوں تک پہنچے ہوئے تھے اسی طرح مشرکین مصر بھی لاکھوں خدا تسلیم کرتے تھے۔ بعض فرقوں کے نزدیک ہر دن کا جداگانہ خدا تھا۔ یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو ذات باری تعالیٰ پر کسی نہ کسی صورت میں اعتقاد رکھتے تھے لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو سرے سے ذات رب الارباب ہی کے قائل نہ تھے۔ مثلاً صابی یعنی ستارہ پرست، دہری، مادہ پرست وغیرہما۔

### عملی فساد

اعتقادی فسادات کی طرح لوگوں کے اعمال بھی قاطبۃً بگڑ چکے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں ایران کے اندر مزدکی فواحش کا اور ہندوستان میں ویدک تعلیمات کا دور دورہ تھا۔ مزدکی تعلیمات میں یہ شرمناک عقیدہ بھی داخل تھا کہ ایک عورت بیک وقت کئی مردوں کی منکوحہ ہو سکتی ہے۔ مزدک نے شراب نوشی، بدمستی، فسق و فجور کی کھلے بندوں اجازت دے رکھی تھی۔ ہندوستان میں بھی اشتراک فی النساء کا رواج پایا جاتا تھا۔ برہمنوں نے مذہب کی آڑ میں جو خلاف وضع فطرت بداعمالیاں جاری کر رکھی تھیں، یجروید ادھیائے ۲۳ کے منتر ۱۹، ۲۰، ۲۱ اور ۲۹ صاف لفظوں میں ان کی غمازی کر رہے ہیں۔

عرب اور ہندوستان میں دختر کشی کا نہایت کثرت سے رواج تھا۔ ہندوستان میں اولاد کو بتوں اور دیویوں پر نذر چڑھانے کی رسم بھی جاری تھی۔ اسپارٹا اور رومن سلطنت میں بدصورت اولاد کو عام گزرگاہ پر پھینک دیا جاتا تھا۔ ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم اس ظلم کی تخم ریزی کر گئے تھے کہ کمزور اور نحیف اولاد کو تلف کر دینا چاہیئے۔ اسپارٹا میں پہاڑ پر سے گرا کر بیمار اور کمزور بچوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جاتا تھا۔

### سر ولیم میور کا تبصرہ

اب انہی اعتقادی اور عملی خرابیوں کو مشہور دشمن اسلام سر ولیم میور سابق گورنر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کی زبان سے سنیئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

” وہ مسیحیت جو ساتویں صدی عیسوی میں رائج تھی اس کو فرقہ بندی اور بدعات نے پارہ پارہ کر دیا تھا اور وہ اخلاقی لحاظ سے بھی سخت پست و کمزور تھی۔ یسوع کا مذہب بُت پرستی کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اہل صلیب مُردوں کی روحوں اور ان کے آثار اور محبوبوں تک کی پرستش کر رہے تھے جب مسیحی مرد اور عورتیں اتوار کے دن کیتھولک پادری کے پاس کنفیس (تخلیہ میں جاکر اپنے گناہوں کا اقرار) کرتی تھیں تو جس قدر گناہ معاف ہوتے تھے ان سے کہیں زیادہ لاحق ہو جاتے تھے۔

پروفیسر لین کا بیان ہے کہ فلسفہ نے نہ صرف مسیحی ممالک میں ابتری پھیلا رکھی تھی بلکہ تمام مشرقی سرزمین میں الہامی مذاہب کو مغلوب کر لیا تھا۔ وسطی اور مشرقی ایشیا کی سامی اقوام اسی فلسفہ کی بدولت بت پرستی میں مبتلا ہوئیں۔ گویا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں تمام ایشیائی اور یورپی اقوام بت پرستی کے ایک ہی رنگ میں رنگین تھیں اور غیر معلوم حصص ارض بھی جیسا کہ اب انکشاف ہوا ہے، اسی بت پرستی میں گرفتار تھے، حتیٰ کہ یہودی بھی اس متعدی مرض سے نہ بچ سکے۔ انہوں نے بھی بہتیری مشرکانہ رسمیں اختیار کر رکھی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یہود و نصاریٰ کی طرح بدھ مت اور دوسرے مذاہب کے پیرو بھی عملی اور اعتقادی اعتبار سے اپنے مذاہب کی بدنامی کا موجب بنے ہوئے تھے۔ پیروان مذاہب نہ صرف نکوکاری سے دور تھے بلکہ بدکاری کو نیکی سمجھ رہے تھے اور سارے یورپ پر جہالت کی گھنگھور گھٹائیں چھائی تھیں۔ (لائف اوف محمدؐ)

## مقالہ ۲۔ جاہلی عرب کے مذاہب

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کی (جو دین اسلام کا سرچشمہ ہے) مذہبی حالت کیا تھی

**یہود، مجوس، عیسائی ستارا پرست، بُت پرست**

نزول وحی کے وقت یہ سرزمین مختلف مذاہب کا جولان گاہ بنی ہوئی تھی۔ قبائل بنو حرث، بنو کنانہ، کندہ اور حمیری یہودیت کے آغوش میں کھیل رہے تھے۔ خیبر کی آبادی بھی یہود پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ مدینہ اور نواح مدینہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہود نے اپنے محل، تعلیمی مدارس اور قلعہ بند یل

کے باعث بڑا اقتدار حاصل کر رکھا تھا۔ بعض جگہ مجوس بھی پائے جاتے تھے، چنانچہ اکثر بنو تمیم عقائدِ مجوس ہی کے پیرو تھے۔ قبائل ربیعہ، غسان اور قضاعہ عیسائی تھے۔ نجران بھی عیسائیوں سے پٹا پڑا تھا۔ کہیں کہیں ستارہ پرست، دہریے اور مادہ پرست بھی ملتے تھے۔ گو عرب میں بُت پرستی عام تھی لیکن بعض عرب قیامت کو بھی مانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مرنے والے کی قبر پر اس کا اونٹ باندھ دیا جائے اور اسے اسی حالت میں یہاں تک چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے تو اس شخص کو حشر میں یہی سواری ملے گی، اور اگر اونٹ نہ باندھا جائے تو وہ میدانِ محشر میں پیدل جائے گا۔

تمدّن کے اعتبار سے عرب کے مختلف حصوں کی حالت مختلف تھی۔ ایران اور شام کے متصلہ علاقوں کی حالت کسی قدر اچھی تھی۔ غسّان کے پایۂ تخت حوارن اور آلِ نعمان کے دارالسلطنت حیرہ اور سرزمین یمن میں تہذیب و تمدّن کی خفیف سی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ (ابن قتیبہ، ابن جوزی وغیرہما)۔

## اہل مکّہ کے عقائد

مکہ معظمہ اسلام کا اوّلین گہوارہ ہے۔ داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ جلوہ گری فرما کر عالم ظلمانی کو منوّر فرمایا۔ نزول وحی کا شرف اوّلیّت اسی شہر کو حاصل ہے۔ حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی زندگی کا بیشتر حصّہ اسی بلد الامین میں گزرا۔ اوّلین اسلامی شہنشاہیت کی قریب قریب تمام نامور ہستیوں کی پیدائش اور تربیت کا فخر بھی اسی شہر کو حاصل ہے۔

ظہورِ اسلام سے پہلے مکہ معظمہ میں متعدد مذاہب پائے جاتے تھے۔ مکہ کے قریش جو پیغمبر علیہ السلام کے اپنے خاندان کے لوگ تھے، اوائل میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام ہی کے دین پر تھے اور موحد تھے، لیکن بُت پرستی اختیار کرنے کے بعد توحید کے تمام خدوخال دھندلے پڑتے پڑتے بالکل بے نشان ہو چکے تھے۔ اس مقدس شہر میں سال کے دنوں کی تعداد کی برابر تین سو ساٹھ بت نصب تھے جو قریش کے مختلف قبائل کے معبودوں کی نمائندگی کرتے تھے لیکن ہبل سب سے بڑا صنم تھا جو خانۂ کعبہ کے دروازے پر رکھا ہوا تھا۔ کعبۂ معلّٰی کے اندر حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت مریم، حضرت عیسٰی علیہم السلام کی تصویریں بھی آویزاں تھیں۔ گو لات اور عزّٰی علی الترتیب اہل طائف و نخلہ کے بُت تھے لیکن کعبہ کے احاطوں میں بھی ان کے مثنّٰی موجود تھے اور اہل مکہ کے دل میں ان کی عقیدت کا جذبہ بھی تھا (سیرت ابن ہشام)

### اسلام کی توحید خالص

غرض اہل مکہ کی بہت بڑی اکثریت اپنی بُت پرستی میں مگن تھی۔ چونکہ خدا سے قدوس بے کیف، بے جسم، غیر مرئی اور زمان، مکان، جہت، تحت، فوق، اشارہ ہر قسم کے قیود سے پاک ہے، بنابریں اہل باطل کے دلوں میں جسمانی پیکر اور مادی شکل کے بغیر رب جلیل کا تصور کسی طرح سما نہ سکا اس لیے بُت بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی لیکن پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر خدا پرستی کی جو تعلیم دی وہ خالق یکتا کے تصور کے لیے کسی جسمانی تمثل کی محتاج نہ تھی۔ بت پرست کہتے تھے کہ اگر زمان مکان جہت اشارہ ہر خصوصیت کو الگ کر دیا جائے تو خیال و تصور کے لیے کیا چیز باقی رہ جاتی ہے؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیوم السمٰوات والارض کے لیے ایسی ہی وسیع الخیالی کی بنیاد قائم کی جو جسمانی خصوصیات سے بالکل معرّٰی تھی۔ آپ نے اس تقدیس کی بنا پر بت پرستی کا بالکل قلع قمع کر دیا اور ذات رب العالمین کی نسبت ایسا پاک اور منزّہ خیال قائم کیا جو صورت اور جسمانی پیکر کے بغیر بھی دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کو تسلیم کرنے کی صورت میں ایک حل طلب مرحلہ یہ باقی رہ جاتا ہے کہ خالق اور اس کے بندے میں رابطہ قائم ہونے کی کیا صورت ہے۔ اس اتصال کے قائم کرنے کے لیے دوسرے مذہبوں نے اوتاروں دیوتاؤں اور پیروں کا سہارا تلاش کیا لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر بتایا کہ خالق اور بندہ کے باہم درمیانی واسطہ اور ذریعہ کوئی نہیں بلکہ ہر شخص ایمان لانے کے بعد براہ راست اپنے رب قدیر سے تعلقات استوار کر سکتا ہے۔ خالق کردگار اپنے مومن بندوں کی ہر درخواست کو سنتا اور ہر دعوت کے جواب میں لبیک کہتا ہے۔

### دوسرے عقائد کے پیرو

مکہ مکرمہ کی قریباً نوے فی صدی آبادی بُت پرستوں پر مشتمل تھی لیکن چند لوگ اس عقیدہ کے بھی پیرو تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ایک قلیل فرقہ خدا کی وحدانیت کا تو قائل تھا لیکن اس کے اعتقاد میں خدا کے علاوہ کچھ چھوٹے درجہ کے خدا یعنی دیوتے بھی تھے جو روحوں اور فرشتوں کے ذریعہ سے دنیا کے کارخانے اور انتظام میں دخل رکھتے تھے۔ اس لیے اس فرقہ کے آدمی ان دیوتاؤں کے نام کے بُت بنا کر پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خدا سے قریب کر دیں۔

**سر ولیم میور کی رائے** الغرض عربوں کی عموماً اور اہل مکہ کی خصوصاً مذہبی حالت بالکل تباہ ہو رہی تھی۔ سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ ایک زمانۂ نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی۔ البتہ کہیں کہیں ایک خفیف اور ناپائیدار سا اثر یہودیت اور نصرانیت کا موجود تھا لیکن اس اثر کی وہی مثال ہے جیسے کسی غیر رواں ندی کی سطح کا پانی ادھر اُدھر لہریں کھا رہا ہو مگر اس کی تہ بالکل ساکن اور بے حس و حرکت ہو۔

**موحدین مکہ** مکہ معظمہ کے معدودۂ چند افراد خالص موحد بھی تھے جو خالق اکبر کے وجود کا اقرار کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ابتداءً پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا، اور ثواب و عذاب بھی ملے گا۔ ان میں حضور فخر انام صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلب اور زید بن عمرو بن نفیل اور قیس بن ساعدہ اور عامر بن ظرب خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

مروی ہے کہ عبد المطلب نے ایک ظالم کو دیکھا جسے دنیا میں اُس کے ظلم کی سزا نہ ملی تھی، تو کہنے لگے خدا کی قسم اس دار دنیا کے سوا دوسرا جہان بھی ہے، جہاں نیک و بد کو اس کے عملوں کا اچھا یا بُرا ثمرہ ملے گا۔ زُہیر بن ابی سلمہ بھی انہی میں تھے جن کا عقیدہ سبعہ معلقہ میں درج ہے اور انہی کا یہ شعر ہے ؎

یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر  یوم الحساب او یعجل فینتقم

یعنی خدا کو تمہاری دلی بدنیتی معلوم ہے جو کسی طرح چھپ نہیں سکتی۔ تو دو ہی صورتیں ہیں، یا تو وہ عذاب میں تاخیر کرے گا، اور وہ برائی نامۂ اعمال میں لکھ کر یوم جزا کے لیے ذخیرہ رکھی جائے گی یا دنیا ہی میں عذاب دے کر تم سے انتقام لیا جائے گا۔ زہیر عہد اسلام میں شرف بایمان ہوئے تھے (تلبیس ابلیس ابن جوزیؒ وغیرہ)

# مقالہ ۱۲۔ عرب میں اصلاحی مشکلات اور اہل کتاب کی تبلیغی ناکامی

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ایام میں اہل عرب عموماً اور سکان مکہ خصوصاً

کفر و شرک میں اتنے منہمک تھے کہ ان کے قبول اسلام کی توقعات بالکل موہوم تھیں۔

### انبیاء بنی اسرائیل کا عربوں کو بطور تمثیل پیش کرنا

عرب میں بت پرستی کے پاؤں ایسے مضبوطی سے گڑے تھے کہ بنو اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے سامنے اہل عرب کو بطور تمثیل پیش کیا کرتے تھے جب آل یعقوب خدائے واحد کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کی پرستش کرتے تو انبیائے کرام ان کو ملامت کرتے ہوئے فرماتے:۔ تم تو سچے خدا کو چھوڑ بیٹھے ہو حالانکہ بنو قیدار (جو اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اور ریگستان عرب کے رہنے والے ہیں یعنی اہل مکہ) اپنے جھوٹے معبودوں کی پرستش میں ایسی مضبوطی سے قائم ہیں کہ کوئی چیز ان کو بت پرستی سے پھیر نہیں سکتی۔ (بائبل۔ یرمیاہ ۲: ۱۰-۱۲)

### بت پرستی نے تمام حملوں کو ناکام بنا دیا

عرب کے حدود میں متعدد انبیاء مبعوث ہوئے لیکن اہل عرب نے اُن کا اثر قبول نہ کیا۔ مسیحیت اپنے دور عروج میں دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چھا گئی لیکن عرب کا ریگستان مسیحیت کی ہمسایگی میں واقع ہونے کے باوجود جوں کا توں خشک پڑا رہا۔ سر ولیم میور نے کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھا ہے کہ گو عیسائی پانچ صدیوں تک ملک عرب میں عیسائیت پھیلانے کی کوشش کرتے رہے، مگر بجز قلیل التعداد کے کسی نے مسیحیت قبول نہ کی۔ یہود نے بھی اپنے دین کی ترویج کے لیے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے اور ان کی طاقت بھی نصاریٰ سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی، مگر آخر تھک کر رہ گئے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور سے پہلے ملک عرب کی حالت جس طرح ملکی اتحاد اور تمدنی اصلاح کے مخالف تھی، اسی طرح مذہبی اصلاح کو بھی قبول نہ کرتی تھی۔ کیونکہ عربوں کے مذہب کی بنیاد نہایت شدید قسم کی بت پرستی پر قائم تھی، جس پر شام اور مصر سے کئی حملے کیے گئے، مگر اس نے صدیوں تک نہایت سختی سے ان حملوں کا مقابلہ کیا اور اس میں کسی قسم کے زوال و انحطاط کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ (دیباچہ لائف آف محمدؐ ص ۴۷)

### اصلاح کی یاس انگیز حالت

غرض عرب کی حالت ہمیشہ سے ایسی چلی آتی تھی کہ وہاں اصلاح میں کامیابی حاصل کرنے کی کوئی امید کبھی بار آور نہ ہوئی اور ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تو عرب تاریک ترین قعر جہالت میں غرق تھا۔ ایسا تاریک زمانہ دنیا کی تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتا۔ چنانچہ سر ولیم میور نے اس ام

کی شہادت دی ہے اور لکھا ہے کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ایام شباب میں جزیرہ نمائے عرب میں آبائی مذہب پر قائم رہنے کا میلان بڑے زور کے ساتھ پایا جاتا تھا اور شاید کسی عصر ماضی میں اصلاح کی کبھی ایسی یاس انگیز حالت نہیں تھی جو اس وقت پائی جاتی تھی (دیکھیے لائف آف محمدؐ ص ۴۷)۔

غرض اہل عرب کے جمود یا تعصب و تقشف کا یہ عالم تھا کہ وہاں کسی اصلاحی لائحۂ عمل کے بر روئے کار آنے کی توقع نہ ہو سکتی تھی لیکن دنیا نے تھوڑی ہی مدت میں دیکھ لیا کہ یہی ناقابل اصلاح سرزمین دنیا کا مہذب ترین خطہ بن گیا۔ حضرت مصلح اعظم علیہ التحیۃ والسلام کے اثر تربیت سے عربوں کے اخلاق و عادات اس قدر بلند ہوئے کہ اگر آج دنیا کے کسی ملک کسی قوم اور کسی زمانہ کی کسی تاریخ میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہؓ کی پاک زندگیوں کا نمونہ تلاش کیا جائے تو ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان کے مقابلہ میں جاہلی عربوں کی جو اخلاقی و تمدنی حالت تھی اس کا نقشہ شاہ ایران کے لفظوں میں ملاحظہ ہو۔

## کسریٰ کا بیان کہ عربوں سے زیادہ ذلیل کوئی قوم نہ تھی

جن ایام میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپہ سالار اسلام قادسیہ میں خیمہ زن تھے، انہوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے یزدگرد شاہ ایران کے پاس جو مذہبًا مجوس یعنی آتش پرست تھا، چند سفیر بغرض تبلیغ دارالسلطنت مدائن بھیجے۔ شاہ نے سفرائے اسلام کو طلب کیا اور دوران گفتگو میں کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں عربوں سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ دنیا بھر کی برائیاں اور رذالتیں تمہارے اندر جمع تھیں۔ تم لوگ جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔ لیکن آج تم کو ہمیں محکوم و باج گزار بنانے اور تہذیب و تمدن سکھانے کا حوصلہ ہے"؟

## رسول اللہ ﷺ نے عربوں کو آسمان عظمت کا آفتاب بنا دیا

شاہ ایران کی تحقیر آمیز تقریر کے جواب میں مغیرہ بن زرارہ نام ایک مسلمان سفیر نے اٹھ کر کہا بادشاہ! یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ سخت قلاش اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ عالم تھا کہ طاقتور کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہو جاتے تھے۔ ہم نے بہت سے خدا بنا رکھے

تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ بُت پرستی ہمارا شیوہ تھا لیکن مالک الملک نے ہم پر رحم کیا اور ہم میں ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا جو ہم میں سب سے زیادہ شریف سب سے زیادہ فیاض و کرم گستر اور سب سے زیادہ نیک سرشت تھے۔ اوّل اوّل ہم نے اُن کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتے تھے لیکن ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتے تھے تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتے تھے اور کرتے تھے خدائے کردگار کے حکم سے کہتے اور کرتے تھے۔ انہوں نے ہم کو توحید سکھلائی اور بتلایا کہ خدا کا کوئی شریک و ہمسر نہیں وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا اور بالکل یگانہ و بے مثل ہے۔ انہوں نے ہم کو چاہ ذلت سے نکال کر اوجِ عزت پر پہنچایا اور آج ہم بحمداللہ آسمان عظمت کے آفتاب ہیں۔ (تاریخ طبری واخرجہ البخاری مختصراً)۔

# مقالہ ۲۲۔ عرب میں رومی اور ایرانی حکومتوں کی استعماری سرگرمیاں

جب سید موجودات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظلمت کدۂ عالم کو منور فرمانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے اور مرغانِ حرم نے توحید کی نغمہ سرائی شروع کی تو ان ایام میں عرب کے سیاسی اختیارات قبائلی سرداروں کے ہاتھ میں تھے۔ ان قبائل میں ایک خود اختیاری اتحاد تھا جسے رائے عامہ سے تقویت پہنچتی رہتی تھی۔

**شاہ ایران کا اثر و نفوذ**

اس وقت عرب ہر طرف شہنشاہیت پسند طاقتوں کے حصار میں گھرا ہوا تھا اور وہاں کوئی قابل ذکر ریاست و حکومت نہ پائی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تھوڑا عرصہ پہلے حبشی سپاہ یلغار کرتی ہوئی خاص مکہ مکرمہ تک پہنچ گئی تھی۔ عرب کا سب سے زیادہ زرخیز خطہ یمن پہلے حبشی اور پھر ایرانی فوجوں کا جولان گاہ بن چکا تھا اور وہاں اس وقت ایرانیوں کی حکومت تھی۔

مدینہ بھی جسے اُن ایام میں یثرب کہتے تھے شاہ ایران کے زیر فرمان تھا چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد شاہ ایران نے حاکم یمن کے نام حکم بھیجا تھا کہ وہ پیغمبر

عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دارالسلطنت مدائن پہنچ کر شاہ سے ملنے کی ہدایت کرے، اور اگر انکار کرے تو گرفتار کر کے مدائن بھیج دے (تاریخ طبری وغیرہ)

عراق عرب بھی حدود نجد تک ایران کے زیر اثر تھا۔ شمال میں نہ صرف عقبہ و معان بلکہ تبوک تک کی سرزمین رومیوں کے اثر میں تھی۔ حوران میں غسانیوں کی حکومت تھی جو رومیوں کے زیر اثر تھے۔ اور حیرہ و انبار میں لخمی حکمران تھے جنہوں نے ایرانیوں کو اپنا آقا تسلیم کر لیا تھا

### عربی قبایل کو روم و ایران کا باہم متصادم رکھنا

روم اور ایران کی ہمسایہ سلطنتیں جیسا کہ استعمار پسند طاقتوں کا معمول ہے قبایل عرب کو اپنے اغراض و مفاد کے لیے باہم دست و گریباں رکھتی تھیں اور تمام ملک گیر طاقتیں عربوں کو غلام بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔ روم اور ایران کی باہمی مخالفت کا رنگ عرب سرداروں کی خانہ جنگیوں میں جھلکتا تھا، اور اصل یہ ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں کی اس مسابقت اور تگ و دو کا اثر جزیرہ نمائے عرب کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔ گو حجاز اور نجد کے علاقے اب تک خارجی مداخلت سے محفوظ تھے تاہم کھٹکا لگا ہوا تھا کہ یمن کی طرح حجاز بھی کسی اجنبی حکومت کا غلام نہ بن جائے بلکہ اس کے لیے اسباب و ذرائع پیدا ہو چلے تھے۔

### عثمان بن حُوَیرث

مکہ معظمہ پر بالواسطہ رومی عیسائیوں کا عمل دخل ہونے کی ایک یہ صورت پیدا ہوئی تھی کہ عثمان بن حُوَیرث اسدی نام ایک قریشی نے قسطنطنیہ جا کر مسیحی دین قبول کر لیا تھا۔ قیصر نے خوش ہو کر اس کے لیے ایک فرمان جاری کیا جس میں حکم دیا کہ اہل مکہ اس کو اپنا بادشاہ بنا لیں۔ گو مکہ والے اپنی ضروریات زندگی اور اپنے تجارتی قافلوں کی کامیاب تجارت کے لیے مصر، فلسطین اور شام کے رومی صوبوں کے محتاج و دست نگر تھے اور فرمان قیصری کو نظر انداز کرنا ان کے لیے مشکل تھا، تاہم عثمان مذکور ہی کے ایک رشتہ دار نے بھرے جلسہ میں اٹھ کر اعتراض کرنے شروع کر دیے، اور کہا کہ اہل مکہ بادشاہت اور امرائیت کی سی بدعتوں کے متحمل نہیں ہو سکتے" اور اس غیر معقول تجویز کا خوب مضحکہ اڑایا۔ چنانچہ جلسہ ناکام رہ کر درہم برہم ہو گیا، اور عثمان کی یہاں تک مخالفت ہوئی کہ اس نے بمشکل مکہ سے شام کو بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ جب قیصر روم کو معلوم ہوا کہ اہل مکہ اس کے فرمان کو خاطر میں نہیں لائے تو اس نے اہل مکہ کے لیے اپنی قلمرو بند کر دی اور ان کے جو تاجر اس کے ممالک محروسہ میں تھے ان کو گرفتار کر لیا (الروض الانف وغیرہ من الکتب)۔

### حق پرستوں کا خدائی لشکر

گو خواجۂ ہر دو سرا صلی اللہ علیہ وسلم حریت پسندی میں دنیا بھر کے رہنما تھے تاہم عملی حیثیت سے آپ نے ایک قوم پرست یا وطن دوست کی حیثیت اختیار نہ کی بلکہ ایک خدا پرست اور حق پسند کی حیثیت سے جلوہ گری فرمائی۔ آپ کا نصب العین یہ نہ تھا کہ وطنی قوتوں کو مجتمع کر کے اجنبی اثر و نفوذ کی جڑ جزیرۂ عرب سے اکھاڑ پھینکیں بلکہ دوسرے کاموں سے پیشتر آپ کا مقدم اور اہم ترین زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ حق پرستوں کا ایک ایسا خدائی لشکر تیار ہو جائے جو نہ صرف خاک وطن میں بلکہ روم، ایران اور دوسرے ملکوں میں بھی ظلم و عدوان کا خاتمہ کر دے۔ آپ کے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد قریش نے اس شرط پر قومی حکومت و قیادت کی باگ آپ کے ہاتھ میں دینی چاہی تھی کہ آپ اپنی مذہبی سرگرمیوں سے باز آ جائیں۔ اگر آپ کا لائحۂ عمل حبِ وطن تک محدود ہوتا تو خدمتِ وطن کا یہ ایک سنہری موقع تھا لیکن آپؐ نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور بدستور اپنے اسی مقصد تبلیغ میں مشغول رہے جس کے پنپنے اور بار آور ہونے کی اس وقت تک کسی غیر مسلم کو اُمید نہ تھی۔

### صحابہؓ کو ایسی تربیت ملی کہ بادشاہت کا نظم و نسق چلا سکیں

تاریخ عالم کے ناقابلِ انکار حقائق اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ دنیا کے کسی فرزندِ وطن نے اپنی درماندہ قوم و وطن کو اتنا سربلند نہیں کیا جس قدر کہ سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عربوں کی سی پست قوم کو سرفرازی بخشی۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو ایسی تعلیم و تربیت سے نوازا تھا کہ وہ آیندہ چل کر عربی بادشاہت کے نظم و نسق کو بحسن اسلوب چلا سکیں۔ یہ بادشاہت بیس بائیس سال کی مختصر سی مدت میں مدینہ کے چھوٹے سے قصبہ سے نکل کر روم، ایران اور دوسری مملکتوں پر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں میں چھا گئی۔ ۲۷ھ مطابق ۶۴۷ء میں جب کہ مدینہ طیبہ میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت تھے، اسلامی فوجیں ہسپانیہ میں داخل ہو چکی تھیں اور چند نسلوں کے بعد طارق کی تکمیل فتح تک وہیں مقیم اور قابض تھیں۔ (تاریخ طبری، معارف ابن قتیبہ، گبن کی انگریزی تاریخ انحطاط و زوال روما جلد ۵ ص ۵۵۵)۔

### وصال نبویؐ سے پہلے سارے عرب پر اسلام کا جھنڈا

الغرض حضور مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سرزمین عرب کا جو سیاسی نقشہ تھا اس سے

کوئی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہاں کے رہنے والے بھی مستقبل قریب میں دنیا کی تاریخ میں فاتحینِ روم و عجم کے نام سے پکارے جائیں گے لیکن دنیا نے بہت جلد دیکھ لیا کہ مکہ کے اسی یتیم نے عربوں کی سی درماندہ قوم کو کس طرح حضیض ادبار سے نکال کر آسمان عز و جاہ کا آفتاب بنا دیا۔

حضرت سید العرب و العجم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت قریباً کل عربستان عمان تک اسلام قبول کر چکا تھا۔ مشرکین عرب اور کثیر التعداد یہود و نصاریٰ دین اسلام پر ایمان لا چکے تھے۔ تمام باشندگان عرب ایک ملت میں داخل ہو چکے تھے اور وہ دن قریب آگیا تھا کہ جوش ایمانی میں سرشار قائلین کلمۂ توحید اپنے لائق اور بہادر سپہ سالاروں کے جھنڈوں کے نیچے اکثر بلاد عالم کو فتح کر لیں یہاں اسلام کے فوری عروج پر ایک انگریز مسٹر کارلائل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس نے نہایت فراخدلی اور انصاف و رواداری سے رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

**مسٹر کارلائل کا تبصرہ**

مسٹر ٹامس کارلائل نے بتاریخ ۸ مئی ۱۸۴۰ء ولس روم انسٹی ٹیوٹ لندن میں جو لیکچر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے موضوع پر دیا، اس میں کہا تھا:۔

اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا عالم وجود میں آئی اس نے عرب کے چٹیل میدانوں سے باہر کبھی قدم نہ رکھا تھا اور نہ دنیا میں کوئی ان کو جانتا تھا۔ اس قوم میں ایک اولو العزم پیغمبر بھیجا گیا جس نے اسے تمام دنیا میں عزت کی کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ ایک ہی صدی کے اندر ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک پھیل گئی۔ اس کے بعد عرب کا آفتاب کیا بلحاظ شجاعت و عظمت، شوکت و اقبال اور کیا بلحاظ دانائی و فرزانگی ایک طویل زمانہ تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر پورے تزک و احتشام کے ساتھ چمکتا رہا۔ ایمان ایک زندگی بخش چیز ہے۔ جونہی کسی قوم کا ایمان مضبوط ہوتا ہے وہ عالی حوصلہ، عظیم المرتبت اور مثمر برکات ہو جاتی ہے۔ ادھر عرب کو دیکھو۔ پھر ایک یتیم بچے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خیال کرو اور پھر ایک صدی کے زمانہ کو دیکھو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک چنگاری جو پہلے غیر معلوم سا ذرہ تھا، دنیا پر پڑی مگر پھر وہی چنگاری معاً بھک سے اڑ جانے والی بارود ثابت ہوئی اور اس کے شعلے اس قدر بلند ہوئے کہ کہاں دہلی اور کہاں غرناطہ دونوں مقامات پر جا پہنچے۔ میرے خیال میں یہ عظیم المرتبت انسان ایک انسانی بجلی تھا اور باقی انسان جو ایندھن کی حیثیت رکھتے تھے گویا بجلی ہی کے منتظر تھے۔ بجلی گری اور وہ معاً روشن ہو گئے۔ (ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ)

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# سیرتِ کبریٰ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

## فصل ۱۔ سرورِ انبیاءؐ کا نسب مبارک

حضور خیر الانام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کی ذریّۃ طاہرہ میں سے ہیں جو حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہما السلام) کی اولاد میں تھے۔

**۲۲ قطعی اور متفق علیہ پشتیں**

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

سرورِ انبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ[۲] بن عبدالمطلب[۳] بن ہاشم[۴] بن عبد مناف[۵] بن قصیّ[۶] بن کلاب[۷] بن مُرّہ[۸] بن کعب[۹] بن لُوَیّ[۱۰] بن غالب[۱۱] بن فہر[۱۲] بن مالک[۱۳] بن نضر[۱۴] بن کنانہ[۱۵] بن خُزیمہ[۱۶] بن مدرکہ[۱۷] بن الیاس[۱۸] بن مُضر[۱۹] بن نزار[۲۰] بن مَعَد[۲۱] بن عدنان[۲۲]۔

حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ یہاں تک تو بالکل یقینی اور متفق علیہ ہے۔ حجاز کے تمام قبائل کا نسب بھی یہیں منتہی ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) اور دوسرے مفسروں نے آیت لَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ بطون قریش میں کوئی بطن ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نہ ملتا ہو۔ ابن سعد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سلسلۂ نسب مَعَد بن عدنان تک پہنچا

کر رک جاتے تھے اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم نے کسی شخص کو ایسا نہیں پایا جو عدنان سے آگے بھی آنحضرتؐ کا نسب یقینی طور پر جانتا ہو۔ (عیون الاثر لابن سید الناس)۔

**مَعَدّ سے اسمٰعیل علیہ السلام تک** قرطبی نے بروایت ہشام بن محمد بیان کیا ہے کہ عدنان اور قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام میں قریباً چالیس پشتیں تھیں۔ ہشام کا بیان ہے کہ اہل تدمر میں سے ایک بزرگ جو ترک یہودیت کر کے مشرف باسلام ہو گئے تھے اور کتب یہودیت کے بڑے ماہر تھے معد بن عدنان کے نسب کو اسمٰعیل علیہ السلام تک کتاب اُرمیا نبی علیہ السلام سے بیان کرتے تھے۔ یہ نسب نامہ عدد اور اسماء کے اعتبار سے اس نسب نامہ کے بہت ہی قریب ہے جس کو قرطبی نے نقل کیا ہے اور جو کچھ ان دونوں میں اختلاف ہے وہ زبان کی بنا پر ہے۔ کیونکہ یہ اسماء عبرانی سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان دونوں کے بموجب مَعَدّ بن عدنان اور اسمٰعیل علیہ السلام میں چالیس پشتوں کا فرق ہے۔ (ابن خلدون)

بعض نسّاب نے مَعَدّ سے اسمٰعیل علیہ السلام تک یہ نام لکھے ہیں:۔ معد بن عدنان بن ادد بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیفی بن عبقر بن عبید بن دعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوی بن عیفی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوض بن عرام بن قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام (تاریخ ابن جریر طبری)

**رسُول اللہ کا نسبی تفوق و برتری** حضرت رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک دنیا کی ہر قوم اور ہر زمانہ کے ہر شخص سے افضل واشرف اور اطہر وازکیٰ تھا۔ آپ نے خود فرمایا:۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ۔ (رواہ البخاری)

میں بنی آدم کے بہترین طبقوں اور نسلوں سے منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ موجودہ قرن آیا جس میں مَیں مبعوث ہوا۔

اور فرمایا میں آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہمیشہ عقد تزویج کے ذریعہ سے پشت بہ پشت منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اپنے والدین سے پیدا ہُوا۔ (سنن بیہقی، ابن سعد، طبرانی، حاکم)۔

پس جس طرح آپ کے جملہ آباؤ اجداد شریف و نجیب اور دنیا کے بہترین خاندان کے چشم و چراغ تھے، اسی طرح آپ کی تمام مائیں بھی طاہرات اور عفت مآب مخدراتِ عالیہ تھیں۔ تمام قبائلِ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کے ساتھ والدین یا کسی خالہ یا پھوپھی کی طرف سے آپ کی کوئی نہ کوئی رشتہ داری نہ ہو۔ جس طرح آپ کا آبائی نسب نامہ کم از کم ۲۲ پشتوں تک انتہائی صحت کے ساتھ موجود ہے، اسی طرح آپ کا مادری سلسلہ بھی پوری طرح محفوظ ہے۔ پس آپ کے پدری و مادری سلسلہ ہائے نسب میں فرداً فرداً تمام نفوس کے ذاتی حالات کا مطالعہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ وہ سب کے سب کیسے نیک سرشت، عالی گوہر اور عفت شعار تھے۔ الغرض اس شفیقِ کونین و مربیِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کو نسب کے لحاظ سے بھی وہ عظمت و برتری حاصل تھی جو دنیا میں کسی بڑی سے بڑی ہستی کو کبھی نصیب نہ ہوئی۔

# فصل ۲ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا نسب

فصلِ اول میں بیان ہُوا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنابِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولادِ اطہار میں سے تھے۔ حضرت خلیلؑ دنیا کی وہ عظیم ترین ہستی ہے کہ ربِ جلیل نے اپنے کلامِ پاک میں دنیا کے مقتدائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدیں الفاظ ان کی ملت کی پیروی کا حکم دیا۔

| | |
|---|---|
| ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا<br>(۱۶ : ۱۲۳) | پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو۔ |

یہ وہی مقدس بزرگ ہیں جن کو اہلِ اسلام، یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سب ہی اپنا واجب الاحترام مقتدا مانتے تھے۔ جنہوں نے کعبۂ معلّٰی کی بنا ڈالی اور جن کی ذات

سے حج کعبہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں آپ کے کچھ ضروری حالات سپردِ قلم ہوتے ہیں

**سلسلۂ نسب** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلۂ نسب گیارھویں پشت میں نوح علیہ السلام سے اس طرح مل جاتا ہے:۔ ابراہیم علیہ السلام بن آزر (جس کو نارح یا تارخ بھی کہتے ہیں) بن ناحور بن ساروغ بن ارعو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ بائبل میں ان ناموں میں کچھ فرق واختلاف ہے۔ طبری رقمطراز ہیں کہ شالخ اور ارفخشد کے درمیان ایک پشت اور گزری تھی جس کا نام قینن تھا۔ لیکن توراۃ میں اس کا ذکر اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ وہ ساحر تھا اور اس نے الوہیت کا دعوٰے کیا تھا۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ فالغ اور عابر کے درمیان بھی ایک نام چھوٹ گیا ہے جو ملکے صدق کے نام سے مشہور تھا اور وہ عابر کا بیٹا فالغ کا باپ تھا۔ (ابن خلدون)۔

**شاہ نمرود** حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود بن کنعان بن کوش بن حام بن نوح علیہ السلام کی عملداری میں پیدا ہوئے تھے۔ منقول ہے کہ سب سے پہلے جس نے حام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں حکومت وسلطنت کی بنا ڈالی وہ کنعان بن کوش مذکور تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ کنعان کس وجہ سے اور کس زمانہ میں اپنے مرزبوم شام سے عراق عرب کی اس سرزمین کی طرف چلا آیا جس کو اب بابل کہتے ہیں اور ایک شہر بابل نام اٹھارہ مربع کوس میں آباد کیا۔ اس کے بعد نمرود نام اس کا بیٹا تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بڑا عظیم الشان بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے اکثر معمورات عالم پر عمل ودخل کر لیا۔ آل حام میں یہ پہلا وہ شخص ہے کہ جس نے دین صابیہ اختیار کر لیا تھا۔ تھوڑی مدت میں اس کی دیکھا دیکھی اولاد سام بھی اسی مسلک کی پیرو ہو گئی۔ (ابن خلدون)

**آباؤ اجداد** حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ سام، حام اور یافث۔ نمرود شاہ بابل حام کی اولاد میں تھا۔ سام نے طوفان نوح کے بعد دجلہ کی شرقی جانب بود وباش اختیار کر لی تھی۔ یہی اپنے نامور باپ یعنی نوح علیہ السلام کے وصی اور جانشین تھے۔ ان کے بعد ارفخشد ابن سام اُن کے وارث ہوئے۔ ارفخشد روشن چراغ کو کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑے عابد اور متقی تھے۔ ان کے بعد عابر بن ارفخشد جانشین ہوئے۔ یہی کلدانیوں کو لے کر نمرود کے خلاف معرکہ آرا ہوئے لیکن نمرود ان پر

غالب آیا اور ان کو کوثا سے نکال دیا۔ عابر اپنے رفقا سمیت مجدل کی طرف جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع ہے، چلے گئے۔ عابر ہی عبرانیوں کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ ان کی صولت و حکومت مجدل میں قائم ہوئی۔ عابر کے بعد فالغ بن عابر ان کا وارث و جانشین ہوا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے اولاد نوح علیہ السلام پر ملک کو تقسیم کیا تھا۔ اسی کے عہدِ حکومت میں نمرود نے بابل میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا تھا جس کا تذکرہ مصحفِ پاک میں بھی آیا ہے۔ فالغ کے بعد اس کا لڑکا ملکان جانشین ہوا۔ اسی کے زمانہ میں بنطی اور جرامقہ اس خاندان پر غالب آئے اور مجدل میں اپنی شوکت و صولت کا سکہ چلایا۔

فالغ مذکور کے دو بیٹے تھے۔ ملکان اور ارعو۔ ملکان کی نسبت اوپر لکھا جا چکا ہے۔ جب سام کی اولاد مجدل میں مغلوب ہوئی اور بنطی اور جرامقہ نے وہاں کی عنانِ حکومت سنبھالی تو ملکان کا بھائی ارعو اس واقعہ کے بعد کلواذا کی طرف چلا آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے سچے دین کو خیرباد کہا اور توحید کی حبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ کر بنطیوں کا دین یعنی صابی مذہب اختیار کر لیا اور ان میں شادی کی۔ اس کی بنطی بیوی سے اس کا بیٹا ساروخ اور ساروخ سے ناحور اور ناحور سے تارح پیدا ہوا۔

**آزر** تارح بن ناحور ہی کو آزر کہتے ہیں۔ آزر دراصل ایک مشہور بت تھا جس کے نام سے یہ ملقب ہو کر مشہور ہوا۔ نمرود نے تارح بن ناحور معروف بہ آزر کو کمال خلوص سے اپنے بیت الاصنام کا داروغہ مقرر کیا تھا۔ بروایت تورات آزر کے تین بیٹے ابراہیمؑ ناحور اور ہاران تھے۔ ہاران اپنے باپ کے عین حیات اپنے بیٹے لوط علیہ السلام کو چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیلؑ کے بھتیجا تھے۔

## فصل ۳ حضرت خلیلؑ کا آتش نمرود میں ڈالا جانا

**پیدائش** حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے پیشتر کہّان (کاہنوں) میں اس بات کا چرچا تھا کہ ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو شاہی دین کا مخالف ہوگا، اور بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ نمرود نے یہ سن کر تمام پیدا ہونے والے لڑکوں

کے قتل کا حکم دیا؟ اور تمام نوزائیدہ بچے شمشیرِ ہلاک کے حوالے کیے جانے لگے لیکن خدائی کاموں کو کون روک سکتا ہے؛ جناب خلیلؑ کی والدہ نے شہر سے باہر ایک غار میں جاکر وضع حمل کیا۔ جس شہر کے غار میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات میں اُوؔر لکھا ہے اُوؔر کے کھنڈر ہفت سالہ کھدائی کے بعد ۱۹۲۲ء میں برآمد ہوئے تھے۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانۂ فرات اور شہر بغداد کے درمیان واقع تھا۔

آزر کو ابراہیم علیہ السلام کی پیدایش کا حال معلوم تھا لیکن اس نے نمرود کے خوف سے اس واقعہ کو چھپایا۔ جب تک ابراہیم علیہ السلام غار میں رہے آپ کی والدہ آپ کو ویرانہ میں دیکھنے جایا کرتیں، اور دودھ پلا آتی تھیں۔ گو نمرود کے فرمان قتل کے اوایل میں سیکڑوں ہزاروں مولود خنجر خونخوار کا لقمہ بنائے گئے لیکن بتدریج شاہی فرمان کا اثر کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ جب حضرت خلیلؑ کسی قدر بڑے ہوئے تو اس وقت تک یہ بات بالکل بھولی بسری ہو چکی تھی۔

### معبودِ حقیقی کی تلاش

ہوش سنبھالتے ہی حضرت ابراہیمؑ کی فطرت سعید کو معبود حقیقی کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ جب ایک دن آزر سرِ شام آپ کو غار سے لے کر مکان کو چلا، راستہ میں جو چیز دکھائی دیتی تھی اس کی نسبت آپ دریافت کرتے تھے اور آزر جواب دیتا تھا۔ یہ سن کر ابراہیمؑ کہتے تھے کہ اس تمام مخلوق کا کوئی نہ کوئی خالق و پروردگار ضرور ہو گا۔ جب گھر پہنچے تو زُہرہ نام درخشاں ستارہ کو دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ شاید یہی رب ہو لیکن جب وہ دیکھتے دیکھتے غروب ہو گیا تو بولے کہ غروب ہونے والا خدا نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر میں جب ماہتاب نظر آیا، اور اس کو ستارے سے بہت بڑا اور زیادہ روشن پایا تو بول اُٹھے ھٰذَا رَبِّیْ (یہ میرا رب ہو گا) جب وہ بھی غائب ہو گیا تو اس کی طرف سے بھی مایوس ہوئے اور فرمایا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہ قوم میں شامل ہو جاتا۔

غرض رات گزری اور صبح کو آفتاب عالمتاب نظر آیا تو اسے دیکھ کر فرمانے لگے کہ شاید یہی جو سب سے بڑا ہے خدا ہو۔" مگر اس کے غروب ہو جانے پر تو گویا نگاہوں سے پردے اُٹھ گئے اور آپ کے ذہن مبارک میں یہ خیال موج زن ہوا کہ جو چیز ایک حالت پر قائم نہیں رہتی ضرور ہے کہ وہ حادث یعنی نو پید ہو اور جو چیز حادث ہو؟

وہ ہرگز ربوبیت کے لائق نہ ہوگی۔ آپ سوچتے تھے کہ یہ سب چیزیں جو ظاہر اور غائب ہوتی رہتی ہیں، ضرور ہے کہ ان کا ظاہر اور غائب کرنے والا کوئی اور ہوگا، اور وہی خدائی کے لائق اور قابل پرستش ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نجم آفتاب اور ماہتاب کو دیکھ کر بار بار هٰذَا رَبِّی (یہ میرا پروردگار ہوگا) کہنا اور پھر اس سے اعراض کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ خالق بے چون کو نہ جانتے تھے بلکہ خالق کردگار کی تعیین میں اشتباہ تھا اور جناب خلیلؑ کی فطری صلاحیت سے متعلق خود کلام الٰہی ناطق ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ (اور واقعی ہم نے ابراہیمؑ کو شروع ہی سے عقل سلیم عطا کی تھی اور ہم ان کی صلاحیت سے خوب واقف تھے (۲۱ : ۵۱)

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب کو دیکھ کر هٰذَا رَبِّی (یہ میرا ربّ ہے) کہنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنا خیال نہ تھا بلکہ یہ کواکب پرستی کے رد میں قوم کو لاجواب کرنے کے لیے فرمایا تھا۔ آپ نے شرک پسندوں کے خرافات کی تردید میں ایسی دلیل اختیار کی جس نے اہل شرک پر استدلال کی تمام راہیں مسدود کر دیں۔

### لکڑی کے بُت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی اکثریت بتوں کی پرستار تھی۔ بعض کواکب پرست تھے اور بعض دونوں کو پوجتے تھے۔ اور خود آپ ایک بُت پرست خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ اسی ماحول میں پرورش پائی تھی اور گھر کی چار دیواری میں بت پرستی کے سوا اور کوئی تعلیم نہ تھی۔ لیکن با ایں ہمہ فہم سلیم اور سلامتیٔ فطرت کا یہ کمال تھا کہ آیندہ چل کر آپ نے خلیل بُت شکن کے نام سے شہرت پائی۔ انجیل برنباس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا باپ نجاری کا پیشہ کرتا تھا اور لکڑی کے بُت بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ آپ دیکھا کرتے تھے کہ وہ ہاتھ میں تیشہ لے کر چوبیں بُت بناتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اس کی آنکھیں ناک، کان اور مجسمہ تراشتا ہے، اور پھر خریداروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ کو باپ کی عقل و فہم پر حیرت ہوتی تھی۔

### قوم کو تبلیغ

آخر جب آپ بعثت سے سرفراز ہوئے تو یہ دیکھتے ہوئے کہ قوم بُت پرستی اور ستارہ پرستی میں اس درجہ منہمک ہے کہ خدائے واحد کا تصور

بھی ان کے دلوں میں باقی نہیں رہا اور ان کے نزدیک رب العالمین عزّ اسمہٗ کی وحدانیت سے زیادہ حیرت انگیز کوئی بات نہیں تو آپ نے ایک مجمع میں یہ اعلان کر کے ان کو توحید کی دعوت دی: "اے میری قوم! یہ کیا ہے جو میں دیکھتا ہوں کہ جس بے جان لکڑی کو آرہ سے چیرتے اور تیشہ سے گھڑ کر اس کا مجسمہ تیار کرتے ہو اسی بے حس و حرکت مجسمہ کو نفع و ضرر کا مالک سمجھ کر پوجنے لگتے ہو، اس گمرہی سے باز آؤ۔ لیکن قوم نے اس صدائے حق پر مطلق التفات نہ کیا، بلکہ اُلٹا آپ کا مذاق اُڑایا۔

### باپ کو دعوت حق

اس کے بعد گھر تشریف لے گئے اور اپنے والد کو خاص طور پر مخاطب کیا، اور بڑی دل سوزی کے ساتھ دین قیّم کی طرف بلایا۔ قرآن پاک میں اس تبلیغ کا تذکرہ سورۂ مریم کی آیات ۴۲ - ۴۸ میں ہے۔ آزر کا دل مُدت العمر کے شرک اور بُت پرستی نے سیاہ کر رکھا تھا، اس لیے اس پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ وہ اُلٹا بگڑ کھڑا ہوا اور بولا: "ابراہیم! میں دیکھتا ہوں کہ تو میرے اور سارے خاندان کے معبودوں سے برگشتہ ہے۔ اگر تو اس ضلالت سے باز نہیں آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا، اور اپنی خیر چاہے تو فوراً میرے سامنے سے دور ہو جا۔" حضرت خلیلؑ نے دیکھا کہ باپ قبول حق کی بجائے شرانگیزی پر آمادہ ہے تو اس سے علیحدگی اختیار کر لی

اس کے بعد آپ دوستوں، ملاقاتیوں اور آنے جانے والوں کو توحید کی طرف بلانے لگے۔ آپ لوگوں سے برملا فرماتے تھے کہ "ان بُتوں میں کیا رکھا ہے کہ ان کو اس عجز و انکسار سے پوجتے ہو"؟ مگر وہ اس کے سوا اپنے فعل کی کوئی توجیہ نہ کر سکتے کہ "ہم نے اپنے آبا و اجداد کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا ہے"۔ اس پر آپ برملا کہہ دیتے کہ "تم بھی گمراہی میں پڑے ہو اور تمہارے آبا و اجداد بھی راہِ حق سے دور تھے"۔ چونکہ آبادی کی اکثریت بُت پرستی میں منہمک تھی اور آپ کا بُت پرستی کے رد کی طرف زیادہ رُجحانِ طبع تھا۔ بُت پرست اشقیا، دعوتِ حق کو سمع قبول سے سننے کی بجائے آپ کو عموماً اپنے معبودانِ باطل سے ڈراتے اور کہا کرتے تھے کہ "تمہیں اس بے احترامی کا ضرور خمیازہ بھگتنا پڑے گا، اور ہمارے معبود ضرور تمہیں اس کی سزا دیں گے"۔ آپ فرماتے کہ "ان بے چاروں کو اپنی ہستی تک کی خبر نہیں۔ وہ بھلا مجھے کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں"۔

## حضرت خلیلؑ کسی موزون وقت کے انتظار میں

حضرت خلیل علیہ السلام کی قوم کے اکثر افراد تو بت پرست تھے اور بعض ستاروں کو پوجتے تھے لیکن جو بت پرست تھے وہ بھی ستاروں کو عالم میں متصرف مانتے تھے۔ پس ان کی قوم دوگونہ مشرک تھی۔ ایک الوہیت اصنام کی قائل ہونے کے باعث اور دوسرے ربوبیت کواکب کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے۔ اس وقت آپ کا اہم ترین مقصد بتوں کی بے بسی دکھا کر قوم کی حماقت و کج روی ظاہر کرنا اور جمہور کو یہ مشاہدہ کرانا تھا کہ ان کے معبود نفع یا ضرر کے مالک نہ ہونے سے قطع نظر یہاں تک بے بس ہیں کہ اپنی مصیبت تک کو نہیں ٹال سکتے" اور اس کے لیے کسی موزون وقت کے منتظر تھے۔ چنانچہ ان کی عید کے دن لوگوں کے ہمراہ جانے کے بجائے اپنے مکان پر رہے اور عزم مصمم کر لیا کہ لوگوں کے جانے کے بعد ان کے معبودوں کی مزاج پرسی کروں گا۔ آج کی سالانہ تقریب میں بڑی آرائش تھی۔ سب سے بڑا بت ایک سنہری تخت پر متمکن تھا۔ اور اس کی چاروں طرف دوسرے بت درباری طریق پر زرق برق لباس میں رکھے تھے۔ ان سب بتوں کے سامنے پر تکلف کھانے چنے گئے تھے۔

## بت شکنی میں مبادرت

جب سب لوگ شہر سے باہر ادائے رسوم کے لیے چلے گئے تو آپ بت خانہ میں پہنچے، اور بتوں سے خطاب کر کے تعریضاً فرمایا اَلَا تَاْكُلُوْنَ (اتنے چڑھاوے تمہارے سامنے رکھے ہیں تم ان کو کھاتے کیوں نہیں ہو؟) اس کے بعد از راہ مذاق فرمایا مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (تمہیں کیا ہے کہ کچھ بولتے تک نہیں؟) اس کے بعد توحید الٰہی کا ولولہ جو اٹھا تو بڑے زور سے ان کے مارنے پر چلے اور تیشے سے سب کو توڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ بڑے بت کے سوا سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اور اس کے کندھے پر تیشہ رکھ کر چلے آئے۔ تہوار سے واپس آکر لوگوں نے جو اپنے معبودوں کی عبرت ناک رسوائی دیکھی تو چلا اٹھے کہ کس ظالم نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ لیکن فوراً بھانپ گئے کہ ابراہیمؑ کے سوا کسی اور کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔

## نمرود کا دربار میں طلب کرنا

چونکہ یہ بت خانہ شاہی بیت الاصنام تھا، جھٹ نمرود کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اس زمانہ میں والیان عراق

جو نمرود کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، رعایا کے صرف بادشاہ نہ ہوتے تھے بلکہ ان کے معبود و مسجود بھی ہوتے تھے۔ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید اور بُت شکنی کا حال سنا تو اس کو اپنی ملوکیت و الوہیت پر کاری ضرب سمجھ کر فی الفور آپ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو نمرود نے پوچھا کیا تم نے معبودوں سے یہ سلوک کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کا اندازِ کلام غرابت انگیز اور نہایت بلیغ ہوتا تھا۔ وہ سوال کا جواب اس حسن لطافت سے دیتے تھے کہ مخاطب متحیر و لاجواب رہ جاتا تھا۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے نمرود کے سوال کے جواب میں نہ انکار کیا نہ اقرار بلکہ فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرکت بڑے بُت کی ہے۔ اگر وہ بولتا ہے تو اسی سے دریافت کر لیجیے کہ اس نے سب کو توڑا ہے یا نہیں؟

اس جواب نے نمرود اور اس کے درباریوں کو مبہوت و ششدر کر دیا۔ یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم ہی برسرِ ناحق ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اپنی سرشاریٔ ضلالت میں ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے تم تو جانتے ہی ہو کہ بُت بولا نہیں کرتے” یہ سُن کر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تو پھر تم معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پُوجتے ہو جو نہ اپنے پُوجنے والے کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ انہیں بُرائی سے یاد کرنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانے کی طاقت ہے۔ تف ہے تم پر اور اُن چیزوں پر جن کو تم خدا کے سوا پُوجتے ہو۔” آپ نے نمرود اور اس کے درباریوں کو جوش دلانے کی بجائے اپنے حکیمانہ جواب سے ٹھنڈا کر کے بحث میں ڈال دیا۔

### نمرود کا بحث میں لاجواب ہونا

اب نمرود نے آپ سے سوال کیا کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کیوں کرتے ہو اور کیا وجہ ہے کہ تم نے میری بجائے کسی اور کو اپنا معبود تجویز کر رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں خالق یکتا کا پرستار ہوں۔“ نمرود نے کہا کہ اگر میرے سوا تمہارا کوئی اور رب ہے تو اس کا کوئی ایسا وصف بیان کرو جو مجھ میں نہ ہو۔“ حضرت ابراہیمؑ نے برجستہ جواب دیا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ (میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، نمرود بولا زندگی تو میرے بھی دستِ اختیار میں ہے۔ چنانچہ یہ کہہ کر کسی بے گناہ شخص کی طرف اشارہ کر کے جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن مار دو۔ معاً حکم کی تعمیل

ہوئی۔ پھر ایک خونی مستوجب القتل کو قید خانہ سے طلب کر کے اس کی جان بخشی کا حکم دیا اور حضرت خلیل علیہ السلام سے خطاب کر کے کہنے لگا دیکھا کس طرح زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے؟ نمرود عیاری سے اپنے عماید سلطنت کو مغالطہ دے رہا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ زندگی بخشنا نیست سے ہست کرنے کا نام ہے نہ کہ کسی کے قتل سے دست بردار ہو جانا اور موت دینا جاں ستانی کو نہیں کہتے بلکہ طائر روح کو اس کے قفس عنصری سے برآمد کرنے کا نام ہے۔ انبیاء علیہم السلام نہ تو مناظرے کیا کرتے تھے اور نہ کسی لمبی چوڑی بحث میں پڑتے تھے بلکہ وہ مقربان بارگاہ کوئی ایسی دلیل قاطع پیش کر دیتے تھے جس سے فریق مقابل آناً فاناً لاجواب ہو جاتا تھا۔

آپ نے نمرود کی لاف زنی کے جواب میں ایک اور پیرایۂ سخن اختیار کیا اور فرمایا‘ کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو ہر روز مشرق سے برآمد کرتا ہے اگر تمہیں قدرت ہے تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا دو؟ یہ سن کر نمرود دم بخود اور ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

### زندہ در آتش کرنے کا فیصلہ

ظاہر ہے کہ نمرود کے دربار میں بڑے بڑے اہل علم موجود ہوں گے اور وہ خود بھی بڑا فاضل تھا، مگر آپ نے بات ہی ایسی کہی کہ سب لاجواب رہ گئے۔ یہ قساوت و حرمان نصیبی تھی کہ نمرود مشرف بایمان نہ ہوا، ورنہ قائل تو وہ ہو ہی گیا تھا۔ آپ کامل فتح و ظفر کی آبرومندی کے ساتھ دربار سے مراجعت فرما ہوئے۔ گو اس روز علانیہ نہیں مگر خفیہ طور پر بہت سے لوگ آپ پر ایمان لائے۔ نمرود کو سجدہ نہ کرنا اور اتنے بڑے جلیل القدر فرمانروا کے دربار میں آپ کا غیر معمولی جرأت کے ساتھ گفتگو کرنا اور پھر بادشاہ اور فضلائے دربار کو بحث میں ساکت کر دینا ایسی باتیں تھیں کہ جنہوں نے صابیوں اور نمرودیوں کے حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑا دی۔ ان لوگوں کو تشویش تھی کہ نہیں معلوم ابراہیمؑ ملک میں کیا انقلاب برپا کر دیں اس لیے ان کا وجود دین و مذہب اور ملک و سلطنت کے لیے خطرناک سمجھ کر فیصلہ کیا گیا کہ انہیں زندہ در آتش کر کے ممالک محروسہ کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا جائے۔

### نذر آتش کرنے کی تیاریاں

اس فیصلہ کے بموجب حضرت ابراہیم علیہ السلام زندان میں ڈال دیے گئے۔ نمرود نے حکم دیا کہ ان کو عبرت

روزگار بننے کے لیے نذر آتش کیا جائے۔ کتب تاریخ میں ہے کہ ایک وسیع مربع احاطہ بنایا گیا جس کی چار دیواری ۲۰ ہاتھ بلند تھی اس میں لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں۔ ہر صابی وہاں ایندھن مہیا کرنے کو بڑا کارِ خیر خیال کرتا تھا۔ بیمار نے منت مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو ابراہیم کے جلانے کے لیے اتنی لکڑیاں بھیجوں گا۔ عورت کہتی تھی کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہوئی تو اتنی لکڑیاں اس کارِ خیر میں دوں گی۔" غرض کچھ لکڑیاں رعیت نے فراہم کیں اور باقی شاہی کارندوں نے جمع کر دیں۔ لیکن حضرت خلیلؑ کو محبس میں معلوم نہیں تھا کہ بابران کے نذر آتش کرنے کا سامان ہو رہا ہے۔

## حضرت خلیلؑ پر نزول وحی

وہاں آپ کو وحی ہوئی کہ اے ابراہیم! تم میرے خلیل ہو۔ ذرا اس بات سے بچنا کہ میں تمہارے قلب پر نظر ڈالوں تو وہاں کسی غیر کو پاؤں۔ اگر ایسا کرو گے تو درجۂ خلّت سے گر جاؤ گے۔ میں ایسے شخص کو محبوب بناتا ہوں کہ اگر اسے آگ میں ڈال دوں تو بھی اس کے دل میں میرے سوا کسی دوسرے کا خیال تک نہ آئے اور اس کا نہاں خانۂ دل اسی طرح میری محبت میں سرشار رہے۔" (مختصر روض الریاحین) چنانچہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ حضرت خلیلؑ مقامِ محبت میں کس درجہ ثابت قدم رہے؟

جب احاطہ لکڑیوں سے بھر گیا تو چاروں طرف روغن ڈال کر اوپر سے آگ لگا دی گئی۔ آگ اس زور سے بھڑکی کہ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید خانہ سے باہر لائے۔ آپ کے ہاتھ اور پاؤں بندھے تھے۔ نمرود نے بذاتِ خود موقع پر آ کر حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو منجنیق کے ذریعہ سے آگ میں پھینکا جائے۔

## بارگاہِ خداوندی میں ملائکۂ مقربین کی التماس

جب آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو کائنات میں کہرام مچ گیا۔ روایت میں ہے کہ آسمان اور زمین اور پہاڑ اور فرشتے دفعۃً چلا اٹھے کہ بار خدایا! تیرا خلیل آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ اگر آج یہ جل گیا تو بسیط ارض سے توحید کا نام مٹ جائے گا۔ مقرب فرشتوں نے بارگاہ ایزدی میں التماس کی "اے اللہ العالمین! اگر اجازت ہو تو ہم ان کی مدد کو پہنچیں"۔

خدائے قدیر نے فرمایا کہ "ابراہیمؑ ہمارا دوست ہے، اس کے سوا روئے زمین پر ہمارا کوئی دوست نہیں۔ ہم اس کے معبود ہیں، ہمارے سوا اس کا کوئی معبود نہیں۔ تم جاؤ، اگر وہ تمہاری امداد چاہے تو اسے مدد دو۔"

### حضرت ابراہیمؑ کا امداد قبول کرنے سے انکار

یہ حکم سنتے ہی پانی کا موکّل فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور التماس کی کہ پانی کے خزانے میرے ہاتھ میں ہیں مجھے رب العزت نے آپ کی عون و نصرت کے لیے بھیجا ہے۔ میں آپ کے اشارہ کا منتظر ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو فی الفور مینہ برسا کر آگ بجھا دوں۔" حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا (میں مدد کا حاجت مند ہوں مگر تمہاری امداد نہیں چاہتا) اس کے بعد فوراً ہوا کا موکّل حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا کہ اے اللہ کے خلیل! ابھی اشارہ کر دو تو آندھی چلا کر ساری آگ اُڑا دوں۔" جناب ابراہیم علیہ السلام نے اس فرشتہ کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے کو دے چکے تھے۔ اتنے میں ملائکہ کے سردار حضرت جبریلؑ امین تشریف لائے اور بعد سلام کے فرمایا ابراہیمؑ! کوئی حاجت ہو تو کہو۔" فرمایا ہاں حاجت تو ہے مگر تم سے نہیں۔" جبریلؑ نے کہا اگر چاہو تو پَر مار کر اس آتش سوزاں کو نابود کر دوں۔" فرمایا جبریلؑ! مجھے تمہاری دستگیری اور امداد کی ضرورت نہیں ہے۔" حضرت روح الامین نے فرمایا کہ اچھا اگر غیر اللہ سے استمداد منظور نہیں تو اپنے مولائے کریم ہی سے التجا کرو۔" فرمایا حَسْبِیْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ (وہ میرے حال سے واقف ہے میرے لیے یہی کافی ہے) اور فرمایا جبریلؑ! خلیل رب جلیل کے حکم سے راضی ہے۔ تم ہٹ جاؤ۔ مجھے جلنے دو۔" (طبری، ناسخ التواریخ ثعالبی)

اس توکّل علی اللہ سے اُن لوگوں کو عبرت پزیر ہونا چاہیئے جو مشکل وقت میں قاضی الحاجات کی بارگاہ عالی کو چھوڑ کر ادھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں اور مخلوق کو حاجت روا و مشکل کشا گمان کر کے امداد کے لیے پکارنے لگتے ہیں۔ ہم نے مصیبت کے وقت بڑی بڑی کوہ وقار ہستیوں کو ڈگمگاتے دیکھا ہے لیکن ارباب توکّل کی نظر ہمیشہ اُس ذات مسبّب الاسباب کی تائید و نصرت پر رہتی ہے جس کی نگاہِ مشیت چشم زدن میں کوہ ہائے مصائب کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔ ابراھیم علیہ السلام کی نظر صرف کریم کارساز کے ابر کرم پر تھی اور یہی اصل توحید ہے جو دنیا میں بہت کم لوگوں کو میسّر ہے۔

جب آگ اچھی طرح مشتعل ہو چکی تو حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعہ سے آگ میں پھینکا گیا' اس وقت یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْوَاحِدُ فِي السَّمَآءِ وَاَنْتَ الْوَاحِدُ فِي الْاَرْضِ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (الٰہی! تو آسمان میں اور زمین پر ہر جگہ مختارِ کُل اور اپنی صفات میں یکتا ہے۔ میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے)

## آگ کا سرد اور عافیت بخش ہو جانا

جب قیوم السمٰوات والارض نے دیکھا کہ ابراہیمؑ میرے سوا کسی سے اعانت خواہ نہیں تو آگ کو حکم دیا:-

| | |
|---|---|
| يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ۔ | اے آگ! ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی بخش بن جا۔ |

حافظ حقیقی کے حکم سے آگ نہ صرف عافیت بخش ہو گئی بلکہ قادر مطلق نے اس کو آپ کے لیے صحیح معنیٰ میں گلشن و گلزار بنا دیا۔

کچھ دنوں کے بعد نمرود کو ایک بلند مکان کے کنگرے پر چڑھنے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ زندہ سلامت موجود ہیں۔ اس نے بآوازِ بلند پکار کر پوچھا ابراہیمؑ! تم زندہ ہو؟ آپ خراماں خراماں آگ سے باہر نکل آئے۔ نمرود اور دوسرے لوگ یہ معجزہ دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہوئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آگ میں کیونکر زندہ رہے؟ فرمایا میرا پروردگار میرا حامی و ناصر ہے"۔ یہ دیکھ کر قوم کے بہت سے افراد آپ پر درپردہ ایمان لائے۔ ان مومنوں میں آپ کے برادر زادہ لوط علیہ السلام) بن ہاران بھی داخل تھے جو ہنوز خلعت نبوت سے سرفراز نہ ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے والد کو بھی ازسرِ نو توحید کے چشمۂ حیات کی طرف بلایا مگر اس حرمان نصیب نے اس نعمت سرمدی کے قبول کرنے سے اب بھی انکار کیا۔ آپ نمرود کو بھی دوبارہ توحید کی سعادت اَبدی کی طرف مائل کرنے لگے۔ اس نے کہا کہ میں اس کی بجائے تمہارے رب کے لیے قربانی کر سکتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک اُس ذات واحد پر ایمان لا کر باقاعدہ دینِ حنیف میں داخل نہ ہو گے خدائے بے نیاز تمہاری کسی عبادت کو قبول نہ فرمائے گا۔ نمرود نے کہا کہ یہ میری عظمت شان کے منافی ہے اس لیے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اس نے چار ہزار

گایوں کی قربانی کی اور جناب موصوف کو اس کے بعد کسی قسم کی ایذا نہ دی (ابن خلدون وغیرہ)

**ہجرت**

ان واقعات کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کا حکم دیا چنانچہ آپ کلدانیوں کی سرزمین سے ہجرت کر کے حرّان میں چلے آئے اور سارہؓ کو عقد تزویج میں لائے سُہیلی کا بیان ہے کہ سارہ حضرت ابراہیمؑ کے چچا ہاران بن ناحور کی بیٹی تھیں اور جن ہاران کے فرزند لوط علیہ السلام تھے، وہ تارح بن ناحور کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے خالق کردگار کے حکم سے ارض کنعان کی طرف ہجرت فرمائی۔ یہ وہ سرزمین تھی جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل کو ترقی دینے اور ملک بخشنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس سے کچھ مُدت بعد آپ بالہام ربانی مصر تشریف لے گئے۔

گو ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل بیت کے ساتھ مصر میں ایسے مقام پر سکونت پذیر ہوئے جہاں آپ کو کوئی جانتا پہچانتا نہ تھا لیکن حضرت سارہؓ کا حسن و جمال کچھ ایسا معمولی نہ تھا کہ جلباب خفا میں مستور رہ سکتا۔ رفتہ رفتہ اس کی خبر شاہ مصر کو پہنچی۔ ان ایام میں شاہان مصر فرعون کے لقب سے مشہور تھے۔ فرعون نے جناب سارہؓ کو اپنے پیادے بھیج کر جبراً اپنی خلوت میں منگوا لیا۔ (ابن خلدون)

**حضرت سارہؓ کی کرامت**

جب فرعون نے حضرت سارہؓ کا قصد کیا تو وہ جھٹ وضو کر کے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں، اور اس کے بعد دعا کی۔ الٰہی! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور میں نے اب تک غیر کی دست اندازی سے اپنے ناموس کی حفاظت کی ہے تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دے۔" بادشاہ فوراً صرع (مرگی) میں مبتلا ہو گیا اور اپنے پاؤں زمین پر رگڑنے لگا۔ حضرت سارہؓ نے دعا کی خدایا! اگر یہ شخص ہلاک ہو گیا تو لوگ مجھ پر الزام لگائیں گے کہ اس نے بادشاہ کو ہلاک کر دیا اس لیے اس کو اچھا کر دے۔ چنانچہ وہ فی الفور اچھا ہو گیا۔

اب وہ دوبارہ حضرت سارہؓ کی طرف بڑھا۔ وہ پھر نماز پڑھنے لگیں اور اس سے فراغت پا کر دعا کی الٰہی! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں تو اس کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دے۔" چنانچہ وہ پھر مرگی کا شکار ہوا۔ سارہؓ نے پھر دعا کی الٰہی! اگر یہ مر جائے گا تو لوگ مجھ پر الزام لگائیں گے کہ اس نے بادشاہ کو مار ڈالا، اس لیے اس کو اپنی

رحمت سے اچھا کر دے۔ چنانچہ وہ اچھا ہو گیا۔ تیسری مرتبہ اس نے پھر یہی قصد کیا۔ لیکن اس مرتبہ خدائے حکیم و قدیر کی حکمت نوازی نے اس کی نگاہوں سے حیوانی جذبہ کا حجاب اٹھا دیا اور وہ سارہؓ سے اس جسارت کی معافی مانگنے لگا اور ہاجر کو ان کی نذر کر کے بہت کچھ عذر خواہ ہوا اور اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ تم لوگ ان کو ابراہیمؑ کے پاس پہنچا دو اور آجر (ہاجر) کو بھی ان کے ہمراہ کر دو۔ حضرت سارہؓ جناب خلیلؑ کے پاس واپس آگئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا تم نے دیکھا کہ خدا نے کس طرح اس کافر کو ذلیل کیا بلکہ ایک ولیدہ بھی خدمت کے لیے ساتھ کر دی۔ (صحیح بخاری)

### مصر سے کنعان کو روانگی

طبری کا بیان ہے کہ جس فرعون نے حضرت سارہؓ پر دست درازی کرنی چاہی تھی وہ سنان بن علوان برادر ضحاک تھا۔ ظاہر ہے کہ سنان ایک قبطی فرمانروا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام مصر سے نکل کر اپنے متعلقین سمیت ارض کنعان کی طرف روانہ ہوئے اور مقام حبرون میں (جس کو آج کل مقام خلیل کہتے ہیں) قیام فرمایا۔ یہ وہی مقام ہے جس کو صابیہ ہیکل مشتری و زہرہ کہتے تھے، اور متبرک سمجھ کر وہاں عود وغیرہ جلاتے تھے۔ عبرانیوں نے اسی کا نام ایلیا (اللہ کا گھر) رکھا تھا۔ لوط علیہ السلام یہاں تک تو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہے۔ لیکن اب وہ مویشیوں کی کثرت اور سبزہ زاروں کی قلت کے باعث ابراہیم علیہ السلام سے علیحدہ ہو کر عازم فلسطین ہوئے (ابن خلدون)۔

## فصل ۴۔ ہاجرہؓ سے عقد اور حضرت اسمٰعیلؑ کا تولّد

مراجعت مصر کے بعد دسویں برس سارہؓ نے جو بوجہ کبرسنی اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں ابراہیم علیہ السلام کو ہاجر (یا ہاجرہ) سے بدیں خیال نکاح کرنے کی اجازت دی کہ شاید خدائے قدیر انہی سے کوئی لڑکا مرحمت فرمائے کیونکہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کے لیے دعا کی تھی اور رب کردگار نے اس کا وعدہ فرمایا تھا۔

### کیا ہاجرہ لونڈی تھیں؟

علمائے اُمت اس مسئلہ میں مختلف البیان ہیں کہ آجر یا ہاجر شاہ مصر کی بیٹی تھیں یا لونڈی؟ میرے لیے اس اختلاف کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن بعض یہودی شارحینِ تورات کی تشریح سے انہی حضرات کے بیان کی تائید ہوتی ہے جو اُن کو شاہِ مصر کی بیٹی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ربی شادو مواسحٰق نے کتاب پیدائش کے سولہویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہاجرہ فرعونِ مصر کی بیٹی تھیں۔ جب بادشاہ نے سارہؓ کی کرامت دیکھی تو انتہا درجہ کا معتقد ہوا۔ اور رخصت کے وقت اپنی بیٹی کو بطور تحفہ پیش کیا اور یہ سوچ کر کہ بیٹی بجائے اس کے کہ کسی دوسری جگہ ملکہ بن کر رہے، بہتر ہے کہ خاندان نبوت میں خادمہ کی حیثیت سے رہ کر فیض یاب ہو۔

یا یوں سمجھیے کہ بادشاہ نے ازراہِ تواضع و انکسار کہا کہ یہ آپ کی کنیزی کے لیے ہدیہ ہے۔ عام طور پر معمول ہے کہ رخصت کے وقت بڑے سے بڑا معزز شخص بھی اپنی لڑکی کو کنیز ہی کہہ کر داماد اور سمدھی کے سپرد کرتا ہے۔ اور جیوش انسائکلو پیڈیا (جلد ۱ ص ۵۵) میں ہے کہ بادشاہ نے خود اپنی صاحبزادی بطور کنیز ہدیہ کر دی۔

اور قصص یہود کا جو مجموعہ گنزبرگ نے چار جلدوں میں شائع کیا، اس کی جلد اوّل (ص ۲۲۸، ۲۲۳) میں ہے کہ بادشاہ نے تہیہ کر لیا کہ وہ ابراہیمؑ کو ہر طرح سے قوی پشت کرے گا اور پُرشکوہ بنا کر رہے گا۔ چنانچہ اپنی بیٹی تک ہدیۂ دے دی۔ سارہؓ کی تعلیم و تربیت میں رہ کر ہاجرہ بھی باخدا اور ابراہیم علیہ السلام کی رفاقت و ہم نشینی کے قابل بن گئیں"۔

۱۹۱۱ء میں امرتسر سے ۳۲ صفحات کا ایک رسالہ موسومہ بہ "حضرت ہاجرہ" شائع ہوا تھا اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ہاجرہؓ شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ اس رسالہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۰ء میں بمقام کلکتہ پادری فنڈر سے مولنا رحمۃ اللہ کیرانوی کا جو مناظرہ ہوا اس میں پادری فنڈر نے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کی کوشش میں اس بات پر زور دیا کہ آپ ایک کنیزک زادہ (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کی اولاد تھے۔ لیکن مولنا رحمۃ اللہ مرحوم نے بائبل کی تفسیروں سے ثابت کر دیا کہ ہاجرہؓ لونڈی نہیں تھیں"۔ مزید براں کلکتہ کے بعض سربرآوردہ یہودیوں نے بھی مولوی صاحب کے اس بیان کی تائید کی کہ ہاجرہؓ

شاہ مصر کی بیٹی تھیں۔

اور اگر بفرض محال وہ کبھی لونڈی ہی تھیں، تو بھی کسی بڑے آدمی کا کنیزک کے بطن سے پیدا ہونا موجب عار اور عیب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اہل کتاب کے صحیفوں میں ان کے پیشواؤں کے متعدد نظایر ایسے ملتے ہیں جن کی بیویاں سابق میں کنیزیں تھیں اور ان سے ان کی اولاد ہوئی۔

**حضرت اسمٰعیلؑ کا تولد**

جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ برس کی ہوئی تو حضرت اسمٰعیلؑ ہاجرہؑ کے بطن اطہر سے سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۲۷۵۳ سال پہلے متولد ہوئے۔ جناب خلیلؑ کو وحی ہوئی کہ اس لڑکے کے بارہ اولادیں ہوں گی، جن میں سے ہر ایک بڑے سلسلہ کا رئیس ہوگا۔ جناب اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت بائبل کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

پیدائش باب ۱۶ میں ہے۔

"پھر خداوند کے فرشتے نے ہاجرہ سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے۔ اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا (ورس ۱۰۔۱۲) اور ہاجرہ ابرام کے لیے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا اور جب ابرام کے لیے ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوا، تب ابراہیم چھیاسی برس کا تھا (ورس ۱۵-۱۶)

# فصل ۵ حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہؓ مکّہ کے بیابان میں

اسمٰعیل علیہ السلام ابھی دودھ پیتے بچہ ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مکہ معظمہ آباد کرے۔ اس وقت وہاں بالکل چٹیل میدان تھا اور کعبہ بھی ہنوز تعمیر نہ ہوا تھا۔ خدائے حکیم و برتر نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اسمٰعیلؑ اور ان کی ماں ھاجرہؓ کو

اس میدان میں پہنچا دو۔ ہم ان کے محافظ ہیں۔" جناب خلیل علیہ السلام نے ماں اور بچہ دونوں کو خچر پر سوار کر کے بے تامل اس بیابان میں جہاں اب مکہ معظمہ آباد ہے، پہنچا دیا اور بوقتِ مراجعت ان کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی رکھ آئے۔

### ہاجرہؑ کی طرف بے التفاتی

جب وہاں سے لوٹنے لگے تو ہاجرہؑ پیچھے گئیں اور پوچھا آپ ہم کو اس بیابان میں جہاں نہ کوئی درخت ہے، نہ پانی ہے، نہ کوئی آدمی ہے نہ آدم زاد، نہ کوئی مونس ہے نہ غمخوار، چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں؟ جناب خلیل اللہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوبارہ سہ بارہ کہا، لیکن انہوں نے کوئی التفات نہ فرمایا۔ یہ بے رخی دیکھ کر ہاجرہؑ نے پوچھا کیا آپ اللہ کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑے جاتے ہیں؟ فرمایا ہاں"۔ مادرِ اسمٰعیلؑ نے کہا کہ اگر خدائے برتر کا یہ حکم ہے تو وہ رؤف و رحیم ہمیں ضائع نہ ہونے دے گا۔ غرض ابراہیم علیہ السلام مراجعت فرما ہوئے اور وہ دیر تک وہیں کھڑی رہیں۔

### جناب خلیلؑ کی دُعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ثنیہ کے مقام پر پہنچ کر یہ مضطربانہ دعا کی:۔ اے میرے پروردگار! میں نے تیرے بیتِ محترم (خانۂ کعبہ) کے پاس ایسی وادی میں جہاں زراعت کا نام و نشان نہیں، اپنی ایک اولاد بسائی ہے تاکہ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔ پس لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل رکھ، اور (بیرونی پیداوار سے) ان کو میوہ جات کھانے کو پہنچا تاکہ تیرا شکر ادا کریں۔ (قرآن ۱۴: ۳۷)

یہ دعا جو ایک دردمند اور پُرخلوص دل سے نکلی تھی موقف اجابت پر پہنچی۔ خدائے قدوس نے چشمۂ زمزم جاری کر دیا جس کی وجہ سے وہاں بستی پڑی۔ مکہ کی سرزمین قابل زراعت نہ تھی۔ ربِّ ذوالمنن نے وہاں سے قریب ہی طائف کی زمین کو اسکی صلاحیت بخشی جہاں تمام ماکولات اور بہتر سے بہتر میوہ جات اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہزارہا سال سے اب تک بروقت تازہ بتازہ مکہ معظمہ پہنچتی رہتی ہیں۔

### عالمِ اضطراب میں پہاڑیوں کے چکر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراجعت کے بعد ہاجرہؓ چند روز تک مشکیزہ سے پانی پیتی اور بقدرِ سدِ رمق تھیلی سے کھجوریں کھا لیتی رہیں۔ تھوڑے دنوں میں پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں۔ اب چونکہ معدہ میں آب و دانہ کچھ نہیں پہنچتا تھا، دودھ اترنا بھی موقوف ہوا اور بچہ

بھوکا پیاسا رہنے لگا۔ ہاجرہؓ نے اپنی بھوک پیاس پر تو صبر کیا لیکن جب اسمٰعیلؑ کی حالت دگرگوں ہونے لگی اور دیکھا کہ بچہ بھوک پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے تو ان سے فرزند کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ آخر کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں، اور بے تابی کے ساتھ چاروں طرف نظر دوڑانے لگیں کہ اگر کوئی شخص دکھائی دے تو اس سے پانی کا پتہ دریافت کریں، مگر جب کوئی متنفس دکھائی نہ دیا تو گھبراہٹ میں جھٹ وادی کو واپس آئیں اور فرزند کو اس حالت میں دیکھا کہ تشنگی اور گرسنگی کے مارے تڑپ رہا ہے۔ اب گھبرائی ہوئی دوسری طرف کی پہاڑی مروہ پر جا چڑھیں۔ جب وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے اتر کر وادی میں فرزند کے پاس آ پہنچیں اور اس کو تڑپتا دیکھ کر پریشانی کے عالم میں پھر صفا پر جا چڑھیں، اور تا کام اتریں. یہاں تک کہ سخت اضطراب کی حالت میں سات مرتبہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کی چوٹیوں پر آئیں اور گئیں۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی یہ پریشان حالی اور مضطربانہ تگ و دو پروردگار عالم کی بارگاہِ عالی میں کچھ ایسی مقبول ہوئی کہ مالک الملک نے اہلِ ایمان کو قیامت تک کے لیے اُن کے اس اُسوہ کا عامل و پیرو بنا دیا۔ چنانچہ حُجاج کی سعی بین الصفا و المروہ حضرت ہاجرہؓ کی یہی سعی ہے۔ ربِّ ذوالمنن اپنے در کے سائلوں کو اور اُن اربابِ توکل کو جو اپنے تئیں اس کے دستِ مشیت و رضا کے حوالے کر دیتے ہیں کبھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔ جب حضرت ہاجرہؓ ساتویں مرتبہ مروہ پر چڑھیں تو کچھ آواز سنائی دی۔ کہنے لگیں "اے بندۂ خدا! تم نے اپنی آواز تو سنائی لیکن کاش تم میرے لیے کوئی چارہ جوئی کرو۔"

## چشمۂ زمزم کا پھوٹ پڑنا

اب اُنہوں نے یک بیک خدا کے فرشتہ (جبریل علیہ السلام) کو زمزم کے پاس پایا۔ جھٹ مروہ سے اُتریں، اور فرشتہ کے قریب آ کر دیکھا کہ اس نے اپنے پاؤں کی ایڑی زمین پر مار دی ہے اور معاً پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے فی الفور اپنے فرزند کو پانی پلایا اور پھر خود پیا۔ اس کے بعد چُلّو بھر بھر کر اپنے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں۔ فرشتہ نے کہا کہ تم اپنے ہلاک ہونے کا کچھ خوف نہ کرو۔ یہاں بیت اللہ ہے۔ یہ لڑکا اور اس کا باپ

اس گھر کو تعمیر کریں گے اور اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔"
یہ کہہ کر حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے۔ اب حضرت ہاجرہؓ نے بفراغ خاطر اُبلتے ہوئے پانی کی چاروں طرف ایک مینڈھی باندھ دی۔ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بسبیل تذکرہ فرمایا کرتے تھے یَرْحَمُهَا اللّٰهُ لَوْ تَرَكَتْهَا لَكَانَتْ عَيْنًا سَائِحَةً۔ (اللہ حاجرہ پر رحم کرے اگر وہ اس چشمہ کو بحالہا چھوڑ دیتیں تو وہ ایک جاری چشمہ ہو جاتا)۔

**قبیلہ جُرہم کا آکر آباد ہونا**

ہاجرہؓ یہیں رہنے لگیں۔ کچھ مُدت کے بعد قبیلہ جُرہم کے کچھ آدمیوں نے جو پانی نہ ملنے سے اس غیر ذی زرع سرزمین میں حیران و پریشان پھر رہے تھے پرندوں کا ایک جھنڈ دیکھا جو اِدھر اُدھر چکر لگا رہا تھا۔ پرندوں کو دیکھ کر انہوں نے خیال کیا کہ یہاں کسی جگہ ضرور پانی ہوگا۔ انہوں نے دو ایک آدمی پانی کی تلاش میں بھیجے۔ وہ اس طرف آئے جہاں پر حاجرہؓ اپنے فرزند کو لیئے بیٹھی تھیں۔ اُنہوں نے پہلے تو چشمہ کو تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے بعد جب ان کی نظر بی بی ہاجرہؓ پر پڑی تو اور زیادہ متعجب ہوئے۔ انہوں نے واپس جا کر ان کو اطلاع دی۔ وہ حیرت زدہ ہوئے کہ ہم ان جنگلوں میں رہتے تھے لیکن اس پانی کا ہمیں کوئی علم نہ تھا۔ غرض قبیلہ جُرہم کے آدمی وہاں پہنچے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ کو دیکھا کہ پانی کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی یہاں آکر قیام کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں اجازت ہے مگر پانی پر تمہارا کوئی (مالکانہ) حق نہ ہوگا۔ انہوں نے اس کو بخوشی منظور کیا اور اپنے اہل و عیال کو بلا کر وہیں سکونت اختیار کی۔ ان کی آمد پر حضرت ہاجرہؓ بہت خوش ہوئیں، کیونکہ اس سے ان کی وحشت تنہائی دور ہوئی کہ انسان انسان سے مانوس ہوتا ہے (صحیح بخاری و تاریخ ابن خلدون)

# فصل ۶۔ مکہ معظّمہ کی آبادی اور کعبۂ معلّٰی کی تعمیر!

قبیلہ جُرہم کے چند گھرانوں کے بعد اور لوگوں نے بھی یہاں کا رُخ کیا اور آبادی

بڑھنے لگی یہاں تک کہ مکہ ایک قصبہ بن گیا۔ جب اسمٰعیلؑ پندرہ برس کے ہوئے تو ہاجرہ انتقال فرما گئیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے ان کو حجر کے مقام پر دفن کیا۔ لیکن والدہ کا سایہ اٹھ جانے سے ان کا دل مکہ سے اچٹ گیا اور انہوں نے اپنے والد محترم کے پاس شام چلے جانے کا قصد کیا۔ لیکن بنو جرہم نے باہم مشورہ کر کے ان کو اس ارادہ سے روکا اور ان کا نکاح خاندان عمالقہ میں عمارہ بنت سعد کے ساتھ کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی بچے کو دیکھنے کے لیے شام سے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ اس وقت ہاجرہ انتقال کر چکی تھیں اور اسمٰعیلؑ بھی گھر پر موجود نہ تھے اس لیے چلے گئے۔ کچھ مدت کے بعد دوبارہ آئے۔ اس مرتبہ بھی ملاقات نہ ہوئی اور حضرت ابراہیمؑ واپس گئے۔ تیسری مرتبہ پھر قدوم فرما ہوئے اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے تیر بنا رہے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور باپ بیٹا بغل گیر ہوئے۔

### بناءِ کعبہ کا فرمانِ خداوندی

جناب خلیل علیہ السلام نے فرمایا مجھے ربّ قدیر نے حکم دیا ہے کہ یہاں لوگوں کی عبادت کے لیے ایک مکان تعمیر کروں کیا تم اس کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ گے؟ انہوں نے کہا بسر و چشم۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اس کے ارد گرد دیواریں کھڑی کرنا چاہتا ہوں۔ غرض کام شروع کر دیا گیا۔ جناب اسمٰعیلؑ نے پہاڑوں سے پتھر لا لا کر جمع کرنے شروع کیے۔ جب کافی ذخیرہ جمع ہو گیا تو تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اسمٰعیل علیہ السلام تو گارا اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت خلیل اللہؑ جڑائی کا کام کرتے تھے۔ جب دیواریں اتنی بلند ہوئیں کہ وہاں تک حضرت ابراہیمؑ کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا تو جناب اسمٰعیلؑ نے ایک بہت بڑا پتھر لا کر دیوار کے ساتھ رکھ دیا، جس پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہو گئے اور تعمیر کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا (صحیح بخاری و تاریخ ابن خلدون)

### مقامِ ابراہیمؑ

یہ پتھر مقام ابراہیمؑ کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر خلیل علیہ السلام کے دونوں قدموں کا نشان پڑ گیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں امام ابن جوزیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے نشان ہائے قدم مقامِ ابراہیمؑ پر قائم رہے۔ یہ نشان ہر زمانہ میں اہل حرم کے نزدیک مشہور و معروف

رہے ہیں۔ چنانچہ ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا تھا:۔

وَمَوْطِئُ اِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّخْرَةِ رَطْبَةٌ
عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلٖ

(حضرت ابراہیمؑ کے برہنہ قدموں کے نشان اس پتھر پر اب تک تازہ بتازہ موجود ہیں)۔

آج یہ پتھر خانۂ کعبہ سے کسی قدر فاصلہ پر ایک محفوظ مکان میں رکھا ہے، اور ہر وہ شخص جو خانۂ کعبہ کا طواف کرتا ہے، اس کا مامور ہے کہ وہاں دو رکعت نماز پڑھے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں اس مقام پر گزرے جہاں ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! کیا مقام ابراہیمؑ یہی ہے؟ فرمایا ہاں یہی ہے۔ حضرت عمرؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا ہم اس کو نماز کی جگہ نہ بنائیں؟ اس وقت حضرت عمرؓ کی خواہش کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی۔ (لباب النزول)

(ترجمہ: اور (اے پیغمبرؐ! بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا مرجع و معبد اور امن کی جگہ ٹھیرایا (اور لوگوں کو حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ مقرر رکھو اور ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے فرمایا کہ ہمارے (اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں (یعنی نمازیوں) کے لیے پاک و صاف رکھو۔ (۲: ۱۲۵)

**حجرِ اسود** جب خانۂ کعبہ تیاری کے قریب پہنچا تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند گرامی سے فرمایا کہ کسی اچھے پتھر کا ٹکڑا لاؤ تاکہ مقام رکن پر رکھ دوں جس سے لوگوں کو امتیاز باقی رہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ اس پتھر کو اٹھا لائے، اور جناب خلیل علیہ السلام نے اس کو مقام رکن پر رکھ دیا۔ یہی حجر اسود ہے کہ طواف کے وقت جس کا بوسہ لیا جاتا ہے (ابن خلدون)۔

یاد رہے کہ کعبۂ معلّٰی کو جو بیت اللہ کہا جاتا ہے تو اس سے خدا کے رہنے کا گھر مراد نہیں کیونکہ خدائے قدوس کوئی مجسم ہستی نہیں کہ اس کو کسی گھر کی ضرورت ہو، اور نہ وہ کسی جگہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہ لامکان ہے پس بیت اللہ سے مکہ کا وہ گھر مراد ہے جو رب العالمین کی یاد اور عبادت کے لیے مخصوص و نامزد کر دیا گیا تھا۔

# فصل ۷۔ رسول ثقلین کی بعثت کے لیے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا

جب حضرت براہیم خلیلؑ اور ان کے فرزند گرامی اسمٰعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو یہ دعا ان کے ورد زبان تھی (ترجمہ) اے ہمارے رب قدیر! ہماری اس خدمت کو شرف قبول بخش۔ بے شک تو ہی دعا کا سننے والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنے فرمان بردار بندے بنا اور ہماری نسل میں ایک ایسی جماعت پیدا کر جو تیری حکم بردار ہو اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری لغزشوں اور فروگذاشتوں سے درگزر فرما۔ بیشک تو بڑا درگزر کرنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب! ان لوگوں (مکہ والوں) میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اللہ اور حکمت یعنی سنت نبوی کی تعلیم دے اور ان کو مزکّٰی اور پاک صاف کرے۔ بیشک تو ہی با اختیار اور صاحب تدبیر ہے (بقرہ۔ آیات ۱۲۷ — ۱۲۹)

اوپر کی آیت قرآنی میں جس جماعت کا ذکر خیر ہے وہ صرف حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہے جن میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ پس آیت میں جس پیغمبر کی بعثت کے لیے دعا ہے اس سے آپ کی ذات گرامی کے سوا اور کوئی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ دعا باپ بیٹا دونوں نے کی تھی۔ پس جماعت سے وہی جماعت مقصود ہو گی جو دونوں کی اولاد ہو۔ اور پیغمبر کی نسبت التجا کی گئی ہے کہ وہ اس جماعت میں سے ہو تو لامحالہ وہ جماعت بنو اسمٰعیلؑ یعنی اہل مکہ اور پیغمبر رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے جو بنو اسمٰعیلؑ میں سے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث صحیح میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ظہور ہوں۔"

حضرت ابراہیمؑ دنیا میں تو اپنے اس جلیل القدر فرزند کو نہ دیکھ سکے۔ البتہ

شب معراج شرف دید سے مشرف ہوئے تھے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آئندہ صفحات پر آئے گی

# فصل ۸۔ حضرت ابراہیمؑ کو منجانب اللہ بعثت سرورِ عالم کی بشارت

یہود و نصاریٰ نے حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے مورث اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عظمت پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوشش کی تاہم وہ بائبل کی تصریحات کے سامنے بے بس ہیں جو تحریف کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس میں درج رہ گئیں۔ ان تصریحات میں حضرت خلیل اللہ کی دعا اور رب قدیر کے وعدے سب کچھ موجود ہیں۔ بائبل کی پہلی کتاب یعنی پیدائش میں ہے:۔

ابراہیمؑ نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہؑ جنی اسمٰعیلؑ رکھا۔ خداوند نے ابراہیمؑ سے کہا میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا۔ میرا عہد تیرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور میں تجھے بہت برومند کرتا ہوں اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے۔ اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لیے ملک ہو اور میں ان کا خدا ہوں گا (پیدائش باب ۱۷ درس ۱ ۔ ۸)۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے ربِّ قدیر کا یہ عہد حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے بعد ہی اور حضرت اسحاق کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بشارت اسمٰعیلؑ کے لیے ہے اسحاق علیہ السلام کے لیے نہیں۔ اس کے بعد خدائے برتر نے حضرت اسحٰقؑ کی بشارت دی۔ حضرت خلیل علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اس بشارت سے کہیں یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسمٰعیلؑ زندہ نہ رہیں گے اور وہ عہد اسحٰقؑ کے ساتھ پورا ہوگا۔ فوراً بارگاہ خداوندی میں التماس کی کاش! اسمٰعیلؑ تیرے حضور جیتا رہے (پیدائش ۱۷ ۔ ۱۸) خدا نے جواب دیا:۔ اور اسمٰعیلؑ کے

حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا (پیدایش ۱۷ : ۲۰)

ان آیتوں میں حضرت احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صریح بشارت ہے کیونکہ خدائے قدوس نے حضرت اسمٰعیلؑ کو برکت دینے کا جو وعدہ کیا تھا، وہ اس طرح پورا ہوا کہ ان کی اولاد میں سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو اختتام دنیا تک ہر ملک، ہر قوم اور ہر نسل کے ہر انسان کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

پادری صاحبان کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی نسبت جس برکت کا وعدہ کیا تھا، وہ محض دنیاوی برکت تھی جس میں کسی روحانی برکت کا شائبہ نہ تھا اور بارہ سرداروں سے مراد حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے ہیں جو ان کے گھر میں پیدا ہوئے اور ان سے بکثرت اولاد پھیلی۔ لیکن یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ان آیتوں میں کئی باتیں مذکور ہیں (۱) برکت دینا (۲) برومند کرنا (۳) بہت کچھ فضیلت دینا (۴) بارہ سردار پیدا ہونا (۵) بڑی قوم بنانا۔

پس کون دانشمند کہہ سکتا ہے کہ ان جداگانہ پانچ وعدوں کا صرف ایک ہی مطلب ہے یعنی اولاد کا زیادہ ہونا۔ اگر ہٹ دھرمی اور تعصب نفسانی کو بالائے طاق رکھ کر چشم انصاف سے دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کو برکت دینے اور برومند کرنے کا جو وعدہ فرمایا تھا، وہ یہی برکت کاملہ ہے کہ حق تعالیٰ نبوت کاملہ ان کی نسل میں رکھے جو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے کامل ہوئی اور آپ کے ذریعہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو کمال درجہ کی برکت اور برومندی نصیب ہوئی یہاں تک کہ وہ دین و دنیا کے بادشاہ ہو گئے اور بڑی بڑی سلطنتوں پر تصرف کیا یہاں تک کہ کنعان فتح کر کے موعودہ سرزمین کے بھی وارث ہوئے اور حضرت ابراہیمؑ کی وہ وراثت اب تک مسلمانوں کے حصہ میں رہی اور کیا عجب ہے کہ آئندہ بھی رہے۔ اور بائبل کی پیشین گوئی میں جن بارہ سرداروں کا ذکر ہے وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے نہیں بلکہ بارہ خلفائے اسلام ہیں۔

# فصل ۹ نبی آخر الزّمان علیہ السّلام کے حق میں بائبل کی ایک اور بشارت

بائبل کی بشارتیں ایک اور لحاظ سے بھی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ صادق آتی ہیں۔ خدائے برتر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ تو اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت میرے عہد کو نگاہ رکھیں جو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ تمہاری پشت در پشت ہر لڑکے کا جب وہ آٹھ روز کا ہو ختنہ کیا جائے کیا گھر کا پیدا ہو کیا پردیسی سے خریدا ہو جو تیری نسل کا نہیں، لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جائے۔ اور میرا عہد تمہارے جسموں میں عہد ابدی ہوگا۔ اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہیں ہوا، وہ شخص اپنے لوگوں میں سے کٹ جائے کہ اس نے میرا عہد توڑا۔ (پیدائش ۱۷ : ۹ - ۱۴)

تب ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیل اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زر خریدوں کو یعنی ابراہیم کے گھر کے لوگوں میں جتنے مرد تھے، سب کو لیا اور اسی روز ان کا ختنہ کیا جس طرح خدا نے اس کو فرمایا تھا۔ جب ابراہیم کے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوا وہ تیرہ برس کا تھا۔ (ایضاً ۲۳ - ۲۴) اور ابراہیم نے جیسا کہ خدا نے اسے حکم دیا تھا، اپنے بیٹے اسحاق کا جب وہ آٹھ دن کا ہوا ختنہ کیا (پیدائش باب ۲۱ ورس ۵)۔

ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیرووں کو ختنہ کا حکم دے کر ایسے وقت میں اس عہد خداوندی سے عہدہ برآ ہوئے، جب کہ نصاریٰ اس عہد کو قطعاً توڑ چکے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ حاملان بائبل کا بوجھ جو سراسر تکلیف وایذا سے ہمکنار ہے، خواہ مخواہ اپنے سر لے کر اپنی امت کو ختنہ کا حکم دیتے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نصاریٰ اس ابدی عہد سے کنارہ کش ہو کر اور سنت

ختنہ کو ترک کر کے اہل ہدایت کے زمرہ سے خارج ہو چکے تھے اور مسلمان اس عہد کی پابندی کر کے ہر زمانہ میں اپنے اہل حق ہونے کا عملی ثبوت دیتے رہے اور دیتے رہیں گے۔ اور نصاریٰ نہ صرف ابراہیم خلیل اللہ کی سنتِ ختنہ سے دست بردار ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے خنزیر، شراب اور ربا جیسے ابدی محرمات کو بھی جن سے اہل حق ہمیشہ سے اجتناب کرتے آئے ہیں حلال کر لیا ہے، حالانکہ بائبل میں ان تینوں برائیوں کی ممانعت کی گئی تھی چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

## خنزیر کی حُرمت

کتاب اَحبار میں ہے:۔ اور سُؤر کہ کُھر اس کا دو حصے ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا، وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم اس کے گوشت میں سے کچھ نہ کھائیو کہ یہ تمہارے لیے ناپاک ہے۔ (احبار ۱۱ : ۷۔۸) اور دوسری جگہ فرمایا:۔ اور سُؤر بھی کہ اس کے کُھر چرے ہوتے ہیں، پر جگالی نہیں کرتا، وہ تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم اس کا گوشت نہ کھائیو، نہ اس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔ (استثناء ۱۴ : ۸)

## شراب کا امتناع

اور حرمت خمر کی نسبت کتاب احبار میں ہے۔ پھر خداوند خطاب کر کے ہارون کو فرمایا کہ جب تم جماعت کے خیمے میں داخل ہو تو تم مے یا جو کوئی چیز جو نشہ کرنے والی ہو نہ پیجیو۔ نہ تو اور نہ تیرے بیٹے۔ یہ تمہارے لیے تمہارے قرنوں میں ہمیشہ تک قانون ہے تا کہ تم حلال اور حرام اور پاک اور ناپاک میں تمیز کرو (احبار ۱۰ : ۹۔۱۰)؛

اور دانیال کی کتاب میں ہے:۔ لیکن دانیال نے اپنے دل میں ارادہ کیا کہ اپنے تئیں بادشاہی خوراک کے روزینہ حصہ سے اور اس کی مے سے جو وہ پیتا تھا ناپاک نہ کرے (دانیال کی کتاب ۱ : ۸)

## سُود خواری کی مُمانعت

اسی طرح سود کی ممانعت میں فرمایا گیا ہے:۔
"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دیجیو، نہ نقد کے سود پر، نہ غلہ جات کے سود پر، نہ کسی چیز کے جس کی عاریت سود پر کی جاتی ہو۔ (استثناء ۲۳ : ۱۹)۔

## حرام کاری کی سزا

ایک اور حیثیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبیٔ عربی علیہ السلام انبیائے سلف کے طریقہ پر تھے اور آپ کی تعلیمات حقّہ پہلی آسمانی

کتابوں سے مطابقت رکھتی تھیں۔ اسلام نے غیر شادی شدہ زانی کو اسی کوڑوں کی اور شادی شدہ کو قتل کی سزا دی ہے۔ بائبل میں بھی یہی سزا مذکور ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ غیر محصن کو جرم میں محصن کے مساوی قرار دیا ہے۔ حالانکہ مسیحیت میں نہ تو زنا کوئی قابل سزا جرم ہے اور نہ عیسائی عملی حیثیت سے اس کو کوئی معیوب سمجھتے ہیں۔ اب بائبل کی تصریحات ملاحظہ ہوں :۔

احبار میں ہے :۔ اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو سے زنا کرے، وہ زنا کرنے والا اور زنا کرانے والی دونوں قتل کیے جائیں (احبار ۲۰ : ۱۰) اور استثناء میں ہے :۔ اگر کسی کنواری لڑکی نے حرام کاری کی تو اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے گھر کے دروازے پر نکال لائیں اور اس کی بستی کے لوگ اس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مر جائے، کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں حرام کاری کی (۲۲ : ۲۱) اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے تو دونوں مار ڈالے جائیں (۲۲ : ۲۲)

حضرات! بائیبل جس کے یہاں حوالے دیے گئے ہیں، وہی بائبل ہے جس کو انارکلی لاہور کی بائبل سوسائٹی اور دنیا بھر کی بائبل سوسائٹیاں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں چھپوا کر شائع کرتی اور لوگوں کو قبول مسیحیت کی دعوت دیتی ہیں۔

# فصل ۱۰۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا وصال

**حضرت اسحٰقؑ کا تولد**

جو فرشتے لوط علیہ السلام کی فاسق قوم کو تباہ کرنے پر مامور ہوئے تھے، وہ پہلے مہمانوں کی حیثیت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کو من جانب اللہ ولادت اسحٰقؑ اور ان کی ولادت کے بعد تولد یعقوبؑ کی بشارت دی۔ یہ سن کر حضرت سارہؓ جن کی عمر اس وقت نوے سال کی تھی، جوش مسرت سے بول اٹھیں کیا مجھ سے لڑکا پیدا ہوگا حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی معمر ہو چکے ہیں؟ یہ نہایت حیرت انگیز بات ہے۔ ملائکہ نے کہا کہ اے اہلبیت نبوت! تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، کیا تمہیں خدا کی قدرت سے یہ

امر بعید معلوم ہوتا ہے؟

چنانچہ حضرت سارہؑ حاملہ ہو گئیں اور جن ایام میں حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی، حضرت اسحٰقؑ متولد ہوئے۔ اور جب بی بی سارہ کی عمر ایک سو ستائیس برس کی ہوئی تو وہ کنعان کے ایک قصبہ جیرون نام میں رحلت کر گئیں۔ سارہ کی وفات کے بعد جناب ابراہیمؑ نے اور بھی نکاح کیے اور ان سے اولادیں ہوئیں۔ آخر ابراہیم علیہ السلام نے ایک سو پچھتر برس کی عمر میں سرزمین شام میں انتقال فرمایا اور بی بی سارہ کے پاس مدفون ہوئے۔ اب اسی مقام کو خلیل کہتے ہیں۔ اس وقت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر نواسی سال کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے حین حیات میں یعقوب علیہ السلام حضرت اسحٰقؑ کے گھر میں متولد ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہبوط آدم علیہ السلام کے تین ہزار چار سو اٹھانوے سال بعد اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۲۷۵۳ سال پہلے انتقال فرمایا تھا۔

### جناب خلیلؑ نے نوح علیہ السلام کا زمانہ پایا

توراۃ میں لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کی رحلت کے وقت ابراہیمؑ کی عمر ترپن برس کی تھی کیونکہ ارفخشد صُلب سام سے طوفان نوحؑ کے دو برس بعد پیدا ہوئے اور جب ارفخشد کی عمر ۳۵ سال کی ہوئی تو شالخ پیدا ہوا۔ شالخ کی ۳۰ برس کی عمر میں عابر پیدا ہوا اور عابر سے پینتالیسویں برس فالغ اور فالغ کی تیس برس کی عمر میں ارعو اور ارعو کی ۳۲ برس کی عمر میں شاروغ اور شاروغ کی ۳۰ برس کی عمر میں ناحور اور ناحور کی ۲۹ برس کی عمر میں تارح پیدا ہوا۔ اور جس وقت تارح کی عمر پچھتر برس کی ہوئی تو جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے پیدا ہو کر ظلمت کدۂ ارض کو منور کیا۔ اس بنا پر زمانۂ طوفان سے ولادت ابراہیم علیہ السلام تک دو سو ستانوے برس ہوتے ہیں اور نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ساڑھے تین سو برس زندہ رہے۔ پس نوح علیہ السلام کے انتقال کے وقت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ترپن برس کے تھے۔ غرض آپ نے اپنے جدِّ اعلیٰ کا زمانہ پایا ہے بعض مؤرخوں کی رائے ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کل بنی آدم کے جو آپ کے بعد ہوئے ہیں جدِّ اعلیٰ ہیں۔ اس اعتبار سے جناب موصوف آدم اور نوح علیہما السلام کے بعد تیسرے جدِّ اعلیٰ قرار پائے (ابن خلدون)۔

### جناب خلیل علیہ السلام کی ایک جزئی فضیلت

علّامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ سُریانی زبان میں ابراہیم کا لفظی ترجمہ "اب راحم" ہے، اس لیے کہ حق تعالےٰ نے ان کو اپنی مخلوق کا تیسرا باپ بنایا تھا۔ پہلے باپ آدمؑ تھے، دوسرے نوحؑ ہوئے کہ دنیا کی تمام قومیں جن کی ذرّیت ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِيْنَ (ہم نے صرف نوحؑ کی اولاد کو باقی رکھا) تیسرے باپ اب الآباءؑ، عمودِ عالمؑ، امام الحنفاء حضرت خلیل علیہ السلام ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنا دوست ٹھیرایا اور نبوت و نزول کتاب کو ان کی اولاد کے لیے مخصوص فرما دیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شیخ الانبیاء فرمایا ہے ان کا مزید شرف یہ ہے کہ خدائے ذوالجلال نے اپنے کلام پاک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام میں سے ان کے سوا کسی اور کے اتباع کا حکم نہیں دیا۔ (جلاء الافہام)

حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ خدا کی جس قدر مخلوق ان کو خدا کا پیغمبر اور بزرگ ترین ہستی مانتی ہے کسی دوسرے نبی کو نہیں مانتی۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں آسمانی مذاہب کے تمام پیرو (یعنی یہود، نصاریٰ اور مسلمان) نبی اللہ مانتے ہیں۔ اور صرف وہی نہیں بلکہ عرب کے بُت پرست بھی انہیں ایک جلیل القدر پیغمبر تسلیم کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی جزئی فضیلت ہے جس میں خدا کا کوئی دوسرا فرستادہ ان کا شریک و سہیم نہیں۔

### حضرت اسمٰعیل بحیثیت رسُول

جناب خلیلؑ کے فرزند گرامی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بعد وفات پدر بزرگوار بھی مکہ معظمہ میں اقامت گزیں رہے۔ ان کا پیشہ اور ذریعۂ معاش تیر سازی تھا۔ آپ کو تیر اندازی میں بھی بڑا کمال تھا۔ اس بیان کی تصدیق ایک حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سَلَمہ بن اکوُع نام ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے۔ وہاں قبیلۂ بنو اسلم کی ایک جماعت کو تیر اندازی کرتے دیکھا۔ آپ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا ہاں ہاں اے اسمٰعیلؑ کی اولاد تیر اندازی کرو تمہارے باپ اسمٰعیلؑ بھی بڑے تیر انداز تھے (بخاری)

بائبل میں بھی اسمٰعیل علیہ السلام کی تیر اندازی کا تذکرہ موجود ہے چنانچہ لکھا ہے۔

خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا۔
(پیدائش ۲۱ : ۲۱)

خلیل علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام درجۂ رسالت پر فائز ہوئے اور اہل یمن اور ان عمالقہ کی طرف مبعوث ہوئے جو اطراف مکہ میں بود و باش رکھتے تھے۔ امت دعوت میں سے کچھ لوگ تو مشرف بایمان ہوئے اور دوسرے بدستور کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹکتے پھرے (ابن خلدون)

اسمٰعیل علیہ السلام کا سال ولادت غالباً ۲۰۷۴ قبل مسیحؑ اور وفات غالباً ۱۹۳۷ سال قبل مسیحؑ ہوئی۔

# فصل ۱۱۔۱ اسمٰعیل علیہ السّلام کی رحلت

**حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد**

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بوقتِ انتقال جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے بنو جرہم میں اپنے یہ بارہ لڑکے نبایوت[۱] (یا نبیت یا نابت) قیدار[۲]، ادبئیل[۳]، بسام[۴]، مسماع[۵]، دوما[۶]، منشا[۷]، حدر[۸]، تیما[۹]، یطور[۱۰]، نافس[۱۱]، قدما[۱۲] چھوڑے۔ ابن اسحٰق راوی ہیں کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے ایک سو تیس برس کی عمر پائی اور مکہ معظمہ میں اپنی والدۂ محترمہ کے پاس میزاب اور حجر اسود کے درمیان دفن کیے گئے۔ توراۃ (بائبل) میں ان کی عمر ایک سو سینتیس برس لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی اولاد حویلا سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راہ میں ہے جس سے اثور کو جاتے ہیں بستے تھے۔ اہل توراۃ کے نزدیک حویلا سے جنوب برقعہ اور شور سے ارض حجاز اور اثور سے بلاد موصل وغیرہ مراد ہے (ابن خلدون)

**عرب مستعربہ**

یاد رہے کہ مؤرخوں نے اہل عرب کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ بایدہ، عاربہ اور مستعربہ۔ بایدہ سے وہ عرب اول مراد ہیں کہ تقادم عہد کی وجہ سے ان کے حالات معلوم نہیں مثل عاد، ثمود اور جرہم اولیٰ کے۔ عرب عاربہ اہل یمن کو کہتے ہیں جو قحطان کی اولاد تھے۔ اور عرب مستعربہ اسمٰعیل علیہ السلام کی

اولاد ہے۔ چونکہ اس کتاب کی تالیف کا مقصد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہے اس لیے یہاں صرف اُن عرب مستعربہ کے مختصر حالات پر اکتفا کی جائے گی جو آپ کے آبا و اجداد تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی تھی لیکن مکہ معظمہ کی سرزمین میں سکونت اختیار کرنے کے باعث آپ عربیت میں داخل ہو گئے اور آپ کی اولاد عرب مستعربہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تمام اسماء و لغات عربیہ ان میں عرب کے طبقۂ اُولیٰ سے منتقل ہو کر آئے تھے۔

## بقایائے بنی جُرہم کی مکہ میں آمد

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدوم فرمائے مکہ ہونے سے پہلے حجاز اور تمام ممالکِ عرب میں عمالقہ (اولاد عملیق بن لاوذ) پھیلے ہوئے تھے اور وہی اس سرزمین کے مالک تھے۔ جُرہم بھی اسی طبقہ میں یقطن بن شالخ بن ارفخشد کی اولاد سے تھے۔ اور اپنے بھائیوں حضرموت کے ساتھ یمن میں رہتے تھے۔ اتفاقِ زمانہ سے یمن میں سخت قحط پڑا اس وجہ سے بنو جُرہم تہامہ کی طرف ضروریات زندگی کے لیے نکلے (تہامہ اُس سرزمین کا نام ہے جس میں مکہ معظمہ واقع ہے) اثناء راہ میں اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ بی بی ہاجرہ سے زمزم کے قریب ملاقات ہو گئی جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ الغرض جرہم نشیبی مکہ میں اُترے۔ جس وقت جرہم کی خوش حالی کی خبر اس کی بقیہ قوم کو جو یمن میں بلائے قحط میں گرفتار تھی پہنچی اور ان کو معلوم ہوا کہ جرہم کو مکہ میں تنگی معیشت سے نجات مل گئی ہے تو کچھ مدت کے بعد وہ بھی یمن کو خیرباد کہہ کر ان میں آ ملے۔ ان دنوں ان میں مضاض بن عمرو کی حکومت تھی۔ جس وقت بقایا بنو جرہم مکہ میں آئے تو انہوں نے اپنے قیام کے لیے قیقعان کو انتخاب کیا۔ پہلے جُرہمی نشیبی مکہ میں بستے تھے۔ مضاض نے آکر بالائے مکہ میں قیام اختیار کیا۔ (ابن خلدون)

## بیت اللہ کی تولیت

اہل تاریخ اس بارہ میں باہم مختلف البیان ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد کعبہ کی تولیت کس کو ملی تھی۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی وصیت کے بموجب قیدار بن اسمٰعیل بیت اللہ کے متولی قرار پائے تھے۔ لیکن ابن ہشام نے محمد بن اسحٰق سے نقل کیا

ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ اور میں اسی مؤخر الذکر قول کو ارجح خیال کرتا ہوں کیونکہ نابت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ مضاض بن عمرو جرہمی مذکور نابت بن اسمٰعیل کی اولاد کا نانا تھا۔ مضاض نے قرابت قریبہ کی بنا پر بیت اللہ کی تولیت اپنے قبضہ میں لے لی اور اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد نے مکہ کے ارض حرم ہونے کے باعث یا قرابت کا پاس و لحاظ کر کے کچھ دم نہ مارا۔ مضاض کے انتقال کے بعد اس کی اولاد کعبہ کی متولی رہی۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو مکہ معظمہ میں بہت ترقی ہوئی اور خوب پھلے پھولے۔ لیکن وہ بنو جرہم سے جو مکہ معظمہ کے متولی اور حاکم تھے اور ان کے ماموں لگتے تھے، قرابت داری اور کعبہ کی عظمت و حرمت کے خیال سے جھگڑا نہ کرتے تھے۔ پھر جب مکہ معظمہ میں اولاد اسمٰعیلؑ کی گنجایش نہ رہی تو یہ اور شہروں میں منتشر ہوئے۔

# فصل ۱۲۔ حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کی بشارت

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مکہ معظمہ میں اور ان کے چھوٹے بھائی اسحٰق علیہ السلام فلسطین میں قیام پزیر تھے۔ جناب خلیل اللہ کے حین حیات اسحٰق علیہ السلام کے ہاں دو فرزند یعقوب اور عیصو توام پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ایک سو اسی برس کی عمر میں انتقال فرمایا اور اپنے والد محترم حضرت خلیلؑ کے پاس مدفون ہوئے۔ پہلی خواتین سے یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹے تھے اور آخری بیوی راحیل سے حضرت یوسفؑ صدیق اور بنیامین متولد ہوئے۔

**یوسف علیہ السلام**

یوسف علیہ السلام نے کم سنی میں ایک خواب دیکھا جس کا تذکرہ سن کر ان کے بھائی دشمن جان ہو گئے اور آپ کو آبادی سے باہر لے جا کر ایک کنوئیں میں دھکیل دیا، لیکن حافظ حقیقی نے آپ کو ہر ضرر سے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد ایک قافلہ والے آپ کو کنوئیں سے نکال کر مصر لے گئے اور عزیز مصر وزیر اعظم کے ہاتھ غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا۔

الغرض یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے ہاں پرورش پائی۔ پھر عزیز مصر کی

بیوی زلیخا نے بہتان تراشی کر کے آپ کو قید کرا دیا اور کئی سال کی قید و بند کے بعد جب آپ نے فرعون یعنی شاہ مصر کے ایک خواب کی تعبیر بیان کی تو بادشاہ نے آپ کو زمانۂ قحط میں خزائن زراعت کا منتظم بنا دیا۔ بادشاہ آپ کے حسن انتظام سے اتنا خوش ہوا کہ ملک کا سیاہ و سپید آپ کے عنان اختیار میں دے کر آپ کو مصر کا مختار کل بنا دیا۔ آپ نے یہ اختیارات اس لیے قبول کیے کہ احکام خداوندی کے اجرا اور قیام حق میں سہولت ہو۔

## آل اسحٰق کا مصر میں آباد ہونا

جب ارض کنعان میں قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی جنہوں نے آپ کو کنوئیں میں گرایا تھا غلہ اور جنس لینے کو مصر آئے اور یہی بھائیوں اور والد محترم سے یوسف علیہ السلام کے اجتماع کا سبب ہوا۔ جب بھائیوں پر یوسفؑ کی شخصیت ظاہر ہوئی تو حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے کہا کہ تمام خاندان کے لوگ فلسطین سے مصر آ جاؤ۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام آل اسحٰقؑ کو لے کر مصر چلے آئے اور اکیس سال کی مفارقت کے بعد باپ بیٹا میں ملاقات ہوئی۔ یعقوب علیہ السلام قدوم مصر کے سترہ سال بعد ایک سو ستاسی سال کی عمر میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور حضرت یوسف علیہ السلام حسب وصیت اپنے والد محترم کا تابوت (جنازہ) لے کر مصر سے فلسطین روانہ ہوئے اور مدفن ابراہیمؑ و اسحٰق علیہما السلام میں انہیں سپرد گور کر کے مصر واپس آئے۔

## حضرت یوسفؑ کی نعش اطہر

یعقوب علیہ السلام کی رحلت کے بعد ان کی اور ان کے بھائی عیصو کی اولاد مصر میں یوسفؑ کے پاس رہی۔ آخر یوسف علیہ السلام بھی ایک سو بیس برس کی عمر میں راہگرائے عالم آخرت ہوئے۔ آپ کی نعش اطہر کو ایک تابوت میں رکھ کر دریائے نیل کے بعض مجاری میں بند کر دیا گیا۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام نے یہ وصیت کی تھی کہ جس وقت بنو اسرائیل ارض موعودہ کی طرف روانہ ہوں، اُس وقت آپ کا تابوت بھی نکال کر ساتھ لے جائیں اور آبائے کرام کے مقبرہ میں دفن کریں۔ چنانچہ یہ وصیت اسرائیلیوں میں برابر محفوظ چلی آتی تھی تا آنکہ بوقت خروج بنو اسرائیل موسیٰ علیہ السلام اس کو مصر سے نکال لے گئے۔ (ابن خلدون)

## موسیٰ علیہ السلام

یوسف علیہ السلام کے وصال کے چونسٹھ سال بعد بنو اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جو اپنے جد اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کی

طرح اولوا العزم رسولوں میں سے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل ہوئی۔ آپ کو بھی حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارتیں دی گئی تھیں۔ ایک بشارت ملاحظہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنو اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔ (بائبل کتاب استثناء ۱۸ : ۱۶)۔

**بنواسرائیل مراد نہیں ہو سکتے**

بنواسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سیکڑوں ہزاروں نبی پیدا ہوئے۔ لیکن خود "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی تشریح بتا رہی ہے کہ اس پیش گوئی میں بنواسرائیل مراد نہیں بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنو اسمٰعیل ہیں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کو کسی اسرائیلی نبی کی بعثت کی بشارت سنانی منظور ہوتی تو آپ "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی بجائے "تجھ ہی میں سے" کے الفاظ فرماتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بصراحت "تیرے ہی بھائیوں میں سے" فرمانا حاضرین و مخاطبین کی وحشت دور کرنے اور ان میں جذبۂ انس اور رواداری و مسالمت پیدا کرنے کے لیے تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! جب وہ میرا مثیل نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا۔ اس کی پیروی میں عار نہ سمجھنا کیونکہ وہ بھی تمہارا کوئی غیر نہیں۔ تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔"

اور پھر دو ہی آیتوں کے بعد تورات میں بعینہٖ یہ مضمون رب کردگار کی طرف سے بھی ادا کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

"میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اس سے فرماؤں گا' وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا (استثناء ۱۸ : ۱۹ و ۲۰)

یہاں بھی "ان میں سے" یا "اسرائیلیوں میں سے" کی بجائے "ان کے بھائیوں میں سے" ہونے کی صراحت موجود ہے۔

**انجیل سے استشہاد**

اور پھر لطف یہ ہے کہ یہی پیش گوئی موسیٰ علیہ السلام کی زبان

سے ملتی ہوئی انہی الفاظ میں عیسائیوں کی ایک انجیل میں بھی موجود ہے۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیے گئے تو آپ کے حواری پطرس نے لوگوں کو ان الفاظ میں نصیحت کی تھی:۔

"اے اسرائیلیو! توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اسی طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی برپا کرے گا، جو کچھ وہ تم سے کہے، اس کی سننا۔ اور یوں ہوگا کہ جو شخص نبی کی نہ سنے گا، وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا بلکہ سموئیل (شموئیل علیہ السلام) سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے شریک ہو جو خدا نے تمہارے باپ دادا سے باندھا۔ جب ابرہام (ابراہیم علیہ السلام) سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے (بائبل عہد جدید۔ رسولوں کے اعمال ۳ : ۱۹ - ۲۶)

اس بیان میں پطرس نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی آمدِ ثانی ان واقعات کی تکمیل پر منحصر ہے جن کی انبیاء سلف پیش گوئی کرتے رہے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پیغمبر بھی دنیا میں مبعوث ہولے جس کی حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ اس کلام سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا کہ استثنار کے اٹھارھویں باب کی بشارت جو ابھی اوپر درج ہوئی اس کے مصداق حضرت مسیح علیہ السلام نہیں بلکہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی سے پہلے دنیا میں مبعوث ہونے والے تھے۔

### جناب موسیٰؑ اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کی مماثلتیں

تورات کی کتاب استثنار کے اٹھارھویں باب کی انیسویں اور بیسویں آیتوں میں جو اوپر نقل کی گئیں، دو باتیں خاص طور پر بیان کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ تجھ سا ایک

نبی برپا کروں گا۔" ظاہر ہے کہ جریدۂ عالم میں مثیل موسیٰؑ ہونے کا مصداق بجز ذات محمدی کے کوئی اور نبی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں بزرگوں کی چند مماثلتیں نمونۃً ملاحظہ ہوں

(۱) دونوں کو دشمنوں کے خوف سے ہجرت کرنی پڑی۔

(۲) دونوں نے اپنی پست قوموں کو ابھار کر بام عروج پر پہنچایا

(۳) دونوں نے اعدائے دین کے خلاف جہاد کیا۔

(۴) دونوں نے ملک فتح کیے اور اپنی اپنی قوم میں بادشاہت قائم کی۔

(۵) دونوں کو مستقل شریعت اور ایک ایک کتاب عطا ہوئی۔ قرآن کی طرح تورات میں بھی تمام احکام شریعت موجود ہیں۔ جملہ انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت مسیح علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول بھی تورات پر عمل پیرا ہو کر موسوی شریعت کے تابع تھے۔

(۶) دونوں نے نکاح کیے اور صاحبِ اولاد ہوئے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں جن میں دونوں حضرات باہم مماثل ہیں۔

### حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ میں عدم مماثلت

یاد رہے کہ حضرت موسیٰ اور سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں جو مماثلت ثابت ہے وہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام میں ثابت نہیں کی جا سکتی کیونکہ مسیح علیہ السلام نے نہ جہاد کیا نہ کوئی حکومت قائم کی۔ نہ صاحب شریعت نبی تھے اور نہ آپ نے شادی کی اور نہ صاحب اولاد تھے۔ اس کے باوجود پادری گولڈسیک نے ان دونوں میں وجوہ مماثلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"مسیح کا سب سے بڑا کام اپنے لوگوں کو گناہ کی غلامی سے مخلصی بخشنا تھا ٹھیک جس طرح موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی کے جوئے سے بچایا تھا اور عین جس طرح موسیٰ نے اسرائیل کی نافرمانی کے سبب سے خدا سے سفارش کی تھی اسی طرح اب مسیح بھی اپنے لوگوں کے لیے بڑا شفیع بن کر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ (حضرت محمدؐ اور کتاب مقدس صفحہ ۱۲)۔

مگر پادری صاحب کو معلوم ہو کہ مشابہت و مماثلت ہمیشہ اُمورِ محسوسہ میں ثابت کی جاتی ہے۔ صرف باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا۔ اس سے قطع نظر مسیح علیہ السلام

کو اس پیشین گوئی کا مصداق ٹھیرانا خود عیسائی عقیدہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ نصرانی لوگ مسیح علیہ السلام کو معبود یعنی خدا سے برتر قرار دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں کا مثیل نہیں ہو سکتا۔

### چچا اور بھتیجا کی اولاد بھائی بھائی ہوتی ہے

پادری گولڈ سیک صاحب لکھتے ہیں کہ اگر ہم بفرض محال مان بھی لیں کہ استثنا کے اٹھارھویں باب میں بھائیوں کا لفظ اسی مفہوم میں مستعمل ہوا ہے جس میں اہل اسلام پیش کرتے ہیں۔ تو بھی محمدؐ صاحب اس سے خارج رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ اسمٰعیلؑ اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے بھائی نہیں بلکہ چچا تھے (رسالہ حضرت محمدؐ اور کتاب مقدس ص ۸)

لیکن پادری صاحب کو معلوم ہو کہ چچا اور بھتیجا اور ان دونوں کی اولاد آپس میں بھائی بھائی ہوتی ہے کیونکہ ان کا مورثِ اعلیٰ ایک ہی ہوتا ہے۔ بائبل میں ہے "تب ابرام نے لوط سے کہا کہ میرے اور تیرے درمیان اور میرے اور تیرے چرواہوں کے درمیان جھگڑا نہ ہو کہ ہم بھائی ہیں (بائبل کتاب پیدائش ۱۳ : ۸) اور لوط علیہ السلام جناب ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ تھے (پیدائش ۱۴ : ۱۲)

موسیٰ علیہ السلام والی پیشین گوئی میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" ظاہر ہے کہ لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق قرآن مجید کے سوا کوئی نہیں کیونکہ بجز فرقان حمید کے کسی آسمانی کتاب کی نسبت کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ حرف بحرف کلام الٰہی ہے۔

### توراۃ میں پیغمبر عربی کے محامد و اوصاف

حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ سے دریافت کیا گیا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و اوصاف تورات میں کیا لکھے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کی جو تعریف قرآن میں لکھی ہے۔ اسی قسم کی بعض تعریفیں توراۃ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ تورات میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے:۔ اے نبی! ہم نے تم کو (دین حق کا) گواہ اور بشیر و نذیر اور اُمیّوں کے لیے حرز و امان بنا کر بھیجا ہے وہ میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے اُس کا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ کج خلق ہے اور نہ بازاروں میں شور و شغب کرنے والا۔ وہ بُرائی کے بدلے بُرائی نہیں کرتا بلکہ بخشش اور مہربانی کا شیوہ اختیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک موت سے ہمکنار نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے ایک ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے یہاں تک کہ لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے لگیں۔ اس نبی کے ذریعہ سے آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ بہرے کان کھولے جائیں گے اور غفلت شعار دل آگاہ کیے جائیں گے (بخاری)۔

## فصل ۱۳۔ الیسع علیہ السّلام کی پیشین گوئی

دوسرے انبیائے سابقین کی طرح الیسع علیہ السلام نے بھی فخر بنی آدم حضرت احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدوم کا مژدہ اپنی قوم کو سنایا تھا۔ اہل کتاب کے پاس ان پر نازل ہونے والا جو صحیفہ ہے اس میں ربّ کردگار فرماتا ہے:۔

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا، میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی رُوح اس پر رکھی۔ وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا، اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا کہ دائم رہے۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔ بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ وہ جنگ کے لیے بلائے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا (یسعیاہ باب ۴۲)

یہ پیشین گوئی ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔ اس کا مصداق جناب عیسیٰ علیہ السلام قطعاً نہیں ہو سکتے کیونکہ نہ تو وہ عیسائیوں میں خدا کے بندہ اور رسول کی حیثیت سے مانے جاتے ہیں اور نہ وہ ایک جنگی بہادر کی طرح دنیا میں ظاہر ہوئے۔ نہ انہوں نے توحید قائم کر کے بت پرستی کا استیصال کیا۔ اور نہ کوئی دوسری صفت جو اس بشارت میں مذکور ہے ان پر چسپاں ہوتی ہے۔

اس پیشین گوئی میں نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک امتیازی نشان یہ بتایا ہے کہ وہ قیدار بن اسمٰعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہات میں پیدا ہوں گے۔

قیدار کا خاندان مشہور خاندانِ قریش تھا اور قیدار اور قریش کے دیہات مکہ معظمہ اور اس کے مضافات ہیں۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے"۔ یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ سلع مدینہ منورہ کے پہاڑ کا نام ہے جو شہر سے متصل واقع ہے۔ قارئین کرام ان شاء اللہ العزیز ہجرت نبوی کے واقعات میں پڑھیں گے کہ کس طرح خواتین مدینہ کوہِ سلع اور گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر جوشِ مسرت میں خیر مقدم کے گیت گا رہی تھیں۔

اس پیش گوئی میں نبیٔ موعود کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ وہ وصف ہے جو نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے سوا خدا کا کوئی برگزیدہ اس وصفِ خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا۔ پیغمبر اسلام کا طغرائے فخر صرف عبدیت اور رسالت ہے۔ آپ نے ہمیشہ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے الفاظ کے ساتھ اپنے نام نامی کو شہرت دی۔ گو دنیا میں ہزارہا انبیاء و رسل تشریف لائے مگر ان میں سے کسی کے نام کو لفظ رسول سے شہرت نہیں ہوئی۔

پیشین گوئی میں پیغمبر موعود کا ایک وصف برگزیدہ بتایا گیا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اسم گرامی "مصطفیٰ" یعنی برگزیدہ ہے۔ ایک صفت یہ ہے کہ جس سے میرا جی راضی ہوا۔ یہ صفت نہ صرف آپ کے لیے بلکہ آپ کے پیروؤں کے لیے بھی عام ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں صحابۂ کرام کی نسبت فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ (اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں) لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (بلاشبہ اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا) اور ظاہر ہے کہ انبیائے سلف علیہم السلام کی امتوں کے مقابلہ میں یہ وصف امت محمدی کے لیے مخصوص ہے۔ اصحاب پیغمبر علیہ السلام میں سے ہر ایک رضی اللہ عنہ کی دعا سے ہمیشہ یاد کیا جاتا ہے۔

اس بشارت میں ربّ قدیر یہ بھی فرماتا ہے کہ میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ قرآن نے اس وصف سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا متصف فرمایا ہے۔ مثلاً قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ (کہہ دیجیے کہ روح القدس نے اس کو آپ کے رب کی طرف سے اتارا ہے ۱۶ : ۱۰۲) نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ

(امانت دار روح اس کو لے کر اتری۔ ۲۶ : ۱۹۲) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ (ہم نے آپ کی طرف ایک رُوح بذریعہ وحی بھیجی۔ ۴۲ : ۵۲)

بشارت مذکورہ میں ایک وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ چلائے گا نہیں اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا۔ اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا" یہ بھی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتیازی وصف تھا۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کبھی فحش لفظ نہ نکلتا تھا۔ نہ آپ بازار میں چلاتے اور آواز بلند کرتے تھے۔ نہ بُرائی کا بدلا بُرائی سے لیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور درگذر فرماتے تھے۔ (ترمذی)

الیسع علیہ السلام کی متذکرہ صدر پیشین گوئی میں جو دوسرے اوصاف مذکور ہیں اُن کی تشریح اور مطابقت بنظر اختصار قلم انداز کی جاتی ہے۔

# فصل ۱۴ بُخت نصّر کا خواب اور دانیال علیہ السّلام کی تعبیر گوئی

دانیال پیغمبر علیہ السلام نے بھی شاہِ بابل کے ایک خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیش گوئی کی تھی۔ چنانچہ محمد بن اسحٰق نے کعب اَحبار سے اور دوسروں نے وہب بن منبہ سے روایت کی کہ بیت المقدس کی ویرانی اور بنو اسرائیل کی اسیری کے بعد بخت نصر شاہِ بابل نے ایک خواب دیکھا جس نے اسے بہت خوف زدہ کر دیا۔ اس لیے کاہنوں اور نجومیوں کو جمع کر کے اس کی نسبت دریافت کرنے لگا۔ انہوں نے کہا کہ اگر بادشاہ اپنا خواب بیان کرے تو اس کی تعبیر پر غور کیا جائے گا۔ اس نے کہا کہ میں تو اُس کو بھول چکا ہوں۔ اور اگر تم لوگ تین دن کے اندر وہ خواب نہ بتاؤ گے تو میں تم سب کو قعرِ ہلاک میں ڈال دوں گا۔ یہ سن کر سب لوگ حواس باختہ ہو گئے اور عالم سراسیمگی میں واپس ہوئے۔

ان ایام میں حضرت دانیال علیہ السلام بخت نصر کے قید خانہ میں تھے۔ یہ آل اسرائیل

میں داخل تھے جنہیں بخت نصر بیت المقدس کو تاخت و تاراج کرتے وقت وہاں سے قید کر لایا تھا۔ جب دانیال علیہ السلام کے سمع مبارک تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے قیدخانہ کے داروغہ سے فرمایا کہ تم بادشاہ کو اطلاع دو کہ بیت المقدس کے اسیران جنگ میں ایک قیدی تعبیر رؤیا کے علم کا ماہر ہے۔ اسے تمہارے خواب کا علم ہے اور وہ اس کی تاویل بتا سکتا ہے۔

داروغہ نے جا کر بادشاہ کو اس کی اطلاع دی اور اس نے دانیال علیہ السلام کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ آپ نے آداب شاہی کے خلاف بادشاہ کو سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ رب العالمین نے مجھے آسمانی علم سے نوازا ہے اور حکم دیا ہے کہ اُس ذات برتر کے سوا کسی کو سجدہ نہ کروں" بخت نصر نے کہا میں اُن لوگوں کو پسند کرتا ہوں جو اپنے معبودوں کے عہد کا ایفا کرتے ہیں۔ اب مجھ سے میرا خواب بیان کرو۔

دانیال علیہ السلام نے فرمایا اے بادشاہ! تم نے ایک بہت بڑا بت دیکھا ہے جس کے پاؤں زمین پر ہیں اور سر آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اس کا بالائی حصہ سونے کا ہے۔ وسط چاندی کا اور نچلا حصہ تانبے کا ہے۔ پنڈلیاں لوہے کی ہیں اور دونوں پاؤں مٹی کے۔ پھر ایسی حالت میں کہ تم اس بت کی طرف دیکھ رہے ہو، اور اس کے حسن و رعنائی پر اَش اَش کرتے ہو، رب قدیر کے حکم سے ایک بڑا پتھر آسمان سے گرتا ہے جو اس کے بھیجے پر پڑتا ہے اور اس کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر دیتا ہے اور اس کے مختلف اجزا سونا چاندی تانبا، لوہا اور مٹی باہم مخلوط ہو جاتے ہیں۔ اور تم سوچ رہے ہو کہ اگر دنیا بھر کے جن و انس جمع ہو کر ان مخلوط دھاتوں کو باہم میز کرنا چاہیں تو ہرگز نہ کر سکیں۔ پھر تم اس پتھر کی طرف دیکھ رہے ہو جو اوپر سے گرا ہے۔ وہ تمہارے دیکھتے دیکھتے بڑھتا جا رہا ہے، اور پھیل کر ساری سطح زمین پر چھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ تمہیں آسمان اور اس پتھر کے سوا کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی"۔

بادشاہ نے کہا واقعی میں نے یہی خواب دیکھا تھا۔ لیکن اب اس کی تاویل بتاؤ۔

دانیال علیہ السلام نے فرمایا کہ بت تو دنیا کی بت پرست قومیں ہیں۔ اور پتھر جس نے آسمان سے گر کر بت کو چکنا چور کر دیا ہے وہ دین حق ہے جس کے ذریعہ سے خدائے قادر و مختار آخر زمانہ میں باطل پرست امتوں کو مقہور کر کے اس کو سب پر غالب کرے گا۔ جس کی صداقت

یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ عرب کی سرزمین سے ایک نبی اُمّی مبعوث کرے گا جو ادیان وامم پر اسی طرح غالب آئے گا جس طرح پتھر ساری سطحِ زمین پر محیط ہو گیا۔ حق تعالیٰ اس نبی عربی کے ذریعہ سے کمزوروں کی مدد کرے گا اور ان کو رفعت و عروج بخشے گا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)۔

# فصل ۱۵۔ دو یہودی عالموں کی طرف سے نبی آخر الزماںؐ کی ہجرت گاہ کا اِحترام ملحوظ رکھنے کی تلقین

پہلی کتب سماوی میں پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق جو بشارتیں ہیں ان میں آپ کی ہجرت گاہ کا تذکرہ خاص طور پہ پایا جاتا ہے۔ شاہ یمن کو یثرب پر حملہ آور ہونے کے بعد جو واقعہ پیش آیا، یہاں اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ یمن کے ملوک تبابعہ میں سے جو تُبّع مشرق کی طرف بڑھا تھا وہ حسّان بن تبّع معروف بہ تبان اسعد ابو کرب تھا۔ اسی نے بزعم بعض علمائے تاریخ سب سے پہلے کعبہ معلیٰ پر غلاف چڑھایا اور بنو جرہم کو بیت اللہ کا متولی بنایا۔ کعبہ میں دروازہ لگا کر کلید بردار متعین کیا۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ حسّان بن تُبّع خدمات کعبہ کے بعد دائرۂ یہودیت میں داخل ہو گیا۔ اس کے قبول یہودیت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب حسان یمن سے نکل کر حدود مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا تو یثرب سے ہو کر گزرا جس کو آج کل مدینہ منورہ کہتے ہیں اور اس پر قبضہ کر کے اور اپنی جگہ اپنے بیٹے کو چھوڑ کر پیش قدمی کی۔ اس کے جانے کے بعد اہل یثرب نے آپس میں مشورہ کر کے اس کے لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ ان ایام میں قبیلہ بنو نجار کا ایک مشہور شخص عَمرو بن طلحہ نام ان کا سردار تھا۔ جب حسّان کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور اپنے سارے لائحہ عمل کو ملتوی کر کے یثرب کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ تمام ابنائے قبیلہ یک جا ہو کر بر سر مقابلہ ہوئے۔

دوران جنگ میں یہودان بنو قریظہ کے دو عالم متبحر حسّان کے پاس آئے، اور

اس سے کہنے لگے کہ اپنے اس فعل سے باز آؤ کہ تم یثرب کو کسی طرح ویران و برباد نہیں کرسکتے کیونکہ یہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو قریش میں پیدا ہوں گے جائے ہجرت ہے۔ (ابن خلدون) اور ابن سعد نے اس واقعہ کو حضرت اُبی بن کعب سے یوں روایت کیا ہے کہ جب حسان بن تبع یثرب پہنچا تو اَحبار یہود کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اس شہر کو ویران کرنے والا ہوں تاکہ یہاں سے یہودیت کا قلع قمع ہو جائے اور آئین بت پرستی از سر نو رائج ہو۔" ابن خلدون نے دو عالموں کا ذکر کیا ہے لیکن ابن سعد نے سامول نام صرف ایک عالم بتایا ہے۔ اغلب ہے کہ سامول ان دونوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہوں گے۔ بہرحال سامول نے جواب دیا کہ یہ شہر بنو اسمٰعیل کے ایک نبی کی ہجرت گاہ ہے' جن کا مولد مکہ اور اسم گرامی احمد ہوگا۔ اس مقام پر جہاں تمہارا قیام ہے' اُس نبی کے اصحاب میں اور اعدائے رسالت میں جنگ (غزوۂ بدر) برپا ہوگی۔ حسان نے کہا کہ وہ کون بدبخت ہوگا جو نبی سے برسر پرخاش ہوگا؟ سامول نے کہا نبی علیہ السلام کی اپنی قوم ہی برسرعناد ہوگی وہ لوگ یہاں آکر لڑیں گے' لیکن خدائے برتر اپنے نبی کو فتح دے گا۔ پوچھا کہ اُس نبی کا مدفن کہاں ہوگا؟ کہا یہی شہر ہوگا۔ یہ سن کر حسان کہنے لگا کہ پھر مجھے اس شہر پر دست تطاول دراز کرنے کا حوصلہ نہیں (طبقات ابن سعد)۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ حسان ان باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ آئین بت پرستی سے توبہ کر کے مسلک توحید یعنی موسوی دین قبول کر لیا اور ان دونوں عالموں کو ہمراہ لیے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب مکہ معظمہ قریباً ایک منزل دور رہ گیا تو قبیلۂ بنو ہذیل کے چند افراد اس کے پاس آئے اور اسے کعبہ کے خزائن و جواہرات کی طمع حصول میں مبتلا کر کے جادۂ حق سے پھیرنے لگے۔ لیکن ان عالموں نے اس کو اس فعل سے روکا۔ اور متنبہ کیا کہ بنو ہذیل تیرے قتل کی فکر میں ہیں۔ حسان نے ان اغوا کوشوں کی گردن ماردی اور خود ان عالموں سمیت مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے اس کو طواف کی ہدایت کی چنانچہ حسان نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اس کو پوشش پہنائی اور بنو جرہم کو اس کا متولی مقرر کر کے حکم دیا کہ حیض و نفاس والی عورتیں بیت اللہ کے قریب نہ آنے پائیں۔ حسان نے بیت اللہ کا دروازہ بھی قائم کیا اور کنجی اور کلید بردار متعین کیا اس کے بعد یمن کی طرف روانہ ہوا۔

یمن میں اس کی تمام قوم بُت پرست تھی۔ جب لوگوں کو اس کے قبول موسویت کی اطلاع ہوئی تو وہ مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ آخر محاکمہ کی ٹھیری۔ چنانچہ اس زمانہ کے دستور کے موافق آگ مشتعل کی گئی۔ بنو حمیر اپنے بتوں کو لیے ہوئے اور یہود کے دونوں عالم توراۃ کو گلے میں حمائل کر کے آگ میں داخل ہوئے۔ حمیریوں کو آگ نے جلا دیا اور یہ دونوں عالمانِ حق جن کی نورانی پیشانیوں سے پسینہ ٹپک رہا تھا صحیح وسالم نکل آئے۔ اس واقعہ سے بنو حمیر بھی دین موسوی میں داخل ہو گئے اور اس سرزمین میں یہودیت تھوڑے ہی دنوں میں اس حیثیت سے پھیل گئی کہ یہی ان کا اصلی مذہب تھا۔ (ابن خلدون)

## فصل ۱۶۔ عرب پر بُخت نَصّر کا حملہ اور مَعَد کا حَرّان پہنچایا جانا

حضرت مسیح علیہ السلام سے قریباً چھ سو برس پہلے بُخت نصر شاہ بابل نے عرب پر حملہ کیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل وبر نے اطراف عدن (یمن) میں اپنے نبی شعیب بن ذی مہدم علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا۔ خدائے قہار نے اس سرکشی کی پاداش میں ان پر بُخت نصر شاہ بابل کو مسلط کیا۔ اس سلسلہ میں رب العزت نے اُرمیا بن خرقیاہ اور برخیا علیہما السلام پر وحی نازل فرمائی کہ وہ بخت نصر کو ان عربوں کی گوشمالی کے لیے روانہ کریں جن کے گھر دروازے نہیں ہیں (یعنی جو بیابانوں میں بودوباش رکھتے ہیں)۔ یہ جا کر ان کو قتل کرے اور ان کے گھروں کو اجاڑ دے لیکن ان کی عورتوں سے کوئی تعرض نہ کرے۔

یہ دونوں بزرگ بخت نصر کے پاس گئے اور اُس کو اس یلغار کی ترغیب دی۔ اس نے کہا میں نے بھی ایسا ہی خواب میں دیکھا ہے اور سواروں اور پیادوں کا ایک لشکر جرار مرتب کر کے عرب کی طرف بڑھا۔ لیکن قبل اس سے کہ شاہ بابل یلغار کرے اُرمیا اور برخیا علیہما السلام کو حکم ہوا کہ دونوں بزرگ عرب جائیں اور مَعَد بن عدنان کو اس ہنگامہ سے بچا کر شام لے آئیں۔" اس فرمان کا منشا یہ تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ

علیہ وسلم مَعَدّ ہی کی نسل سے پیدا ہونے والے تھے۔ پس یہ دونوں بزرگ بخت نصر کے حملہ سے پیشتر مَعَدّ کو اپنے ساتھ حرّان لے آئے۔ اس وقت مَعَدّ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ مَعَدّ کی انہی دونوں بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں پرورش ہوئی اور انہوں نے ان ہی کی کتابوں کی ان سے تعلیم پائی۔

جب بخت نصر عرب پر حملہ آور ہوا تو معد کے والد عدنان نے اہل حضور کو جمع کر کے بمقام ذات عرق اس کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ شاہ بابل نے اکثر کو قتل کیا۔ جو بچ گئے ان کو گرفتار کر کے بابل کی طرف واپس ہوا اور ان قیدیوں کو انبار میں ٹھیرایا۔ اس کے بعد عدنان مرگیا اور بلاد و امصار عرب ایک زمانہ تک ویران و خراب پڑے رہے۔ آخر جب بخت نصر ہلاک ہوا تو معد بن عدنان انبیاء بنی اسرائیل کے ہمراہ مکہ معظمہ کو آئے اور ان کے ساتھ بیت اللہ کا حج کیا۔ بخت نصر کی تاخت کے ایام میں معد کے بھائی اور چچا وغیرہ یمن میں جارہے تھے اور انہی میں شادی بیاہ کر لیا تھا لیکن بعد چندے جُرہم کے ساتھ مکہ کو لوٹا دیے گئے۔ معد نے حج سے فارغ ہو کر دریافت کیا کہ حارث بن مضاض جرہمی کی اولاد میں سے کوئی باقی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں جرہم بن جلہمد جرہمی موجود ہیں۔ پس معد نے ان کی لڑکی مُعانہ سے عقد کر لیا جس کے بطن سے نزار بن معد پیدا ہوئے۔ (ابن خلدون)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مَعَدّ اور اُرمیا نبی علیہ السلام کی متذکرہ صدر روایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک صرف بائیس پشتیں ہوتی ہیں۔ حالانکہ اُرمیا نبی اور بخت نصر کے حملوں کا زمانہ ۵۲۲ھ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے۔

لیکن ایک تاریخ نگار نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس نسب نامہ میں ناموں کے متحد ہونے سے بعض لوگوں پر اس روایت کی صحت مشتبہ ہوگئی ہے کیونکہ عدنان بھی دو ہیں اور معد بھی دو ہیں اور لطف یہ ہے کہ دونوں عدنان کے بیٹوں کا نام معد ہے۔ لیکن وہ معد جسے اُرمیا علیہ السلام اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ عک کا بھائی ہے۔ اور اس کا باپ عدنان سنہ قبل مسیح میں گزرا ہے۔ اس کے باپ کا نام اُدد اوّل ہے اور یہ معد عدنان دوم کا بیٹا ہے اور اس کے باپ کا نام اُد ہے۔ پس وہ روایت پہلے معد کی نسبت ہے واللہ اعلم۔

# فصل ۱۷۔ مَعَد کی اولاد

عدنان کی اولاد نجد میں قیام پزیر تھی اور تمام بنو عدنان باستثناء قریش بادیہ نشین تھے کیونکہ قریش مکہ معظمہ میں رہتے تھے۔ نجد کی سرزمین حجاز کے تمام بلاد سے مرتفع ہے۔ اس کے اعلیٰ میں تہامہ و یمن اور اسفل میں عراق و شام ہیں۔ سُہیلی کا بیان ہے کہ عربوں میں سے بنو عدنان نے نجد کو اپنی بود و باش کے لیے پسند کیا۔ عدنان کی اولاد اوّلاً تہامہ اور حجاز میں اور بعد ازاں عراق و جزیرہ میں پھیل گئی۔ پھر یہ لوگ مشرف باسلام ہونے کے بعد مختلف ممالک میں جا بسے۔

مَعَد بن عدنان کی اولاد سے نزار اور ایاد پیدا ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ قنص اور انمار بھی معد ہی کے صلب سے تھے۔ قنص اپنے باپ کے بعد عرب کا حکمران ہوا اور اس نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے بھائی نزار کو حرم سے نکال دینے کا قصد کیا۔ لیکن اہل مکّہ نے خود اس کو نکال کر اس کی جگہ نزار کو مقرر کیا۔ نزار کے چار لڑکے تھے۔ مُضر، ایاد، ربیعہ، انمار۔ جب نزار کا دمِ واپسیں قریب آیا تو انہوں نے اپنی مملکت کو اپنے چار بیٹوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ مضر کو قبۂ حمرا، ربیعہ کو فرس، انمار کو علاقہ حاد اور ایاد کو جلہ و عصا دیا۔ ان میں سے ایاد کا بہت بڑا خاندان گزرا۔ اسی سے بنو اسمٰعیل کی نسلی ترقی ہوئی اور بنو مضر بن نزار ریاست پر قائم رہے اور ایاد کی اولاد عراق کی طرف جا آباد ہوئی۔

نزار کی اولاد میں مضر سب سے زیادہ صاحبِ ثروت تھے۔ یہ حکمائے عرب میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جو کوئی دیکھتا ان کی محبت والفت کے جذبات سے لبریز ہو جاتا۔ کہتے ہیں کہ حُدا یعنی اونٹوں کو راگ کے ذریعہ فریفتہ کر کے تیز چلانے کا طریقہ مضر ہی نے نکالا تھا۔ کعبۃ اللہ کی ولایت و ریاست ان کے حینِ حیات انہی کو مُسلّم تھی۔

حجاز کی سرزمین میں یہ فخر و اعزاز بنو مُضر بن نزار ہی کو حاصل تھا کہ وہ کل بنو عدنان سے باعتبار غلبہ و کثرت تعداد فائق تھے۔ ان کی ریاست و حکومت مکہ میں تھی۔ اس سے

دو بڑے عظیم الشان قبیلے خندف اور قیس نکلے کیونکہ مضر کے دو لڑکے تھے ایک الیاس دوسرا قیس۔ اور الیاس کے تین لڑکے تھے۔ مدرکہ، طابخہ اور قمعہ۔ ان کی ماں بنو قضاعہ کی ایک عورت خندف نامی تھیں۔ الیاس کی تمام اولاد انہی کی طرف منسوب ہوئی۔ (ابن خلدون)

الیاس اپنی قوم کے سردار تھے اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی فضیلت مسلّم تھی۔ بنو اسمٰعیل نے ملت ابراہیمی میں جو بعض رسوم و بدعات رائج کر دی تھیں یہ ان کی مخالفت کرتے اور لوگوں کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتے تھے۔ ان کی بیوی خندف بھی بلحاظ شرافت و سیادت ضرب المثل تھیں۔ الیاس کے بیٹوں میں مدرکہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ مدرکہ بن الیاس نہایت عظیم الشان کثیر البطون قبیلہ تھا۔ اس کے اعظم ترین قبائل سے ہذیل، قارہ، اسد، کنانہ اور قریش ہیں۔ بنو ہذیل ہذیل بن مدرکہ بن الیاس کی نسل سے ہیں۔ طائف کے قریب جبل غزوان میں رہتے تھے۔ مدرکہ کے ایک فرزند خزیمہ تھے۔ ان کی اولاد بھی کثرت سے پھیلی۔

خزیمہ کے ایک فرزند کنانہ تھے جو اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں بڑے نامور سردار گزرے ہیں۔ کنانہ کی سیادت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روشنی ڈالتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیلؑ میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں ہاشمیوں کو پسند فرمایا اور پھر ہاشمیوں میں سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔ رواہ مسلم۔

## فصل ۱۸ حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام کی پیشین گوئی

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام جنہیں نصاریٰ یوحنّا کے نام سے موسوم کرتے ہیں حضرت مسیحؑ کے خالہ زاد بھائی اور عمر میں ان سے چھ مہینے بڑے تھے۔ یحییٰ علیہ السلام کو ہیرودس حاکم بنی اسرائیل نے حق گوئی کی پاداش میں ذبح کرایا تھا۔ یہ حادثۂ فاجعہ مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے تین سال پیشتر رونما ہوا۔ یحییٰ علیہ السلام نے بھی حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سنائی تھی۔

اصل یہ ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر رسالت و نبوت کا سلسلہ

ہمیشہ کے لیے بند ہونے والا تھا۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ قیامت تک ساری دنیا کی ہر قوم ہر نسل اور ہر انسان کی اصلاح و ہدایت کے لیے مامور ہونے والے تھے بلکہ آپ کے فرق مبارک پر تمام انبیاء و مرسلین کی سروری و قیادت کا تاج بھی رکھا جانے والا تھا۔ اس لیے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جو جو نبی مبعوث ہوتے رہے سب اپنے اپنے زمانہ میں اپنے سردار کی بعثت کے متعلق اپنی اپنی امت کو بشارتیں دیتے رہے۔ حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تمہیں رُوح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔ (انجیل متی ۳ : ۱۱ - ۱۲)

بعض متعصب پادری حضرت مسیح علیہ السلام کو اس پیش گوئی کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور یہ نہیں خیال کرتے کہ حضرت یُوحنا نے جس ذات گرامی کی یہ بشارت دی ہے، اس کو اپنے بعد آنے والا بتایا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام حضرت یوحنا کے ہم عصر تھے نہ کہ بعد میں آنے والے۔ اس کے علاوہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوسی کو جلا کر یعنی غزوۂ بدر میں دشمنانِ دین کی مزاحم قوتوں کو پامال کر کے ان کو ایسی نارِ حق میں جلا دیا جو قیامت تک بجھنے کی نہیں۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام نے مخالف قوتوں کو تہس نہس کرنے پر قدرت ہی نہ پائی تھی۔

یاد رہے کہ دائمی طور پر سچے طالبانِ حق کو روح القدس سے بپتسمہ دینے والی آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہستی گزری ہے یعنی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔ اسی روح القدس کے بپتسما کی طرف رب العالمین نے اپنے کلام پاک میں اشارہ بھی کیا ہے جیسا کہ فرمایا۔ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کی روح القدس سے تائید فرماتا ہے (۵۸ : ۲۲)

مزید براں اس حقیقت سے بھی خالی الذہن نہ رہنا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جناب یحییٰ علیہ السلام سے بپتسما لیا تھا (دیکھو متی ۳ : ۱۳ - ۱۶، مرقس ۱ : ۹، لوقا

۳ : ۲۱ - ۲۲) اور ظاہر ہے کہ بپتسما لینے والا مرید و شاگرد اور دینے والا استاد ہوتا ہے پس اس لحاظ سے مسیح علیہ السلام شاگرد اور یوحنا علیہ السلام استاد ٹھیرے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ شاگرد اور مرید کی نسبت دنیا کا کوئی اُستاد یا مرشد یہ نہیں کہے گا کہ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام نے جس نبی کی بعثت کا مژدہ سنایا تھا وہ نبیوں کے سردار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات بابرکات تھی نہ کہ مسیح علیہ السلام جو ان کے زمانہ میں ان کے پاس موجود تھے اور ان سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔

# فصل ۱۹ حضرت یحیٰی علیہ السّلام کی ایک اور شہادت

یحیٰی علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے تو یہودیوں نے یروشلیم (بیت المقدس) سے کاہن اور لیوی یہ تحقیق کرنے کے لیے بھیجے کہ یہ کون سے نبی ہیں؟ ان کی اس ملاقات اور حضرت یحیٰی علیہ السلام کی طرف سے ان کے سوال کا جواب انجیل یوحنا باب اوّل (۱۹ - ۲۷) میں یوں لکھا ہے:۔

جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیا (الیاس) ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انھوں نے اس سے کہا کہ پھر تو کون ہے؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں کہ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں جیسا کہ یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ انھوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ (انجیل یوحنا ۱ : ۱۹ - ۲۵)

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان ایام میں یہود کو تین پیغمبروں کی آمد کا انتظار تھا۔ ایک حضرت الیاس کا دوسرے حضرت مسیح کا تیسرے اُس نبی (یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم) کا۔ یہودی یقین رکھتے تھے اور اب بھی یقین رکھتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اب تک رحلت فرما نہیں ہوئے بلکہ انسانوں کی نظروں سے غائب ہوگئے تھے اور کسی نہ کسی زمانہ میں ضرور ظاہر ہوں گے۔ پھر حضرت الیاسؑ کے ظہور کے بعد حضرت مسیحؑ مبعوث ہوں گے، یہی وجہ تھی کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بحیثیت نبی تسلیم نہ کیا کیونکہ ان کے اعتقاد میں حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے حضرت الیاس کا آنا ضروری تھا۔

اور متذکرۂ صدر آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت الیاسؑ اور حضرت مسیحؑ کے علاوہ یہودیوں کو ایک اور نبی کا بھی انتظار تھا اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات کے بموجب آنے والا ایسا مشہور و معروف تھا جس کا نام لینے کی بھی ضرورت نہ تھی بلکہ نام لینے کے بجائے اس کے بتانے کو اشارہ ہی کافی تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف "وہ نبی" کے لفظ سے سمجھ گئے اور معاً فرما دیا کہ میں وہ نبی نہیں ہوں"۔

الغرض تین پیغمبروں میں سے دو تو فی الحقیقت دنیا میں تشریف لا چکے گو یہود کی خیرہ چشمی ان کو نہ دیکھ سکی ہو۔ الغرض وہ تیسری حقیقتِ منتظرہ جس کو "وہ نبی" سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے سوا اور کوئی نہ تھی۔

## فصل ۲۰۔ اسرائیلیوں کے سر سے تاج نبوّت و بادشاہت کا اتارا جانا

خدائے ذوالمنن نے آلِ یعقوبؑ پر بڑی بڑی نوازشیں فرمائی تھیں۔ سیکڑوں ہزاروں نبی ان میں مبعوث ہوئے جن میں بہت سے بادشاہ بھی تھے۔ بنو اسرائیل پر بیابان میں بادلوں نے سایہ کیا۔ ان کے لیے آسمان سے منّ و سلویٰ اترتا رہا۔ ان کے لیے دریا خشک ہوگیا اور وہ خشک راستہ سے دریا سے پار ہوگئے اور ان کا دشمن فرعون اپنی فوج سمیت وہیں غرق ہوگیا۔ لیکن ان فضیلتوں کے باوجود یہود ناشکری اور سرکشی میں بھی اپنی مثل آپ تھے۔ چونکہ وہ ہر زمانہ میں بے فرمانی اور ناسپاسی کا نت نیا مکروہ لباس

پہن لیتے تھے اس لیے وہ مراحم و عنایات خداوندی سے محروم کر دیے گئے اور تاجِ نبوت ان کے سر سے اتار کر بنو اسمٰعیل کے سر پر رکھ دیا گیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم بنو اسرائیل سے فرمایا تھا:۔

"اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ جو اس پتھر پر گرے گا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا" (انجیل متی ۲۱: ۴۳۔ ۴۴، لوقا ۲۰: ۱۷۔ ۱۸)

ان آیتوں میں جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قوم بنی اسرائیل! آیندہ کے لیے تم سے خدا کی بادشاہت یعنی نبوت چھین لی گئی ہے اور یہ امانت دنیا میں اس قوم کے سپرد کی جائے گی جو اس کے لائق ہو گی۔ جناب مسیح علیہ السلام نے اس اہلیت رکھنے والی قوم کی دو علامتیں بیان فرمائیں۔ پہلی یہ کہ جو اس پتھر سے ٹکرائے گا، چور چور ہو جائے گا۔ یہ علامت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرووں پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔ چنانچہ جنگ بدر اور خندق وغیرہ میں جب اعدائے اسلام نے زعم کیا تو تعدادِ کثیر اور فراوانیٔ اسلحہ کے باوجود مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت سے شکست کھائی اور ایسی بُری طرح منہ کی کھائی کہ ناچار ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا ربقۂ اطاعت گلے میں ڈال لیا۔

دوسری علامت کہ "جس پر وہ گرے گا" اسے پیس ڈالے گا۔ یہ بھی پیروانِ اُسوۂ محمدی پر صادق آتی ہے۔ مثال کے طور پر ان محاربات پر غور کرو جو زمنِ نبوت اور عہدہائے صدیقی، فاروقی اور عثمانی میں پیش آئے۔ ان لڑائیوں میں شجاعانِ اسلام نے شہامت و بہادری کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ جریدۂ عالم اور تواریخ ملل میں ہمیشہ ثبت رہیں گے۔ ان میں جس قوم نے بھی اہل اسلام کا مقابلہ کیا اس نے منہ کی کھائی۔

## فصل ۱۲ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتیں

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے

تو میرا بھی یقین کرتے اس لیے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے لیکن جب تم اس کے نوشتوں کا یقین نہیں کرتے تو میری باتوں کا کیونکر یقین کرو گے (انجیل یوحنا ۶ : ۴۶-۴۷) اس سے ثابت ہوا کہ تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدوم فرما ہونے کی بشارت موجود تھی لیکن یہودی اس پیش گوئی کے وجود سے ہمیشہ انکار کرتے رہے جس طرح عیسائی کہتے ہیں کہ تورات میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کی پیش گوئیاں ہیں اور یہودی ان کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے' اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ تورات اور انجیل دونوں میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں موجود ہیں لیکن یہودی اور عیسائی اس کے منکر ہیں۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی چند بشارتیں درج کی جاتی ہیں:۔

## پہلی بشارت:۔

قرآن کی سورۂ صف میں ہے:۔ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے (اپنی قوم سے) فرمایا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ میں اس کتاب توراۃ کی جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے تصدیق کرتا ہوں اور ایک اور رسول کی تم کو خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور ان کا اسم گرامی احمد ہو گا (۶۱ : ۶)

حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام سعادت میں عرب کے اندر صدہا علمائے یہود و نصاریٰ موجود تھے۔ اگر یہ بشارت فی الحقیقت مسیح علیہ السلام کی طرف سے نہ ہوتی اور (معاذ اللہ) اس میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلط بیانی کا کوئی شائبہ ہوتا تو وہ سیکڑوں نصاریٰ جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے' فوراً برگشتہ ہو کر اس غلط بیانی کا پردہ چاک کر دیتے تاکہ کوئی اور عیسائی دھوکے میں آ کر مسیحیت نہ چھوڑتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا اور اس بشارت کی ہر زمانہ اور ہر ملک اور تمام اسلامی اور غیر اسلامی مجلسوں میں اور بالخصوص اہل کتاب کے مجمعوں میں برابر تلاوت ہوتی رہی مگر کسی کو یہ کہنے کا کبھی حوصلہ نہ ہوا کہ یہ مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی نہیں ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مشرف باسلام ہونے والے اہل کتاب اپنی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور فرما ہونے کی بشارتیں پڑھنے کے بعد ہی حلقۂ اسلام میں داخل

ہوئے تھے کسی کے لیے انکار و استرداد کی گنجایش نہ تھی۔ ذیل میں چند ایسی پیشین گوئیاں درج کی جاتی ہیں جو خود موجودہ انجیلوں میں ہیں:۔

## دوسری بشارت:۔

انجیل لوقا میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان پر جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا دیکھو میں اپنے باپ (خدا) کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے یروشلم ہی میں ٹھیرو (لوقا ۲۴ : ۴۹)

اس کے چار سطروں بعد لوقا کی انجیل ختم ہو گئی ہے اور وہاں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ رسول موعود کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت عیلیٰ کے بعد جناب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ اس قوت آسمانی کے ظہور تک شہر یروشلم (بیت المقدس) میں ٹھیرو۔" اس سے محض اقامت بتانا منظور نہیں بلکہ غالباً یہ مقصود تھا کہ اس رسول موعود کے قدوم فرما ہونے تک تمہارا قبلہ و کعبہ بیت المقدس رہے گا۔ اس کے بعد تمہارا رُخ کعبۃ اللہ کی طرف جو شہر مکہ میں ہے پھر جائے گا۔"

اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس وعدہ کے پورا ہونے تک عیسائی یروشلم میں ٹھیریں گے۔ اس کے بعد بیت المقدس میں مسیحی حکمرانی کا دور ختم ہو جائے گا' چنانچہ وہ وعدہ پورا ہوا۔ رسول ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے۔ بیت المقدس اسلامی علم اقبال میں آیا اور اس موعود کی جماعت بیت المقدس پر قابض و متصرف ہوئی۔

اس بشارت کے متعلق عیسائی یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ اس میں حواریوں پر روح القدس کے نازل ہونے کا جو وعدہ تھا وہ رفع مسیح کے دس دن بعد پورا ہو چکا" لیکن یہ بیان کسی طرح قابل التفات نہیں کیونکہ اس بشارت کی چار سطروں کے بعد لوقا اپنی انجیل ختم کرتے ہیں اور اس وعدہ کے پورا ہونے کا کوئی ذکر نہیں کرتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوقا کی زندگی تک یا کم از کم اس انجیل کی تالیف و تدوین کے وقت وہ وعدہ پورا نہیں ہوا تھا۔ اور اگر لوقا کے نزدیک رفع عیسوی کے دس دن بعد روح القدس نے حواریوں پر نازل ہو کر یہ وعدہ پورا کر دیا تھا تو لوقا اس کا ضرور ذکر کرتے۔

## تیسری بشارت :-

انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ - ۱۷ میں جناب مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا :- اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے"۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اس آیت میں اور آیندہ آیتوں میں جس آنے والے پیغمبر کی بشارت دی ہے اس کو لفظ فارقلیط سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے جس کے لفظی معنیٰ ٹھیک محمدؐ اور احمدؐ کے ہیں یعنی بہت تعریف کیا گیا۔ جب انجیل یونانی زبان میں ترجمہ کی گئی تو اس لفظ کا ترجمہ پیری کلیوطاس کیا گیا تھا جو بالکل فارقلیط اور احمد کا ہم معنیٰ ہے۔ مگر پادری صاحبوں نے یہ دیکھ کر کہ اس سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے اس کو ذرا سے تغیر سے پیری کلی طاس کر دیا۔ جس کا ترجمہ اب عام طور سے وکیل یا تسلی دہندہ کیا جاتا ہے۔ لیکن علمائے اسلام نے بدلائل ثابت کر دیا کہ صحیح لفظ پیری کلیوطاس ہی تھا۔ ایک قریب الفہم بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان یونانی نہ تھی۔ پس ظاہر ہے کہ ان کی زبان سے جو لفظ نکلا ہو گا وہ عبرانی یا سریانی ہو گا کیونکہ ان کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی اس لیے یہ امر بالکل صریح ہے کہ انہوں نے فارقلیط کا لفظ فرمایا ہو گا جو احمد کا مرادف ہے۔

اس بشارت میں مسیح علیہ السلام نے صرف ایک دوسرے نبی کے آنے کی پیشگوئی نہ کی بلکہ یہ بھی فرما دیا کہ اس نبی کی شریعت دائمی شریعت ہو گی اور ابد تک تمہارے ساتھ رہے گی +

## چوتھی بشارت :-

انجیل یوحنا باب ۱۴ آیات ۲۵ - ۳۱ میں حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی آمد کا ان الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے :۔

میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وکیل جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔"

اس بشارت میں مسیح علیہ السلام نے تین اور باتوں کی تصریح فرمائی :۔

(۱) فارقلیط کو خود مسیح علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے اور حضرت مسیح ؑ کے پاس اس کا کچھ نہیں ہے۔

(۲) فارقلیط تمام دنیا کا سردار ہو گا۔

(۳) جس شریعت کو حضرت مسیح ؑ غیر مکمل چھوڑ گئے، فارقلیط علیہ السلام اس کی تکمیل کریں گے۔

ظاہر ہے کہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے دین الٰہی تکمیل کو پہنچا اور آپ نے عقاید، عبادات، اخلاق، احکام اور بعث بعد الموت کو اس تفصیل، تشریح اور تکمیل کے ساتھ بیان فرمایا کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی پیغمبر کی تعلیم میں نہیں ملتی +

## پانچویں بشارت :۔

یوحنا ۱۵ : ۲۵ - ۲۶ میں مسیح علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے :۔

"یہ اس لیے ہوا کہ وہ قول پورا ہو جو اُن کی شریعت میں آیا ہے کہ انہوں نے مجھ سے بے سبب عداوت کی لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ کی طرف سے نکلتی ہے تو وہ میری گواہی دے گا"

یہ نشانی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے سوا کسی پر صادق نہیں آتی۔ وہ آپ ہی ہیں جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی شخصیت اور حقیقی عظمت کو دنیا میں آشکارا کیا۔ دوستوں اور دشمنوں کی طرف سے ان پر جو غلط اتہامات

عائد کیے جا رہے تھے ان کی قلعی کھولی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے حقیقی رنگ یعنی پیغمبر اُولوالعزم کی حیثیت سے پیش کیا۔ ان کی صداقت کو تسلیم کرنا ایمان کا ضروری جزو قرار دیا۔ ان کے حقیقی اوصاف و محامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور عیسائیوں نے محبت کے پردہ میں دھندلا کر رکھا تھا اپنی سچی تعلیمات سے روشن کر دکھایا۔ یہود نے ان پر اور ان کی والدہ صدیقہ پر جو بہتان تراشیاں کر رکھی تھیں آپ نے ان کی بھی تردید فرمائی اور نصاریٰ نے ان کی تعلیمات اور ابنیت و الوہیت پر مشرکانہ اعمال و عقاید کا جو پردہ ڈال رکھا تھا اس کو بھی چاک کیا۔

## چھٹی بشارت :۔

انجیل یُوحنا باب ۱۶ آیات ۷۔ ۱۴ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے نہایت صراحت کے ساتھ سید المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مژدہ سنایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں ملزم ٹھہرائیگا مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام حق کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آیندہ کی خبریں دے گا۔ اور میرا جلال ظاہر کرے گا۔"

اس بشارت میں جناب عیسٰی علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ ان کی بعثت کے وقت ابھی دنیا اس قابل نہیں ہوئی تھی کہ ایک مکمل اور دائمی شریعت کو برداشت کر سکتی اس لیے حق تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی تکمیل شریعت کا کام اس روح حق یعنی حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اٹھا رکھا جو بعد میں تشریف لانے والے تھے۔ تمام حق کی راہ دکھانے سے وہی تکمیل شریعت مراد ہے جس کو قرآن پاک میں بدیں الفاظ ظاہر فرما دیا ہے :۔

| | |
|---|---|
| اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (۵ : ۳) | آج کے دن میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا۔ |

اور یہ جو فرمایا کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اوپر سے بتایا جائے گا۔ یہ بھی حضور سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاص وصف ہے۔ چنانچہ کلام مجید میں فرمایا۔

| | |
|---|---|
| وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ط (۵۳ ۱ ۵) | (حضرت بشیر و نذیر ہاشمی) اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ یہ قرآن جو پڑھ کر سناتے ہیں وحی آسمانی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ |

یاد رہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے یہ باتیں اس وقت کہی تھیں جب آپ کو اطلاع ملی تھی کہ آپ کی قوم یعنی یہود نے آپ کے قتل کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وداعی پیغام میں آپ ایک آنے والے فارقلیط کی تشریف آوری کا مژدہ سنا کر حواریوں کے مجروح دلوں پر تسکین و تثبیت کا مرہم رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فارقلیط آ کر میری بزرگی بیان کرے گا اور جو لوگ میرے درپئے قتل ہیں ان کو مجرم ٹھیرائے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے اس وداعی پیام میں اس حقیقت کا بھی اظہار فرمایا کہ فارقلیط جہان کا سردار اور مجھ سے زیادہ افضل اور بلند مرتبہ ہے۔ اس کا کوئی کمال مجھ میں نہیں پایا جاتا۔ جناب مسیحؑ نے ان ارشادات گرامی میں جو عبرانی زبان میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد بتایا تھا۔ لیکن انجیل کا ترجمہ کرنے والوں نے بجائے اس کے کہ اسم علم احمد کو علیٰ حالہٖ رہنے دیتے اس کا لغوی ترجمہ کر دیا اور یونانی زبان میں اس کا ترجمہ پیری کلیوطاس لکھا جس کے معنیٰ ہیں احمد یعنی بہت تعریف کیا گیا یا بہت حمد کرنے والا۔ پھر جب بائبل یونانی سے عربی زبان میں ترجمہ ہوئی تو اس کا معرب فارقلیط کر دیا گیا۔ غرض احمد اور فارقلیط کے ایک ہی معنیٰ ہیں لیکن اُردو زبان میں بائبل کا جو ترجمہ ہوا اس میں فارقلیط کو بھی بدل دیا گیا اور اس کی جگہ وکیل یا شفیع یا تسلی دینے والا لکھ دیا گیا، تاکہ اس لفظ سے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مراد

نہ ہو سکے۔

## عیسائیوں کا بشارات مسیحؑ پر ایمان لانے سے عملی انکار

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی اس تاکید شدید کے باوجود عیسائی لوگ حضرت خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں ایمان نہیں لاتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پادریوں نے اپنے عوام کو یہ کہہ کر بہکا رکھا ہے کہ فارقلیط یا تسلی دینے والے کے ظہور کی پیش گوئی میں کسی پیغمبر کی بعثت کا مژدہ نہیں بلکہ یہ بشارت تو مسیح کے آسمان پر جانے کے دس ہی دن بعد عید پنت کوست کے دن روح القدس کے نزول سے پوری ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے دعوے کے اثبات میں کتاب ”رسولوں کے اعمال“ کا یہ بیان پیش کرتے ہیں۔

”پھر انہوں نے ان کے بارہ میں قرعہ ڈالا اور قرعہ متیاہ کے نام کا نکلا۔ پس وہ ان گیارہ حواریوں کے ساتھ شمار ہوا۔ جب عید پنت کوست کا دن آیا تو وہ سب ایک جگہ جمع تھے کہ یکایک آسمان سے ایسی آواز آئی جیسے زور کی آندھی کا سناٹا ہوتا ہے اور اس سے سارا گھر جہاں وہ بیٹھے تھے گونج گیا۔ اور انہیں آگ کے شعلے کی سی پھٹتی ہوئی (گیارہ) زبانیں دکھائی دیں، اور ان میں سے ہر ایک پر آ ٹھہریں اور وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے جس طرح روح نے انہیں بولنے کی طاقت بخشی (اعمال باب اوّل آخری آیت اور باب دوم پہلی چار آیتیں)۔

حالانکہ ادنیٰ فہم و دانش کا آدمی بھی بشرطیکہ اس کو دیانت و انصاف سے کچھ بھی حصہ ملا ہو، سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے موعود کی جو جو علامتیں اور خصوصیتیں بیان فرمائی تھیں ان میں سے ایک بھی عید پنت کوست کے روز رُوح القدس کے مزعومہ نزول سے پوری نہیں ہوئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو روح القدس نے آگ کے شعلے کی سی پھٹتی ہوئی زبانیں دکھا کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارہ میں کبھی قصور وار ٹھیرایا اور نہ اس نے قوم بنی اسرائیل کو سچائی کی کوئی راہ دکھائی نہ آیندہ کی کوئی خبریں سنائیں۔ نہ مسیح علیہ السلام کی کسی عظمت پر روشنی ڈالی اور جلال ظاہر کیا۔ نہ اس نے یہود کو یا حواریوں کو مسیح علیہ السلام کی کوئی باتیں یاد دلائیں

یا آپ کی صداقت پر کوئی بیان دیا۔ بہر حال یہ افسانہ گوئی محض پادریوں کی حق فراموشی ہے۔

اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس بشارت میں روح القدس ہی کے آنے کا وعدہ تھا تو بھی اس کے مصداق سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ جو عام ہدایت آپ کے ذریعہ سے ہوئی اور تمام جزیرۂ عرب بت پرستی سے منہ موڑ کر خدائے واحد کی پرستش کرنے لگا اور تمام دنیا میں خدا پرستی کی روشنی پھیل گئی اور سارے عالم میں وحدانیت کا ڈنکا بج گیا اور عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ پر جو اتہام لگائے گئے تھے وہ مٹ گئے اور تثلیث کا باطل طلسم ٹوٹ گیا' یہ سب اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ جناب سید العرب والعجم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر روح القدس اور روح الصدق کا نزول ہوا تھا۔

## عیسائیوں سے چند سوالات :۔

ایسی حالت میں عیسائی منکروں سے چند سوالات ہیں :۔

(۱) جس وقت عید پنت کوست کے روز روح القدس کا نزول بتایا جاتا ہے انجیل یوحنا اس کے قریباً ستر سال بعد لکھی گئی ہے۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر فارقلیط موعود (باوکیل یا شفیع یا تسلی دہندہ) کے لفظ سے عیسائیوں کے تین معبودوں ایک معبود روح القدس مراد تھا تو یوحنا نے اپنی انجیل میں فارقلیط کی پیش گوئی درج کرنے کے بعد یہ کیوں ظاہر نہ کیا کہ یہ پیش گوئی عید پنت کوست کے دن پوری ہو چکی تھی۔ حالانکہ یوحنا بھی ان گیارہ حواریوں میں داخل تھے جن پر بروز عید روح القدس کا نزول بیان کیا جاتا ہے۔ دونوں واقعے یوحنا کے سامنے ہوئے۔ مسیح علیہ السلام کو پیش گوئی کرتے بھی سنا اور عید کے روز روح القدس جن لوگوں پر نازل ہوا' ان میں خود یوحنا بھی داخل تھے۔ اگر یہ بشارت پوری ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ یوحنا نے بشارت کا تو بڑے طمطراق سے ذکر کیا ہے لیکن اس کے پورا ہونے کا کہیں اظہار نہیں کیا؟

(۲) پیش گوئی کا پورا ہونا تو اسی صورت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے جبکہ ہر کس و ناکس موافق و مخالف اس کے پورا ہونے کا حال معلوم کر کے بشارت دینے والے کی

تصدیق یا تکذیب کر سکے۔ لیکن کہا صرف یہ جاتا ہے کہ رُوح القدس ایک مکان میں صرف گیارہ آدمیوں پر نازل ہُوا تھا اور وہ بھی مخفی اور غیر مرئی طریق پر کہ گیارہ آدمیوں کے سوا کوئی دوسرا جان نہیں سکتا تھا۔ پس سوال یہ ہے کہ اگر روح القدس واقعی نازل ہُوا تھا تو کیا وجہ ہے کہ نہ تو گیارہ حواریوں میں سے کسی نے کبھی اس بات کی شہادت دی کہ فارقلیط یا تسلی دہندہ کے آنے کی بشارت عیدپنت کوست کے دن پوری ہوئی تھی اور نہ ان کے ہم زمانہ لوگوں میں سے کسی نے اس کا کبھی کوئی تذکرہ سنا۔ اب دو ہزار سال کے بعد سست مدعی کے چست گواہ شہادت دینے لگے ہیں کہ وہ بشارت تو مسیحؑ کے آسمان پر جانے کے دس ہی روز بعد پوری ہو گئی تھی۔

(۳) حضرت احمد موعود صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اَنَا دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی (ابراہیم علیہ السلام نے میری ہی بعثت کے لیے دعا کی تھی اور میں ہی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں) یعنی حضرت مسیحؑ نے میری ہی آمد کا مژدہ سنایا تھا (رواہ احمد والبغوی فی شرح السنہ) کیا پادری صاحبان اپنے روح القدس کی طرف سے اس قسم کا کوئی دعویٰ دکھا سکتے ہیں؟

بہرحال اول تو یہ لفظ پیری کلیطاس نہیں ہے جس کے معنی وکیل یا تسلی دہندہ کے کیے جاتے ہیں بلکہ پیری کلیہ طاس ہے جس کے معنی احمدؐ کے ہیں۔ لیکن اگر اس لفظ کو پیری کلیطاس ہی مانا جائے اور اس کے معنی وکیل یا تسلی دہندہ یا معلم یا روح القدس کے قرار دیے جائیں تو بھی یہ بشارت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے پر صادق نہیں آ سکتی۔ بالخصوص حضرت مسیحؑ کے اس ارشاد نے کہ اگر میں نہ جاؤں تو پیری کلیوطاس تمہارے پاس نہ آئے گا قطعی فیصلہ کر دیا کہ یہ کسی نبی صاحب شریعت مستقلہ کی بشارت ہے جب ہی تو مسیح علیہ السلام کے ہوتے ہوئے دوسرا صاحب شریعت نبی نہیں آ سکتا۔ اور روح القدس تو حضرت مسیحؑ پر بھی اترا کرتی تھی اور ان کی موجودگی میں حواریوں پر بھی اتری تھی۔

پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ تم کو تمام وہ باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں، یاد دلائے گا، صاف ظاہر ہے کہ جس کے لیے یہ بشارت ہے اس کا ظہور

دورِ عیسوی کے بعد ایسے زمانہ میں ہوگا جب لوگ حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کو بھول چکے ہوں گے، اور جس صورت میں کہ روح القدس کا نزول حواریوں پر حضرت مسیحؑ کے دس دن بعد ہوا تو کون کہہ سکتا ہے کہ حواریوں نے چند ہی روز میں حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کو طاقِ نسیان پر ڈال دیا تھا؟

پس بلاشبہہ اس بشارت میں روح القدس کا نزول مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسے نبی کے قدوم کی بشارت ہے جس نے اپنی بعثت کے بعد عیسائیوں کے سامنے حضرت مسیحؑ کی اصلی تعلیم پیش کی۔ اس تعلیم کو انہوں نے زیادہ تر تو پولوس کی رخنہ اندازیوں کے باعث اور کچھ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بھلا دیا تھا اور کفارہ اور تثلیث کے گرداب میں پھنس گئے تھے۔ پس اس میں کوئی شک شبہہ نہیں کہ وہ وکیل یا تسلی دہندہ صرف حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے نہ کوئی اور۔

# فصل ۲۲۔ شاہ یمن کا بھولا ہوا خواب اور اس کی تعبیر

ذیل میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غفیرا نام ایک کاہن عورت کی پیشین گوئی درج کی جاتی ہے لیکن اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کہانت پر کچھ مزید تبصرہ کیا جائے۔

**کہانت**

کہانت کے لغوی معنیٰ فال گوئی کے ہیں اور اسی لیے اس شخص کو جو غیب کی باتیں بتلائے اور اپنے آپ کو مخفی اسرار سے واقف ظاہر کرے "کاہن" کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے دینی پیشوائی اور مقتدائی کے لیے کہانت بھی ایک لازمی چیز ہوگئی تھی۔ مصریوں اور بابل والوں نے رمل اور نجوم کے فن کو ہندوؤں کی طرح جزو دین بنا لیا تھا جس کی مدد سے وہ ہر امر میں آیندہ کی بابت حکم لگایا کرتے۔ ان کی اسی مذہبی جستجو نے علم ہیأت کو مدون کیا۔ کواکب کے اثرات اور ان کے افعال و خواص متعین کیے۔ اجرامِ فلکی کے نام رکھے۔ ان کی حرکتوں کا پتا لگایا اور دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی کہ نجوم کے ذریعہ سے جو الٰہیات سے وابستہ ہے انسان غیب کی باتیں بتا سکتا ہے۔

**یونان میں کہانت کا رواج**

یونانیوں میں بھی کہانت کا رواج تھا مگر بابل والوں

کی کہانت سے ادنیٰ درجہ پر۔ اگرچہ انہوں نے بھی ہیأت و نجوم کو حاصل کر لیا تھا لیکن غالباً یہ فنون ان کے دین کے اصلی عنصر نہیں بننے پائے تھے۔ ان کے کاہن بڑے بڑے مندروں کے پوجاری تھے اور ان کی کاہنہ عورتیں وہ کنواری لڑکیاں تھیں جن کی زندگی بت خانوں اور مندروں کی نذر ہو جاتی۔ اپالو کے مندر میں جو قدیم یونانیوں کا سب سے بڑا مندر تھا، یہ لڑکیاں لوہے کی ایک تپائی پر برہنہ کر کے بٹھائی جائیں اور نیچے کچھ بخور سلگائے جاتے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس لڑکی کے دماغ پر کچھ ایسا اثر پڑتا کہ حواس مختل ہونے لگتے اور بے ہوشی کے عالم میں وہ بکنا شروع کرتی۔ اس کے الفاظ پر مجذوبوں کی بڑ کی طرح غور کیا جاتا۔ ان کو طرح طرح کے معنی پہنائے جاتے اور انہی سے اپنی آرزوؤں اور مرادوں کے موافق یا مخالف جواب حاصل کر لیا جاتا۔

## اسرائیلی اور کہانت

بنو اسرائیل میں بھی کہانت کا چرچا تھا۔ مگر ان کی کہانت مشرک قوموں کی کہانت سے بالکل جداگانہ تھی۔ ان میں حضرت ابراہیم اور جناب موسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات نے نبوت کی ایک شان پیدا کر دی تھی۔ جناب کلیم علیہ السلام کے بعد سے ان میں نبیوں کی بعثت کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا تھا لیکن جب انبیاء نہ ہوتے یا بعد کے ایام میں جب نبیوں کے مبعوث ہونے کا سلسلہ موقوف ہو گیا تو ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ان کے مرتاض و نفس کش مقتدا عجیب قسم کے تحکمانہ لہجے اور انوکھے الفاظ میں بتایا کرتے کہ اس معاملہ میں یہ ہو گا' اور یہ بات یوں ہونے والی ہے۔

## اہل عرب کی کہانت

اہل عرب کی بت پرستی نہایت ہی مزخرف اور بے اصول طریقہ کی تھی مگر ان میں بھی ہر جگہ کاہن موجود تھے۔ لوگ بلا لحاظ مذہب اپنی مشکلیں لے کر اُن کے پاس آتے اور وہ ان کو ایسے جواب دیتے کہ ان کی تسلی ہو جاتی اور وہ اپنے نزدیک کامیاب اور بامراد ہو کر اپنے گھروں کو واپس جاتے۔ ان دنوں عرب کی اصلی حکومت انہی کاہنوں کے ہاتھ میں تھی جن کے سامنے نہ کسی سردار قبیلہ کی چلتی اور نہ کسی تاجدار فرماں روا کی۔ اس قسم کے کثیر التعداد کاہن اور کاہنہ عورتیں ارض عرب کے مشہور مقامات میں پھیلی ہوئی تھیں جن کے پاس دور دور سے لوگ اپنی آرزوئیں اور تمنائیں لے کر آیا کرتے اور عموماً شاد کام و مطمئن واپس جاتے۔ ان لوگوں

کی بتائی ہوئی باتیں کبھی سچی نکلتیں اور کبھی جھوٹی ۔

### کاہنوں کی غیبی اطلاعوں کا ماخذ

کہانت کا سکہ قدیم الایام میں اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ اس عہد کے فلسفی اور علمائے طبیعی بھی کاہنوں کی غیب دانی کے قائل تھے اور اس کی توجیہ یہ کرتے کہ کہانت ایک لطیف جزبۂ انسانی ہے جو صفائی قلب اور نفسانی قوت اور حس کی لطافت سے انسان میں پیدا ہو جاتا ہے ۔ ان کا بیان تھا کہ نفس ناطقۂ انسانی جب قوی اور زبردست ہوتا ہے تو وہ طبیعت کو مغلوب کرکے دبا دیتا ہے اور انسان پر لطیف راز آشکارا ہونے لگتے ہیں ۔

ممکن ہے کہ غیب دانی کا یہ بھی ایک ذریعہ ہو لیکن جیسا کہ احادیث نبویہ میں مروی ہے کاہنوں کے امور غیب پر مطلع ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ وہ غیبی اطلاعیں تھیں جو جن اور شیاطین عالم ملکوت سے سن آتے تھے ۔ چنانچہ حسب روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رب قدیر کی طرف سے کوئی قضا و قدر نافذ ہوتی ہے تو اس کو سن کر حاملان عرش تسبیح کہتے ہیں ۔ ان کے بعد اس آسمان کے فرشتے تسبیح کہتے ہیں جو حاملان عرش سے قریب ہیں یہاں تک کہ تسبیح کی آواز آسمان دنیا والوں کو پہنچتی ہے ۔ پھر حاملان عرش کے قریب والے حاملان عرش سے دریافت کرتے ہیں کہ پروردگار عالم نے کیا حکم جاری فرمایا ہے ؛ وہ انہیں اس کی اطلاع دیتے ہیں ۔ پھر عالم ملکوت میں اس کا چرچا ہوتا ہے ۔ یہاں تک کہ یہ خبر آسمان دنیا کے ملائکہ تک پہنچتی ہے ۔ اب جنات یہ اطلاع سننے کے لیے کان لگاتے ہیں ۔ پس ان پر انگارے پھینکے جاتے ہیں ۔ جنات جو خبر سن پاتے ہیں وہ اپنے کاہن دوستوں تک پہنچاتے ہیں ۔ پس یہ خبر سچی ہوتی ہے ۔ لیکن کاہن ان میں اپنی طرف سے جھوٹ ملا لیتے ہیں ۔ رواہ مسلم

### غفیراے کاہنہ

سنہ ۱۵۵ میں غفیرا نام ایک کاہن عورت ظاہر ہوئی یہ ایک خوش جمال دوشیزہ لڑکی تھی جو علم کہانت میں سر آمد روزگار تھی ۔ اس کے عہد میں مرثد بن عبد کلال والئ یمن نے ایک ہولناک خواب دیکھا تھا لیکن غایت دہشت سے صورت خواب صفحۂ خاطر سے محو ہو گئی ۔ مرثد نے اپنی ماں سے جو علم کہانت میں کافی شہرت رکھتی تھی اس کا ذکر کیا ۔ ماں نے جواب دیا کہ مجھے کہانت میں اتنا دخل

نہیں کہ بھولا ہوا خواب اور اس کی تعبیر بیان کر سکوں۔ مرثد نے اپنی تمام قلمرو میں احکام بھیجے کہ جہاں کہیں کوئی کاہن موجود ہو ایک خواب کی تشریح کرنے کے لیے پایۂ تخت میں قدم رنجہ فرمائے۔ ملک بھر کے کاہن جمع ہوئے مگر اس عقدہ کو کوئی حل نہ کر سکا۔

ایک مرتبہ بادشاہ شکار کو گیا۔ بیابان میں جا رہا تھا کہ ایک ہرن دکھائی دیا۔ شاہ مرثد نے ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا جب بادشاہ اپنے آدمیوں سے زیادہ دور ہو گیا تو تھکان اور پیاس نے غلبہ کیا۔ دامن کوہ میں غار کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ مرثد نے اس گاؤں کا رُخ کیا۔ قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑھیا اس کی طرف آ رہی ہے۔ زنِ فرتوت بادشاہ کے پاس پہنچی اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر بولی بیٹا! غریب خانہ پر چل کر پانی پی لو اور تھوڑی دیر آرام کر لو۔ شاہ یمن گھوڑے سے اُتر کر بڑھیا کے ساتھ گیا اور پانی پی کر دیوار کے سایہ میں سو گیا۔

## لڑکی کا خواب بیان کرنا

جب بادشاہ بیدار ہوا تو اس کی نظر ایک لڑکی کے چہرے پر پڑی جو حسن و جمال میں اپنی نظیر آپ تھی۔ بادشاہ کی آنکھیں تاب جمال نہ لا کر خیرہ ہو گئیں۔ لڑکی کہنے لگی اے شاہ یمن! اگر کسی چیز کے کھانے کی خواہش ہو تو بے تکلف کہو ابھی تیار ہو جائے گی۔" بادشاہ گھبرایا کہ اس لڑکی کو کیونکر علم ہوا کہ میں شاہ یمن ہوں اور متردد ہوا کہ مبادا یہ پہچان اس کے حق میں مضرت رساں ثابت ہو۔ بادشاہ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکی بولی بادشاہ! اس شناخت سے ہرگز نہ گھبرائیے کیونکہ اس مأمن میں آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ آخر سفرۂ طعام بچھایا اور بادشاہ نے کچھ ماحضر تناول کیا

بادشاہ نے پوچھا لڑکی! تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا مجھے غفیرا کہتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تو نے مجھے کیونکر پہچانا جو بادشاہ کہہ کر خطاب کیا؟ غفیرا بولی آپ مرثد بن عبد کلال ہیں۔ آپ نے ملک بھر کے کاہنوں کو خواب کا واقعہ بیان کرنے اور اس کی تعبیر بتانے کے لیے طلب فرمایا تھا مگر آپ کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ مرثد نے کہا کیا تو اس مشکل کو حل کر سکتی ہے؟ غفیرا نے کہا ہاں۔ آپ نے دیکھا تھا کہ آندھی اُٹھی اور فضا پہ محیط ہو گئی ہے۔ پھر اس میں سے آگ کے شعلے اور تیرہ فام دھواں ظاہر ہوا اس اثنا میں نہایت مصفّٰی اور چاندی سے زیادہ چمک دار آب شیریں کا ایک چشمہ

ظاہر ہوا۔ اور آپ نے دیکھا کہ ایک مقدس انسان لوگوں کو اس آب مصفا کے پینے کی دعوت دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ جو کوئی اس چشمہ کا پانی پیے گا' وہ حیات جاوید سے بہرہ مند ہوگا اور جو کوئی اس سے اعراض کرے گا' ہر قسم کا وبال اس کے شامل حال ہوگا" یہ ماجرا تھا جو والی یمن نے خواب میں دیکھا"

**تعبیر خواب** بادشاہ نے کہا واقعی یہی خواب تھا مگر اس کی تعبیر کیا ہے؟ لڑکی بولی آندھی شاہان عالم ہیں۔ تاریک دھواں ان کا جور وجفا ہے اور وہ چشمہ زلال پیغمبر آخر الزمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آئین و شریعت ہے۔ جو کوئی اس نبی کا اتباع کرے گا' جنت الخلد میں جگہ پائے گا۔ ورنہ خدائے قادر و قاہر کی ابدی عقوبت میں گرفتار ہوگا۔ اس کے بعد لڑکی نے حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک، نسب' مولد و منشا' حلیہ سب کچھ بیان کیا۔ مرثد حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر غائبانہ ایمان لایا اور ساتھ ہی لڑکی کے دیدار و گفتار کا اتنا شیفتہ ہوا کہ خواستگاری کر کے اسے اپنے سلک ازواج میں منسلک کرنا چاہا۔ مگر غفیرا' بادشاہ کے اس خطرۂ دلی پر مطلع ہو کر کہنے لگی کہ بادشاہ! اس خیال سے باز آ۔ کوئی شخص میرا ہم نشین نہیں ہو سکتا۔

جب مرثد کو یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہ آئی تو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوا اور پایۂ تخت میں واپس آ کر بہت سا زر و مال اور نفیس تحائف غفیرا کے پاس بھیجے' اور جب تک زندہ رہا تحف و ہدایا بھیجتا رہا۔ (ناسخ التواریخ)

# فصل ۲۳۔ مکہ معظمہ میں بت پرستی کا آغاز

مکہ اور جوار مکہ کے باشندے عموماً اور بنو اسمٰعیل خصوصاً ملت اسمٰعیلی کے پیرو اور موحد تھے۔ صدیوں تک اسوۂ اسمٰعیلی پر کاربند رہے۔ آخر عمرو بن لُحی نام ایک شخص نے جو قمعہ بن الیاس بن مضر کی ذریت میں تھا' اس بقعۂ مقدسہ میں بت پرستی کی رسم ڈالی۔ لیکن پیشتر اس کے کہ اہل مکہ کی اس ذہنی پستی اور ملی زوال کی علت بیان کی جائے' یہ بتا دینا مناسب ہے کہ دنیا میں بت پرستی کا رواج کیونکر ہوا تھا۔

**بت پرستی کس طرح رائج ہوئی؟** آدم علیہ السلام کی اولاد میں وُد، سُواع' یغوث'

یعوق اور نسر پانچ بزرگ صلاح و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔ قضائے کردگار سے یہ پانچوں نفوس قدسیہ ایک ہی مہینہ کے اندر دنیا کی سرائے فانی سے کوچ کر کے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے۔ لوگوں کو ان کی جدائی کا بڑا قلق ہوا۔ قابیل کی اولاد میں سے ایک شخص بزرگانِ قوم سے کہنے لگا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں ان کی صورتوں کی پانچ مورتیں طیار کر دیتا ہوں۔ یہ یادگاریں ہمیشہ تمہارے لیے راحت و تسکین کا سامان مہیا کرتی رہیں گی۔ مجھے یہ تو قدرت نہیں کہ ان میں روحیں بھی داخل کر دوں مگر مورتیں اس صفائی اور حسن و خوبی سے بناؤں گا کہ اصل اور نقل میں تمیز نہ ہو سکے گی۔"

بزرگانِ قوم نے اس تجویز کو پسند کیا اور اس نے پانچ بت تیار کیے جو ایک جگہ نصب کر دیے گئے۔ ان کے ارادت مند اور خویش و اقارب بتوں کے قریب جا کر ان کی تعظیم کرتے اور محبت کی گرم جوشی میں ان کے ارد گرد پھرتے۔ وہ صدی جس میں یہ مورتیں بنائی گئیں، اسی طرح گزر گئی۔ اگلی صدی آئی تو لوگوں نے قرنِ اول سے بڑھ چڑھ کر ان کی تعظیم و تکریم میں حصہ لیا۔ آخر تیسرا قرن آیا تو بعض لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے بزرگ اسلاف اس توقع پر ان کا احترام کرتے تھے کہ یہ خالق ارض و سماء سے ان کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ فرط محبت میں ان کی پوجا شروع کر دی گئی۔

اب حق تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو منصب رسالت پر سرفراز فرما کر ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آ کر لوگوں کو توحید کی دعوت دی لیکن وہ لوگ کسی طرح بت پرستی سے باز نہ آئے۔ کچھ زمانہ کے بعد جناب نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ وہ ان کو صدیوں تک راہ ہدایت پر لانے کی جدوجہد کرتے رہے لیکن قوم نے ان کی کسی دعوت کو سمع قبول سے نہ سنا۔ آخر طوفان آیا اور ان کے بتوں کو ایک جگہ سے دوسری تک اچھالتا پھرا۔ یہاں تک کہ پانی کے تھپیڑوں نے ان کو ساحل جدہ پر لا پھینکا۔ جب پانی خشک ہوا تو یہ مورتیں ساحل بحر پر پڑی رہیں اور بیابان کی ریت ہوا کے جھونکوں سے اڑ اڑ کر ان کے اوپر پڑتی رہی۔ اس طرح پانچوں بت صدیوں تک ریت کے نیچے دبے رہے۔

### ابن لحی کا شام سے ایک بت لانا

اب مکہ معظمہ میں بت پرستی شروع ہونے کا حال سنیئے۔ جب اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل بڑھی تو

اس نے قوم عمالقہ کو مکہ مکرمہ سے نکال کر عنانِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ لوگ خدائے واحد کے سچے پرستار تھے۔ آلِ اسمٰعیلؑ صدیوں تک توحیدِ الٰہی پر ثابت قدم رہی لیکن اس کے بعد قوم قاطبۃً بُت پرستی کے زندانِ ہلاک میں جا پڑی۔ سب سے پہلے جس شخص نے دینِ اسمٰعیلی کو بدلا اور مکہ میں بُت کھڑے کیے، وہ عَمرو بن عامر بن لُحَیّ بن قمعہ بن الیاس بن مضر ہے جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہو کر عمرو بن لحی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص کعبے کے متولی حارث کو قتل کر کے خود متولی بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوا۔ کسی نے اس کو بتایا کہ شام میں بلقاء کے مقام پر ایک گرم چشمہ ہے، وہاں جا کر غسل کرو تو اچھے ہو جاؤ گے۔ اس نے وہاں جا کر غسل کیا اور اچھا ہو گیا۔ بلقاء میں اس نے لوگوں کو مورتی پوجا کرتے دیکھا تھا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود و حاجت روا ہیں۔ یہی بارانِ رحمت بھیجتے ہیں۔ انہی کی نصرتِ دیاری سے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔“

ابن لحی سوچنے لگا کہ کیا اچھا ہو کہ میں بھی ایک بُت مکہ لے جاؤں اور وہاں اس کی پرستش شروع کی جائے۔ چنانچہ ان سے ایک بُت حاصل کر کے مکہ معظمہ لایا اور خانۂ کعبہ کے پاس نصب کر دیا۔ اس کے بعد عمرو بن لحیّ کو ان بتوں کا بھی علم ہوا جو بندرگاہ جدہ کے پاس ساحلِ بحر پر پڑے تھے۔ عمرو جدہ گیا، ان کو ڈھونڈ کر نکلوایا اور لاد کر تہامہ لے آیا اور ان کو بھی نصب کر دیا۔ آخر جب حج کا موسم آیا تو وہ اہلِ عرب کو بُت پرستی کی دعوت دینے لگا۔ لوگوں نے اس دعوت کو لبیک کہا اور اطراف واکناف ملک میں بُت پرستی شروع ہو گئی۔

### بُت پرستی اور اسمٰعیلی احکام کا اجتماع

جس طرح آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے قائلینِ کلمۂ توحید صوم و صلوٰۃ کے بھی پابند ہیں اور عقائد و اعمالِ شرکیہ میں بھی ملوث ہیں، اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی عربی اولاد کی گاڑی میں اس وقت دونوں گھوڑے جُتے تھے، شرک باللہ کا بھی اور ملتِ اسمٰعیلیؑ کے مذہبی احکام کا بھی۔ باوجودیکہ آلِ اسمٰعیلؑ نے توحید کی حبلِ متین کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار کر لی تھی، تاہم کعبۂ معلّٰی کی تعظیم اور اسلامی عبادتوں میں کوئی کمی نہ کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی شریعت کے مطابق بیت اللہ کا حج اور عمرہ ادا کرتے

تھے، طوافِ کعبہ، وقوفِ عرفات و مزدلفہ، قربانی کا ہدیہ بھیجنا، حج و عمرہ کے لیے تلبیہ کہنا اور اس قسم کے دوسرے مذہبی احکام علیٰ حالہا جاری رکھے تھے۔ غرض بت پرستی اور ملتِ اسمٰعیل کے مذہبی احکام و اعمال ایک ساتھ جاری تھے۔ مکہ معظمہ میں وقتاً فوقتاً اور بھی بت جمع کیے جاتے رہے یہاں تک کہ بیتِ خلیل بیت الاصنام بن گیا۔ آخر جب خدائے جلیل نے رحمتِ عالم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ نے (فتح مکہ کے دن) بت پرستوں پر غلبہ پا کر تمام بتوں کو تڑوا دیا (تلبیس ابلیس)

### ابن لُحی جہنم میں

سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرو بن لحی کو شبِ معراج جہنم میں دیکھا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میرے سامنے کی گئی تو میں نے اس میں ایک شخص کو دیکھا جو پست قامت، سرخ رنگ کرنجا تھا۔ یہ شخص آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمرو بن لحی ہے جس نے سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل ؑ کا دین بگاڑا اور عرب میں بت پرستی رائج کی (بخاری)

### عربوں کے بعض مشہور بُت

یہاں ضمناً عربوں کے بعض دوسرے مشہور معبودوں پر بھی کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ طوفانِ نوح نے قوم نوح ؑ کے پانچ بُت ساحلِ جدہ پر پہنچا دیے تھے اور عمرو بن لُحی ان کو مکہ معظمہ لے آیا تھا۔ جب عمرو نے موسمِ حج میں عربوں کو بت پرستی کی دعوت دی تو عوف بن عذرہ بن زید نے عمرو سے درخواست کی کہ اپنا ایک بت مجھے دے دو۔ اس نے اس درخواست کو قبول کیا اور عوف وُدّ نام کا بت اپنے ساتھ لے گیا، اور وادی القریٰ کے قصبہ دُومۃ الجندل میں نصب کر دیا۔ اس کے بعد جب اس کے گھر لڑکا متولد ہوا تو اس کا نام عبد وُدّ یعنی وُدّ کا بندہ رکھا۔ ان ایام سے عوف کی اولاد اس بُت کی پرستار چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ خدائے جلیل نے دنیا کو اسلام کے نورِ سعادت سے منور فرمایا۔ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے مراجعت فرما ہونے کے بعد حضرت خالد ؓ کو اس بت کے انہدام کے لیے روانہ فرمایا۔ عبدوُدّ اور عامر کی اولاد مزاحم ہوئی۔ لیکن حضرت خالدؓ نے ان کو مغلوب کر کے اس بُت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

**لات اور منات کی سرکوبی** عربوں کا ایک بت منات تھا۔ یہ بت بحر قلزم کے کنارے مکہ اور مدینہ کے درمیان قُدَید کے مقام پر تھا۔ اَوس اور خزرج اس کے سب سے بڑے پرستار تھے۔ سرور انبیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال حضرت علیؓ کو اس کے انہدام پر تعین فرمایا اور انہوں نے جا کر اس کو منہدم کر دیا۔ منات کے بعد بت پرستوں نے لات کو معبود بنا لیا۔ یہ بُت طائف میں ایک بڑے مربع پتھر پر طیار کیا گیا تھا۔ اس کے متولی قبیلہ ثقیف کے لوگ تھے۔ قبیلہ ثقیف کے مشرف باسلام ہونے کے بعد اس کو بھی ملیا میٹ ہونا پڑا۔

**ہُبُل، اُسَاف اور نائلہ** قریش کا سب سے بڑا بُت ھُبل تھا۔ ابوسفیان بن حرب نے جنگ اُحُد کے دن اسی کی نسبت کہا تھا اُعْلُ ھُبل (اے ہبل تیرا نام بلند ہو) اور حضرت رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اَللّٰہُ اَعْلیٰ وَاَجَلّ (اللہ تعالیٰ برتر اور سب سے بزرگ ہے) اُساف اور نائلہ بھی اہل مکہ کے معبود تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اساف قبیلہ جُرہم کے ایک مرد اور نائلہ ایک عورت کا نام تھا۔ اُسَاف بن یعلیٰ اور نائلہ بنت زید میں باہم محبت تھی اور یمن میں ان کے عشق کے افسانے مشہور تھے۔ یہ دونوں ایک ہی قافلہ میں حج کو آئے۔ اتفاق سے دونوں بیک وقت خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ وہاں اس وقت ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ دونوں نے فاسقانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ غضب خداوندی نے ان کو مسخ کر دیا اور دونوں معًا پتھر ہو گئے۔ علی العباب لوگوں نے ان کو مسخ شدہ پا کر عبرت روزگار بننے کے لیے ایک جگہ نصب کر دیا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد قریش اور خزاعہ اور عرب کے دوسرے قبائل نے جو حج کو آتے تھے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔

ان کے علاوہ قبائل عرب کے اور بھی بے شمار معبود تھے، چونکہ اس کی شرح بے سود ہے اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا۔

# فصل ۲۴۔ نضر بن کنانہ اور ان کی اولاد

سترھویں فصل میں کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس کا تذکرہ سپرد قلم ہو چکا ہے

کنانہ کے فرزند نضر تھے۔ نضر لغت میں زر سرخ کو اور نضارت تابانی حسن کو کہتے ہیں چونکہ اعلیٰ درجہ کے حسین و جمیل تھے اس لیے نضر کے لقب سے شہرت پائی۔ سب سے پہلے نضر ہی تقرش یعنی تجارت کی وجہ سے قریش کے لقب سے معروف ہوئے بعض علماء نے قریش کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ قریش قرش کا مصغر ہے اور قرش اس عظیم الشان بحری جانور کو کہتے ہیں جو تمام دوسرے جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ چونکہ نضر نے تمام دوسرے قبایل کو دبایا تھا اور مغلوب کر کے اپنی سیادت کا سکہ جمایا تھا اس بنا پر قریش کے لقب سے ممتاز ہوئے (ابن خلدون)

نضر کے ایک فرزند کا نام مالک تھا اور مالک کے بیٹے کو فہر کہتے تھے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ اعقاب نضر فہر کی اولاد میں منحصر ہیں کیونکہ بنو نضر میں سے فہر کے سوا اور کسی کا نسلی سلسلہ نہیں چلا۔ یہی وجہ ہے کہ بنو فہر بن مالک ہی کو قریش کہتے ہیں۔

فہر اپنی قوم میں سب سے بڑے سردار تھے۔ ان کے عہد سیادت میں حسان حاکم یمن نے قوم حمیر وغیرہ کو ساتھ لے کر اس ناپاک کوشش میں مکہ معظمہ پر چڑھائی کی کہ (معاذ اللہ) کعبۃ اللہ کو منہدم کر کے اس کے پتھروں کو یمن لے جائے۔ جب اس کے لشکر نے طائف اور مکہ معظمہ کے درمیان بمقام نخلہ پڑاؤ کیا تو فہر بن مالک بنو اسمٰعیل کو جمع کر کے مقابلہ کو نکلے۔ اہل مکہ نے نہایت شجاعت و جانبازی سے مقابلہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل یمن کو ہزیمت ہوئی۔ ان کا حاکم گرفتار ہوا اور لشکر تباہ و برباد ہو کر پسپا ہو گیا (ابن اثیر)

فہر کے تین لڑکے غالب، حارث اور محارب تھے۔ غالب بن فہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمود نسب میں ہیں۔ ان کے دو لڑکے تیم اور لؤی تھے۔ لؤی بن غالب حضور سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کے عمود نسب مقدس میں ہیں۔ لؤی کے ایک فرزند کعب تھے۔ کعب عربی میں ٹخنے کو کہتے ہیں۔ وہ جاہ حشمت کے باعث اس لقب سے مشہور تھے۔ ان کی رفعت شان یہاں تک مسلم تھی کہ عام الفیل یعنی ۵۷۱ء تک انہی کی وفات سے تاریخ و سنین کا شمار ہوتا تھا (فتح الباری) معلوم ہو کہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کا سلسلہ نسب انہی کعب پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے سلسلۂ مبارک سے مل جاتا ہے۔

کعب بن لوئی کے تین بیٹے تھے۔ مُرّہ، ھصیص، عدی۔ انہی مرّہ پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کا سلسلۂ نسب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے ملتا ہے۔ ان کے تین بیٹے کلاب تیم اور یقظہ تھے۔ کلاب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمودِ نسب اقدس میں ہیں۔ ان کا اصل نام حکیم تھا۔ لیکن چونکہ اکثر کتے لے کر شکار کو جایا کرتے تھے اس بنا پر کلاب ان کا لقب پڑ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا نسب نامہ انہی پر جا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے مل جاتا ہے۔ کلاب کے دو بیٹے تھے قُصَیّ اور زہرہ (ابن خلدون وغیرہ)

# فصل ۲۵ بیت اللہ کی تولیت بنو خزاعہ کے ہاتھ میں

گیارھویں فصل میں لکھا گیا تھا کہ مضاض جرہمی نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد بیت اللہ کی تولیت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور آلِ اسمٰعیل نے مکہ کے تقدس کا احترام کرتے ہوئے یا قرابت کا پاس و لحاظ کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ان ایام سے صدیوں تک بیت اللہ کی تولیت بنو جرہم ہی کے ہاتھ میں رہی۔ آخر انہوں نے ارضِ حرم کا پاس اٹھا دیا۔ بیت اللہ کی ہتک حرمت کرنے لگے۔ آئے دن لڑنا بھڑنا شروع کر دیا

**بنو جرہم اور بنو حارثہ میں تصادم**

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بنو حارثہ بن ثعلبہ یمن سے جلا وطن ہو کر نکلے تھے۔ ان لوگوں نے مکہ معظمہ پہنچ کر بنو جرہم کے ساتھ رہنے کا قصد کیا لیکن وہ مزاحم ہوئے۔ دونوں قبیلوں میں اسی بات پر چھڑ گئی بنو کنانہ اور قبیلہ بنو خزاعہ نے بنو حارثہ کا ساتھ دیا۔ چونکہ بنو جُرہم کا آفتاب اقبال ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے لب بام آگیا تھا اس لیے نہایت ذلت آفرین ہزیمت سے ہمکنار ہوئے۔ بنو جرہم کا سردار عمرو بن حرث اپنے قبیلہ سمیت مکہ معظمہ سے بھاگ کر یمن چلا گیا۔ ہزیمت خوردوں نے بھاگنے سے پہلے راتوں رات حجر اسود کو اکھاڑ کر اور کعبہ کے پردے اتار کر بیت اللہ کے کسی مقام میں دفن کر دیے اور جمیع اموال کعبہ کو چاہ زمزم میں ڈال کر اور اس کو مٹی سے بھر کر بالکل پاٹ دیا اور اس کام سے فارغ ہو کر مکہ سے چل دیے۔

**حجرِ اسود کی تلاش**

جب بنو جرہم حجرِ اسود کو زمین میں دبا رہے تھے اس وقت قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک عورت نے دیکھ لیا تھا' اس نے اپنی قوم کو اس سے مطلع کیا۔ جس وقت مضر کی اولاد نے حجرِ اسود اور کعبہ کے پردوں کی تلاش شروع کی تو بنو خزاعہ نے اس شرط سے ان کا پتہ بتایا کہ وہ ان کو بیت اللہ کے متولی بنا دیں۔ انہوں نے اس کو منظور کیا اور بنو خزاعہ کو بیت اللہ کی تولیت ملی اور مدت تک وہی اس کے متولی رہے۔

تولیت کعبہ کو چھوڑ کر جو بنو خزاعہ کے قبضہ میں تھی' باقی ان تین امور کے مالک بنو مضر تھے:۔

(۱) عرفہ کے دن لوگوں کو اجازت دینا' یہ کام بنو غوث بن مُرّہ کے سپرد تھا۔

(۲) منیٰ میں جو لوگ یوم النحر کی صبح کو جمع ہوتے تھے ان کو کھلاتے پلانے کا انتظام بنو زید بن عدی سے متعلق تھا۔

(۳) نسئ شہور حرام کے منصرم بنو مالک بن کنانہ تھے۔

بنو خزاعہ اور بنو کنانہ نے ایک مدت تک اسی حالت پر بسر کی۔ اس اثناء میں بطونِ کنانہ کی کثرت ہوئی۔ مختلف اور متعدد قبیلے اس سے متفرع و منشعب ہوئے۔ (ابن ہشام و ابن خلدون)

## فصل ۲۶ قُصَیّ بن کِلاب کا عُروج و اقتدار

چوبیسویں فصل میں بتایا گیا تھا کہ کلاب کے دو بیٹے تھے۔ زُہرہ اور قصی۔ جب کلاب اس دار فنا سے عازم ملکِ بقا ہوئے تو اس وقت قصی نے ہنوز آغوشِ مادر سے فرشِ زمین پر قدم نہ رکھا تھا یعنی محض طفلِ شیر خوار تھے۔ ان کی ماں فاطمہ بنت سعد بعد از بیوگی اپنے بڑے بیٹے زہرہ کو جو سن بلوغ کو پہنچ چکا تھا' مکہ میں چھوڑ کر اپنے شیر خوار بچے قصی کو گود میں لیے اپنے میکے بلاد عذرہ واقع ملک شام کو چلی گئیں۔ جب قصی جوان ہوئے اور ان کو اپنے نسب اور اپنے آبا و اجداد کی کیفیت سے اطلاع ہوئی تو وہ مکہ معظمہ کو اپنی قوم کے پاس چلے آئے۔ اس وقت بیت اللہ کی تولیت بنو خزاعہ کے

ایک شخص حلیل بن حبشیہ کے قبضہ میں تھی۔ قصی نے حلیل کی بیٹی حبی نام سے عقد کر لیا۔

### قریش کی تولیت کعبہ

حلیل نے عالم ضعیفی میں بیت اللہ کی کنجی اپنی لڑکی حبی کو دے رکھی تھی۔ وہی کعبہ کو کھولتی اور بند کرتی تھیں۔ اور کبھی کبھی قصی حبی سے مفتاح کعبہ لے کر دروازہ کھولتے اور بند کرتے تھے۔ جب حلیل کا پیمانۂ حیات آب فنا سے لبریز ہونے کے قریب ہوا تو اس نے قصی کے لیے تولیت کعبہ کی وصیت کی لیکن اس کے انتقال کے بعد بنو خزاعہ نے اس وصیت کی صحت سے انکار کیا۔ اس بنا پر بنو خزاعہ سے تصادم ناگزیر ہوگیا۔ قصی نے بنو کنانہ کو جمع کیا اور اپنے اخیافی بھائی زراح بن ربیعہ کو بھی اپنی امداد کے لیے بلا بھیجا اور بنو خزاعہ سے رزم خواہ ہوئے۔ بنو خزاعہ کو ان کی شامتِ اعمال نے ہزیمت دلائی اور کعبہ کی تولیت قصی کے قبضہ میں آگئی۔

### دارالنّدوہ

کعبہ کے متولی ہونے کے بعد قصی نے قریش کو اطراف و جوانب بلاد سے مجتمع کر کے ہر خاندان اور ہر بطن کو اس مخصوص سرزمین میں ٹھیرایا جہاں پر کہ وہ عہد اسلام میں پائے گئے۔ بنو لؤی بن غالب میں قصی سب سے پہلے وہ شخص ہیں جن کی اطاعت ان کی ساری قوم نے کی اور وہی لواء حرب کے مالک اور کعبہ کے متولی تھے۔ قریش اپنے تمام کام انہی کی رائے سے کرتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کام میں اُن سے مشورہ لیتے تھے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے کعبہ کے سامنے ایک مکان بنوایا جس کا نام دارالندوہ رکھا گیا۔ اس کا دروازہ مسجد الحرام کی طرف تھا۔ قریش اسی میں جمع ہو کر باہم مشورے کرتے تھے۔ (ابن خلدون)

اس کے بعد قصی نے اس خیال سے کہ حجاج خدا کے مہمان اور اس کے گھر کے زائرین ہیں ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور ان کے مصارف کے لیے قریش پر سالانہ خراج مقرر کیا جس کو وہ بخوشی ادا کرتے تھے۔ یہی وہ امور تھے جن سے قریش کا اعزاز و احترام بنو عدنان کے دوسرے قبائل سے بڑھ گیا۔ ان ایام میں بنو مضر میں شرافت و عظمت بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں عزت و جلالت قریش کو اور قریش میں سطوت و ثروت بنو لؤی بن غالب کو حاصل تھی۔ ان کے سردار قصیؔ کو اباً عن جد عزت حاصل تھی اور ان کے قرابت داروں کی بھی بڑی کثرت تھی۔ قصی مجادرۃ و سقایہ و رفادہ و ندوہ و لواء حرب سب کے متولی تھے۔ (ابن خلدون) وہ شہر مکہ کے ایک مطلق العنان اور با اقتدار حکمران

تھے اور ان کا ہر لفظ قانون کا حکم رکھتا تھا۔ (ابن ہشام) حبی کے بطن سے قصی کے چار لڑکے عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدقصی پیدا ہوئے۔ قصی بن کلاب کا زمانہ قریبًا دو سو برس قبل از ولادت حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم گمان کیا گیا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں قصی سے جا ملتا ہے۔

### عبدالدار کی تولیت

جب قصی معمر و ضعیف ہوئے اور اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے سے قاصر رہنے لگے تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو ان تمام امور میں جن کو وہ انجام دیا کرتے تھے اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ وہی کعبہ کے بھی متولی تھے۔

## فصل ۲۷۔ بنو عبدمناف کی تولیت اور سرداری

قصی کے چار بیٹوں میں سے دوسرے لڑکے عبدمناف سب سے زیادہ قابل و نامور تھے۔ یہ نہایت حسین و جمیل تھے اس لیے قمر البطحا کے لقب سے ان کی شہرت تھی یعنی سنگستان مکہ کا چاند۔ عقل و خرد، تدبیر اور اصابت رائے میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ اس لیئے ہر طبقہ میں ان کی عزت تھی۔ لیکن قدرت کی اعجوبہ نمائیاں دیکھو کہ مذہبی اور سیاسی اختیارات قصی کے بعد یکے بعد دیگرے عبدالدار اور ان کے بیٹے کے ہاتھ میں تھے، حالانکہ ان باپ بیٹا کو فرزانگی و سیاست اور اثر و اعتبار میں عبدمناف اور ان کی اولاد سے کوئی نسبت نہیں تھی۔ بایں ہمہ عبدمناف اور دوسرے اکابر قریش نے انتہائی ضبط و تحمل سے کام لے کر ان حالات کو برداشت کیا۔ ایک زمانہ تک یہی حالت رہی آخر عبدمناف کی رحلت کے بعد ان کے بیٹوں نے عبدالدار کی اولاد سے کعبہ کی تولیت وغیرہ چھین لینے کا قصد کیا۔ اس بنا پر کشیدگی و نزاع پیدا ہو گئی۔

اس وقت قبیلۂ قریش کے یہ بارہ بطون مکہ معظمہ میں آباد تھے:۔

(۱) حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان بنو عبدمناف
(۲) کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کا خاندان بنو عبدالدار
(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا خاندان بنو تیم بن مرہ

(۴) حضرت عمر فاروق رضہ کا خاندان بنو عدی بن کعب

(۵) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کا خاندان بنو حرث بن فہر

(۶) حضرت خالد بن ولید کا خاندان بنو مخزوم بن یقظہ بن مُرّہ

(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص کا خاندان بنو زہرہ بن کلاب

(۸) حضرت زُبیر بن عوام رضہ کا خاندان بنو اسد بن عبد العُزّٰی بن قصی

(۹) عدوے رسالت ابو جہل کا خاندان بنو عامر بن لوی

(۱۰) بنو محارب بن فہر

(۱۱) بنو سہم بن عَمرو

(۱۲) جمح بن عَمرو

پس بنو عبد مناف نے عبد الدار کی اولاد سے بقصد انتزاع حکومت اپنے ہوا خواہوں کو جمع کیا اور اس مہم کے انصرام کے لیے عبد مناف کا بڑا بیٹا عبد شمس جو ابو سفیان بن حرب کا پردادا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کا حقیقی بھائی تھا منتخب کیا گیا۔ بنو تیم، بنو اسد بن عبد العُزّٰی، بنو زہرہ بن کلاب اور بنو حرث نے عبد شمس کی رفاقت اختیار کی۔ بنو عامر اور بنو محارب غیر جنبہ دار رہے اور باقی بطونِ قریش یعنی بنو سہم، بنو جمح، بنو عدی، اور بنو مخزوم عبد الدار کی اولاد کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے۔

اب فریقین اور ان کے حلفاء ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونے کے لیے میدان میں نکلے۔ قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل پڑیں لیکن بعض خیر اندیش اور صلح پسند حضرات نے بیچ بچاؤ کر کے فریقین کو مصالحت پر آمادہ کیا۔ آخر بعد ردّ و کد فریقین اس امر پر راضی ہو گئے کہ عبد مناف کی اولاد سقایہ[لہ] اور رفادہ کی متولی رہے اور بنو عبد الدار کو مجاورت اور لواء حرب کی خدمات مفوض ہوں (ابن خلدون)

غرض اس طرح کعبۂ معلّٰی کی کنجی عبد الدار کی اولاد کے پاس رہ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ (بن عبد العُزّٰی بن عثمان بن عبد الدار) تھے ◆

---

[لہ] سقایہ حجاج کو چاہ زمزم کا پانی پلانے کا انتظام اور رفادہ ان کی مہمانداری کا اہتمام۔

# فصل ۲۸- ہاشم کی سیادت

عبدمناف کے پانچ بیٹے تھے۔ عبدشمس، ہاشم، نوفل، مُطّلب اور ابو عمر عبد۔ سب سے بڑے بیٹے عبدشمس باپ کے جانشین ہوئے لیکن وہ اکثر سفر میں رہتے تھے مکہ میں قیام پزیر ہونے کا کم اتفاق ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے تمام بھائی تو مرفہ الحال اور ذی مقدرت تھے، لیکن عبدشمس تنگ دست اور کثیر العیال تھے، اس لیے حصول معاش کے لیے اکثر تجارتی سفروں پر مجبور رہتے تھے۔ یہ دیکھ کر اعیان قوم نے بنو عبدمناف کی سرداری اور سقایہ و رفادہ کا اہتمام ہاشم کے سپرد کر دیا جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے۔

### حسنِ انتظام اور فیض گستری

ہاشم نے عنانِ اختیار ہاتھ میں لینے کے بعد ہر قومی شعبہ کو ترقی دی اور ایسے انتظام کیے جن سے قوم میں آسودگی و خوشحالی کی لہر دوڑ گئی۔ ہاشم ساری قوم میں شریف اور بزرگ مانے جاتے تھے انتہا درجہ کے سخی تھے اور اپنے جود و کرم کی وجہ سے قوم میں "فیض" کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان کی فیاضی اور عالی حوصلگی کو اس پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں قحط پڑا ہاشم مساکین کی بدحالی دیکھ کر فلسطین پہنچے اور وہاں سے بہت بڑی مقدار میں گیہوں لے آئے۔ اس کو پسوایا اور اونٹ ذبح کرا کر لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ سارا شہر بلاتمیز خویش و بیگانہ ان کا مہمان تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک برابر جاری رہا جب تک اناج ختم نہ ہو گیا۔

### حجاج کی مہمانداری کے لیے طلب مال کی پیشکش

حجاج کے کھانے کھلانے اور وفود کے اکرام اور خیر مقدم میں ہاشم سے خاص طور پر بڑی سرگرمی ظہور میں آئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ہاشم ہی نے ثرید کو ایجاد کیا تھا اور وہ بسا اوقات حاجیوں کو ثرید ہی کھلایا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوتا تو قوم کے متمول اور سربرآوردہ افراد کو جمع کر کے ان سے خطاب کرتے اور یہ جتلا کر زائرین بیت اللہ کی خاطر مدارات میں حصہ لینے کی تلقین کرتے

کہ میں اپنے حلال وطیب مال سے حجاج کی مہمانداری کے لیے اتنی رقم پیش کرتا ہوں۔ یہ اس مال کا ایک حصہ ہے جس کے حصول میں نہ تو میں نے قطع رحمی کی اور نہ کسی پر ظلم کیا۔ اس وقت تم پر یہ قومی اور مذہبی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ بساط کے موافق اپنا اپنا طیب مال پیش کرو۔" چنانچہ یہ تحریک نہایت کامیاب رہتی۔ ہر شخص اس پر لبیک کہتا اور تمام حاضرین دل کھول کر اپنا اپنا طیب مال پیش کرتے جو زائرین حرم کی مہمانداری پر خرچ ہوتا۔

## قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے حصولِ مراعات

ہاشم نے شام، روم، اور غسان کے فرمانرواؤں سے اپنی قوم قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے امان اور معافیٔ محصول کے فرامین حاصل کر لیے تھے جس کی وجہ سے مکہ کے تاجر ہر جگہ نہایت آزادی کے ساتھ آمد و رفت رکھتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی قومی خدمات میں ان کے تین بھائی عبد شمس، نوفل اور مطلب بھی ان کے شریک و ہمسر تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

عبد مناف کے پانچ بیٹے تھے۔ عبد شمس، ہاشم، نوفل، مطلب اور ابو عمر عبد۔ مؤخر الذکر کے سوا باقی چاروں اپنے باپ کے بعد قوم کے سردار تھے۔ قوم کی ریاست ان کے حصہ میں آئی۔ ان چاروں کو مجیرون (دستگیر و پناہ دہندہ) کہتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی قوم قریش کے لیے شاہان اقالیم سے امان حاصل کی تھی جس کی بدولت وہ ان ملکوں میں جہاں چاہتے آزادی سے تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ ہاشم نے شاہان روم، شام اور والیٔ غسان سے اور عبد شمس نے نجاشی شاہ حبشہ سے، نوفل نے کسریٰ یعنی شاہِ ایران سے اور مطلب نے ملوکِ حمیر سے اس کی اجازت حاصل کی تھی۔ ہاشم کا پانچواں بھائی ابو عمر عبد جو لاولد مرا، اپنے بھائیوں کی طرح کوئی نامور آدمی نہ تھا (البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر)

## مکہ سے ہر سال دو تجارتی قافلوں کی روانگی

ہاشم کا ایک کارنامہ اکثر مؤرخوں نے زیب رقم کیا ہے، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مکہ کے وادیٔ غیر ذی زرع ہونے کا لحاظ و خیال کر کے یہ رسم نکالی کہ مکہ معظمہ سے ہر سال دو تجارتی قافلے روانہ ہوا کریں۔ جاڑوں میں یمن کی طرف جائیں جو گرم ملک ہے اور موسم گرما میں شام کی طرف رختِ سفر باندھیں جو ایک سرد سرزمین ہے۔ چنانچہ

اس وقت سے قریش میں یہی معمول ہو گیا۔" (تاریخ ابن کثیر وغیرہ)

لیکن مؤرخ ابن خلدون نے اس روایت کو ناقابل وثوق بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں فصلوں میں عرب کا ہر گروہ نقل مکانی کا عادی تھا۔ اس وجہ سے کہ ان کی ضروریات زندگی اور اونٹ چرانے کی حاجتیں ان کو فصلین میں رحلتین پر مجبور کرتی تھیں اصل یہ ہے کہ جس گروہ کی معاشرت اونٹوں اور دنبوں پر موقوف ہو وہ موسم سرما میں بوجہ ان کی تولید کے خواہ مخواہ چٹیل میدانوں کی طرف نکل جائے گا اور موسم گرما میں ٹھنڈی ہواؤں اور حبوب کی تلاش میں ٹیلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر مقیم ہو گا۔ نظر بریں طبائع عرب کی تکوین و تخلیق اسی طرح پر ہوئی ہے۔ یہی معنیٰ عروبیت کے ہیں اور یہ امر ان کے شعار و خصائص میں داخل ہے (ابن خلدون)

### بھائیوں کی اولاد میں ناچاقی

کہتے ہیں کہ ہاشم اور ان کا بھائی عبدشمس توام پیدا ہوئے تھے۔ وضع حمل کے وقت ہاشم کے پاؤں عبدشمس کے سر کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ جب علیحدگی کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو عمل جراحی سے دونوں کو الگ کیا گیا۔ اس قطع سے خون بہا۔ اس پر یہ شگون لیا گیا کہ دونو بھائیوں کی اولاد میں خونریزی ہو گی۔ چنانچہ آئندہ چل کر ایسا ہی ہوا (ابن جریر طبری)

### رحلت

ہاشم نے یثرب (مدینہ منورہ) کے قبیلہ بنو نجار میں سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کی تھی اور کچھ مدت وہاں رہ کر اپنی بیوی کو مکہ لے آئے۔ جب امیدواری ہوئی اور وضع حمل کے ایام قریب ہوئے تو ہاشم نے اپنی بیوی کو یثرب پہنچا دیا اور خود بغرض تجارت شام چلے گئے۔ لیکن ان کا یہ سفر سفرِ آخرت ثابت ہوا چنانچہ جب شہر غزہ میں پہنچے تو اپنی امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی (ابن جریر طبری)

عبدمناف کے بیٹوں میں سب سے پہلے ہاشم کو شام کے شہر غزہ میں سفر آخرت پیش آیا۔ اس کے بعد عبدشمس نے مکہ میں انتقال کیا اور انہیں اجیاد میں دفن کیا گیا اس کے بعد نوفل نے عراق کی راہ میں بمقام سلمان عنان حیات ملک الموت کے سپرد کی اور سب کے اخیر میں مطلب نے یمن کے مقام ردمان میں رحلت فرمائی۔ ہاشم کے بعد حجاج کے لیے پانی اور جائے قیام کا انتظام ان کے بھائی مطلب کے سپرد ہوا۔ (ابن جریر طبری)

ہاشم اپنے پیچھے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں چھوڑ گئے۔ لڑکے یہ تھے۔ عبدالمطلب، اسد، فضلہ اور ابو صیفی۔ لڑکیوں کے یہ نام تھے۔ دحیہ، خالدہ، رقیہ، شفا، ضعیفہ۔ (البدایہ والنہایہ)

# فصل ۲۹۔ عرب کے دو مشہور کاہنوں کا بعثت سیّد المرسلینؐ کی خبر دینا

چونکہ سالارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ قریب تھا اور مرغانِ حرم بہت جلد توحید کی نغمہ سرائی کرنے والے تھے، اس لیے خدائے رحیم و ودود کی رحمت نوازی لوگوں کی راہ نمائی کے لیے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا غلغلۂ رسالت ہر طرف بلند کر رہی تھی اور قرب و جوار کے فرمانرواؤں پر عالم رؤیا میں اور اہلِ باطن پر بذریعۂ کشف و الہام آپ کے مبعوث ہونے کا حال منکشف ہو رہا تھا۔

اس سلسلہ میں حسب روایت ابنِ اسحٰق ربیعہ بن نصر والیٔ یمن نے ایک مرتبہ ایک ہولناک خواب دیکھا جس سے وہ سخت مضطرب ہوا اور اپنی سلطنت کے تمام کاہنوں، ساحروں، نجومیوں اور عائفوں (ہاتھ کے خط دیکھ کر حال بتانے والوں) کو جمع کر کے کہا کہ میں نے ایک پریشان خواب دیکھا ہے تم لوگ اس کی تعبیر بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ آپ خواب بیان کیجیے۔ بادشاہ نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص تعبیر گوئی کا مدعی ہے اس لیے معتبر کو لازم ہے کہ مجھ سے دریافت کیے بغیر خواب بھی خود ہی بیان کرے۔ تمام حاضرین خواب بتانے سے عاجز رہے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا کہ اس وقت ملک بھر میں سطیح اور شق کے سوا کوئی ایسا کاہن موجود نہیں جو خواب کا مضمون بیان کر سکے۔ اس لیے بادشاہ نے ان دونوں کو طلب کیا۔

### سطیح کا بیان

پہلے سطیح جس کا دوسرا نام ربیع بن ربیعہ بن مسعود تھا حاضر دربار ہوا۔ بادشاہ نے کہا میں نے ایک ہولناک رؤیا دیکھا ہے، میری خواہش ہے کہ خواب اور اس کی تاویل دونوں خود ہی بیان کرو۔" سطیح نے کہا جہاں پناہ! آپ نے

ایک آگ دیکھی ہے جو تاریکی سے نکل کر زمین پر پھیل گئی ہے اور اس نے ہر جاندار کو نگل لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا واقعی تم نے درست کہا یہی میرا خواب تھا۔ لیکن اب اس کی تعبیر بتاؤ۔" سطیح نے کہا کہ اہل حبش آپ کی سلطنت پر حملہ آور ہوں گے اور جرش تک کی ساری سرزمین فتح کر لیں گے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ تو بڑی دل فگار خبر ہے۔ اس کے بعد پوچھا کہ یہ حادثہ میرے عہد میں ہوگا یا میرے بعد؟ کہا آپ کی رحلت کے ساٹھ ستر سال بعد بادشاہ نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ کہا کہ پھر اہل حبش پر ایک اور عظیم الشان قوم ارم غالب آئے گی جو عدن سے نکلے گی اور اہل حبشہ کو یمن سے نکال دے گی۔ پوچھا کیا قوم ارم کی سلطنت ہمیشہ رہے گی یا منقطع ہو جائے گی۔ کہا اس کو بھی بقا نہیں۔ پوچھا ان کو کون نکالے گا؟ بولا محمدؐ نام ایک نبی زکی کی بعثت پر جن کے پاس رب السمٰوات والارض کی طرف سے وحی آئے گی، ان کی سلطنت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اور پھر یہ ملک اس نبی کے پیرووں کے ہاتھوں میں زمانہ کے آخر تک رہے گا۔ پوچھا وہ نبی کس قبیلہ سے ہوگا؟ کہا غالب بن فہر بن نضر کی اولاد سے ہوگا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا زمانہ بھی ختم ہونے والا ہے؟ سطیح نے کہا کہ زمانہ ایک ایسے دن پر منقطع ہو جائے گا جس میں سب پہلی پچھلی مخلوق جمع کی جائے گی۔ اس روز نیک کردار لوگ مفلح و کامیاب ہوں گے اور بدکار عقوبت خداوندی میں گرفتار ہوں گے۔ بادشاہ نے سطیح سے پوچھا کیا تمہارا بیان سچا ہے؟ بولا خالق لیل ونہار کی قسم! میری اطلاع بالکل صحیح ہے۔"

### شق کی تصدیق وہمنوائی

اس کے بعد دوسرا کاہن شق بلایا گیا۔ بادشاہ نے بغیر اس کے کہ سطیح کی ملاقات کا حال بیان کرے شق سے اپنے خواب کی کیفیت دریافت کی۔ شق نے کہا بادشاہ! آپ نے ایک آگ دیکھی ہے جو ظلمت سے برآمد ہوئی ہے اور ہر سرسبز و خشک میدان میں جا لگی ہے اور ہر ذی روح کو کھا گئی ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا! اب اس کی تعبیر بیان کرو۔ شق نے کہا آپ کی مملکت پر حبشی حملہ آور ہوں گے اور ابین اور بجران کے درمیان تمام ملک پر عمل و دخل کر لیں گے۔ بادشاہ نے کہا یہ حادثہ تو بڑا روح فرسا اور رنج دہ ہے لیکن یہ کب تک رونما ہوگا؟ شق نے کہا کہ یہ واقعہ آپ کی رحلت کے بعد پیش آئے گا۔ پھر حبشیوں پر قوم ارم غالب آئے گی اور اس قوم کی سلطنت ایک رسول خدا کے آنے پر منقطع ہو جائے گی اور پھر

یہ ملک قیامت تک اس پیغمبر کے ماننے والوں کے حیطۂ تصرف میں رہے گا۔ پوچھا قیامت سے تمہاری کیا مراد ہے؟ بولا روز قیامت وہ یوم الفصل ہے جس میں خالق ارض و سما کی ساری مخلوق ایک جگہ پر جمع کی جائے گی۔ اولین و آخرین کے نزاعات و مقدمات فیصل ہوں گے اور ہر نیک و بد اپنے مکافات عمل کو پہنچے گا۔ پوچھا یہ بیانات صداقت پر مبنی ہیں؟ بولا خدائے کردگار کی قسم! یہ اطلاعیں بے کم و کاست صحیح ہیں۔"

بادشاہ کو سطیح اور شق کے بیانات میں یکسانی دیکھ کر اس پیش گوئی کے صدق پر کامل وثوق ہو گیا' اس لیے اپنی اولاد اور حرم شاہی کو یمن سے عراق بھیج دیا اور اس وقت کے شاہ ایران سابور بن خرازاذ سے درخواست کی کہ اس کی اولاد کو حیرہ میں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے (ابن ہشام)

**سطیح کی اعجوبہ روزگار شخصیت**

یاد رہے کہ عہد جاہلیت میں سطیح بن مازن اور شق بن نزار کہانت کے آسمان شہرت پر آفتاب بن کر چمک رہے تھے خصوصاً سطیح نے تو ریاضات شاقہ اٹھا کر اپنے جسم کو بالکل گھلا دیا تھا اور نہایت قلیل الغذا تھا۔ اس نے بڑی طویل عمر پائی۔ اس کا مرز و بوم جابیہ واقع ملک شام تھا۔ اکثر محدثین نے اسے قبیلۂ ازد کا بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے تھے کہ سطیح کی کوئی شے بنی آدم کے مشابہ نہ تھی۔ گوشت کا ایک لوتھڑا تھا جس میں کھوپڑی کے سوا ہڈی کوئی نہ تھی۔ اس کے جسم میں سر اور آنکھوں اور ہتھیلیوں کے سوا کسی جگہ کوئی پٹھا نہ تھا۔ وہ دونوں پاؤں سے لے کر گردن تک کپڑے کی طرح لپیٹ لیا جاتا تھا۔ اس کے جسم میں زبان کے سوا کوئی چیز متحرک نہ تھی۔

اور بعض دوسرے حضرات کا بیان ہے کہ جب وہ غضب ناک ہوتا تھا تو اس کا جسم پھول جاتا اور وہ بیٹھ جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ وہ مکہ معظمہ بھی آیا تھا۔ ان ایام میں مکہ کے رئیس عبدشمس اور ہاشم کے دو بیٹے تھے انہوں نے امتحاناً اس سے متعدد سوال کیے جن کے اس نے صحیح صحیح جواب دیے۔ وہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف دید سے مشرف نہ ہو سکا کیونکہ آپ کی ولادت سے قریباً ایک مہینہ بعد دار آخرت کو چلا گیا تھا۔ (ابن کثیر)

**کاہن اور نبی میں امتیاز**

انبیا علیہم السلام چھ صفات کمال کے حامل تھے (۱) وہ

نہ صرف معلم اخلاق تھے بلکہ ان کا اپنا اخلاقی مقام نہایت بلند تھا (۲) وہ مس کو کندن بناتے تھے یعنی ان کا فیض صحبت فساق و فجار کو بھی اعلیٰ درجہ کے متقی اور نیک کردار بنا دیتا تھا (۳) وہ خالق کے ساتھ مخلوق کے بندگانہ تعلقات استوار کرتے تھے۔ (۴) وہ وحیٔ الٰہی سے اطلاع پا کر غیب کی خبریں بتاتے تھے (۵) حق تعالیٰ انہیں اعداء پر غلبہ اور فتح و نصرت سے نوازتا اور معجزات باہرہ سے مؤید کرتا تھا (۶) وہ دنیا میں آ کر کوئی مفید انقلاب برپا کرتے تھے اور اصلاحات کا اجراء فرماتے تھے۔

مگر نام نہاد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ نبی و پیغمبر محض اس شخص کو سمجھتے ہیں جو کاہنوں اور جوتشیوں کی طرح محض غیب کی خبریں بتائے۔ اس سے انہیں کوئی بحث نہیں کہ اس کے اخلاق و عادات کی کیا حالت تھی؟ اس کو روحانیت میں کہاں تک دخل تھا؟ اس نے بندوں اور ان کے خالق میں کہاں تک رابطہ پیدا کیا؟ اس کی ذات سے دنیا میں کون سا مفید انقلاب برپا ہوا؟

بائبل میں ہمیں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان وغیرہم علیہم السلام کی جو اخلاقی تصویریں نظر آتی ہیں وہ ایسی بدنما اور کریہہ المنظر ہیں کہ ان سے معاذ اللہ ان حضرات کا متقی و نیک کردار ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ معصوم اور پاک سرشت اور معلم اخلاق سمجھے جا سکیں۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں کہیں انبیائے سلف کا ذکر آیا ہے، اکثر ان حضرات کی اخلاقی و روحانی عظمت پر زور دیا ہے اور اس طرح انبیائے برحق کی حمایت و نصرت کا فرض بائبل کے عائد کردہ اتہامات کے مقابلہ میں پوری طرح ادا کیا ہے۔

پس کاہنوں کی بیان کردہ غیبی اطلاعیں پڑھ کر انہیں نبی یا نبی کے ہم پایہ سمجھنا حماقت و کج فہمی ہے۔ کاہنوں کو تعلق باللہ اور تہذیب اخلاق اور آخرت کی جواب دہی سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ ان کی ساری ریاضتیں صرف اس ایک دنیوی غرض کے حصول تک محدود رہتی تھیں کہ ریاضات شاقہ کے ذریعہ سے صفائی باطن حاصل کر کے غیبی اطلاعیں معلوم کر سکیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان اس سے بہت ارفع تھی۔ ان کی ذات قدسی تو در کنار ان کے سچے پیروؤں نے بھی کبھی اس قسم کی پست خیالی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔

**ایک اور شبہہ کا حل** یہاں یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کاہن بھی مستقبل کی خبریں

بتا سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ صفت غیب دانی میں بعض انسان بھی علام الغیوب عز اسمہ کے شریک ہیں۔ ایسی حالت میں علم غیب خاصۂ خداوندی نہ رہا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ علم غیب واقعی خاصۂ خداوندی ہے۔ اُس ذات برتر کے سوا کوئی غیب داں نہیں۔ لیکن ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ علام الغیوب عزّ اسمہٗ ہر بات کو بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے ہر وقت جانتا ہے۔ لیکن مخلوق کو غیب کی جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ ذرائع و وسائط سے اور کبھی کبھی معلوم ہوتی ہیں۔ پس مخلوق کی اطلاعیں علم غیب کے دائرۂ حدود میں داخل نہیں کیونکہ علم غیب جو علام الغیوب کے ساتھ مخصوص ہے وہ بلا واسطہ و ذریعہ ہر وقت ہر چیز کے جاننے کا نام ہے لیکن مخلوق کو کسی غیب پر جو دسترس ہوتی ہے وہ ایک تو ہر وقت نہیں ہوتی دوسرے اس میں کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً انبیائے کرام وحیٔ الٰہی کے ذریعہ سے غیبی امور پر مطلع ہوتے تھے۔ عارفانِ الٰہی کو کشف والہام سے کوئی بات معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح عامۂ مومنین کو خواب کے ذریعہ سے، کاہنوں کو کہانت سے، اہل نجوم کو ستاروں کی گردش سے، جوتشیوں کو جوتش سے، ہیئت دانوں کو علم ہیئت سے، اہل مسمریزم کو مسمریزم سے، اطباء کو نبض یا قارورہ یا دوسرے علامات مرض سے اور رمل و جفر جاننے والوں کو اپنے علوم متداولہ سے غیب کی جو اطلاعیں حاصل ہوتی ہیں ان کو علم غیب سے جو علام الغیوب کے ساتھ مخصوص ہے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں۔

غیب کے ذرائع معلومات میں سے جس غیب کا علم انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا تھا وہ قطعی اور یقینی تھا۔ باقی تمام غیبی اطلاعیں ظنیات میں داخل ہیں اور ان میں غلطی کا احتمال رہتا ہے اس لیے ان پر یقین و اعتقاد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بنا پر ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ کاہن کو جو طرق محرفہ کی مدد سے خبریں حاصل کرتا ہے سچا جاننا اور اس کے دعوائے غیب دانی کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ غیب کی خبریں دریافت کرنے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اسے مغیبات کا ذاتی علم ہے ورنہ کفر نہیں فسق ہے۔

## فصل ۳۔ عبد المطلب کی تولیتِ کعبہ

ہاشم کی وفات کے بعد سقایہ و رفادہ یعنی حاجیوں کو پانی کی بہم رسانی اور ان کی

مہمانداری کی خدمات ان کے چھوٹے بھائی مُطّلب کے سپرد ہوئیں۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ ہاشم نے وضع حمل سے پہلے اپنی بیوی کو یثرب پہنچا دیا تھا۔ ہاشم کی رحلت کے بعد ایک فرزند متولد ہوا جس کا نام اس بنا پر شیبہ رکھا گیا کہ اس کے سر پر سفید بالوں کا ایک جھنڈ تھا۔ شیبہ سات آٹھ سال کی عمر تک یثرب ہی میں نشوونما پاتے رہے۔ یہی شیبہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہیں جو آیندہ چل کر عبدالمطّلب کے نام سے مشہور ہوئے۔

### تیراندازی میں اپنے قُرشی ہونے پر فخر

عبدالمطّلب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنو حارث بن عبد مناۃ کا ایک شخص مدینہ گیا جہاں اسے چند لڑکے تیر اندازی کرتے ہوئے ملے۔ جب شیبہ کا تیر نشانہ پر لگتا تھا، تو وہ فخریہ کہتے تھے کہ میں ہاشم کا بیٹا ہوں، بطحا کے رئیس کا فرزند ہوں۔ حارثیؓ نے شیبہ سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوںؓ نے کہا میں شیبہ بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہوں"۔ اس کے بعد حارثیؓ کو مکہ آنے کا اتفاق ہوا۔ حارثیؓ نے ہاشم کے بھائی مُطّلب سے جن کی کنیت ابوالحارث تھی اور جو حجر میں بیٹھے ہوئے تھے کہا اے ابوالحارث! سنو۔ میں نے پچھلے دنوں یثرب میں چند لڑکوں کو تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکے کا معمول تھا کہ جب اس کا تیر نشانہ پر لگ جاتا تو وہ ازراہِ فخر کہنے لگتا کہ میں ہاشم کا بیٹا رئیس بطحا کا فرزند ہوں"۔ تمہارے لیے یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ تم اس جیسے ہونہار لڑکے کو اس غربت میں پڑا رہنے دو"۔ یہ سن کر مطلب کے دل میں بھتیجے کے لے آنے کا اشتیاق اس درجہ موج زن ہوا کہ قسم کھالی کہ جب تک میں اس بچہ کو نہ لے آؤں، اپنے گھر نہ جاؤں گا"۔ حارثیؓ نے کہا کہ اس قدر شوق ہے تو لو یہ میری اونٹنی صحن میں بندھی ہے، اس پر سوار ہو جاؤ"۔

### برادر زادہ کو لانے کے لیے یثرب کا سفر

مُطّلب نے اونٹنی پر سوار ہو کر فی الفور یثرب کا راستہ لیا۔ وہاں سرِ شام پہنچے۔ بنو عدی بن نجار کے محلہ میں گئے وہاں دیکھا کہ قبیلہ کی چوپال کے احاطہ میں لڑکے گیند کھیل رہے ہیں۔ مطلب نے قیافہ سے اپنے بھتیجے کو شناخت کر کے پوچھا کہ کیا یہ ہاشم قریشی کا بیٹا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر مطلب نے یہ شعر پڑھا ؎

اَعَرَفْتُ شَیْبَةً وَّالنَّجَّارُ قَدْ جَعَلَتْ
اَبْنَآؤُهَا حَوْلَهٗ بِالنَّبْلِ تَنْتَضِلُ

(جب بنو نجار کے لڑکے اس کے گرد کھڑے تیر اندازی کر رہے تھے تو میں نے شیبہ کو پہچان لیا)

کسی نے مطلب کو صلاح دی کہ اگر تم اسے لے جانا چاہتے ہو تو ابھی پکڑ لو۔ اس کی ماں کو خبر ہو گئی تو وہ اسے کبھی جانے نہ دے گی اور پھر یہاں کے لوگ بھی اس کی تائید کریں گے اور جانے نہ دیں گے۔" مطلب نے شیبہ کو آواز دی کہ اے میرے بھتیجے! میں تمہارا چچا مطلب ہوں۔ تم کو تمہاری قوم اور وطن میں لے جانے کو آیا ہوں" یہ کہہ کر اونٹنی بٹھا دی اور شیبہ اچھل کر چچا کے پیچھے بیٹھ گئے۔ مطلب نے جھٹ مکہ کی راہ لی۔ جب ماں کو ان کی گم گشتگی کا علم ہوا تو وہ واویلا کرنے لگیں مگر ان کو بتایا گیا کہ تمہارے بچہ کو اس کا چچا مکہ لے گیا ہے۔ (تاریخ ابن جریر طبری)۔

دوسری روایت میں یوں ہے کہ سلمٰی نے اپنے فرزند کے بھیجنے سے انکار کیا۔ مطلب نے سلمٰی کو سمجھایا کہ ہم لوگ اپنی قوم میں نہایت معزز اور باآبرو ہیں۔ اپنی قوم اور شہر کے تمام انتظام ہم ہی کو کرنے پڑتے ہیں۔ میرا بھتیجا یہاں غیر قوم میں غریب الوطن کی حیثیت سے زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔ اس کے لیے اپنی قوم میں رہنا زیادہ مفید ہو گا۔" لیکن سلمٰی رضا مند نہ ہوئیں۔ آخر مطلب نے شیبہ سے کہا تمہیں میرے ساتھ چلنے میں کیا عذر ہے؟ شیبہ نے التماس کی چچا جان! میں تو ہر طرح سے تابع فرمان ہوں لیکن مادر محترمہ کی اجازت کو ہر بات پر مقدم سمجھتا ہوں۔ آخر سلمٰی نے شیبہ کو مکہ آنے کی اجازت دے دی اور مطلب اپنے برادر زادہ کو اونٹ پر سوار کر کے عازم مکہ ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام)

### عبدالمطّلب کی وجہ تسمیہ

جس وقت یہ مکہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے شیبہ کو ان کے پس پشت سوار دیکھا تو شیبہ کے میلے کچیلے کپڑے دیکھ کر سمجھے کہ مطلب نے کوئی غلام خریدا ہے جسے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ چنانچہ اسی کا شہر بھر میں چرچا ہو گیا۔ جب مطلب نے سنا کہ لوگ یوں کہہ رہے ہیں تو لوگوں کو بتایا کہ یہ میرا بھتیجا شیبہ ہے۔ میں یثرب جا کر اسے اس کی ماں کے پاس سے لایا ہوں۔ یہ میرا غلام نہیں ہے۔" باوجود اس کے شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا

غلام مشہور ہو گیا اور اس غلط نام کو اتنی شہرت ہوئی کہ ان کو ان کے اصل نام سے کوئی جانتا پہچانتا نہیں۔ یہی عبدالمطلب سرور عالم و عالیان صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام)

### ماموؤں کا آکر میراث دلانا

جب مُطلب یمن کے مقام رُدمان میں بستر مرگ پر دراز ہوئے تو اس وقت عبدالمطلب سن رشد و شعور کو پہنچ چکے تھے۔ اس سے پیشتر عبدالمطلب کو اپنے باپ کی میراث میں سے جو کچھ مطلب نے دیا تھا اس میں سے چند قطعات اراضی پر چچا نوفل بن عبد مناف نے جبراً قبضہ جمایا تھا۔ مطلب کی وفات کی خبر سن کر نوفل نے اس زمین کی واپسی سے قطعاً انکار کر دیا۔ عبدالمطلب نے اپنے ماموؤں کو ایک منظوم خط لکھا جس میں نوفل کے غصب کا شکوہ کرنے کے بعد ان سے خواہش کی گئی تھی کہ مکہ آکر میرے چچا سے میرا حق دلاؤ۔ چنانچہ ان کے ماموں اسّی جاں بازوں کی ایک جمعیت کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے اور اپنے یتیم خواہر زادہ کا حق دلا کر یثرب واپس گئے (ابن جریر طبری)

### عبدالمطلب کا خواب دیکھنا

مطلب کی رحلت کے بعد بنو ہاشم کی سرداری عبدالمطلب کو ملی۔ انہوں نے عنانِ اختیار سنبھالتے ہی سب سے پہلے اپنے جدِ اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے کنوئیں زمزم کو از سر نو کھدوا کر لوگوں کے استعمال کے لیے کھول دیا۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ قبیلہ جرہم کے لوگ مکہ سے جاتے وقت چاہ زمزم کو بند کر کے زمین کے برابر کر گئے تھے اور اس وقت سے کسی نے کھدائی کا اہتمام نہ کیا تھا۔ عبدالمطلب نے خواب میں کسی شخص کو یہ کہتے سنا کہ "زمزم کھودو" چونکہ زمزم کو پٹے صدیاں گزر چکی تھیں اور زمزم کا نام تک جاننے والے نہیں رہے تھے۔ عبدالمطلب نے پوچھا زمزم کیا ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں مقام پر ایک کنواں تھا جس کا نام زمزم ہے اسے کھودو۔ علی الصباح تمہیں ایک کوا زمین کو کریدتا ہوا دکھائی دے گا وہی زمزم ہے۔ اس کے کھودنے میں زیادہ مشقت نہ ہوگی وہاں سے بہت پانی نکلے گا۔

### چاہِ زمزم کی کھدائی

جب صبح ہوئی تو عبدالمطلب کدال لے کر وہاں پہنچے۔ واقعی کوے کو زمین کریدتے دیکھا۔ اس وقت تک حارث کے سوا

عبدالمطلب کے گھر کوئی لڑکا متولد نہ ہوا تھا۔ اس کو بھی ساتھ لیا۔ باپ بیٹا نے اس مقام کو کھودنا شروع کیا یہاں تک کہ بہت جلد اس کی تہ تک پہنچ گئے اور پانی نمودار ہوا۔ اس کے بعد سونے کے دو ہرن اور بہت سی تلواریں اور زرہیں جو قبیلۂ جرہم کے لوگ زمزم میں ڈال کر اس کو بند کر گئے تھے دستیاب ہوئیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر دوسرے قریش کے منہ سے رال ٹپک پڑی اور کہنے لگے عبدالمطلب! اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ چونکہ انہوں نے کھدائی میں ان کا ہاتھ نہیں بٹایا تھا اس لیے عبدالمطلب نے اس سے انکار کیا۔ آخر قرعہ پر فیصلہ ہوا۔ قرعہ اندازی سے سونے کے ہرن کعبۂ معلّی کے نام نکلے۔ تلواروں اور زرہوں کا قرعہ عبدالمطلب کے نام پر نکلا اور قریش کے دوسرے قبیلوں کو کچھ نہ ملا۔ (سیرت ابن ہشام)

## بیت اللہ کا حلیہ[عہ] اور دروازہ تیار کرانا

سہیلی کا بیان ہے کہ سونے کے یہ ہرن ساسان بادشاہ فارس نے بطور ہدیہ کعبہ کے لیے بھیجے تھے۔ عبدالمطلب نے ہرنوں کو پگھلا کر کعبہ کا حلیہ اور تلواروں کو توڑ پھوڑ کر لوہے کا دروازہ بنوا دیا۔ پس عبدالمطلب ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے کعبہ کا حلیہ اور لوہے کا دروازہ بنایا۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے چاہ زمزم کے قریب ایک چھوٹا سا حوض بنوا دیا جس کی وجہ سے لوگوں کو پانی پینے اور لینے میں آسانی ہو گئی۔ غیر ہاشمی قریش میں سے بعض پست فطرت افراد نے ازراہ حسد اس کو خراب کرنا شروع کر دیا لیکن بعد چندے خود ہی اس فعل شنیع سے باز آ گئے۔ (ابن خلدون و ابن جریر طبری)

## سیاسی تدبیر و کیاست میں امتیازی شان

عبدالمطلب سیاسی تدبیر و کیاست میں بھی مسلّم تھے۔ ملوک یمن حمیری سے ان کے مراسم اتحاد تھے۔ جس وقت ابرہہ مکہ پر چڑھ آیا تھا۔ جس کو ان شاء اللہ العزیز کسی آئندہ فصل میں قلمبند کیا جائے گا) تو اس وقت یہی اس کے پاس گئے تھے۔ اور یہی ابن ذی یزن کو جبکہ اس کو بمقام حبشہ فتح نصیب ہوئی تھی مبارک باد دینے گئے تھے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یمن سے حبشہ کی حکومت سیف بن ذی یزن کے ہاتھوں منقرض ہو گئی۔ جب سیف بن ذی یزن یمن کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو عبدالمطلب

---

[عہ] حلیہ سے آرائش و زیبائش مراد ہے ۱۲

کے زیر قیادت رؤسائے مکہ کا ایک وفد سیف کو مبارک باد دینے گیا۔ سیف نے لوگوں کو عرب میں نبی آخر الزمان کے ظاہر ہونے کا مژدہ سنایا اور عبدالمطلب کو یہ خوش خبری سنائی کہ وہ جلیل القدر نبی تمہاری اولاد سے ہوگا۔ یہ سن کر تمام رؤسائے عرب کے دل میں یہ آرزو ہوئی کہ کاش وہ عظیم الشان نبی ان میں سے ہو۔ چنانچہ اس کے بعد بعض شرفائے عرب اس امر کی تحقیق کرنے کے لیے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے رہبان اور احبار کے پاس گئے۔ اُمیہ بن ابی صلت ثقفی بھی ابوسفیان بن حرب کے ہمراہ شام کی طرف گیا۔ اس کو یہ خیال تھا کہ شاید وہ متوقع و منتظر نبی میں ہوں۔ لیکن وہ خلاف امید جوابات سن کر مایوس ہوگیا۔ (ابن خلدون)

### اخلاق فاضلہ

عبدالمطلب سید قوم اور شیخ بطحا کہلاتے تھے۔ فسق و فجور، ظلم و بیداد، بے وفائی، دختر کشی اور طواف برہنہ سے لوگوں کو روکتے تھے۔ مدت العمر بادہ خواری کے پاس نہ پھٹکے۔ لوگوں کو ہمیشہ اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتے۔ مکہ معظمہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے دو ڈھائی میل کی مسافت پر ایک پہاڑ واقع ہے (یہ وہی پہاڑ ہے جس کے غار میں ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی سے پہلے کئی مہینے مصروف عبادت رہے تھے)، عبدالمطلب نے اس پہاڑ پر اپنے طریقہ عبادت کے موافق چلہ کشی کی۔

### فیاضی

عبدالمطلب انتہا درجہ کے فیاض و کرم گستر تھے۔ ان کا معمول تھا کہ ماہ رمضان میں کوہ حرا پر چڑھ کر بیٹھ جاتے اور وہاں مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ ان کا دسترخوان بنی آدم کے لیے مخصوص اور دائرہ انسانیت تک محدود نہ تھا بلکہ جنگلی جانور اور ہوا کے پرندے بھی اس سے متمتع ہوتے تھے۔ اس کی یہ صورت تھی کہ ان کے وسیع دسترخوان کا تمام پس ماندہ جمع کر کے کوہ و صحرا کے طیور و وحوش کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچا دیا جاتا تھا۔ (ابن کثیر)

### عدل وانصاف

ان کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ اپنے عم زاد بھائی کے لڑکے کا اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک اس سے غیر قوم کے مقتول کا خون بہا نہ دلا دیا۔ واقعہ یوں ہے کہ امیر معاویہ کے دادا اور ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ عبدالمطلب کے ندیم خاص تھے۔ خویشی و قرابت داری کے علاوہ رات دن کی

مجالست سے وہ ان کے بت منہ لگے ہوئے تھے۔ باوجود اس کے ایک مرتبہ حرب نے ایک یہودی کو قتل کرا دیا تو نہ صرف یہ کہ انہیں اپنی مجلس کی حاضری سے منع کر دیا بلکہ اس وقت تک ان کی جان نہ چھوڑی جب تک سو اونٹ بطور دیت وصول کر کے مقتول کے وارثوں کو نہ دلا دیے۔

# فصل ۳۱۔ عبدالمطلبؓ کا رؤیائے صادقہ

ان شاء اللہ العزیز آگے چل کر قارئینِ عزیز کو معلوم ہوگا کہ عبدالمطلبؓ اور دوسرے ہاشمی بزرگوں کے دلوں میں حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کا سکہ آپ کے بدءِ طفولیت ہی سے جما ہؤا تھا اور وہ عام طور پر آپ سے بڑا حسنِ اعتقاد رکھتے تھے۔ اس خوش عقیدگی کی بنائے اوّلیں عبدالمطلبؓ کا ایک خواب تھا جو انہوں نے آپ کی ولادت سے پیشتر دیکھا تھا۔

چنانچہ ابونعیم نے ابوجہم سے اور انہوں نے ابوطالب سے روایت کی کہ میرے والدِ محترم عبدالمطلبؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے حجر میں ایک ایسا وحشت ناک خواب دیکھا جس نے مجھے سخت خوف زدہ کر دیا۔ میں نے اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے قریش کی ایک کاہنہ کے پاس جانے کا قصد کیا۔ میں ان ایام میں بھی اپنی قوم قریش کا سردار تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میرے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

### کاہنہ سے خواب بیان کرنا

کاہنہ میرا متغیر چہرہ دیکھ کر کہنے لگی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سردار کو کوئی ایسا ہولناک حادثہ پیش آیا ہے جس نے اس کی حالت دگرگوں کر دی ہے۔” میں نے کہا واقعی میری حالت سخت زبون ہے۔ کاہنہ کے ہاں معمول تھا کہ کوئی شخص اس سے اس وقت تک ہمکلام نہیں ہوتا تھا جب تک اس کا داہنا ہاتھ چوم کر اپنا ہاتھ اس کی گدی پر نہیں رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی حاجت وغرض بیان کرتا تھا لیکن میں نے اس حیثیت سے کہ اپنی قوم کا سردار تھا، اس قاعدہ پر عمل نہ کیا اور بیٹھ کر کہا میں نے آج رات حجر میں خواب دیکھا ہے کہ ایک نہایت عظیم الشان میوہ دار درخت ظاہر ہؤا ہے جس کا سرا آسمان سے لگا ہے اور اس کی شاخیں

مشرق اور مغرب تک پھیلی ہیں اور ایک ایسا نور دیکھا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی ستر حصے زیادہ تیز ہے' اور دیکھا کہ عرب اور عجم اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور یہ روشنی اپنی ضیا پاشی' وسعت اور بلندی کے اعتبار سے دمبدم بڑھتی جا رہی ہے

پھر دیکھا کہ یہ روشنی ایک ساعت میں مخفی اور دوسری ساعت میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور قریش کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اس درخت کی شاخوں سے لٹک رہے ہیں پھر قریش کی ایک اور جماعت کو دیکھتا ہوں کہ اس نے درخت کے قطع کر دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ لیکن جب وہ کاٹنے کی کوشش میں درخت کے قریب پہنچتے ہیں تو ایک جوان ان کو پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ میں نے اس جوان سے زیادہ حسین و جمیل اور معطر انسان کبھی نہیں دیکھا۔ اس جوان نے آگے بڑھ کر ان مخالفوں کی پسلیاں توڑ دی اور آنکھیں پھوڑ دی ہیں۔ میں نے اس غرض سے ہاتھ بڑھایا کہ میں بھی کچھ میوہ توڑ لوں لیکن نوجوان نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا ہے۔ میں اس سے پوچھتا ہوں کہ یہ میوہ کس کے لیے ہے؟ اس نے کہا یہ انہی لوگوں کا حصّہ ہے جو اس درخت سے متعلق ہیں۔ آخر میں باچشم پرنم و دلِ پُر غم اس سے پیچھے ہٹ آیا۔

## کاہنہ کی تعبیر گوئی

عبد المطلب کہتے ہیں کہ جب میں خواب کا ماجرا بیان کر چکا تو دیکھا کہ کاہنہ کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے میں نے پوچھا اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ بولی اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تمہارے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نور ہدایت مشرق و مغرب پر ضیا افگن ہوگا اور بسیط ارض کے لوگ اس کے دین و ملت کی پیروی کریں گے۔ (البدایۃ النہایۃ الروض الانف)

یہ بیان کر کے عبد المطلب نے ابو طالب سے کہا ممکن ہے کہ آئندہ چل کر تم ہی اس علو شان کے مالک بن جاؤ" لیکن ابو طالب کی کوئی عظمت اور نمایاں خصوصیت ظاہر نہ ہوئی۔ آخر جب حضور سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلمت کدۂ عالم کو اپنے قدوم سے منور فرمایا تو حسب بیان ابن درید عبد المطلب سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنے فرزند کا کیا نام رکھا ہے؟ انہوں نے کہا محمدؐ۔ پوچھا گیا کہ تمہارے بزرگوں میں اور تمہاری قوم میں کبھی یہ نام نہیں رکھا گیا تھا۔ تم نے کس بنا پر یہ نام تجویز کیا؟ انہوں نے کہا اس امید پر کہ تمام اہل زمین اس کی تعریف کریں گے۔ یہ کہہ کر عبد المطلب نے اپنا خواب (جو اوپر مندرج

ہوا) بیان کیا (الروض الانف)۔

### تناور درخت حضرت امینؐ ہیں

ابوطالب بھی لوگوں سے اکثر اس خواب کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ خصوصاً بعثت کے بعد وہ برملا کہا کرتے تھے کہ وہ تناور درخت جو ہمارے والد محترم نے خواب میں دیکھا تھا وہ ہمارے ابوالقاسم امین کے سوا کوئی اور نہیں لیکن جب ابوطالب سے کہا جاتا کہ تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح حضور انورؐ پر ایمان کیوں نہیں لاتے تو وہ کہتے کہ طعن و تشنیع، اور عار مجھے ایسا کرنے سے مانع ہے (البدایہ والنہایہ)

پہلے لکھا جا چکا ہے جو شخص غیب کی باتیں جاننے کا مدعی ہو اور اپنے آپ کو اسرار وخفایا سے واقف ظاہر کرے اُسے کاہن کہتے ہیں۔ عرب کے بُت پرستوں میں کہانت کا بڑا چرچہ تھا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اپنی مشکل کشائی کے لیے بے تکلف کاہنوں کے دروازوں کی جبہ سائی کیا کرتے تھے

## فصل ۳۲۔ حضرت خاتم الانبیاء کا جمال مبارک دیکھنے کی حسرت

خدا جانے وہ کس قدر نفوس قُدسیہ تھے جو حضرت ختم المرسلین علیہ التحیۃ والسّلام کے کوکبۂ جلال کے لیے چشم براہ رہے اور انتظار کی گھڑیاں گنتے گنتے اور جمال مبارک دیکھنے کی حسرت کا داغ دل میں لیے دنیا سے گزر گئے۔ ایسے فرخندہ اختر مشتاقانِ جمال میں سے ایک یہودی عالم کا ماجریٰ سنو۔

عاصم بن عمر بن قتادہ کا بیان ہے کہ ظہور اسلام سے چند سال پیشتر یہود ابن بنو قُریظہ کی ایک شاخ ثعلبہ بن سعید اور اُسید بن سعید اور اَسَد بن عُبَید کے پاس جو بنو ہدل کہلاتے تھے شام کا ایک یہودی عالم آیا اور مدت تک اس قبیلہ میں رہا۔ یہ یہودی جسے ابن ہیبان کی کنیت سے یاد کرتے تھے بڑا فاضل متبحر اور زاہد و متقی تھا۔ ایک مرتبہ اِمساک باران ہوا۔ ہم لوگوں نے اس سے کہا اے ابن ہیبان! آپ زرا ہمارے ساتھ

چل کر نزولِ باران کی دعا کر دیجیے۔ ہم لوگ آبادی سے باہر ایک میدان میں پہنچے۔ وہاں اس نے دعا کی۔ ہنوز اپنی جگہ سے اُٹھنے نہ پایا تھا کہ ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا۔ اسی طرح جب کبھی بارش کی ضرورت ہوتی، ہم اس سے دعا کراتے تو خوب بارش ہوتی۔

ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا اور اس کی بیماری نے شدت اختیار کی۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ رشتۂ حیات منقطع ہوتا ہے، اپنے سب شناساؤں کو بلا بھیجا۔ جب سب جمع ہو گئے تو بولا کیا آپ حضرات جانتے ہیں کہ مجھے کس چیز نے شام کی سرسبز اور خوش سواد سرزمین سے یہاں پہنچایا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ اس نے کہا عنقریب اس سرزمین میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ میں اس توقع پر یہاں چلا آیا تھا کہ اس نبی کے جمالِ مبارک سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں گا اور مجھے نبی آخر الزمان کا شرفِ متابعت میسر ہوگا۔ لیکن افسوس! یہ سعادت مقدر نہ تھی۔ اب میں اس حسرت کا داغ لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کے بعد بنو ہدل کو مخاطب کر کے کہنے لگا اے گروہِ یہود! تم پر لازم ہے کہ اس تمۂ دورِ زمان کی اطاعت میں پیش دستی کرنا اور خبردار! اس سعادتِ جاوید سے محروم نہ رہنا۔" جب یہ وصیت کر چکا تو تھوڑی دیر کے بعد اس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔

آخر شمعِ نورِ نبوت نے جب مدینہ منورہ میں ضو افگنی شروع کی اور چند سال کے بعد یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ ہوا تو ایک ضعیف العمر یہودی جس کی لوحِ دل پر اس شامی عالم کی وصیت مرتسم تھی، اس نے اپنی قوم سے کہا اے بنو قریظہ! یہ وہی نبی ہیں جن پر ایمان لانے کے لیے شامی عالم ابن ہیبان نے تم سے عہد لیا تھا۔ قوم نے کہا واقعی یہ وہی نبی ہیں اور ان میں وہ تمام صفتیں جو ابن ہیبان نے بتائی تھیں موجود ہیں۔ پھر بنو قریظہ کی یہ شاخ اپنے عاقبت نا اندیش بھائی بندوں سے الگ ہو کر مشرف باسلام ہو گئی (ابن ہشام)

## فصل ۳۲۔ سرورِ انبیاءؐ کے توسل سے یہود کا فتح کی دعائیں مانگنا

رُشد و ہدایت کا مصدر بلاشبہ ذاتِ رب العالمین ہے۔ جس کسی کو اس موفقِ حقیقی

کی طرف سے توفیق ہدایت ارزانی نہیں ہوتی وہ حقیقت حال سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود ورطۂ شقاوت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اگر یہ جنس گرانمایہ کسی کے اپنے اختیار میں ہوتی تو یہود سے بڑھ کر پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا یقین کرنے کے ذرائع کسی اور کو میسر نہ تھے کیونکہ وہ ہمیشہ تورات میں آپ کی بعثت کی بشارتیں پڑھا کرتے تھے اور اپنے عالموں سے آپ کے مناقب سنا کرتے تھے۔ پس ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور امتیازی صفات سے جس درجہ وہ باخبر تھے دنیا میں اور کوئی نہ تھا۔ لیکن شومئ قسمت کا کمال دیکھو کہ قلیل التعداد علمائے بنی اسرائیل کے سوا تمام یہود من حیث القوم نہ صرف اس سررشتۂ ہدایت سے محروم رہے بلکہ اُنہوں نے اُلٹا آپ کی عداوت کو اپنا قومی شعار بنا لیا حالانکہ اس سے پیشتر آپ کی پیروی اور شرف دید ان کی عزیز ترین آرزو تھی اور دشمنوں پر آپ کے وسیلہ سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگنا ان کا عام معمول تھا۔

حسب روایت ابن اسحاق عاصم بن عمر بن قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے انصار کے کتنے ہی افراد کو یہ کہتے سنا کہ جب خدائے قدوس کی توفیق بخشی ہمارے شامل حال ہوئی تو ہم فی الفور حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعثت نبوی سے پیشتر ہم بُت پرست اہل شرک اور جاہل و ناخواندہ تھے اور ہمارے مقابلہ میں یثرب کے یہودی زیور علم و فضل سے آراستہ تھے۔ ان میں اور ہم میں جب کبھی کوئی وجہ مخاصمت پیدا ہوتی تو وہ ہمیں دھمکیاں دینے لگتے کہ نبی آخرالزمان کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ جب وہ ظاہر ہوں گے تو ہم ان کی متابعت میں تم سے اسی طرح جنگ آزما ہوں گے جس طرح گزشتہ اہل ایمان عاد وارم سے رزم خواہ ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے اس قسم کی باتیں اکثر ہمارے کانوں میں پڑتی رہتی تھیں۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے ہم کو اسلام کی دعوت دی تو ہم فوراً بھانپ گئے کہ آپ وہی احمد نبی ہیں جن کے ظہور کا تذکرہ یہود کی زبان پر تھا اس لیے ہم نے قبول اسلام میں عاجلانہ پیش دستی کی لیکن یہود آپ کی رسالت کا انکار کر کے بدستور قعر گمراہی میں گرفتار رہے (البدایہ والنہایہ)۔

دوسری روایت میں ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے یہود یثرب کے قبیلہ اوس یا خزرج

سے جب کبھی برسرِ جنگ ہوتے اور انہیں اپنی ہزیمت کے آثار نظر آتے تو وہ نبی اُمّی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور بارگاہ ربّ العزّت میں دشمن پر فتح اور غلبہ پانے کی التجا کرتے تو فوراً ان کی ہزیمت فتح وظفر مندی سے مبدّل ہو جاتی۔ آخر جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لے آئے تو یہودی برسرِ انکار ہوگئے اور سعادتِ ایمانی سے محروم رہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حسبِ روایت ابن عباسؓ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ بن جبل انصاری اور بشرؓ بن براء انصاری اور داؤدؓ بن سلمہ انصاری نے جاکر ان لوگوں سے کہا کہ اے یہود! تم تو پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہم کو مغلوب کرنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اب حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہیں لاتے؟ تم لوگ ہمارے مبتلائے شرک ہونے کی حالت میں ہم سے آنحضرتؐ کا جو حلیۂ مبارک بیان کیا کرتے تھے وہی حلیۂ مبارک تمہارے سامنے موجود ہے۔ پھر تمہارے اعراض اور پہلو تہی کا منشا کیا ہے؟ خدا کا خوف کرو اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ" یہ سن کر قبیلہ بنو نضیر کا ایک یہودی سلام بن مشکم کہنے لگا کہ یہ وہ صاحب نہیں ہیں جن کا ہم ذکر کیا کرتے تھے۔ اس وقت سورۂ بقرہ کی ۸۹ ویں آیت نازل ہوئی جس میں ربّ جلیل عزّ اسمہٗ نے فرمایا کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب اللہ پہنچی جو ان کے ہاں کی کتاب (توراۃ) کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں اپنی فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ پس جب وہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) جن کو انہوں نے پہچان رکھا تھا ان کے پاس آپہنچے تو انکار کر دیا"

# فصل ۳۴ مکّہ معظّمہ پر اصحاب الفیل کی یورش

جس طرح سپیدۂ صبح آفتاب عالم تاب کی آمد کا پتہ دیتا ہے اور بارانِ رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوا چلتی ہے اسی طرح حضور سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پیشتر ایسے خارق عادت وقائع ظہور پذیر ہونے شروع ہوگئے تھے جو زبانِ حال سے آپ کی بعثت کا اعلان کر رہے تھے۔ شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں

ایسے دلائل اور علامات کو جو کسی نبی کی بعثت سے پہلے ظاہر ہوئے ارہاص کہتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظلمت کدۂ عالم کو اپنے قدوم سے منوّر فرمایا تو اس سے پیشتر عبد المطّلب کے زمانۂ زیست میں مکہ معظمہ پر اصحاب فیل کی یورش کا ارہاص پیش آیا۔ یہ حادثہ اکثر محدثین اور اصحاب سیر کے نزدیک ولادتِ فرخندہ سے پچاس یا باون روز پیشتر رونما ہوا تھا۔

### کعبۂ معلّیٰ کو منہدم کرنے کا ناپاک مقصد

اس کا واقعہ یہ ہے کہ اَبْرَہَہ نام ایک عیسائی حاکم نے اس شکرانہ میں کہ اُسے یمن کی حکومت بالاستقلال مل گئی ہے یمن کے دار الحکومت صَنعا میں ایک کلیسا بنوایا جس میں بیش قیمت پتھروں کی پچی کاری کرائی اور شیشہ اور آلات سے اس کو خوب مزیّن کیا اور نجاشی شاہ حبشہ کو لکھا کہ میرا قصد ہے کہ عربوں کو حج کعبہ سے روک کر اسی کلیسا کے طواف و زیارت کی طرف مائل کر دوں"۔ اس کے بعد اس دعوت کے لیے اطرافِ عرب میں اپنے قاصد روانہ کیے۔ جب ابرہہ کے قاصد بنو کنانہ کے شہر مکہ معظمہ میں پہنچے تو عرفہ بن عیاش نام ایک مکی نے ایک قاصد کو ایسا تیر مارا کہ اس نے دوبارہ دم تک نہ لیا۔ دوسرا قاصد بھاگ کر صنعا پہنچا اور ابرہہ سے سارا ماجریٰ بیان کیا۔ یہ سن کر اَبرَہہ اس درجہ برافروختہ ہوا کہ فوراً ایک لشکر جرّار اور بہت سے کوہ صفت ہاتھی لے کر اس عزم کے ساتھ مکہ معظمہ کو روانہ ہوا کہ کعبۂ معلّیٰ کو منہدم کر دے۔

جب یہ لشکر ارضِ حجاز میں داخل ہوا تو سرحد پر ذو نفر حمیری دو ہزار عربوں کی جمعیت سے مقابلہ پر آیا۔ گو ذو نفر حمیری قوت و شہامت میں تن تنہا سو دو سو سے کسی طرح کم نہ مانا جاتا تھا، تاہم اتنے بڑے لشکر سے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا اس لیے شکست کھائی۔ اَبرَہہ نے اس کو گرفتار کر کے رہبری کے لیے اپنے ساتھ لے لیا۔ جب ابرہہ طائف میں داخل ہوا تو مسعود بن مُعتب ثقفی بنو ثقیف کو لے کر ابرہہ کے پاس آیا اور نہ صرف اس کی اطاعت قبول کر لی بلکہ ابو رغال نام ایک شخص کو رہنمائی کی غرض سے بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ اس شخص نے ابرہہ کو طائف اور مکہ معظمہ کے درمیان مُغمّس کے مقام پر لا ٹھیرایا جو مکہ معظمہ سے ایک منزل کی مسافت پر ہے۔

### قریش کا تن بتقدیر خاموش بیٹھ رہنا

جب قریش کو اطلاع ہوئی تو مدافعت کی تیاریا

کرنے لگے۔ لیکن جب دیکھا کہ مٹھی بھر قریش کے لیے ٹڈی دل حبشی افواج کا مقابلہ ناممکن ہے تو تن بتقدیر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ ابرہہ نے مغمس سے سواروں کا ایک دستہ بسرکردگی اسود بن مقصود حبشی اس غرض سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا کہ باربرداری کے لیے اونٹ اور چند آدمی اسباب اٹھانے اور لادنے کے لیے بیگار میں پکڑ لائے۔ اسود آ کر اہل مکہ کے بہت سے اونٹ اور مویشی جن میں دو سو اونٹ حضور سرور کونین علیہ التحیہ والسلام کے جدامجد عبدالمطلب کے تھے پکڑ لے گیا۔

اب ابرہہ نے قریش کے سردار عبدالمطلب کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو منہدم کرنے آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم لوگ ہمارے اس ارادہ میں مزاحم نہ ہو۔ ورنہ نتائج کے تم لوگ خود ذمہ دار ہو گے۔ ابرہہ نے یہ پیغام رسانی اس لیے ضروری خیال کی کہ اُسے اہل مکہ میں تاب مقاومت نہ ہونے کا یقین تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ لوگ مرعوب ہو کر انہدام کعبہ پر رضامند ہو جائیں گے۔ عبدالمطلب نے یہ پیغام سن کر جواب دیا

واللہ ما نرید حربہ وھذا
بیت اللہ فان یمنعہ فھو
بیتہ وان تخلی عنہ فما
کنا نحن من دافع۔

بخدا ہم اس سے لڑائی کا قصد نہیں رکھتے۔ اگر خدا ابرہہ کو روکے تو یہ اس کا گھر ہے اور اگر اس سے تعرض نہ کرے تو ہم اس کو دور نہیں کر سکتے۔

## ابرہہ کے پاس رؤساے مکہ کا وفد

جب قاصد واپس گیا تو عبدالمطلب چند رؤسا قریش کو ہمراہ لے کر ابرہہ کے پاس گئے۔ پہلے ذونفر حمیری سے ملاقات کی جس کو ابرہہ نے قید کر رکھا تھا۔ ذونفر نے فیلبان کے ذریعہ سے ابرہہ کو عبدالمطلب کے آنے کی اطلاع کرائی۔ ابرہہ نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا اور تخت سے اُتر کر فرش پر ان کے ساتھ بیٹھا۔ دورانِ گفتگو میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی واپسی کی استدعا کی۔ ابرہہ نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ کعبہ کے بارہ میں تو تم نے مجھ سے کچھ التجا نہ کی جو تمہارا مقدس ترین مقام ہے اور اونٹوں کے لیے درخواست کرتے ہو؟ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ وَلِلْبَيْتِ رَبٌّ سَيَمْنَعُهُ (میں اُونٹوں کا مالک ہوں اور گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ عنقریب خود روک لے گا) ابرہہ نے یہ سن کر تھوڑی دیر تک تو سکوت اختیار کیا۔ اس

کے بعد عبد المطلب کے اُونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔

عبد المطلب کے ساتھ عمرو بن لعابہ سردار کنانہ اور خویلد بن واثلہ سردار بنو ہذیل بھی گئے تھے۔ ان دونوں نے جو باطنی تصرفات کے مقابلہ میں ظاہری اسباب کے زیادہ قائل تھے ابرہہ سے درخواست کی کہ اگر کعبہ ڈھانے کا خیال چھوڑ دو تو ہم تہامہ کی تمامی آمدنی خراج میں دینے کو تیار ہیں۔ ابرہہ نے اس درخواست کو بڑے غرور کے ساتھ مسترد کر دیا۔

### مجیب الدعوات کی بارگاہ میں اہل مکہ کی گریہ وزاری

عبد المطلب اپنے رفقا سمیت واپس آئے اور قریش اور دوسرے اہل مکہ کو ہدایت کی کہ شہر کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جائیں۔ ان کی روانگی کے بعد عبد المطلب بیت اللہ کا دروازہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور یہ اشعار پڑھنے لگے ؎

| | |
|---|---|
| لاھُمّ ان العبد یمنع | اے خدا! بیشک بندہ اس کو روکتا ہے جو اس کے محل پر چڑھ آئے |
| حلہ فامنع حلا لك | پس تو بھی اس کو روک دے جو تیرے گھر پر چڑھ آیا ہے۔ |
| لا یغلبن صلیبھم | حملہ آوروں کی صلیب اور ان کا غصہ کبھی |
| ومحالھم ابدا محالك | تیرے غصہ پر غالب نہ آئے گا |
| وانصر علیٰ اٰل الصلیب | اور پرستارانِ صلیب کے مقابلہ میں |
| وعابدیہ الیوم اٰلك | آج اپنوں کی مدد کر |

عبد المطلب اور دوسرے قریشی رؤسا بہت دیر تک گڑگڑا کر دعائیں کرتے اور گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ اس کے بعد یہ لوگ بھی پہاڑ پر چلے گئے اور ابرہہ نے کعبۂ معلیٰ کے مسمار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی۔

### حملہ آور لشکر کی تباہی

اس کا دوسرا پڑاؤ عرفات اور منیٰ کے درمیان محسّر کا مقام تھا۔ جب کوچ کر کے آگے بڑھا تو معاً خدائے قادر و توانا نے اس پر پرندوں کا جھنڈ سمندر کی طرف سے بھیج دیا۔ ان چڑیوں نے آتے ہی اس

---

لہ مشرقی مصنفوں نے عرب کو پانچ حصوں یا صوبوں پر تقسیم کیا ہے یعنی حجاز، تہامہ، نجد اور یمامہ بعض لوگ ان پر بحرین کا اضافہ کرتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت یہ عراق کا ایک حصہ ہے۔ اور بعض اہل قلم نے عرب کو صرف دو صوبوں پر منقسم کیا ہے یمن اور حجاز۔ تہامہ نجد اور یمامہ کو حجاز میں شامل کیا جاتا ہے۔

ناہنجار لشکر پر کنکروں کی بارش شروع کر دی جس کسی پر وہ کنکر پڑے اس کے جسم پر چیچک کے دانے نکل آئے۔ اس طرح لشکر کا بیشتر حصہ نہنگ اجل کا شکار ہوگیا۔ ابرہہ پر بھی چیچک کا حملہ ہوا جس سے اس کے اعضا کٹ کٹ کر گر گئے۔ اب پس ماندہ فوجی افسروں نے ہاتھیوں کو آگے کرنا چاہا لیکن حالت یہ تھی کہ جس ہاتھی کو بھی آگے بڑھاتے تھے وہ آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کو ہٹتا یا وہیں بیٹھ جاتا تھا۔

اب ہاتھیوں کے جسموں پر بھی چیچک کے سے دانے نکل آئے چنانچہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ فوج کے باقی ماندہ پیدل یا سوار بھی فنا کے گھاٹ اتر گئے غرض ابرہہ اور اس کی فوج اور ہاتھی سب کے سب تباہ ہو گئے۔ اس کے بعد حکم خداوندی سے سیلاب آیا جو سب لاشوں کو سمندر میں بہا لے گیا اور انہدام کعبہ کے منصوبے حملہ آوروں کے ساتھ قعر گمنامی میں مستور ہو گئے۔ (ابن خلدون)

### لشکر فجار کی بربادی میں رسول امین ؑ کی تائید

چونکہ اس وقت دونوں جہان کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد آمد تھی اور کعبہ معلی نبیِ آخر الزمان علیہ السلام کا قبلہ بننے والا تھا اس لیے یہ عبرتناک واقعہ آپ کی تائید و نصرت میں رونما ہوا۔ اس سے قریش کی امداد مقصود نہ تھی کیونکہ وہ تو بت پرست تھے اور کفر و ثنیت کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے۔ اس واقعہ کی یہ خصوصیتیں تھیں۔

(۱) ہاتھیوں کا بیت اللہ کی طرف رخ نہ کرنا اور لطف یہ کہ جب اُن کا منہ کسی دوسری طرف پھیر دیا جاتا تھا تو دوڑنے لگتے تھے اور جب ان کو مکہ معظمہ کی طرف چلایا جاتا تھا تو بیٹھ جاتے تھے۔

(۲) پرندوں کا سمندر کی طرف سے آنا حالانکہ سمندر پرندوں کا مسکن و مأمن نہیں ہے اور پھر اس واقعہ کے بعد وہ پرند کبھی کہیں نہیں دیکھے گئے۔

(۳) ان سنگریزوں کا معدن بھی کسی کو معلوم نہیں۔

(۴) ان سنگریزوں میں یہ خاصیت تھی کہ جس پر ایک دفعہ پڑ جاتے تھے وہ کسی طرح جانبر نہیں ہوتا تھا۔

### عرب میں حادثۂ اصحاب الفیل کی شہرت

ابرہہ کی فوج کشی اور تباہی کا اجمالی تذکرہ قرآن کی سورۂ فیل میں بھی موجود ہے جو اس

واقعہ کے قریباً پینتالیس سال بعد نازل ہوئی تھی۔ گو قریش وحیٔ الٰہی کی تکذیب کرتے تھے تاہم اس لحاظ سے کہ اس واقعہ کا سارا عرب گواہ تھا اور نزولِ سورہ کے وقت بھی سیکڑوں ہزاروں چشم دید شاہد موجود تھے، حادثۂ اصحاب الفیل کی کبھی تکذیب کرسکے۔ اُس زمانہ کے شعراء مثلاً اُمیّہ بن ابی الصلت وغیرہ کے کلام میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے یہ عبرت ناک واقعہ عرب میں اس درجہ شہرت پذیر تھا کہ ہجرت نبویہ سے پہلے تک تمام واقعات اسی تاریخ سے شمار میں آتے تھے۔ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ابرہہ کی تباہی کے پچاس دن بعد اس ظلمت سرائے دنیا کو اپنے قدوم سے منور فرما کر رشکِ جناں بنایا تھا۔

# فصل ۳۵۔ عبدالمطّلب کی اولاد

عبدالمطلب بن ہاشم کے گیارہ یا بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں مختلف بیویوں سے تھیں۔ بیٹوں میں سے ایک کا اسم گرامی عبداللہؓ تھا جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے والد معظم تھے۔

**اعمامِ محترم**

عبدالمطّلب کے دوسرے بیٹوں کے یہ نام تھے (۲) حارث (۳) زبیر (۴) حمزہ رضی اللہ عنہ (۵) عباس رضی اللہ عنہ (۶) عبدمناف معروف بہ ابوطالب (۷) عبدالعزّیٰ معروف بہ ابولہب (۸) ضرار (۹) مقوم جن کو عبدالکعبہ بھی کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ مقوم اور عبدالکعبہ ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہستیاں تھیں۔ (۱۰) حجل (۱۱) نوفل۔ بعض کا بیان ہے کہ نوفل حجل ہی کا دوسرا نام تھا (البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر) ابن خلدون نے قثم نام کا بھی اضافہ کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سب سے بڑے حارث اور سب سے چھوٹے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

بعض مؤرخوں نے جناب عبداللہ کو عبدالمطلب کا سب سے چھوٹا فرزند لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ سے اور عباس رضؓ حضرت حمزہ سے بھی خورد سال تھے۔ پس جس روایت میں عبداللہ کو عبدالمطلب کی

سب سے چھوٹی اولاد بتایا گیا ہے اس کا یہ مطلب سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنی ماں کے بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ عبدالکعبہ ضرار اور قثم بچپن میں رحلت کر گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام میں سے حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کو دولتِ ایمان میسّر نہ ہوئی۔

ابن حزم کا بیان ہے کہ زُبیر اور حمزہؓ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی۔ ابولہب کے اعقاب میں عتبہ صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ باقی رہی ابوطالب اور عباسؓ کی اولاد، سو ان کی اتنی کثرت ہے جس کا حصر و شمار امکان سے خارج ہے۔

**نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی صاحبہ** سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں۔ ان سے عبدالمطلب کی یہ اولادیں ہوئیں ابوطالب، عبداللہ، زبیر، عبدالکعبہ، اُم الحکیم البیضا، عاتکہ، برّہ، امیمہ، اروی۔ پس عبداللہ کو چھوڑ کر دوسرے نفوس سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اعمام و عمات ہیں۔

عبدالمطلب کی دوسری زوجہ ہالہ بنت وُہَیب تھیں۔ اُن سے یہ اولاد ہوئی:۔ حمزہ، مقوّم، حجل اور صفیہؓ۔ یہ ہالہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ مکرمہ آمنہ بنت وہب کی عم زاد بہن تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا وہب اور حضرت حمزہؓ کے نانا وُہیب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ جناب عبدالمطلب کی تیسری بیوی نتیلہ بنت خباب تھیں۔ ان سے حضرت عباسؓ اور ضرار پیدا ہوئے۔ ان کی چوتھی رفیقۂ حیات صفیہ بنت جُندُب تھیں ان سے حارث اور قثم متولد ہوئے۔ پانچویں زوجہ لبنیٰ بنت ہاجر تھیں۔ ان سے ابولہب پیدا ہُوا۔ چھٹی بیوی کا نام ممتعہ بنت عمرو تھا ان سے غیداق پیدا ہوئے۔

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں

عبدالمطلب کی بیٹیاں یا حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں چھ تھیں۔ صفیہ، اروی، عاتکہ، ام الحکیم البیضاء، برّہ، اُمیمہ۔

**حضرت صفیہؓ** حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب پہلے حارث بن اُمیہ سے بیاہی گئیں۔

اس کے بعد عوام بن خویلد بن اسد یعنی ام المومنین حضرت خدیجہ ؓ کے بھائی سے عقد ہوا۔ جن سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں اور سائب اور عبدالکعبہ تین اولادیں ہوئیں۔ حضرت صفیہ ؓ مشرف باسلام ہوئیں۔ پھر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خیبر کے محاصل میں سے چالیس وسق کھجور سالانہ مقرر فرما دی تھی۔

**حضرت اروی ؓ**

حضرت اروی بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا مکہ میں مشرف باسلام ہوئیں اور مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ انہوں نے اپنے فرزند گرامی حضرت طلیب رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی تھی کہ مشرف بایمان ہو کر سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سینہ سپر ہو جائیں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آئندہ صفحات پر آئے گی۔

**حضرت عاتکہ ؓ**

عاتکہ کا عقد جاہلیت میں ابو اُمیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ کے باپ سے ہوا تھا جس سے عبداللہ، زُہیر اور ایک لڑکی قریبہ متولد ہوئی۔ عبداللہ اور زہیر حضرت ام سلمہ ؓ کے سوتیلے بھائی ہیں۔ یہ دونوں انجام کار دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ابن سعد نے زہیر کو ان دس آدمیوں میں شمار کیا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیفیں دیا کرتے تھے اور ابن اسحاق نے ان لوگوں میں داخل کیا ہے جنہوں نے صحیفہ قریش کو باطل کرنے کی کوشش کی تھی۔ عاتکہ ؓ مکہ میں سعادت ایمانی سے مستفید ہوئیں اور مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں لشکر اسلام کی فتح اور کفار مکہ کی ہزیمت سے متعلق ایک خواب دیکھا اور حضرت عباس ؓ کو سنایا تھا۔

**ام الحکیم البیضاء**

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی نانی ام حکیم بیضاء اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ توام پیدا ہوئے تھے۔ ان کا عقد جاہلیت میں کریز بن ربیعہ سے ہوا تھا۔ دو اولادیں ہوئیں۔ ایک اروی بنت کریز جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور دوسرے عامر بن کریز۔ اروی پہلے حضرت عثمان ؓ کے والد عفان بن ابو العاص بن اُمیہ بن عبد شمس کے عقد نکاح میں اور ان کے بعد عقبہ بن ابی مُعیط کے سلک زوجیت میں منسلک ہوئی تھیں۔ اروی سے عُقبہ کی یہ اولادیں ہوئیں۔ ولید، عمارہ، خالد، ام کلثوم، ام حکیم، ہند۔

عقبہ بدترین عدوے اسلام تھا لیکن اس کے بعد اس کی تمام اولاد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ عامر بن کریز فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ ان کے لڑکے مشہور فاتح عبداللہ بن عامر مدتوں بصرہ کے حاکم رہے۔ انہوں نے بڑی اسلامی خدمات انجام دیں اور بہت سے ملک فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیے۔

**بَرّہ بنت عبدالمطلب** بَرّہ جاہلیت میں عبدالاسد بن ہلال کی زوجیت میں تھیں اس سے ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ متولد ہوئے۔ حضرت ابوسلمہؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ وہی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بنت ابوامیّہ بن مغیرہ کے شوہر اوّل تھے۔ جب حضرت ابوسلمہؓ نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا تو حضرت اُم سلمہؓ کو اُمّہات المومنین کے مقدس زمرہ میں داخل ہونے کی سرفرازی نصیب ہوئی۔ عبدالاسد بن ہلال کے بعد بَرّہ کا عقد ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا جس سے ابوسبرہ پیدا ہوئے۔ ابوسبرہؓ سابقین اوّلین میں ہیں۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی اور حبشہ کو ہجرت فرمائی۔

**اُمیمہ** اُمیمہ بنت عبدالمطلب جاہلیت میں جحش بن رباب کے عقد نکاح میں تھیں۔ اس پیوند سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جو شریکِ بدر تھے اور عبیداللہ بن جحش اور عبد معروف بہ ابواحمد اور اُمّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمیمہ کے لیے بھی چالیس وسق کھجوریں خیبر کے محاصل سے مقرر فرما دی تھیں (ابن سعد وغیرہ)

# فصل ۳۶ حضرت عبداللہ بحیثیت ذبیح

قریش کی تاریخ میں ایک اُعجوبۂ روزگار واقعہ حضرت عبدالمطلب کا ذبح فرزند کی نذر ماننا ہے۔ گزشتہ صفحات پر چاہ زمزم کی ازسرِنو کھدائی کا تذکرہ حوالۂ قرطاس ہو چکا ہے۔ اس کھدائی میں قریش کے دوسرے قبائل کی طرف سے جو بے رُخی اور بے اعتنائی برتی گئی تھی۔ اس نے عبدالمطلب کے دل میں یہ نذر ماننے کی تحریک کی کہ اگر حق تعالیٰ دس جوان بیٹوں کو میری قوت بازو اور پشت پناہ بنائے گا۔

تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو فی سبیل اللہ (یعنی بغرض تقرب خداوندی) قربان کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کے سن بلوغ پہنچنے کے بعد جب دس جوان فرزندوں کی نصرت و تقویت عبدالمطلب کے شامل حال ہوئی تو انہوں نے بخیال ایفائے نذر قرعہ اندازی کی۔

**مخالفت** اس وقت خاندان بنو ہاشم میں سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ ہر دلعزیز اور سب سے زیادہ حسین نوجوان حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ تھے۔ لیکن قضائے کردگار سے وہ قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلا۔ اور باوجودیکہ عبدالمطلب اپنی اولاد میں سب سے زیادہ انہی کو چاہتے تھے تاہم انہوں نے حضرت خلیل علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایفائے نذر کا عزم صمیم کر لیا اور لطف یہ ہے کہ جب جناب عبداللہ سے اس قصد کا اظہار کیا گیا تو انہوں نے بھی اپنے جدامجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح سر تسلیم خم کر دیا۔ لیکن جب قوم کو اس قضیہ کا علم ہوا تو ہر شخص نے اس کی مخالفت کی۔ ننہالی رشتہ داروں نے برملا کہہ دیا کہ ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ حضرت عبداللہ کے بھائی بھی اس پر کسی طرح رضامند نہ ہوتے اور بہنوں نے تو جب سے یہ سنا تھا، اسی وقت سے نالہ و شیون کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

**عقدہ کشائی** آخر ایک شخص مغیرہ بن عبداللہ نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا کہ وہ اس عقدہ کے حل کرنے کے لیے کاہنوں کی طرف رجوع کریں اور ان کی رائے پر عمل پیرا ہوں۔ ان دنوں یثرب میں ایک کاہنہ عورت کا شہرہ تھا۔ عبدالمطلب یثرب گئے لیکن معلوم ہوا کہ وہ اس وقت خیبر میں ہے (خیبر مدینہ منورہ سے قریباً سو میل بجانب شمال واقع ہے) یہ خیبر پہنچے اور صورت حال بیان کی۔ کاہنہ نے کہا تمہارے ہاں آدمی کی دیت (خون بہا) کس قدر ہے؟ انہوں نے کہا دس اونٹ۔ کاہنہ نے عبدالمطلب کو یہ تدبیر بتائی کہ دس اونٹوں پہ بمقابلہ عبداللہ قرعہ ڈالو۔ اگر اونٹوں پر قرعہ آ گیا تو بہتر ورنہ اس وقت تک برابر دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ جب تک اونٹوں پر قرعہ نہ آ جائے۔ جو تعداد قرعہ میں نکلے وہی عبداللہ کا فدیہ ہے۔ اس وقت تمام اونٹوں کی قربانی کر دینا۔ عبدالمطلب نے مکہ واپس آ کر ایسا ہی کیا۔ رفتہ رفتہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔

اس وقت قرعہ اونٹوں پر نکلا اور عبد المطلب نے ان کو بنظر تقرب الی اللہ ذبح کیا۔

معلوم ہو کہ انہی ایام سے قریش بلکہ تمام عرب میں آدمی کا خونبہا سو اونٹ قرار پایا ہے۔ اس کے بعد شریعت اسلامی نے بھی دیت کی اس تعداد کو بحال رکھا۔ البتہ اونٹوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں دس ہزار درہم مقرر فرمائے۔ الغرض اس واقعہ کی بدولت انسانی جان کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس وقت جناب عبداللہ کا عنفوانِ شباب تھا یعنی قریباً اٹھارہ سال کی عمر تھی۔

# فصل ۳۷ جناب عبداللہ کی شادی

چونکہ حضرت ختم الانبیار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سارے عالم کے لیے مایۂ شرف اور ذریعۂ سعادت تھی اس لیے خدائے ذوالمنن نے آپ کو تمام عالم سے زیادہ حسین وجمیل، پاکیزہ سیرت اور ہر عیب ونقصان سے پاک پیدا کیا، اور آپ کے عالم ظہور میں لانے کے لیے دنیا کے شریف ترین باپوں اور مصون ترین ماؤں کو منتخب فرماتا رہا۔ جیسا عدیم النظر گوہر بے بہا تھا، ویسے ہی پاکیزہ و روشن ترین صدف بھی اس کے حامل رہے۔

**آباء کے چہروں پر نورِ محمدی کی ضو افگنی**

الغرض خدائے رب العزت نورِ محمدی کو پاک صلبوں اور مبارک بطنوں میں ودیعت کرتا رہا یہاں تک کہ عبد مناف پر پہنچ کر ان کے چہرۂ زیبا پر ضیا گستر ہوا۔ اسی غیر معمولی حسن وجمال کے باعث وہ قمر البطحاء کے لقب سے ممتاز تھے۔

پھر یہی نور منتقل ہو کر ہاشم کے چہرہ پر ضیا پاش ہوا۔ اسی بنا پر جو کوئی ان کو دیکھتا ان کے ہاتھ چوم لیتا اور تعظیم بجا لاتا۔ پھر یہ نور عبد المطلب کی طرف منتقل ہوا اور ان کے رُخ انور پر ضو افگن ہوا۔ آخر جب ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پدر بزرگوار بڑے ہو کر سن رشد کو پہنچے تو ان کے رُخ انور پر جلوہ گر ہوا۔ اسی اعتبار سے امام زہری کا بیان ہے کہ عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

یہ حسن وجمال ایسی دل ربائی کی شان سے نمایاں ہوا کہ قریش کے تمام بڑے بڑے

رئیس آرزومند تھے کہ اپنی بیٹیاں عبداللہ کے عقد نکاح میں دیں۔ آخر تھوڑے ہی دنوں میں یہ عالم ہوگیا کہ ہر گھر میں عبداللہ کا چرچا اور ہر زبان پر ان کا نام تھا۔

ابن ہشام، ابن جریر طبری، ابن اثیر، سہیلی وغیرہ مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے بعض ایسے واقعات قلمبند کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ کو یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر ابتلاء و آزمایش کی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا لیکن توفیق ایزدی نے انہیں استقامت اور ضبط نفس کی دولت سے اس درجہ مالامال کیا تھا کہ ان کا دامن عصمت کسی طرح داغ دار نہ ہوا اور ہو بھی کیونکر سکتا تھا جبکہ اس مطلع انوار سے نور جمال احمدی کا آفتاب طلوع ہونے والا تھا۔

**نبوت اور مملکت کی دوگونہ پیش گوئی**

آخر جب خدائے مہیمن نے چاہا کہ اس مبارک امانت کو انساب عالیہ اور اصلاب طاہرہ کے پردہ سے نکال کر کمال و اجلال کے شہ نشین پر برآمد فرمائے تو عبدالمطلب کو یمن کا سفر پیش آیا۔ ابن سعد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے اور انہوں نے اپنے والد عباس رضؓ سے روایت کی کہ ایک سال موسم سرما میں مکہ معظمہ کا جو قافلہ یمن گیا اس میں عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ وہ وہاں پہنچکر ایک یہودی عالم کے ہاں ٹھیرے۔ عالم نے کہا اے عبدالمطلب بن ہاشم! مجھے اجازت دو کہ تمہارے جسم کا کوئی حصہ دیکھوں۔ انہوں نے کہا کہ ستر عورت کو چھوڑ کر باقی تمام جسم دیکھ سکتے ہو۔ چنانچہ اس نے یکے بعد دیگرے تمام اعضا کا معاینہ کیا۔ آخر دونوں نتھنے دیکھ کر کہنے لگا مبارک ہو کہ ایک میں نبوت ہے اور دوسرے میں مملکت۔ اور میں نبوت کو بنو زہرہ کے پیوند میں ضیاء افگن پاتا ہوں۔ تم وطن جا کر خاندان بنو زہرہ سے مصاہرت کا تعلق پیدا کرو (زرقانی شرح مواہب)

جب عبدالمطلب یمن سے مکہ معظمہ مراجعت فرما ہوئے تو ان کے پاس جناب عبداللہ کی شادی کے لیے پیغام آنے شروع ہوئے۔ انہوں نے شہر کے باخبر لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا بنو زہرہ میں کوئی نیک سیرت مقبول صورت لڑکی ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ وہب بن عبدمناف کی لڑکی آمنہ جو حسن و جمال کے علاوہ عفت و پارسائی میں اس شعر کی مصداق ہے ؎

اے سراپردہ عصمت زدہ بر علیین　　پردہ دار حرم حرمت تو روح امین

موجود ہے اور اس کے سوا مکہ میں کوئی خاتون ایسی نہیں جو عبداللہ کے لیے موزوں اور ان کے شایان شان ہو۔

### عبداللہ کے لیے پیام نکاح

جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کی والدۂ مکرمہ فاطمہ بنت عمرو کو فی الفور وہب کے گھر بھیج دیا جب وہ وہاں پہنچیں تو گھر والوں نے باعث فخر سمجھ کر قدم لیے آنکھیں بچھا دیں اور عرض کیا کہ اے بانوے زنان عرب! آپ نے قدم رنجہ فرما کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی کیں تشریف رکھیے اور کرم فرمائیے۔ جناب فاطمہ نے سلسلۂ کلام میں دریافت کیا کہ تمہاری لڑکی آمنہ کہاں ہے؟ انہوں نے آمنہ کو لا کر سامنے بٹھا دیا۔ عبدالمطلب کی اہلیہ محترمہ آمنہ کی صباحت و ملاحت دیکھ کر حیرت زدہ ہوئیں صبح کا ایک روشن ستارا اور بحر کمال کا ایک گوہر بے بہا تھا جو یکایک نظر کے سامنے آ گیا' جس کی آب و تاب دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ جناب فاطمہ نے فرمایا کہ میں اس لڑکی کے لیے عبداللہ کا پیام لے کر آئی ہوں"۔ یہ سن کر گھر کی عورتیں نہایت مسرور و محظوظ ہوئیں اور بولیں بھلا یہ ممکن ہے کہ آپ اس کی خواہش کریں اور ہم قریش کے سردار عبدالمطلب کے گھرانے کی لونڈیاں بننے میں تامل کریں"؟ الغرض اسی دن حضرت عبداللہ کا عقد بی بی آمنہ کے ساتھ ہو گیا۔

### بنو زہرہ میں عبدالمطلب کا اپنا رشتۂ مصاہرت

پھر اسی مجلس میں جناب عبدالمطلب خود وہب کے بھائی وُہَیب بن عبد مناف کی لڑکی کو اپنے حبالۂ ازدواج میں لائے جن سے حضرت صفیہؓ اور سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ متولد ہوئے (زرقانی)، حَبر یہودنے پیش گوئی کی تھی کہ خاندان بنو زہرہ کے پیوند کے بعد تمہاری اولاد نبوت اور سلطنت سے بہرہ مند ہو گی' یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح نکلی۔ چنانچہ آگے چل کر ان کے نبیرۂ ارجمند حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیادت انبیاء کا منصب اعظم تفویض ہوا اور ان کے فرزند گرامی حضرت عباسؓ کی اولاد میں ملوک و خلفاء کا سلسلۂ عظیم چلا جو خلفائے بنو عباس کے نام سے مشہور ہیں۔

یاد رہے کہ بنو ہاشم کی طرح سیدہ آمنہ کا خاندان بنو زہرہ بھی قریش کا ایک ممتاز خانوادہ تھا۔ ان کے والد وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ایک نہایت شریف النفس

اور بلند فطرت انسان تھے لیکن معلوم ہو کہ وہب کے باپ وہ عبد مناف نہیں جو ہمارے آقا و مولیٰ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کے والد تھے۔ وہ تو وہب کے باپ عبد مناف سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔ محترمہ آمنہ کی والدہ برّہ بنت عبد العزّیٰ بن قصی بھی قریش کی ایک نہایت معزز خاتون تھیں۔

# فصل ۳۸ حضرت عبد اللہ کا سفرِ آخرت

دنیا دار القرار نہیں بلکہ ایک تماشا گاہ حوادث ہے جس کے مناظر دمبدم بدلتے رہتے ہیں اور انسانی کامرانی کا کوئی مضبوط سے مضبوط قلعہ بھی ایسا نہیں جو کچھ دنوں کے بعد خرابۂ سلب و نہب ہو کر نابود نہ ہو جاتا ہو۔ خود انسان کی ہستی حباب کا حکم رکھتی ہے جو ایک وقت میں موجود ہے اور پھر آناً فاناً فنا کے گھاٹ اُتر جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ کی شادی کو تھوڑے روز یا چند ہی مہینے گزرے تھے اور دُلہن جاں نواز کا جمال ابھی جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا کہ قضا و قدر کی زبانِ غیب پکار اُٹھی کہ بس ایامِ بہار ختم ہوئے۔ اب خزاں کی عملداری ہے۔ جلد سفرِ آخرت کے لیے تیار ہو جاؤ ؎

اہلِ چمن بہ رنگ بوئے گل چمن سے چلے
نہ پوچھ اے دلِ فگار بیچارے کس چلن سے چلے

یہ تو معلوم ہوگا کہ قوم قریش تاجروں کی ایک جماعت تھی جس کے بڑے سے لے کر چھوٹے تک کا ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ یہ لوگ جاڑے میں مکہ سے یمن کو اور گرمی کے موسم میں شام کی طرف بغرضِ تجارت سفر کیا کرتے تھے۔ جناب عبد اللہ کی شادی کے بعد غالباً سب سے پہلا جو گرمائی قافلہ مکہ سے شام کو روانہ ہوا اس میں حضرت عبد اللہ بھی والد ماجد کے حکم سے شامل ہوئے۔ اس وقت ان کی اہلیہ محترمہ حاملہ تھیں۔ جب یہ قافلہ بوقتِ مراجعت شام کا مال تجارت بھر کر مدینہ کی طرف آرہا تھا تو جناب عبد اللہ راستے ہی میں بیمار پڑ گئے۔ جب قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو عبد اللہ کہنے لگے کہ مجھ میں نقل و حرکت کی طاقت نہیں اس لیے میں اپنے والد کے ننہال قبیلہ بنو عدی بن النجار میں ٹھیرتا ہوں۔ چنانچہ قافلہ اُن کو وہیں چھوڑ کر مکہ معظمہ لوٹ آیا۔ وہ ایک مہینہ بیمار

رہ کر راہگرائے عالمِ آخرت ہو گئے۔ اور دارِ نابغہ میں مدفون ہوئے۔

جب قافلہ مکہ پہنچا تو سید عبدالمطلب نے اپنے فرزندِ گرامی کی نسبت اہلِ قافلہ سے دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ان کو حالتِ مرض میں تمہارے ننہال بنو عدی بن النجار میں چھوڑ آئے ہیں۔ عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو ان کے لانے کو بھیجا لیکن عبداللہ بھائی کے پہنچنے سے پہلے ہی سرمنزلِ فنا سے رختِ سفر باندھ کر دار الملکِ بقا کو رخصت ہو چکے تھے۔ حارث نے واپس آکر اپنے والدِ محترم کو اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع دی۔ اس خبر سے مکہ معظمہ میں کہرام مچ گیا۔ ہاشمیوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ کوئی دل ایسا نہ تھا جو سوگوار نہ ہوا (ابن جریر طبری و ابن کثیر)

حضرات! آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس حادثہ سے اس دلہن کا شیشۂ دل کس طرح چور ہوا ہو گا جس کا سہاگ چند ہی روز میں لٹ گیا۔ گلستانِ مراد آناً فاناً خزاں کی نذر ہوا۔ سیدہ آمنہ نے اپنے شوہرِ گرامی کی دائمی مفارقت میں جو دردناک اشعار کہے وہ مواہبِ لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں درج ہیں۔ یہاں بنظرِ اختصار قلم انداز کیے گئے ہیں۔ گو آلِ ہاشم کو بالعموم اور والدین اور بیوہ کو بالخصوص سید عبداللہ کے عنفوانِ شباب میں داغِ مفارقت دے جانے کا سخت قلق تھا لیکن یہ غم بہت جلد حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر غلط ہو گیا۔

عام تاریخوں میں حضرت عبداللہ کا مدینہ منورہ میں انتقال فرمانا اور دارِ نابغہ میں مدفون ہونا مذکور ہے لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے موضع ابوآ میں جو مدینہ سے ۲۳ میل کی مسافت پر ایک گاؤں ہے رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ وفات کے وقت سید عبداللہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ حافظ علائی اور حافظ ابن حجر کے نزدیک یہی عمر صحیح ہے اور سیوطی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (زرقانی)

## فصل ۳۹۔ ولادتِ نبوی کی رات سرخ ستارے کا طلوع

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کائناتِ ارضی پر قریباً چھ صدیاں کفر کی خاموشی اور ضلالت کے سناٹے میں گزر چکی تھیں۔ لیکن انجام کار عام الفیل میں ۱۲ ربیع الاول کی رات

کو مکہ کے اُفقِ مبین سے دنیا کا آخری ابرِ رحمت نمودار ہوا تاکہ جس طرح شام کے مرغزار صدیوں تک روحانیت کی آبیاری سے شاداب رہے تھے' اسی طرح عرب کی ریتلی اور بنجر زمین بھی ہدایت وسعادت کی خلدِ بریں بنے۔ اسی رات وہ سُرخ ستارا بھی طلوع ہوگیا جو انبیائے کرام علیہم السلام کی شب ہائے ولادت میں طلوع ہوا کرتا تھا۔

چنانچہ حسب روایت محمد بن اسحاق حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میری عمر سات آٹھ سال کی تھی تو میں ہر بات کو اچھی طرح سنتا اور سمجھتا تھا ایک دن صبح کے وقت ایک یہودی بلند آواز سے چیخنے لگا اے گروہ یہود اے گروہ یہود! یہودی اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کیا ماجرا ہے؟ وہ بولا کہ گزشتہ شب احمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ستارا طلوع ہو چکا ہے' اس لیے یہ حقیقت ذہن نشین کرلو کہ وہ آج رات متولد ہو جائیں گے۔

اسی طرح حافظ ابو نعیم نے کتاب دلائل النبوت میں ابو سعید خدری ؓ سے روایت کی کہ ابو مالک بن سنان نے بتایا کہ میں ایک مرتبہ قبیلۂ بنو عبد الاشہل میں گیا۔ اتنے میں یوشع نام ایک یہودی آکر کہنے لگا کہ نبیِ آخر الزمان جن کا اسم گرامی احمدؐ ہے' ان کی ولادت کا وقت آپہنچا۔ خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی اس سے ازراہِ مذاق کہنے لگا کہ اس نبی کی صفت کیا ہوگی؟ بولا یہ شہر اس نبی کی ہجرت گاہ ہے۔" آخر میں اپنی قوم بنو خدرہ میں گیا اور اپنے لوگوں میں یوشع یہودی کا مقولہ نقل کیا۔ میری قوم کے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ یہ صرف ایک یوشع پر موقوف نہیں بلکہ آج یثرب کا ہر یہودی یہی کہہ رہا ہے۔ ابو مالک بن سنان کا بیان ہے کہ میں وہاں سے اُٹھ کر یہود کے قبیلہ بنو قریظہ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہر یہودی احمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش کا ذکر کر رہا ہے۔ زبیر بن باطا جو یہود کا ایک بڑا رئیس اور عالم تھا کہنے لگا کہ آج رات وہ سُرخ ستارا بھی طلوع ہو چکا ہے جو کسی نبی کے ظہور کے وقت ہی نکلا کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے احمدؐ نبی کے سوا اب کوئی نبی باقی نہیں رہا اور یہ شہر اس نبی کی ہجرت گاہ ہے۔

حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوت میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی علماء حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر ذکرِ خیر کیا کرتے تھے۔ جب سُرخ ستارا طلوع ہوا تو کہنے لگے کہ نبی آخر الزمان کا اسم گرامی

احمد ہے۔ ان کی ہجرت گاہ یثرب ہے۔ ان کے بعد کوئی اور نبی قیامت تک مبعوث نہ ہوگا۔" لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کر کے خاک یثرب کو اپنے قدوم سے مشرف فرمایا تو یہودی کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو کر ازراہ حسد انکار کر بیٹھے۔ اس واقعہ کو ابو نعیم نے دوسرے طُرق سے بھی روایت کیا ہے۔

اسی طرح ابو نعیم اور محمد بن حبان نے حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل نے لوگوں سے بیان کیا کہ احبار شام میں سے ایک حبر نے مجھ سے کہا کہ تمہارے شہر مکہ میں ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے۔ اس کا ستارا طلوع ہو چکا ہے۔ جب اپنے شہر میں جاؤ تو اس نبی کی تصدیق کرنا۔" یہ تمام روایتیں البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ امام ابن کثیرؒ سے ماخوذ ہیں۔

## فصل ۴۔ ولادت حضرت سیّد المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

جس ذات اقدس کی تشریف آوری کا غلغلہ چار دانگ عالم میں بلند تھا اور اس کے نور کرامت ظہور کے لیے خلق خدا سیکڑوں ہزاروں سال سے چشم براہ تھی۔ وہ ہادیٔ انام جس نے دنیا کو شرک اور بُت پرستی کے ورطہ سے نجات دلا کر نور توحید سے معمور کیا، اور عرب کو حضیض مذلت سے نکال کر آسمان عزت پر پہنچایا۔ وہ دعائے خلیل اور نوید مسیحا کہ قیامت کے دن تمام انبیاء اس کے جھنڈے تلے ہوں گے اور اسے رب العالمین کی طرف سے شفاعت کبریٰ کا اختیار ملے گا یعنی سید العرب والعجم حضرت احمد مجتبیٰ و محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ کے محلہ شعب بنو ہاشم میں اُس مقام پر ظہور فرما ہوئے جو آج کل "مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت واقعہ اصحاب فیل کو پچاس دن گزرے تھے اور کسریٰ نوشیروان شاہ ایران کو تخت نشین ہوئے چالیس سال کی مدت منقضی ہوئی تھی۔ اور اغلب ہے کہ اس دن عیسوی سال کی تاریخ ۲۰، اپریل ۵۷۱ء تھی ؎

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ

## تولد سے قبل اور بعد کے بعض عجائب

روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت بعض حیرت انگیز کرشمہ ہائے قدرت ظاہر ہوئے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب آپ اپنی مادر محترمہ کے بطن مبارک میں بصورت حمل مستقر ہوئے تو کسی نے خواب میں آکر سیدہ آمنہ سے کہا کہ تم اس اُمت کے پیغمبر سے حاملہ ہوئی ہو۔ جب یہ بچہ پیدا ہو تو یوں کہنا اُعِیْذُہٗ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ (میں اس مولود مسعود کو ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں) اور بتایا کہ اس بچہ کے ساتھ ایک نور نکلے گا جو مشرق و مغرب کو روشن کر دے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

## شام تک کے محلات کا جگمگا اٹھنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے محترمہ آمنہ خاتون کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میرا حمل نہایت سبک اور سہل تھا۔ میں نے ایام حمل میں یا وضع حمل کے وقت کوئی تکلیف نہیں اٹھائی اور نہ دوسری حاملہ عورتوں کی طرح کوئی گرانی محسوس کی۔ اور جب آپ شکم مادر سے سطح ارضی پر قدم فرما ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک نور برآمد ہوا جس سے شام تک کے محل اور گلی کوچے جگمگا اُٹھے۔ یہاں تک کہ بُصریٰ (واقع شام) کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں۔" (تاریخ ابن کثیر)

غرض جو کچھ محترمہ آمنہ خاتون نے خواب میں دیکھا تھا وہی بعد میں عیاناً بھی دیکھ لیا۔

ان بیانات کی تائید خود حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب میں ابھی شکم مادر ہی میں تھا تو میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے شام تک کے محل روشن ہو گئے۔" اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں، بغوی نے شرح السنہ میں، ابن سعد نے طبقات میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اس نور کے ظہور میں اس حقیقت کا اظہار تھا کہ آپ کی وساطت سے خلق خدا کو نور ہدایت نصیب ہوگا اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوں گی۔ اس نور کے شام اور بُصریٰ تک کو روشن کرنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ شام کی سرزمین آپ کے حیطۂ اقتدار میں آئیگی مولینا جامی رحمہ اللہ نے اس مطلع انوار صلی اللہ علیہ وسلم کی نور افشانیوں پر کیا خوب کہا ہے ؎

وصلی اللہ علی نورٍ کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ آمنہ کے ساتھ اس نور کی خصوصیت نہیں تھی چنانچہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام انبیاء کی مائیں ان کی ولادت کے وقت یہ نور دیکھا کرتی تھیں۔ (اخرجہ احمد والبزار والطبرانی والحاکم والبیہقی عن عرباض بن ساریہ وقال الحافظ ابن حجر صححہ ابن حبان والحاکم)

## ستاروں کا زمین سے قریب ہوتے دکھائی دینا

عثمان بن ابو العاص کا بیان ہے کہ مجھ سے میری والدہ فاطمہ بنت عبداللہ نے بیان کیا کہ جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ہے تو میں اس رات آمنہ خاتون کے پاس تھی۔ اس وقت در و دیوار اور گھر کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جو منور نہ ہو۔ آسمان کے ستارے نیچے کی طرف جھکتے اور زمین سے قریب ہوتے دکھائی دیتے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں مجھ پر نہ گر پڑیں (تاریخ ابن کثیر)۔

آپ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب آپ متولد ہوئے تو آپ کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بند تھیں اور سبابہ سے اشارہ کر رہے تھے گویا کہ اس سے تسبیح پڑھتے ہیں۔ (الروض الانف) پیدائش کے وقت سر مبارک آسمان کی طرف اُٹھا ہوا تھا (طبقات ابن سعد) یہ آپ کے علو ہمت اور عظمتِ شان اور آسمان سے وحی حاصل کرنے کی طرف اشارہ تھا۔ ایک علامت خصوصی یہ تھی کہ پیدائش کے بعد فوراً ہی گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ (تاریخ ابن کثیر) اور یہ فعل شاید اس امر پر دلالت کرتا تھا کہ آپ عالم سفلی میں پہنچتے ہی اپنے خالق کردگار کے سامنے مؤدب ہو بیٹھے۔

## عبدالمطلب کا آپؐ کو کعبۃ اللہ لے جانا

تولّد کے بعد محترمہ آمنہ خاتون نے حضرت عبدالمطلب کے پاس ولادت فرزند کی بشارت کہلا بھیجی اور پیغام دیا کہ آکر اپنے پوتے کو دیکھ جائیے۔ عبدالمطلب فی الفور پہنچے اور آپ کو دیکھ کر نہایت مسرور و محظوظ ہوئے (عیون الاثر) آپ کو اُٹھا کر حصول برکت کے لیے بیت اللہ تشریف لے گئے اور آپ کے سود و بہبود کے لیے درگاہ ربّ العزّت میں دعائیں مانگتے رہے۔ اس کے بعد خدائے منعم کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ کو آپ کی والدہ محترمہ کے پاس واپس لے آئے (سہیلی)

حسب روایت بیہقی قریش میں دستور تھا کہ جب کسی کے ہاں فرزند متولد ہوتا تو وہ

اس غرض سے اپنی قوم کی عورتوں کے حوالے کر دیتا کہ اس کی نال کاٹ دیں۔ حسب معمول آپ کی ولادت کے بعد عبدالمطلب نے عورتوں کو بلا بھیجا لیکن جب وہ صبح کے وقت آپ کو لے جانے کے لیے آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ نال کٹی ہے اور آپ آنکھیں کھول کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ خواتین عبدالمطلب کے پاس گئیں اور انہیں بتایا کہ ہم نے آج تک ایسا بچہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ عبدالمطلب نے کہا مجھے کامل یقین ہے کہ یہ بچہّ کوئی بہت عظیم الشان ہستی ہے (ابن کثیر)۔

کتب تاریخ میں ہے کہ عبدالمطلب نے آپ کی ولادت پر یہ اشعار کہے تھے ؎

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعْطَانِیْ ‖ هٰذَا الْغُلَامَ الطَّیِّبَ الْاَرْدَانِ
قَدْ سَادَ فِی الْمَهْدِ عَلَی الْغِلْمَانِ ‖ اُعِیْذُهٗ بِاللّٰهِ ذِی الْاَرْکَانِ
حَتّٰی اَرَاهُ بَالِغَ الْبُنْیَانِ ‖ اُعِیْذُهٗ مِنْ شَرِّ ذِیْ شَنَآنِ
مِنْ حَاسِدٍ مُضْطَرِبِ الْعِنَانِ (طبقات ابن سعد)

کسی نے اِن اشعار کو ان لفظوں میں اُردو نظم کا لباس پہنایا ہے ؎

حمد اس خدا کی جو کہ ہُوا مجھ پہ مہرباں ‖ فرزند یہ دیا مجھے پاکیزہ جسم و جاں
سردار ہے جو بچوں کا جھولے کے درمیاں ‖ اور ہووے اس کو خالق قدوس کی اماں
جب تک یہ بولے باتیں کرے اور کھلے زباں ‖ پہنچا سکے ضرر نہ اسے شرِ دشمناں
محفوظ رکھے اس کو خداوند دو جہاں ‖ آزار دے سکے نہ اسے چشم حاسداں

### کیا آپؐ مختون پیدا ہوئے؟

عام طور پر مشہور ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ سیدالانام صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے۔ اس بارہ میں بعض روایتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ بیہقی اور ابن عساکر نے آپ کے عمّ محترم حضرت عباسؓ سے روایت کی کہ آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر ہمارے والد عبدالمطلب بہت محظوظ ہوئے اور عالم مسرت میں فرمایا کہ میرے اس فرزند کی بہت بلند شان ہوگی۔" لیکن حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس روایت کی صحت محل بحث ہے۔" آپ کے مختون پیدا ہونے کی نسبت ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی جاتی ہے جسے حاکمؒ ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے جو اعزاز و اکرام بخشا اور نوازشیں فرمائیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ میں مختون پیدا ہُوا۔" لیکن

یہ حدیث بھی پایۂ صحت سے گری ہوئی ہے بلکہ امام ابن جوزیؒ نے اس کو موضوعات یعنی بناوٹی حدیثوں میں شمار کیا ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث کی صحت پر اس لحاظ سے وثوق کیا ہے کہ یہ مختلف طُرق سے مروی ہے یہاں تک کہ بعض (حاکم) نے اس کو متواتر بتایا ہے لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان روایتوں میں نظر و تامل ہے (البدایہ والنہایہ) امام ذہبیؒ نے مختصر مستدرک اور میزان الاعتدال میں فرمایا ہے کہ مجھے تو اس روایت کی صحت کا بھی علم نہیں چہ جائیکہ متواتر ہو۔

چھٹی صدی کے ایک عالم کمال بن طلحہ نے ایک کتاب مدوّن کی تھی جس میں بہت سی بے سروپا روایتیں درج کر کے بزعم خود ثابت کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے لیکن حنفی مذہب کے ایک بڑے وحید العصر علامہ کمال بن عدیم حلبی نے اس کی تردید میں ایک تالیف مرتب کی جس میں دلائل قاطعہ سے ثابت کیا کہ کمال بن طلحہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونے کی جتنی روایتیں قلمبند کی ہیں، ان میں ایک بھی صحیح نہیں۔ علامہ کمال بن عدیم ۵۸۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ فقہ، حدیث، ادب اور تاریخ میں ان کی تصنیفیں ہیں (زرقانی)

اسی طرح علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ آپ کے مختون پیدا ہونے سے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اور اگر آپ مختون پیدا ہوتے تو بھی یہ آپ کے خواص میں سے نہ تھا کیونکہ بہت سے لوگ مختون پیدا ہوا کرتے ہیں۔” ابن قیم نے ایک شخص کے مختون پیدا ہونے کی روایت نقل کی ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ میرے احباب میں سے ابو عبداللہ محمد بن عثمان خلیلی محدث مقیم بیت المقدس بھی مختون پیدا ہوئے تھے (زاد المعاد)

الغرض صحیح یہی ہے کہ سیدالخلائق صلی اللہ علیہ وسلم غیر مختون پیدا ہوئے تھے۔ ایک ہفتہ کے بعد آپ کا ختنہ کرایا گیا جیسا کہ امام عبدالبر نے تمہید میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ عبدالمطلب نے پیدائش کے ساتویں دن آپ کا ختنہ کرایا اور قریش کی دعوت کی۔

ایک مقامی سیرت نگار نے لکھا ہے کہ آنحضرت اس لیے مختون پیدا ہوئے کہ کسی شخص کو آپ کے برہنہ دیکھنے کا موقع نہ ملے۔ اس کے علاوہ مختون پیدا ہوتے ہیں

زیادہ نظافت و طہارت ہے۔ اس لیے اکثر ارباب سیرت نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے جس میں آپ کا مختون پیدا ہونا مذکور ہے۔" لیکن راقم الحروف کے نزدیک یہ دعویٰ روایۃً و درایۃً کسی طرح صحیح نہیں۔ روایۃً اس لیے کہ امام ابن جوزی، امام ذہبی، علامہ ابن ندیم، علامہ ابن کثیر، علامہ ابن قیم جیسے ائمۂ فن نے اس سے متعلق کسی روایت کو صحیح تسلیم نہیں کیا، اور درایۃً اس لیے کہ ہمارے نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش سے لے کر تادم واپسیں زندگی کے تمام مرحلوں میں اُمت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لیکن اگر آپ مختون پیدا ہوتے تو پیروؤں کے لیے اس ایک جزئی میں آپ نمونہ نہ بن سکتے۔

## ابُولہَب کا لونڈی آزاد کرنا

قارئین کرام نے پڑھا ہوگا کہ مشہور عدوے رسالت ابُولہَب بن عبدالمطلب بھی سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چچا تھا۔ اس کو آپ کی ولادت کی اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اس نے اپنی وہ لونڈی جس نے آکر اسے یہ مژدہ سنایا تھا فی الفور آزاد کر دی۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب اس کی لونڈی ثُوَیبَہ نے آکر اس کو بتایا کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کے گھر خدا نے فرزند عطا فرمایا ہے، تو اس نے عالم مسرت میں لونڈی سے کہا کہ جا میں تجھے آزاد کرتا ہوں۔" مرنے کے بعد حضرت عباس ؓ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جہنم میں تمہارا کیا حال ہے؟ بولا میں نے ثُوَیبَہ کو جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کا مژدہ سن کر آزاد کیا تھا، اس کی وجہ سے دوشنبہ کے دن میرے عذاب میں تخفیف ہو جایا کرتی ہے (بخاری وغیرہ)

## اسرائیلی خاندان سے نبوّت نکلنے پر تأسف

گو بعض حق پسند یہودی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا سخت بے چینی سے انتظار کر رہے تھے تاہم اکثر ایسے تھے جنہیں اس بات کا سخت قلق تھا کہ نبوّت حضرت اسحاقؑ کے خاندان سے نکل کر ان کے بڑے بھائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گھرانے میں چلی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ہشام بن عُروہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی کہ ولادت نبوی کے وقت ایک یہودی مکہ معظمہ میں بغرض تجارت قیام پذیر تھا۔ جس رات آپ متولد ہوئے اس دن وہ قریش کی ایک مجلس میں جا کر

یک بیک دریافت کرنے لگا کہ اے گروہِ قریش! کیا آج رات تمہارے خاندان میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں تو کسی کی پیدائش کا علم نہیں۔ وہ کہنے لگا اللہ اکبر! تمہاری بے خبری کا یہ عالم ہے تو کوئی ہرج کی بات نہیں۔ لیکن میری ایک بات یاد رکھو کہ اس رات دنیا کی آخری اُمّت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان علامتِ نبوت موجود ہے۔" یہ سن کر اہلِ مجلس سخت حیرت زدہ ہوئے جب مجلس برخاست ہوئی تو ہر ایک نے اپنے اپنے گھر جا کر اس کے متعلق دریافت کیا اور اُسے بتایا گیا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔

جب یہودی کی اطلاع صحیح نکلی تو انہوں نے یہودی کو بلا بھیجا اور کہنے لگے کہ تمہارا بیان صحیح تھا۔ یہودی کہنے لگا کہ ذرا میرے ساتھ چلو تاکہ اس بچہ کو دیکھیں۔ یہ سب آمنہ خاتون کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ذرا اپنا بچہ تو دکھاؤ۔" انہوں نے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔ ان لوگوں نے پیٹھ کھول کر دیکھی تو مہرِ نبوت نظر آئی۔ وہ مہرِ نبوت دیکھ کر سخت عالمِ تأسف میں بولا افسوس! نبوت اسرائیل کے خاندان سے رخصت ہو گئی۔ اے گروہِ قریش! تمہیں اس ولادت پر خوش ہونا چاہیئے۔ واللہ! تم لوگوں کو اس مولود کے طفیل ایسی عظمت و سطوت نصیب ہو گی کہ جس کا شرق و غرب میں ہر جگہ شہرہ ہو گا (ابن کثیر)

### نبی آخرالزمان کے عرب میں پیدا ہونے پر حیرت

حضرت خاتم پیغمبران صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں مبعوث ہو کر اس کے عزّ و وقار کو ثریا سے ہم دوش کر دیا۔ مگر یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ نبی آخرالزمان خاکِ عرب سے ظہور فرما ہوں گے۔ ان لوگوں کے سوا جو کاہنوں یا مدینہ منورہ اور شام کے یہودیوں سے سن چکے تھے کہ نبی آخرالزمان کا مولد و منشأ مکہ ہو گا، عام خیال یہ تھا کہ جس طرح دوسرے سیکڑوں ہزاروں انبیاء علیہم السلام بنو اسرائیل میں مبعوث ہوئے اسی طرح دنیا کے آخری نجات دہندہ کی پیدائش کا فخر بھی آلِ اسرائیل ہی کے حصہ میں آئے گا یا کم از کم شام کے ملک میں یا دنیا کی کسی سربرآوردہ قوم میں ظاہر ہوں گے۔ عرب کی قوم نہ تو متمول تھی اور نہ علم و ہنر میں کوئی امتیازی درجہ رکھتی تھی اور دنیا کی دوسری قومیں عربوں کو عموماً نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں کیونکہ باہمی جنگ و جدال

اور غارت گری کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ مگر خالق قادر و توانا کی قوت قہرمان نے فخر رسل حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ لوگوں کو دکھا دیا۔ یہ بھی آنحضرتؐ کی نبوت کی ایک دلیل اور قدرت خدا کی ایک بڑی نشانی ہے۔

# فصل ۴۱۔ ایران کے مذہب اور سیاست پر ولادتِ سیّد الانبیاءؐ کے تاثّرات

عرب سے قریب ترین پُر جلال مملکت ایران کی تھی جس کی سیاسی عظمت عربی زندگی پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اہل ایران مذہبًا آگ کے پجاری تھے۔ اور دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس غرض سے تشریف لائے تھے کہ غیر اللہ کی عبادت کا جوا لوگوں کی گردن سے اتار دیں۔ پس ایران کو پیروِ حق بنانے کے لیے خدائے حکیم و قدیر کی حکمت نوازی اس امر کی متقضی ہوئی کہ ایران اسلامی عملداری میں داخل ہو اور وہاں توحید کا پرچم لہرائے چنانچہ اس کی علامتیں اسی رات سے ظاہر ہونے لگی تھیں جبکہ رب ذوالمنن نے سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مادی دنیا میں بھیج کر کائنات ارضی پر احسان فرمایا تھا۔

## قصر شاہی کے چودہ کنگروں کا گرنا

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شب میلاد نبوی میں کسریٰ نوشیروان کا قصر شاہی لرز گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ کسریٰ اس حادثہ سے لرزہ بر اندام ہوا اور اس نے عالم سراسیمگی میں اپنے ملک کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کو جسے مؤبد کہتے تھے بلا بھیجا۔ اسی طرح گھاٹیوں کے افسر، قاضی القضاۃ، سپہ سالار اور حکیم بزرجمہر وزیر اعلیٰ کو بھی طلب فرمایا اور ان سب کو ایوان شاہی کے لرزنے اور کنگروں کے گرنے کی اطلاع دی۔ رئیس القضاۃ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک اونٹ لشکر کو لایا ہے اور وہ لشکر دجلہ سے اتر کر تمام ایران میں پھیل گیا ہے۔"

## آتشکدوں کی آگ بجھنا

دربار شاہی میں یہی قضیہ زیر بحث تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ اس رات دار السلطنت (مدائن) کا صدر آتشکدہ جو ہزار سال سے کبھی نہ بجھا تھا ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ خبر سن کر نوشیروان اور اس کے اراکین سلطنت اور بھی سناٹے

میں آ گئے لیکن ان حوادث کی کوئی علت کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ اب اطراف واکنافِ ملک سے اس قسم کی متواتر خبریں آنے لگیں کہ ایران میں جس قدر اور جہاں کہیں آتش کدے تھے ان کی آگ سرد ہو گئی تھی۔ ایک خبر یہ آئی کہ دجلہ کا پانی کٹ کر بلاد میں پھیل گیا ہے اور بحیرۂ ساوہ کا سارا پانی خشک ہو گیا ہے۔ ان خبروں سے دارالسلطنت کے آتش پرستوں میں کھلبلی مچ گئی اور ہر طرف انہی واقعات کے چرچے ہونے لگے۔

## عبدالمسیح نوشیروان کے دربار میں

کسریٰ نے از سرِ نو دینِ مجوس کے تمام علماء، دانش پژوہ حکماء اور اعیانِ سلطنت کو جمع کیا۔ موبدِ موبدان نے کہا میری رائے میں رئیس القضاۃ کا خواب اور یہ تمام واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عرب میں کوئی بہت بڑا حادثہ رونما ہوگا جس سے ایران بھی لامحالہ متاثر ہوگا۔ کسریٰ نے ملکِ عرب میں سے ایک مسیحی فرمانروا نعمان بن مُنذِر کو کسی ایسے شخص کے بھیجنے کو لکھ بھیجا جو اس کی عملداری میں سب سے زیادہ ذی علم اور صاحبِ بصیرت و فراست ہو۔ نعمان نے کسریٰ کے پاس عبدالمسیح بن عمرو غسانی اپنے رئیسِ مذہب کو بھیج دیا۔ جب عبدالمسیح کسریٰ نوشیروان کے پاس پہنچا تو کسریٰ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ کوئی شخص سوال ظاہر کیے بغیر اس کا جواب دے دے۔ عبدالمسیح نے کہا کہ یہ تو وہ علم ہے جسے میرے ماموں سطیح کے سوا جو شام رہتا ہے کوئی نہیں جانتا۔ نوشیروان نے کہا بہتر ہے کہ تم اس کے پاس جا کر میرے سوال کا جواب لاؤ“

## سطیح حالتِ نزع میں

عبدالمسیح وہاں سے چل کر سطیح کے پاس آیا۔ وہ اس وقت حالتِ نزع اور سکراتِ موت میں گرفتار تھا۔ عبدالمسیح نے اس کو سلام کیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ عبدالمسیح نے بآوازِ بلند کہا ماموں! کچھ سُن اور سمجھ سکتے ہو؟ سطیح نے آنکھیں کھول دیں اور کہنے لگا کہ عبدالمسیح اونٹ پر سوار ہو کر اپنے ماموں کے پاس ایسے وقت میں آیا ہے جبکہ وہ قریب المرگ ہے۔ خواہرزادے! تجھے دمِ واپسیں میں بتا دوں کہ تجھے بادشاہ بنو ساسان نے اس غرض سے یہاں بھیجا ہے کہ اس کا ایوان لرز گیا ہے اور آتش پرستوں کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں اور موبدوں کے سردار نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بارکش اونٹ لشکر لے کر آیا ہے۔ یہ لشکر دجلہ سے اُتر کر تمام ایران پر چھا گیا ہے۔ دجلہ کا پانی کٹ گیا ہے اور بحیرہ ساوا کا پانی خشک ہو گیا ہے۔

## سطیح کا وداعی پیغام

اس کے بعد سطیح نے کہا اے عبدالمسیح اب تجھے معلوم ہو کہ اب وہ

وقت آگیا ہے کہ فخر بنی آدم مبعوث ہو اور بحیرہ ساوا خشک ہو جائے۔ کسریٰ سے جا کر کہہ دو کہ اب ایران آتش پرستوں کا ایران اور شام سطیح کا شام نہ رہے گا۔ عنقریب ایران میں چودہ بادشاہ حکومت کریں گے۔ ان کے بعد جو آنے والا ہے وہ آجائے گا۔" ان الفاظ کے ساتھ سطیح کی روح نے اس کے تن سے مفارقت اختیار کی۔

عبدالمسیح شام سے روانہ ہو کر کسریٰ کے پاس پہنچا اور سطیح کی گفتگو اس کے گوش زد کی۔ نوشیروان یہ سن کر مطمئن ہوا کہ جب تک ہمارے چودہ بادشاہ فرمانروائی کریں گے، اس وقت تک دنیا سیکڑوں ہزاروں تغیرات و انقلابات سے روشناس ہو چکی ہوگی۔ اس لیے ابھی سے اس کدوکاوش میں پڑنا بے سود ہے۔"

**۱۴ تاجداروں کی فرمانروائی کا عہد عثمانی تک منقرض ہو جانا**

لیکن ان چودہ تاجداروں کی سلطنت نہایت قلیل عرصہ میں ختم ہو گئی۔ چنانچہ دس بادشاہوں کی فرمانروائی تو چار سال میں اختتام پذیر ہو گئی اور باقی چار کسراؤں کا دورِ حکومت بھی امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک منقضی ہو گیا۔ ان کے آخری بادشاہ کا نام یزدجرد (بن شہریار بن پرویز بن ہرمز بن نوشیروان) تھا۔ نوشیروان کے اسلاف تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال سے بادشاہی کرتے آرہے تھے۔ اس شاہی خاندان کا پہلا فرمانروا کیومرث (بن امیم بن لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام) تھا (تاریخ ابن کثیر و حیات الحیوان دمیری)

# فصل ۴۲۔ حسن و جمالِ احمدی

خدا کے پیامبر جسمانی قویٰ، حسن و جمال، ظاہری و باطنی حواس، عقل و ذکا، اور تمام دوسرے صفات کمالیہ میں اپنے تمام اقران و اماثل میں ممتاز ہوتے تھے خصوصاً حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو ہر خوبی اور ہر صفت میں منتہائے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

**تابانیٔ حسن**

حضرت آمنہ طاہرہ کے بطن مبارک سے جو مولودِ مسعود عرصۂ ہستی میں جلوہ نما تھا، اس کا رُخ ستودہ نامتناہی انوار کا مظہر تھا چنانچہ ایک صحابی سے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کی نسبت دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کا چہرہ انور گویا چودھویں رات کا چاند تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو ایسا حسین و جمیل نہیں پایا۔ حسب روایت امام

احمد، ابن سعد، ابن حبان، ابو ہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر اور خوش تر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ آپ کا چہرۂ زیبا ایسا روشن و تاباں تھا کہ گویا اس پر آفتاب چل رہا ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو یہ گمان کرتے کہ گویا آفتاب طلوع کر رہا ہے۔

## حسن یوسف

مسلم نے ابو ہریرہ رضؓ سے روایت کی کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج تیسرے آسمان میں یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی اور دیکھا کہ انہیں حُسن کا ایک (بڑا) حصہ عطا کیا گیا ہے اور بیہقی اور طبرانی کی روایت میں آپ نے یوسف علیہ السلام کی نسبت فرمایا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو حسن میں خلق خدا پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو شبِ چہاردہم کے چاند کو باقی کواکب پر ہے"۔

لیکن احتمال ہے کہ خود آپ اس حدیث کے عموم سے مستثنیٰ ہوں۔ اس استثناء کا قرینہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے جسے ترمذیؒ نے بدیں الفاظ روایت کیا کہ خالق کردگار نے کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں فرمایا جو خوش جمال و خوش آواز نہ ہو اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ خوش آواز تھے۔

## حسن یوسفؑ اور جمال احمدیؐ کا تقابل

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا انا املح واخی یوسف اصبح (میں ملیح ہوں اور بھائی یوسفؑ صبیح تھے) ملاحت نمکینی کو کہتے ہیں۔ ملاحت اس رنگت کا نام ہے جو طبائع کو مرغوب اور دیکھنے میں خوشگوار اور جاذبِ قلوب ہو اور صباحت اُس خوب روئی کو کہتے ہیں جس میں رنگت کی سپیدی زیادہ تیز ہو۔ اسی سے صباحت میں جو یوسف علیہ السلام کی صفت تھی اور ملاحت میں جو سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت ہے فرق کرتے ہیں۔ گو آفتاب میں روشنی اور درخشندگی زیادہ ہے لیکن ماہتاب میں ملاحت کی جو صفت ہے، وہ آفتاب میں نہیں پائی جاتی۔

## چاند سے مشابہت

شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جمال محمدیؐ کو آفتاب کی بجائے چاند سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ چاند آنکھوں کو اپنے نور سے منور کرتا ہے اور دل اس کے مشاہدہ سے اُنس پکڑتا اور لذّت گیر ہوتا ہے۔ بخلاف آفتاب کے کہ نظر کو خیرہ کرتا ہے اور دل کو کوئی ذوق و حلاوت نہیں بخشتا۔ ہاں اگر آپ کی ذاتِ عظیم الصفات کو سطوت و جلال اور نور بخشی میں آفتاب کے ساتھ تشبیہ دیں تو بیجا نہیں کیونکہ آپ کے فضل و کمال

کے مطالعہ سے بھی نظر عقول خیرہ ہوتی تھی لیکن مشاہدہ حسی میں چاند کے ساتھ تشبیہ دینا اقرب الی الصواب ہے۔"

مگر یاد رہے کہ آپ کو چاند کے ساتھ تشبیہ دینا بھی ظن و قیاس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ؂

نسبتِ رویت اگر با ماہ و پرویں کردہ اند　　صورتِ نادیدہ تشبیہے بتخمیں کردہ اند

### حسنِ مستور

جمالِ احمدی کی نسبت قرطبی نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال کما حقہٗ لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا کیونکہ وہ بتمام و کمال ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں اس رؤیت کی تاب نہ لا سکتیں۔ اسی معنیٰ میں امام ابو عبداللہ شرف الدین محمد بوصیریؒ فرماتے ہیں:۔

اعیَ الوریٰ فہم معناہ فلیس یریٰ　　للقُرب والبُعد فیہا غیر منفحم

(آنحضرتؐ کے کمالات دریافت کرنے میں ساری مخلوق عاجز رہ گئی پس قُرب اور بُعد میں اپنے عجز فہم کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا) یعنی آپ کے صفات جمیلہ کے بیان سے دنیا بھر کے عقلاء عاجز اور مجبور ہو کر خاموش ہو گئے کیونکہ آپ کے اوصاف کی مدح و توصیف کا بیان دائرۂ امکان سے خارج ہے۔ آگے اس کی تمثیل دیتے ہیں ؂

کالشمس تظھر للعینین من بُعُدٍ　　صغیرۃً و تُکِلّ الطرف من اَمَمٖ

(جیسے آفتاب کہ آنکھوں کو دور سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور دیکھو تو آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں)۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات کی نسبت جو تشبیہیں دی گئی ہیں، وہ عرف و عادت کے مطابق شعر کی روش پر ہیں، ورنہ مکونات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو سید الانبیاء و الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقی اور خُلقی صفات کی مماثل ہو سکے۔

### جسمِ اطہر اور عرقِ عنبریں

اس کمال حسن اور منتہائے خوبی و لطافت کے ساتھ ہی خلقی اور فطری طور پر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک اس درجہ خوشبو تھا کہ کسی نکہت اور کسی عطر اور کسی عنبر اور کسی عبیر کو اس کی دل آویزی کا مماثل اور ہم پایہ نہیں قرار دیا جا سکتا چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کوئی خوشبو خورشیدِ عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی خوشبو کی ایسی اور کوئی نکہت آپ کے پسینہ کی نکہت کے برابر نہیں دیکھی (بخاری)

انہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ موسم گرما میں آپ استراحت فرما تھے اور آپ کی جبین مبارک عرق آلود تھی۔ یہ دیکھ کر میری والدہ اُم سُلیمؓ نے آہستگی سے آپ کا پسینہ اتار کر شیشی میں ڈال لیا۔ یہ عرق اعلیٰ سے اعلیٰ عطروں سے بھی زیادہ خوشبو تھا اور ابو یعلیٰ اور طبرانی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ ایک نادار خاتون اپنی لڑکی کی تقریبِ شادی میں آستانِ مبارک میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئی یا رسول اللہ! میری لڑکی کی شادی ہے۔ عطر خریدنے کے لیے میری کچھ امداد فرمایئے"۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا جو اُس کو دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کوئی شیشی لاؤ۔ وہ شیشی لے آئی۔ آپ نے اپنا پسینہ اتار کر اس کو دے دیا اور فرمایا کہ اپنی بچی سے کہو کہ اس عرق کو عطر کی جگہ استعمال کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لڑکی کے کپڑوں کی عطر بیزی کا یہ عالم تھا کہ سارا محلہ معطر ہو گیا اور شہر بھر میں اس خوشبو کا اتنا چرچا ہوا کہ وہ مکان دار المطیبین (عطر والوں کا گھر) کے نام سے مشہور ہو گیا (فتح الباری)

# فصل ۴۳ - اسمائے مبارکہ

**مبشرِ غیبی کی طرف سے محمدؐ نام رکھنے کی ہدایت**

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب سیدہ آمنہ حاملہ تھیں تو کسی نے خاب میں کہا کہ تم اس اُمت کے سردار اور نبی سے حاملہ ہو۔ اس مولود مسعود کا نام محمدؐ رکھنا۔ اس کا نام توراۃ و انجیل میں احمدؐ ہے۔ ولادت کے بعد محترمہ آمنہ خاتون نے عبد المطلب کو بتایا کہ کسی مبشرِ غیبی نے محمد نام رکھنے کا حکم دیا تھا چنانچہ انہوں نے اس خواب کی بناء پر آپ کا اسم گرامی محمد ہی تجویز کیا۔ ساتویں دن عبد المطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اعیان قریش کو مدعو کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر عمائد قریش پوچھنے لگے کہ تم نے فرزند کا کیا نام تجویز کیا ہے؟ کہا محمدؐ۔ بولے اپنے خاندانی ناموں میں سے کوئی نام رکھا ہوتا۔ کہنے لگے اس تسمیہ میں میری یہ آرزو مخفی ہے کہ رب العالمین آسمان پر اور اس کی مخلوق زمین پر اس کی تعریف کرے۔ چنانچہ اہلِ لغت کا بیان ہے کہ محمد وہی شخص ہو سکتا ہے جو تمام صفات خیر کا جامع ہو (تاریخ ابن کثیر)

جناب عبد المطلب نے محمدؐ نام رکھنے کا جو یہ مقصد بتایا کہ خدائے ذوالعرش آسمان

پر اور اس کی مخلوق بسیطِ زمین پر اس کی تعریف کرے، اس اذعان کا مبنیٰ ان کا ایک خواب تھا جو گزشتہ صفحات پر حوالۂ قرطاس ہو چکا ہے۔ بعض علماء نے محترمہ آمنہ کے خواب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ لکھا ہے کہ خدائے حکیم و برتر نے آپ کے خصائل حمیدہ اور صفات پسندیدہ کے پیشِ نظر دلوں میں القا کر دیا تھا کہ آپ کا نام محمدؐ رکھیں تاکہ اسم اور مسمّٰی میں صورت اور معنی کے لحاظ سے مطابقت ہو جائے چنانچہ امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں روایت کی ہے کہ ابو طالب کہا کرتے تھے ؎

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدٗ

(حق تعالیٰ نے آپ کی تکریم و تشریف کی غرض سے آپ کا اسم مبارک اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو صاحب عرش محمود ہے اور آپ محمد ہیں)۔

**لفظ محمدؐ کا اشتقاق**

لفظ محمد کا اشتقاق بصیغۂ اسم مفعول لفظ حمد سے مُفَعَّل کے وزن پر ہوا ہے۔ حمد کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے محمُود کی ثنا اور اجلال و تعظیم کا اظہار ہو، چونکہ یہ وزن تکثیر کے لیے وضع کیا گیا ہے اس لیے اگر اس سے اسم فاعل بنایا جائے گا تو اس سے فعل کا صدور پے در پے اور بکثرت ظاہر ہونا ضرور ہے اور اگر اسم مفعول بنایا جائے تو خود اس پر وقوعِ فعل بتواتر ثابت ہونا لازمی ہے۔ پس اسم محمد کا مسمّٰی اس امر کا مستحق ہے کہ اس پر حمد کرنے والوں کی حمد بکثرت و پے در پے واقع ہو (جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام)

چونکہ عرب میں یہ خبر تواتر کے ساتھ مشہور تھی کہ محمد نام کے ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پیشتر بہت لوگ مختلف اوقات میں اپنی اولاد ذکور کو بطمع حصولِ نبوت اس نام سے موسوم کرتے رہے چنانچہ مغلطائیؒ نے اپنی سیرت میں ایسے چودہ اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کا نام محمد کہا گیا تھا۔ ان میں مدینہ منورہ کے ایک صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں۔

**محمدؐ اور محمودؐ**

محمدؐ اور محمُودؐ مترادف الفاظ ہیں۔ آپ دنیا میں محمُود تھے کیونکہ لوگوں نے آپ کی ذات سے ہدایت پائی اور آپ کے علم اور حکمت سے نفع اٹھایا۔ اس بنا پر آپ کی تعریف و توصیف کا شہرہ اقصائے عالم تک پہنچا۔ اور جس طرح دنیا میں

آپ کی تعریف کی جاتی ہے اسی طرح جب آپ دار آخرت میں اپنے رب جلیل کی حمد کر کے شفاعت فرمائیں گے تو تمام جن و انس آپ کی حمد و ستائش کریں گے اور آپ محمودؐ اور ستودۂ خلق ہوں گے۔ مزید براں آپ سورۃ الحمد، لواے حمد اور مقام محمودؐ کے ساتھ مخصوص کیے گئے اور آپ پر اکل و شرب، دعا اور قدوم سفر کے بعد حمد کرنا مشروع ہوا (فتح الباری)

### محمدؐ اور احمدؐ میں فرق

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کثیر التعداد اسماء مبارکہ میں محمدؐ اور احمدؐ دو نام زیادہ مشہور ہیں اور ان دو میں آپ کے اسم گرامی محمد ﷺ کو عالمگیر شہرت حاصل ہے چنانچہ قرآن پاک کے متعدد مقامات پر آپ کا یہی نام مذکور ہے۔ اور احمد قرآن پاک میں صرف ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی حکایت کے طور پر آیا ہے۔ محمد، محمود اور احمد تینوں صفاتی نام ہیں۔ محمد وہ ہے جس کی بار بار حمد کی جائے یا وہ جس میں خصائل محمودہ کامل طور پر مجتمع ہوں اور احمد کے معنی احمد الحامدین یعنی حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والا ہے اس تسمیہ کی وجہ حدیث صحیح میں یہ مذکور ہے کہ قیامت کے دن آپ پر مقام محمودؐ میں محامد کے ایسے دروازے کھولے جائیں گے کہ آپ سے پیشتر کبھی کسی پر نہ کھلے ہوں گے اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ دوسرے انبیاء حماد ہیں اور آپ احمد یعنی سب سے زیادہ حمد کرنے والے یا صفتِ حمد میں سب سے اعظم ہیں۔

قاضی عیاض مالکی رقم فرما ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود میں آنے اور محمدؐ ہونے سے پہلے ہی احمد تھے کیونکہ آپ کا یہ اسم گرامی کتب سابقہ میں مذکور تھا چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کو اسی نام سے یاد کیا اور رب قدیر عظم شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ یہ احمد رسول کی امت ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے درخواست کی تھی کہ مجھے امت احمدی میں داخل فرما۔ پس آپ محمد کہلانے سے بہت پہلے احمد تھے (الروض الانف، فتح الباری) موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے بارگاہ رب العزت میں گزارش کی تھی کہ اے اللہ العالمین! میں ایک اُمت کو بہت بڑے درجات سے مشرف دیکھتا ہوں۔ الٰہی! میری اُمت کو وہی امت بنا دے ارشاد ہوا کہ وہ اُمت جس کی شان و شوکت کا تم نے مشاہدہ کیا وہ احمد رسول کی اُمت ہے تمہاری امت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے مکرر التماس کی کہ اگر وہ اُمت میری اُمت

نہیں ہو سکتی تو مجھے ہی احمدؐ رسول کی امت میں داخل فرما دے"۔ (جلاء الافہام)

**کنیت** آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ یہ کنیت محض قاسم نام کے فرزند گرامی کی نسبت پر جو قبل از بعثت دنیا سے منہ موڑ کر عازم فردوس ہو گئے تھے، مبنی نہ تھی، بلکہ اس اعتبار سے بھی آپ کے شایانِ شان تھی کہ آپ اپنی ۲۳ سالہ مدت رسالت میں برابر شب و روز نعیم ہدایت اور خزائن سعادت تقسیم فرماتے رہے۔ اس روحانی ضیار گستری کے علاوہ آپ مالی اعتبار سے بھی بدرجۂ اتم قاسم الخیر تھے۔ اسی معنی میں آپ نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ (میں تقسیم کنندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے اس حدیث کو امام بخاری نے خمس میں اور مسلمؒ نے زکوٰۃ کے باب میں درج کیا ہے۔ اور بخاری کی دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ نہ میں تم کو عطا کرتا ہوں اور نہ کسی سے دریغ رکھتا ہوں۔ میں تو تقسیم کنندہ ہوں۔ جہاں حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتا ہوں اور ابوداؤد کی روایت میں آپ نے فرمایا کہ میں نہ تو کوئی چیز اپنی طرف سے دیتا ہوں اور نہ اپنی مرضی سے روکتا ہوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا خزانچی ہوں جہاں حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتا ہوں (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۳۴)

# فصل ۴۴ - شیر خوارگی

**رسول اللہ کی پہلی انّا** ابتداء میں ایک ہفتہ تک خود سیدہ آمنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلاتی رہیں۔ اس کے بعد ثُوَیبہ نے جنہیں چند روز پیشتر آپ کے تولد کی خوشی میں آزاد کیا گیا تھا رضاعت کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ ثُوَیبہ کا دودھ ان کے لڑکے مسروح کا تھا۔ ابن سعد، ابن کثیر اور ابن سیدالناس کا بیان ہے کہ ثُوَیبہ اس سے پیشتر حضرت حمزہ اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما کو بھی دودھ پلا چکی تھیں لیکن سُہیلی نے ابوسلمہ کے بجائے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے جو حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ابن سیدالناس نے عیون الاثر میں لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت حمزہؓ آپ سے عمر میں دو یا چار سال (علیٰ اختلاف الروایات) بڑے تھے۔

ان ابتدائی ایام میں آپ کی لونڈی برکت جو آپ کو والد محترم کی میراث میں پہنچی تھیں آپ کی پرورش اور خدمت گزاری کرتی رہیں۔ وہی آپ کو دن بھر گود میں رکھتی یا اُٹھائے پھرتی تھیں۔ برکت کی کنیت ام ایمن تھی۔ یہ وہی ام ایمن ہیں جو انجام کار آپ کے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حبالۂ نکاح میں آئی تھیں اور ان سے حضرت اسامہ متولد ہوئے تھے۔

### قبیلۂ بنو سعد میں حضانت و رضاعت

ان ایام میں طائف کے قرب و جوار میں قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن بود و باش رکھتا تھا۔ اس قبیلہ کی بعض عورتوں کا معمول تھا کہ ایک خاص موسم میں مکہ معظمہ آ کر قریش کے شیر خوار بچوں کو لے جاتیں اور دو سال کی مدت رضاعت پوری کر کے واپس پہنچا جاتیں اور رضیع کے والدین سے حسب توفیق انعام و اکرام حاصل کرتیں۔ قریش اور دوسرے اشراف عرب اس خیال سے اپنے بچے ان کے حوالے کر دیتے تھے کہ دیہات کی معتدل ہوا اور خوشگوار فضا میں رہ کر وہ افصح اللسان اور تندرست و توانا ہو جائیں گے۔ حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم مکی اور قرشی تھے اور اہل مکہ کی زبان عموماً اور قریش کی خصوصاً بڑی شستہ اور فصیح و بلیغ تھی لیکن جب خدائے حکیم و عزیز کو منظور ہوا کہ حضرت فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے بے مثل فضائل و کمالات کے ساتھ فصاحت زبان میں بھی وحید العصر ہوں تو قریش میں پیدا کرنے کے بعد قبیلۂ بنو سعد میں جن کی فصاحت لسانی عرب بھر میں مسلم تھی آپ کی تربیت اور نشو و نما کا سامان کر دیا۔

اس ماحول میں پرورش پاتے اور ہوش سنبھالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ تمام فصحائے عرب سے زیادہ فصیح الکلام تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گزارش کی یا رسول اللہ! میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا تو آپ نے فرمایا تھا کہ کیوں نہ ہو۔ ایک تو میں خود قریش میں سے ہوں۔ دوسرے میری رضاعت و تربیت قبیلۂ بنو سعد میں ہوئی تھی۔ (سُہیلی و ابن سعد)

جس سال حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدوم سے اس عالم ظلمانی کو منور فرمایا اس سال دس عورتیں مکہ معظمہ آئیں جن میں حلیمہ بنت ابوذویب عبداللہ بن حارث بھی داخل تھیں۔ اس وقت حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ثویبہ کا دودھ پی

رہے تھے۔

دودھ پلانے کی اُجرت اکثر زنانِ عرب کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی چنانچہ یہ ضرب المثل مشہور تھی کہ عورت فاقہ قبول کرلے گی مگر اپنے پستان کی کمائی نہ کھائیگی لیکن بعض عورتیں اس کو معیوب نہیں سمجھتی تھیں۔ چونکہ اس سال قبیلہ بنو سعد میں خشک سالی کے باعث سخت قحط پڑا ہوا تھا اس لیے اس مرتبہ بعض ایسی خواتین بھی رضاعت کے لیے بچے لے جانے پر مائل ہوگئیں جو اس سے پیشتر اس فعل کو معیوب سمجھتی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ بھی انہی میں داخل تھیں۔

## یتیم کی کفالت سے اناؤں کا انکار

محترمہ حلیمہ کا بیان ہے کہ جب میں مکہ آئی تو اس وقت انتہائی ناداری اور تنگ دستی کی وجہ سے میری چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا اس وجہ سے میرا شیر خوار بچہ بھی بھوک کے مارے بلکتا رہتا تھا یہاں تک کہ ہم اس کے نالہ و شیون سے ساری رات آنکھوں میں کاٹتے تھے اور ہماری اونٹنی کے بھی اتنا دودھ نہ تھا کہ اسی سے اپنے بچہ کا پیٹ بھرتی۔ تاہم دوسری عورتوں کی دیکھا دیکھی میں نے بھی ان کے ہمراہ اس امید پر مکہ آنے کا قصد کیا کہ تنگی ترشی سے کسی طرح گزارہ ہوتا ہی رہے گا۔ اس سفر میں میرا شوہر بھی میرے ہمراہ تھا۔ ہماری اونٹنی اس قدر دُبلی اور کمزور ہو رہی تھی کہ مکہ تک بمشکل پہنچ سکی۔ دوسری عورتوں نے بڑی پھرتی سے شہر میں پھر پھرا کر بچوں کو حاصل کر لیا۔ صرف ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رہ گئے۔ اگر آپ کے والد زندہ ہوتے تو انہیں ان کی طرف سے بھی صلہ و انعام کی امید ہوتی مگر چونکہ آپ یتیم تھے کسی مُرضعہ نے آپ کو قبول نہ کیا۔ جونہی کسی کو معلوم ہوتا کہ یہ بچہ یتیم ہے کوفتا چھوڑ کر چل دیتی۔ جب میں نے دیکھا کہ ایک یتیم کے سوا اب کوئی لڑکا نہیں رہا تو اپنے فرودگاہ پر آکر اپنے شوہر سے کہا مجھے یہ بات گوارا نہیں کہ مکہ سے خالی ہاتھ مراجعت کروں میں جا کر اسی یتیم کو لے لیتی ہوں۔ کیا عجب ہے کہ خدائے قدیر اس بیکس کی برکت سے ہمیں خوشحالی نصیب کرے۔ میرے شوہر نے میری رائے کی تائید کی (ابن ہشام، ابن کثیر)

## تکفل یتیم پر حلیمہ کی آمادگی

حلیمہ کا بیان ہے کہ میں سیدہ آمنہ کے پاس پہنچی اور کہا میں آپ کے فرزند کو لے جاتی ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں لے جاؤ۔ اس وقت آپ سو رہے تھے۔ میں نے ازراہِ شفقت بیدار نہ کیا لیکن میں

جمال مبارک کو دیکھ کر آپ کی فریفتہ ہوگئی۔ میں نے اپنا ہاتھ سینۂ مبارک پر رکھ دیا۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے آنکھیں کھول دیں جن سے ایک نور برآمد ہوا جو آسمان تک جا رہا تھا۔ میں نے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اٹھا کر شاداں و فرحاں فرودگاہ پر پہنچی۔ میرا شوہر بھی آپ کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر آپ کا شیدائی ہوگیا۔ (مواہب لدنیہ و مدارج النبوۃ)

الغرض محترمہ حلیمہ سعدیہ وہ خوش نصیب خاتون تھیں جنہیں رب العالمین نے اپنے حبیب کی سعادت ارضاع سے نوازا اور مفتخر فرمایا۔ وہ اپنے نام اور نسبت کی طرح حلم و وقار اور سعادت و فلاح کی بھی بدرجۂ اتم سرمایہ دار تھیں۔ سہیلی لکھتے ہیں کہ حلیمہ قبیلۂ بنو سعد میں عالی حوصلہ اور صاحب کرم مانی جاتی تھیں۔ ان کی بلندیٔ فطرت کا ایک بدیہی ثبوت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اپنے رسول کی رضاعت کے لیے اسی طرح ممتاز فرمایا جس طرح آپ کی پیدائش کے لیے شریف ترین اصلاب اور پاکیزہ ترین ارحام کو منتخب فرمایا تھا اور دودھ پلانا بھی نسب ہی کا حکم رکھتا ہے کیونکہ یہ طبائع میں تبدیلی پیدا کرنے کا موجب ہے چنانچہ [illegible] میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اپنے بچوں کو احمق عورتوں کا دودھ نہ پلاؤ کیونکہ مرضعہ کا دودھ اثر انداز ہوتا ہے۔" اور یہ جو حلیمہ رضاعت کے لیے کوئی بچہ حاصل کرنے آئیں تو یہ ان کی انتہائی مفلوک الحالی اور اضطرار کا نتیجہ تھا (الروض الانف)

### حلیمہ اور اس کی اونٹنی میں فراوانیٔ شیر کی برکت

حلیمہ کا بیان ہے کہ جب میں آپ کو اپنی فرودگاہ پر لائی اور گود میں لے کر دودھ پلانے بیٹھی تو میرے پستان مثا دودھ سے لبریز ہوگئے اور اس قدر دودھ اترا کہ آپ نے اور آپ کے رضاعی بھائی نے خوب سیر ہو کر پیا اور آسودہ ہو کر سو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ کی برکت سے اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب شکم سیر ہو کر پیا اور رات بڑے آرام سے گزاری۔ صبح کو میرا شوہر کہنے لگا حلیمہ! واللہ! میں دیکھتا ہوں کہ تم تو کہیں سے سراپا برکت اور مجسمۂ بشارت بچہ لے آئی ہو کیا تم نہیں دیکھتیں کہ جس وقت سے یہ مولود مسعود آیا ہے ہماری تنگی اور مفلوک الحالی یک لخت فرحت اور خوش عیشی سے بدل گئی ہے۔ حلیمہ نے کہا واقعی اللہ تعالیٰ نے ہمارے

لیے کوئی فرشتہ رحمت بھیج دیا ہے۔

## ناقہ خستہ پا کی برق رفتاری

حلیمہ کہتی ہیں کہ صبح کو ہم نے واپسی کا قصد کیا۔ جب میں اونٹنی پر سوار ہوئی اور آپ کو گود میں لیا تو اونٹنی کو اس قدر تیز رَو پایا کہ تمام قافلے سے آگے آگے جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر میری ہمراہ عورتیں کہنے لگیں حلیمہ! یہ کیا بات ہے؟ پہلے تو تمہاری اونٹنی بمشکل چل سکتی تھی اور سب سے پیچھے رہ رہ جاتی تھی مگر اب تو یہ سب کی پیش رَو بلکہ برق رفتار ہے (سیرت ابن ہشام، تاریخ ابن خلدون) لیکن شاید ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ سب اسی طفل شیر خوار کی برکت تھی جس کو یتیم پا کر ان میں سے کوئی بھی اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تھی اور سب چھوڑ کر بھاگ آئی تھیں۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم نے گھر پہنچ کر آپ کی حضانت و پرورش پر خاص توجہ مرکوز کی۔ آپ کا معمول تھا کہ صرف ایک پستان کا دودھ پیتے تھے اور اگر میں دوسرا پستان آپ کے سامنے کرتی تو اس سے تو منھ موڑ لیتے۔ گویا زبانِ حال سے یہ جتلاتے تھے کہ اس دودھ میں میرا بھائی بھی برابر کا شریک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی فطرت میں عدل وانصاف ودیعت تھا اور جذبۂ مشارکت آپ کی جبلت میں بھری تھی (الروض الانف)

حلیمہ کا بیان ہے کہ بچوں کی عادت کے خلاف آپ نے کپڑوں میں کبھی پاخانہ پیشاب نہ کیا۔ ہمیشہ معین وقت پر بول وبراز کرتے۔ اگر کبھی برہنہ ہوتے تو رونے لگتے۔ میں جھٹ آپ کو ڈھک دیتی اور اگر میری طرف سے ستر پوشی میں تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی ہاتھ آکر آپ کی برہنگی کو ڈھانپ دیتا۔ جب آپ پیروں چلنے لگے تو لڑکوں کو کھیلتے دیکھ کر اُن سے دور رہتے اور بعض کتابوں میں جو لکھا ہے کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے حسب بیان شیخ عبد الحق یہ محض غلط ہے۔ ہاں اگر اس سے لڑکوں کے پاس جاکر کھڑے ہو جانا مراد لیا جائے تو ممکن ہے (مدارج)

آپ کا رضاعی بھائی عبد اللہ بن حارث کے نام سے موسوم تھا۔ آپ کی دو رضاعی بہنیں انیسہ بنت حارث اور جُدامہ بنت حارث تھیں۔ مؤخر الذکر جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں غزوۂ حنین میں لشکر اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھیں اور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ ان کے وطن کو رخصت کیا تھا۔

## بکریوں پر خیر و برکت کا اثر

آپ کے میامن وبرکات کے سلسلہ میں حضرت حلیمہ نے یہ بھی فرمایا کہ باوجودیکہ خشک سالی کی وجہ سے جنگل میں گھاس کا کہیں

نام ونشان نہ تھا تاہم آپ کی برکت قدوم سے ہماری بکریاں جنگل سے پیٹ بھر کر آتی تھیں اور خوب دودھ دیتی تھیں حالانکہ دوسروں کے جانور جنگل سے بھوکے آتے اور دودھ دینے سے عاری تھے۔ میری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم بھی اپنی بکریاں وہیں لے جایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرنے جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ بارہا اپنی اپنی بکریاں اسی جنگل میں لے گئے جہاں سے ہمارا ریوڑ خوب سیر ہو کر آتا تھا لیکن خشک سالی کے باعث ان کے جانور وہاں سے بھی بھوکے واپس آتے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حلیمہ نے اپنے قبیلہ کی عورتوں سے بیان کیا کہ اس بچہ کے فیوض و برکات سے ہم اس درجہ بہرہ مند ہوئے اور ہو رہے ہیں کہ بیان سے باہر ہے۔ سب سے بڑھ کر راحت بخش یہ میمنت ہمارے شامل حال ہے کہ میں اپنے فرزند عبداللہ کی رضاعت سے بھی قاصر تھی۔ دودھ نہ اترنے کی وجہ سے وہ بھوک کے مارے روتے روتے بدحال ہو جاتا تھا اور اس نے ہمارے لیے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی تھی اور گرسنگی اور پریشان حالی کے مارے ہماری ساری رات آنکھوں میں کٹتی تھی لیکن اب یہ دونوں بھائی خوب شکم سیر ہو کر سوتے ہیں اور میری چھاتیوں میں دودھ کی اتنی افراط ہے کہ اگر کوئی تیسرا بچہ ہو تو وہ بھی خوب آسودہ ہوا کرے۔" (ابن سعد) جب حلیمہ کے ان بیانات کا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کے فیوض و برکات کا چرچا ہوا تو بہت سی عورتوں کے نہاں خانۂ دل میں حلیمہ اور ان کے گھر والوں کا حسد موجزن ہوا (ابن سعد)

## حلیمہ کو آپ کی دوبارہ حوالگی

جب دو سال کا زمانۂ رضاعت پورا ہوا تو حلیمہ دودھ چھڑا کر آپ کو مکہ معظمہ لے آئیں۔ لیکن کچھ تو حلیمہ کا گھرانا آپ کے میامن و برکات سے روز افزوں مالا مال ہو رہا تھا، اور کچھ اس وجہ سے کہ گھر والوں کو آپ سے غیر معمولی اُنس ہو گیا تھا۔ حلیمہ کی آرزو تھی کہ ابھی ان کو اپنے ہی پاس رکھیں اس لیے سیدہ آمنہ سے منت کہنے لگیں کہ میری خوشی اس میں ہے کہ آپ بالفعل اپنے فرزند کو میرے ہی پاس رہنے دیں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں مکہ کی آب و ہوا آپ کے فرزند کی صحت پر برا اثر نہ ڈالے۔ جب ذرا توانا ہو جائیگا تو پھر اس کا خدشہ نہ رہے گا۔ لیکن آمنہ خاتون نے یہ کہہ کر ان کی درخواست مسترد فرما دی کہ "اب مجھے اپنے نور العین کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں ہے"۔ لیکن جب محترمہ حلیمہ نے بہت زیادہ منت سماجت کی اور ان کی الحاح و زاری حد اعتدال سے بڑھ گئی تو ناچار سیدہ نے منظور کر لیا اور آپ سے کہا "بیٹا! ابھی کچھ دن اور وہیں رہو"۔ حلیمہ آپ کو پھر اپنے وطن لے گئیں اور اس طرح حضرت حلیمہ کو مکرر آپ کی حضانت و تربیت سے شرف اندوز سعادت ہونے کا موقع ملا۔ (ابن سعد، ابن ہشام، ابن کثیر)

# فصل ۴۵ - شقِ صدر و تطہیرِ جنان

### آئینۂ قلبِ مصطفوی کی جلاء

ہر بشر کے دل میں خون سیاہ کا ایک نقطہ سا پیدا کیا گیا ہے جو القاءِ شیطانی کا بازیچہ گاہ ہے۔ اگر یہ نقطہ نہ ہوتا تو قلبِ انسانی میں قذف اور وسوسہ کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہوتی اور اس لحاظ سے کہ حضرت خیر الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیدائش میں پورے انسان تھے آپ کو وہ تمام انسانی عوارض لاحق تھے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں پس جس طرح عام انسانوں کا دل وساوس کا آماج گاہ ہے اسی طرح آپ کا نہاں خانۂ دل بھی ان کا گزرگاہ تھا لیکن آپ پر یہ فضل ایزدی تھا کہ آپ کا آئینۂ دل کئی عمل جراحی سے اس طرح مجلیٰ و مصفیٰ کر دیا جاتا کہ اس میں کسی ادنیٰ تیرگی کا شائبہ تک نہ رہنے پاتا تھا۔

### قلبِ مبارک میں علقہ پیدا کرنے کی حکمت

پہلی مرتبہ چار پانچ سال کی عمر میں جب آپ قبیلہ بنو سعد میں قیام فرما تھے تو عین نصف النہار کے وقت علیٰ رؤس الاشہاد سینۂ مبارک چاک کر کے آپ کا دل نکالا گیا اور اس کے اندر سے سیاہ خون کی ایک جمی ہوئی پھٹکی خارج کی گئی جس کے باعث آپ کا پاک باطن وساوس سے بالکل ناآشنا ہو گیا۔ اور اگر کہا جائے کہ حبیب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں ایسی چیز پیدا ہی کیوں کی گئی جو آپ کے قعرِ باطن میں ورودِ قذف کا ذریعہ تھی؟ کیا اچھا ہوتا کہ آپ کو اس سے قطعاً سلیم و مصئون رکھا جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خونی نقطہ بھی منجملہ انسانی اجزاء کے ہے اس لیے بشری لوازم کے تکملہ کی حیثیت سے ضرور تھا کہ آپ کے بدن میں اس چیز کی بھی تولید ہوتی اور اگر آپ کو اس سے محفوظ رکھا جاتا تو لوگوں پر آپ کی حقیقت ظاہر نہ ہوتی پس حکیم علی الاطلاق اس کو جبریلِ امین کی وساطت سے معرضِ شہود میں لے آیا تاکہ اس کے اخراج کی خبر متواتر کے بعد لوگوں پر آپ کے باطنی کمال کا حال بھی اسی طرح منکشف ہو جائے جس طرح ان پر آپ کا ظاہری کمال آشکارا تھا۔

### دل پر پردہ چھا جانے کا مطلب و مفہوم۔

چونکہ آپ دنیا کے سب سے بڑے مصلح اور سب سے بڑے پیغمبر تھے آپ کے منصب رفیع کے لحاظ سے آپ کے ذمے فرائض کا بوجھ بھی بڑا تھا۔ ایک طرف تو آپ کو تبلیغی ذمہ داریوں کی عظیم مصروفیت تھی جس کا

خود خدائے قدوس نے إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (دن کے اوقات میں آپ کو طویل مشاغل ہیں) میں ذکر فرمایا۔ اور ان مصروفیتوں کے علاوہ رب جلیل نے آپ کو یہ بھی حکم دیا وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (اور سب سے منقطع ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہیے)

ظاہر ہے کہ تبلیغ و ارشاد، ملی مہمات، قومی مصالح، اہل و عیال کے تعلقات اور خانگی ضروریات کی بہم رسانی وغیرہ امور کا انہماک اور ساتھ ہی مسلسل و پیوستہ حضورِ قلب اور خلق سے کامل تبتل و انقطاع کی کیفیت یہ سب بیک وقت ایسی گرانباریاں تھیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے صرف آپ جیسی بلند ترین شخصیت کا دل گردہ درکار تھا۔ ورنہ کسی اور بڑی سے بڑی ہستی کی بھی مجال نہ تھی کہ ایسی کشمکش کی متحمل ہوتی۔ گو مصالح امت اور تبلیغی سرگرمیاں بالیقین دوام توجہ و انقطاع الی اللہ سے کہیں بڑھ کر اعظم الطاعات و اشرف العبادات تھیں، تاہم مخلوق کے ساتھ آپ کی دن بھر کی مشغولیوں سے دوامی حضورِ قلب اور تبتل و انقطاع میں فرق آتا تھا، اس سے آپ کی طبع عالی مکدر ہوتی تھی اس لیے آپ استغفار فرمانے لگتے تھے۔ اس تکدرِ طبع کو آپ نے حدیث مسلم لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي (میرے دل پر پردہ آجاتا ہے) میں غین یا تیرگی سے تعبیر فرمایا ہے۔

آخر جب اس تکدرِ مزاج کا سلسلہ زیادہ طویل ہو جاتا اور یہ تکدر از سر نو سیاہ خون کے نقطہ کی شکل اختیار کرنے لگتا تو جبریل امین تشریف لا کر بذریعہ عمل قدح اس کے تاثرات زائل فرما دیتے۔ ابتلائے اول کے بعد شق صدر کے دو مرتبہ اعادہ کیے جانے کی یہی علت تھی۔ بعثت یعنی آغاز وحی کے وقت دوسری مرتبہ اور لیلۃ الاسرا میں تیسری دفعہ آپ کے قلب مبارک کو مزکی و مطہر کیا گیا۔ بعض لوگوں نے شب معراج کے شق صدر کا وقوع تسلیم نہیں کیا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور بعض دوسرے علمائے امت فرماتے ہیں کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی بتواتر ثابت ہے۔

### سینۂ مبارک پر سلائی کے ٹانکوں کے نشان

یاد رہے کہ تینوں مرتبہ کی تطہیر جنان میں خدائے حکیم و دانا کی حکمت نوازی کارفرما تھی۔ جو حضرات ان تنظیفات ثلاثہ کے حکم و مصالح معلوم کرنا چاہیں وہ علامہ نجم الدین غیطی کے رسالہ "المعراج الکبیر" کی طرف رجوع کریں۔ غیطی لکھتے ہیں کہ گو حق تعالیٰ نے اپنے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا نور بنایا تھا اور نور کی صفائی کسی حسی تطہیر کی محتاج نہ تھی تاہم پہلا غسل باطن علم الیقین کے لیے، دوسرا عین الیقین کی غرض سے اور تیسرا حق الیقین کے لیے تھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ سینۂ مبارک چاک کر کے دل کے برآمد کرنے کا جو حدیثوں میں مذکور رہے تو اس کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ اس کو

حقیقت سے پھر نہیں سکتے کیونکہ قدرت خداوندی میں اس کی صلاحیت موجود تھی۔ اس کے علاوہ احادیث صحیحہ میں صراحۃً مذکور ہے کہ آپ کے سینہ مبارک پر سلائی کے ٹانکوں کا اثر صاف دکھائی دیتا تھا۔

## حضرت ذبیح کا سا ابتلاء

ابن منیر فرماتے ہیں کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار سینہ چاک کیا جانا اور آپ کا اس پر صبر کرنا اسی قسم کا ابتلاء تھا جیسا حضرت ذبیح علیہ السلام کو پیش آیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ دشوار تھا خصوصاً پہلی مرتبہ جب کہ آپ عالم طفولیت کی بالکل ابتدائی منزل میں وطن سے بے وطن اور اپنے گھر والوں سے دور و مہجور تھے۔ گو حضرت ذبیح اللہ نے بھی اپنے آپ کو مشیت خداوندی کے حوالے کر دیا تھا اور حکم ربانی کی بسر و چشم تعمیل فرمائی تھی لیکن فدیہ آ جانے کی وجہ سے انہیں اصل قربانی و جان بپاری سے سابقہ نہیں پڑا تھا بخلاف حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ حقیقۃً مکرر سہ کرر اس خونیں امتحان کے بحر متلاطم میں سے گزرے۔

علمائے حق اس مسئلہ میں مختلف البیان ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو شق صدر سے مشقت اور تکلیف برداشت کرنی پڑی تھی یا نہیں؛ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کا گمان ہے کہ آپ بغیر کسی رنج و عنا برداشت کرنے کے اس عرصۂ ابتلاء سے پار ہو گئے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ نے بھی اسی پر جزم کیا ہے لیکن ابن دحیہ کا بیان ہے کہ آپ کو مشقت عظیم سے واسطہ پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حادثۂ اولین کے بعد جو بچپن میں پیش آیا" آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔

## حادثہ کی تفصیل

قبیلۂ بنو سعد میں شق صدر کا جو حادثہ پیش آیا اس کی کیفیت یہ تھی کہ ایک دن آپ نے محترمہ حلیمہ سے فرمایا اماں! میری خواہش ہے کہ آج میں بھی بھائیوں کے ساتھ چراگاہ جا کر بکریاں چراؤں"۔ حلیمہ نے کہا بہتر ہے تم بھی جاؤ"۔ یہ کہہ کر آپ کے بالوں کو کنگھی کی، آنکھوں میں سرمہ لگایا، اُجلا لباس پہنایا اور چشم زخم (یعنی نظر بد) سے محفوظ رہنے کے لیے گردن میں جزع یمانی لٹکا دی۔ لیکن آپ نے اس کو یہ کہہ کر گلے سے اتار دیا کہ میرا رب میرا نگہبان ہے۔ پھر بھائیوں کے ساتھ چراگاہ پہنچے (مدارج النبوت)

اس کے بعد دوپہر کے وقت حسب روایت مسلم جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ کو پکڑا اور چت لٹا کر سینہ مبارک کو بائیں طرف سے چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر علقہ خارج کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہارے اندر حظ شیطان تھا۔ اس کے بعد آپ کے دل کو سونے کے لگن میں رکھ کر آب زمزم میں دھویا اور پھر اسی جگہ رکھ کر درست کر دیا۔ لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں کے پاس پہنچے اور بتلایا

کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیے گئے۔ لوگ اٹھ دوڑے اور وہاں پہنچ کر آپ کو اس حال میں پایا کہ چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے سینہ مبارک پر سوئی کی سلائی کے نشان دیکھا کرتا تھا۔"

## تفصیل مزید

واقعہ شق صدر کی جو تفصیل علامہ ابن کثیر نے دی ہے اس کا آخری حصہ یہ ہے:۔

یہ وحشت ناک خبر سن کر حلیمہ اور ان کا شوہر حارث عالم سراسیمگی میں اٹھ دوڑے اور جا کر دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرہ پر خوف و ہراس کے آثار نمایاں ہیں۔ حارث نے جاتے ہی آپ کو سینے سے لگا لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر کہا بیٹا! کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھ کو لٹا کر میرا شکم چاک کر دیا اور میرے سینے میں کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر میرے شکم کو درست کر دیا۔ معلوم نہیں انہیں کس چیز کی تلاش تھی (البدایہ والنہایہ)

## نور کی مہر

شق صدر کی روایتوں میں سے ایک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انشراح صدر کی نسبت یہ بھی فرمایا کہ جبریلؑ نے نور کی ایک مہر لی جس سے عقل حیران ہوتی تھی۔ اس سے میرے دل پر مہر کی۔ معاً میرا باطن نور سے بھر گیا (یہ نبوت اور حکمت کا نور مبین تھا) اس کے بعد میرے دل کو پھر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ تو مواہب لدنیہ میں ہے لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس مہر کی ٹھنڈک اور فرحت اب تک اپنے عروق و مفاصل میں پاتا ہوں (مدارج النبوت)

## مکہ معظمہ کو مراجعت

اس حادثہ کے بعد آپ کے رضاعی والدین آپ کو گھر لے آئے اور آ کر باہم یہ صلاح کی کہ اس بچہ کو اس کے گھر پہنچا دینا چاہیے کیونکہ خوف ہے کہ اس کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ایسی حالت میں ہمیں سخت جواب دہی کرنی پڑے گی چنانچہ دونوں میاں بی بی مکہ معظمہ پہنچے اور حلیمہ نے جا کر سیدہ آمنہ سے کہا کہ میں تو اس بچہ کو اپنے سے جدا نہ کرنا چاہتی تھی لیکن حوادث زمانہ سے اندیشہ ناک ہو کر اسے لے آئی ہوں چنانچہ آپ کی امانت صحیح و سلامت آپ کو پہنچا دی۔ آخر جب آپ کی والدہ مکرمہ نے باصرار تمام واپس لانے کی حقیقی وجہ دریافت کی تو حلیمہ اور ان کے شوہر نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آمنہ خاتون نے فرمایا کیا تمہیں ڈر ہے کہ شیطان اس بچہ کو ضرر پہنچائے گا؟ ہرگز نہیں۔ شیطان اس پر کبھی قابو نہیں پا سکتا۔ خدا کی قسم! اس فرزند کی بہت بڑی شان ہوگی۔ اس کے بعد سیدہ نے آپ کے وہ معجزات و خوارق بیان کیے جو حالت حمل میں اور وضع حمل کے وقت اور اس کے بعد ظاہر ہوتے (البدایہ والنہایہ)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ پانچ سال کی عمر میں اپنی مادرِ محترمہ کے پاس واپس آ گئے۔ دوسروں نے کہا کہ چار سال کی عمر میں مراجعت فرمائی۔ اس کو واقدی نے روایت کیا ہے اور ابو عمرؒ کا بیان ہے کہ جس دن آپ واپس تشریف لائے ہیں اس روز آپ کی پیدائش کو پانچ سال اور دو دن گزر چکے تھے۔ (عیون الاثر)

# فصل ۴۶۔ مُہرِ نبوّت

عالمِ کائنات میں سب سے بڑا منصب درجۂ نبوت ہے۔ نبیٔ وقت کی اطاعت اور متابعت سعادت و فلاحِ ابدی کی کفیل تھی اور اس سے تمرد و اعراض خسرانِ ابدی کا موجب تھا۔ اس لیے رحمتِ خداوندی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ بندگانِ خدا کی رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ گرامی میں معجزہ سے بھی بڑھ کر کوئی ایسی بیّن و صریح علامت رکھ دی جائے جس سے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل و فہم کا انسان بھی سچے اور جھوٹے نبی میں امتیاز کر سکے۔ اس امتیازی نشان کو خاتم النبوت کہتے ہیں۔

**مُہرِ نبوّت کا عموم**

زرقانی لکھتے ہیں کہ مُہرِ نبوت کچھ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اس کے حامل تھے۔ مُہرِ نبوت میں یہ حکمت تھی کہ انبیاء میں ایک ایسی علامت موجود رہے جس سے وہ غیر نبی سے ممیّز ہو سکیں۔ قرطبی نے مفہم میں ذکر فرمایا ہے کہ اس کو مُہرِ نبوت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ان آثار و علاماتِ نبوت میں سے ایک علامت تھی جس سے کتبِ سابقہ کے علماء آپ کو بسہولت پہچان سکتے تھے۔ اسی بنا پر جب حضرت سلمان فارسیؓ نے ایران سے مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کے بعض دوسرے علاماتِ صدق جیسے جائے بعثت، ہجرت گاہ وغیرہما کا مشاہدہ کر لیا تو وہ آپ کی پشتِ مبارک دیکھنے کے متمنی رہے تاکہ مُہرِ نبوت دیکھ کر مزید اطمینان حاصل کر لیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا میلانِ خاطر معلوم ہوا تو آپ نے ردائے مبارک پیچھے کی طرف سے سرکا دی۔ حضرت سلمان آہستگی سے آپ کی پیٹھ کی طرف گئے اور مہرِ نبوت کو دیکھ کر اس کو بوسہ دیا اور کہنے لگے میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی طرح (آئندہ سطور میں) بحیرا راہب کا واقعہ

سپرد قرطاس ہوگا جنہوں) نے کہا تھا کہ میں آپ کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں (زرقانی علی المواہب)

اسی طرح حضرت سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں کہ میری خالہ مجھے بارگاہ نبوت میں لے گئیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے وضو کیا۔ میں نے آپ کے وضو کا پانی پی لیا۔ پھر میں آپ کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور دونوں مونڈھوں کے بیچ میں مہر نبوت دیکھی (بخاری)

## ایک بچی کا مہر نبوت سے کھیلنا

ایک اور واقعہ سنیئے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اُن حضرات میں داخل تھے جنہوں نے اوائل اسلام میں مکہ معظمہ سے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور پھر جب مدینہ منورہ میں اطمینان نصیب ہوا تھا تو مدینۃ الرسول پہنچ گئے تھے۔ ایک دن حضرت خالد بن سعیدؓ آستان نبوت میں حاضر ہوئے ان کی چھوٹی سی بچی (اُم خالد) بھی ساتھ تھی۔ یہ لڑکی حبشہ میں پیدا ہوئی تھی اور قاعدہ کی بات ہے کہ اگر کوئی بچہ پردیس میں پیدا ہو تو اپنے پردیسی ہمجولیوں سے کھیلتے کھیلتے اسے پردیس کی بولی آ جاتی ہے۔ آپ نے اس لڑکی کو پیار کیا اور حبشی زبان میں اس سے فرمانے لگے سنہ سنہ۔ سنہ حبشی زبان میں حسنہ یعنی نیکی یا اچھی بات کو کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر جو مہر نبوت تھی وہ اُبھری ہوئی تھی۔ اس بچی نے ایک غیر معمولی چیز دیکھی تو اس سے کھیلنے لگی۔ حضرت خالدؓ نے اسے بے ادبی خیال کیا اور لڑکی کو ڈانٹا۔ آپ نے انہیں روکا کہ کھیلنے دو۔ اس لڑکی نے زرد قمیص پہن رکھا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اس کپڑے کو پُرانا کر، پھر پُرانا کر"۔ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن مبارکؒ بیان کرتے ہیں کہ اُم خالد نے بڑی طویل عمر پائی یہاں تک کہ لوگوں میں ان کے طول عمر کا چرچا تھا (صحیح بخاری) امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ کسی عورت نے اُم خالد کی برابر عمر نہیں پائی۔

## مہر نبوت کا محل اور اس کی وضع

حضرت فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت آپ کے دونوں شانوں کے بیچ میں بائیں شانے کی طرف ہٹی ہوئی چپنی کے قریب تھی۔ اس طرف واقع ہونے میں یہ حکمت تھی کہ اس جانب انسان کا دل ہے۔ ابن ابی داؤد نے کتاب الشریعۃ میں عروہ بن رویم کے طریق سے روایت کی ہے

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب قدیر سے درخواست کی کہ مجھے بنی آدم میں شیطان کا مقام و مستقر دکھایا جائے۔ ناگہاں آپ نے دیکھا کہ شیطان نے اپنا سر جو سانپ کی مانند تھا آدمی کے دل پر رکھا ہوا ہے۔ جب وہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب غافل ہو جاتا ہے تو پھر وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ مونڈھے کی چپنی کے پاس جدھر سے شیطان وسوسہ اندازی کے لیے انسان کے باطن میں گھستا ہے حضرت سلطان الانبیاء علیہ السلام کی مُہر نبوت تھی (فتح الباری)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مُہر نبوت بیضۂ کبوتر کی مانند تھی (صحیح مسلم) اس سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی (مواہب لدنیہ)

# فصل ۴۷۔ والدۂ مکرّمہ کا سفر آخرت

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶ سال کی ہوئی تو سیدہ آمنہ نے آپ کو ساتھ لے کر آپ کے جدِ امجد خواجہ عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار سے ملنے کے لیے مدینہ کا سفر کیا۔ اور یہ جو بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں، بالکل لغو اور بے اصل بات ہے۔ طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی، عیون الاثر، مدارج النبوت سب میں یہی مذکور ہے کہ وہ بنو نجار سے ملنے کو تشریف لے گئی تھیں۔

کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا کہ خواجہ عبدالمطلب نے انہیں اس سفر کا مشورہ دیا تھا یا سیدہ آمنہ نے خود ہی اس کا قصد فرمایا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ عبدالمطلب ہی نے انہیں اس خیال سے اپنے ننھیال بھیجا ہوگا کہ ایک تو سیدہ آمنہ کا غم بیوگی غلط ہوگا اور دل افسردہ کچھ بہلے گا۔ دوسرے وہاں جا کر اپنے فرزند گرامی کو جس کے سر پر دنیا بھر کی سرداری اور قیادت کا تاج رکھا جانے والا تھا، رشتہ داروں سے روشناس کرائیں گی۔ تیسرے پرانی قرابت کا نہال مودّت از سر نو سرسبز ہوگا

اس سفر میں جو فی الحقیقت ان کا سفر آخرت تھا، سیدہ آمنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی برکۃ بنت ثعلبہ کو بھی جو اُمّ ایمن کی کنیت سے مشہور ہیں، آپ کی

حضانت اور خبر گیری کے لیے ساتھ لے گئی تھیں۔ سواری کے لیے دو اونٹ ساتھ تھے ایک پر وہ خود سوار ہوتی تھیں اور دوسرے پر اُم ایمن اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے دار نابغہ میں قیام فرمایا۔

اُم ایمن کا بیان ہے کہ قیام مدینہ کے دوران میں یہود کی ایک جماعت کے لوگ آ آ کر (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ یہ لڑکا اس اُمت کا نبی ہے اور یہ شہر اس کا دار ہجرت ہے میں نے اس کے قول کو خوب یاد رکھا اور اعماق دل میں جگہ دی (ابن سعد وغیرہ)

سیدہ آمنہ نے ایک مہینہ تک قیام فرما کر مکہ معظمہ کو مراجعت کی۔ جب ابواء کے مقام پر جو مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ہے پہنچیں تو یک بیک علیل ہو کر دنیا سے گزر گئیں۔ اُم ایمن نے ان کو سپرد گور کر کے سید عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیا اور مکہ واپس آئیں (ابن سعد وغیرہ)

آپ کے والد کی وفات کے بعد والدۂ مکرمہ کا سایۂ شفقت بھی ہزار غنیمت تھا لیکن ان کی رحلت کے بعد اس سے بھی مستفیض نہ رہے اور اس طرح آپ کے تمام ظاہری سہارے اُٹھتے چلے گئے اور آپ کو بچپن ہی سے صبر و استقلال کے خوگر بننے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لیے یتیم چھوڑ دیا گیا۔

### یتیم رہ جانے کی دوسری حکمتیں

آپ کے یتیم و بے کس رہ جانے میں اور بھی حکمتیں تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ظاہری تعلیم و تربیت سے بے بہرہ رہیں اس سے آگے چل کر ہر منصف مزاج کے لیے یہ سمجھنا آسان ہو گیا تھا کہ وہ اخلاقی و روحانی تعلیمات اور انواع و اقسام کے علوم و معارف جو آپ سے ظاہر ہوئے ان کا سرچشمہ وحیِ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ لوگوں کے دلوں میں یتیم کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کو باپ کا سا حامی و شفیق میسر نہیں۔ اسی وجہ سے یتیم کے محاسن اس درجہ ظاہر نہیں ہوتے جس قدر اس کے معائب و نقائص شہرت پاتے ہیں۔ پس خدائے حکیم و دانا کی حکمت پروری نے آپ کو یتیمی کی چادر اوڑھا کر ثابت کر دیا کہ اگر اس یتیم کے نقائص کسی کے علم میں نہیں آئے تو اس کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی ذات ہی ہر قسم کے عیوب و نقائص

سے پاک ہے۔ کلام الٰہی میں حضور سید الرُسل صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قدر اجمالی تذکرہ متفرق طور پر پایا جاتا ہے، اس میں سب سے مقدم یہی بیان ہے کہ آپ یتیم و درماندہ تھے۔

# فصل ۴۸۔ عبد المُطَّلِب کی کفالت

جب مادرِ مہربان کا سایۂ عاطفت بھی آپ کے سر سے اُٹھ گیا تو آپ کے جدِ امجد خواجہ عبدالمطلب نے آپ کو اپنے حجرِ تربیت میں لیا۔ آپ عبدالمطلب کو تمام اولاد میں زیادہ عزیز تھے اور باوجود صغر سنی کے وہ آپ کو سب سے زیادہ معزز و مکرم رکھتے تھے۔ انہیں یہاں تک آپ کا احترام ملحوظ تھا کہ جب تک آپ آ نہ لیتے سفرۂ طعام نہیں بچھایا جاتا تھا۔ آپ خلوت و جلوت کے تمام اوقات میں ان کے پاس پہنچ جاتے اور بے تامل ان کی مسند پر جا بیٹھتے۔ (مدارج)

مروی ہے کہ خواجہ عبدالمطلب کے لیے کعبۂ معلّیٰ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا اور ان کے صاحبزادے یعنی سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے اس مسند کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے۔ اس کے بعد عبدالمطلب آتے اور فرش کو زینت بخشتے۔ چونکہ وہ قریش میں سب سے زیادہ معزز اور سب سے زیادہ مسن تھے کوئی شخص اُن کے اجلال و اکرام کے پیشِ نظر ان کے برابر فرش پر قدم نہ رکھتا تھا۔ لیکن آپ بے تحاشا ان کے پاس جا پہنچتے آپ کے اعمام کرام اس کو سوء ادب خیال کر کے آپ کو جھٹ پکڑ کر فرش سے باہر اپنے پاس لے آتے لیکن عبدالمطلب ان کو ہر مرتبہ یہی کہتے کہ نہیں میرے بیٹے کو آنے دو۔ خدا کی قسم! اس کی شان بہت بلند ہے اور کبھی یوں کہتے کہ یہ فرزند مملکت کی بنیاد ڈالے گا" اس کے بعد آپ کو اپنے پاس فرش پر بٹھا لیتے۔ آپ کی پشت مبارک پر دست شفقت پھیرتے اور آپ کے افعال و حرکات کو دیکھ کر خوش ہوتے (طبقات ابن سعد و تاریخ ابن کثیر)

ایک مرتبہ قبیلہ بنو مدلج کے چند آدمیوں نے آپ کی طرف اشارہ کر کے عبدالمطلب سے کہا کہ اس فرزند کی خوب حفاظت کیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قدم کا جو نشان مقام ابراہیمؑ

میں ہے وہ نشان اس بچہ کے قدم کے نہایت مشابہ ہے۔ عبدالمطلب ابو طالب سے کہنے لگے سُن لو یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس دن سے ابو طالب آپ کے حفظ و صیانت میں غیر معمولی احتیاط برتنے لگے۔

سیدہ آمنہ کے سفر آخرت کے بعد برکۃ معروف بہ اُمِ ایمنؓ ہی آپ کی پرورش اور خبر گیری کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ عبدالمطلب نے اُن سے کہا برکت! میرے اس فرزند گرامی سے ہرگز غافل نہ رہنا۔ میں نے بیری کے درخت کے نیچے اس کو لڑکوں کے پاس کھڑے دیکھا تھا اور اہل کتاب کو یقین ہے کہ میرا یہ بیٹا اس اُمت کا نبی ہے۔ (ابن سعد و ابن کثیر)

آپ کو اپنے جد امجد کی آغوش شفقت میں پرورش پاتے ابھی دو ہی سال گزرے تھے کہ ان کا ظلِ عاطفت بھی سر سے اُٹھ گیا۔ ایک مرتبہ بعثت کے بعد آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو عبدالمطلب کی وفات یاد ہے تو فرمایا ہاں! میں اس وقت آٹھ برس کا تھا۔“ اُمّ ایمن فرماتی ہیں کہ میں نے عبدالمطلب کے جنازہ کے پیچھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھا۔ خواجہ عبدالمطلب حجون میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر بیاسی سال کی تھی اور بعض نے ان کا سن ایک سو دس سال بتایا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

### عبدالمطلب کا مرثیہ

حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ایک بلند پایہ شاعرہ تھیں۔ جب خواجہ عبدالمطلب دار آخرت کو رحلت فرما ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے اپنی بہنوں اور دوسری ہاشمی خواتین کو بُلا کر ایک مجلس منعقد کی جس میں ہر ایک نے اپنا اپنا مرثیہ سنایا۔ حضرت صفیہؓ کے مرثیہ کے بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے:۔

”میں رات کو ایک رونے والی کی گریہ وزاری سے چشم پُرآب ہو گئی جو ایک مردِ کریم پر آبدیدہ تھی۔ اس حال میں میرے آنسو موتیوں کی طرح مسلسل رُخساروں پر گرنے لگے۔ ایسے مردِ کریم کی وفات پر افسوس جس کی بزرگی عیاں تھی۔ وہ عالی نسب، کشادہ ابرو، صاحب فضائل، قحط سالی میں لوگوں کے لیے ابرِ رحمت تھا۔ اگر وہ اپنے قدیم شرف کی بنا پر ہمیشہ رہ سکتا تو اپنی فضیلت اور شرافت کے باعث بہت زمانہ تک

زندہ رہتا لیکن بشر کے لیے ہمیشگی کی کوئی صورت نہیں (دُرِ منثور) ◆

# فصل ۴۹۔ ابُوطالب کی ولایت و پرورش میں

خواجہ عبدالمطلب نے رحلت کے وقت آپ کے چچا ابوطالب کو آپ کے حفظ و حیاطت کی وصیت کی۔ (ابن سعد) آپ کو ابوطالب کے زیر تربیت و نگرانی اس لیے دیا گیا کہ آپ کے والد ماجد عبداللہ اور ابوطالب ایک ماں سے تھے جن کا نام بی بی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم تھا (ابن ہشام) گو زُبیر بن عبدالمطلب بھی ابوطالب کی طرح آپ کے عم اعیانی یعنی حقیقی چچا تھے لیکن ان دونوں میں ابوطالب کی وجہ ترجیح یہ تھی کہ عبداللہ اور ابوطالب میں غیر معمولی محبت و ارتباط کے جذبات پائے جاتے تھے۔ (مدارج)

ابوطالب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ گو وہ کثیر العیال تھے تاہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام اولاد سے زیادہ چاہتے تھے جب سوتے تو آپ کو اپنے پاس سلاتے اور جب گھر سے باہر جاتے تو آپ کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔ ابوطالب تمام ہاشمیوں میں سخت مفلس اور نادار تھے۔ اور آنحضرتؐ کا ایک معجزہ جو شب و روز گھر والوں کے مشاہدہ میں آ رہا تھا یہ تھا کہ ابوطالب کی اولاد تنہا یا مجتمع ہو کر کھانا کھاتی تو کوئی بھی شکم سیر نہ ہوتا اور جب آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے تو نہ صرف سب سیر ہو جاتے بلکہ کھانا بچ رہتا۔ اس لیے ابوطالب نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ جب بچے کھانے پر بیٹھتے تو سب کو تاکید کر دیتے کہ جب تک تمہارے بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ آجائیں کوئی کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے جب آپ تشریف لے آتے تو پھر سب مل کر کھاتے۔ ابوطالب ان سے بارہا کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کھانے سے تمہارے کھانے میں برکت ہوتی ہے اور اگر یہ تمہارے بیچ میں نہ ہوں تو کھانے پر یُمن و برکت کا نزول نہیں ہوتا۔ (ابن سعد)

کم سن اور برادر زادہ ہونے کے باوجود ابوطالب کے دل میں آپ کی غیر معمولی عظمت جاگزیں تھی۔ وہ آپ کا اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح اپنے بزرگوں کا کیا جاتا ہے

اس اجلال و اکرام اور محبت و عطوفت میں ابو طالب کی بیوی محترمہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا بھی برابر کی حصہ دار تھیں۔ آپ کے حسن تربیت میں اس نیک دل خاتون کی مادرانہ شفقت کو بڑا دخل تھا۔ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے بعثت کے بعد مشرف باسلام ہو کر ہجرت کی تھی اور جب انہوں نے مدینہ منورہ میں اپنی جان شیریں جان آفرین کے سپرد کی تھی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ مجھ پر کوئی مہربان نہ تھا۔ (اسد الغابہ)

# فصل ۵۔ بچپن میں عادات و خصائل

### محترمہ حلیمہ کا بیان

آپ کے ایام شیر خواری کی نسبت محترمہ حلیمہ سے مروی ہے کہ دوسرے بچوں کے خلاف آپ اپنے کپڑے میں بول و براز نہ کرتے تھے۔ قضائے حاجت کے لیے آپ کا ایک وقت معین تھا۔ اور اگر کبھی آپ کا اندام نہانی کھل جاتا تو آپ سے اس وقت تک برابر فریاد و زاری اور اضطراری حرکت صادر ہوتی رہتی جب تک میں آپ کو ڈھک نہ دیتی (مدارج) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے پہلی علامت جو لوگوں کے مشاہدہ میں آئی یہ تھی کہ آپ کم سنی میں بھی برہنگی سے اجتناب فرماتے تھے۔ آپ کو کبھی کسی نے برہنہ نہ دیکھا (ابن سعد)

### تستّر کا غیر معمولی اہتمام

ابو طالب آپ کی صغر سنی میں آپ کے ایسے حالات مشاہدہ کرتے تھے جو بچوں میں کبھی نہیں پائے گئے۔ ایک مرتبہ ابو طالب نے اپنے چھوٹے بھائی عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے جو عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو سال بڑے تھے آپ کے لڑکپن کے حالات بیان کیے۔ انہوں نے بتایا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات دن کی کسی ساعت میں اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا اور میں نے اس امر کو کبھی گوارا نہ کیا کہ انہیں کسی دوسرے کے سپرد کر دوں۔ جب والدِ محترم عبد المطلب کی رحلت کے بعد میں ان کا کفیل ہوا تو میں نے رات کو بستر خواب پر جانے وقت ان سے کہا بیٹا! کپڑے اتار کر میرے ساتھ بستر پر سو جاؤ

لیکن میں نے محسوس کیا کہ کپڑے اتارنے کی فرمائش انہیں ناگوار خاطر ہوئی چنانچہ اس ناگواری اور کراہیت کا اثر چہرے پر نمایاں تھا لیکن چونکہ میری مخالفت بھی منظور نہ تھی مجھ سے کہنے لگے چچا جان! اچھا میں کپڑے اتارتا ہوں لیکن آپ ذرا اپنی نظر میری طرف سے ہٹا لیجئے مجھے بھلا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی شخص مجھے عریاں دیکھے۔" یہ سن کر مجھے تعجب ہوا تاہم میں نے اپنا رُخ بدل لیا یہاں تک کہ آپ کپڑے اتار کر بستر پر آ گئے۔ لیکن اس وقت بھی یہ حالت تھی کہ آپ کے اور میرے درمیان ایک کپڑا حائل تھا۔ اس کے بعد آپ کے بدن سے مس کرنے پر محسوس ہوا کہ جسم مبارک نہایت نرم اور ایسا معطر ہے کہ گویا کستوری ملی ہوئی ہے۔ میں نے چاہا کہ آپ کا بدن دیکھوں لیکن چاروں طرف سے اس طرح ڈھکا ہوا تھا کہ کچھ نظر نہ آیا یہی آپ کا روزمرہ کا معمول تھا۔ (روح المعانی)

## طفولیت میں عارفانہ زندگی

ابو طالب کا بیان ہے کہ بسا اوقات رات کے وقت جو میری آنکھ کھلتی تو آپ کو بستر پر نہیں پاتا تھا۔ اور جب میں اُٹھ کر تلاش کرنے لگتا تو آواز دیتے کہ چچا جان! میں یہاں ہوں" اور پھر جھٹ میرے پاس پہنچ جاتے اور میں بہت دفعہ کچھ رات گزرنے پر ان کی زبان سے کچھ اس قسم کی باتیں سنا کرتا تھا جو مجھے محو حیرت کر دیتیں۔ ہماری عادت تھی کہ کھانے پینے کے وقت کسی کا نام نہ لیتے اور نہ حمد کرتے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کھانا شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الْاَحَد کہا کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے۔ میں اس کم سنی میں ان کے ایسے عارفانہ جذبات و اعمال دیکھ کر چاہِ حیرت میں غرق ہو جاتا۔ میں نے آپ کو طفولیت میں غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے یا ہنستے یا لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کبھی نہ دیکھا اور کھیلنا تو درکنار آپ کو ہم عمروں کے ساتھ کبھی کھڑے بھی نہ پایا (روح المعانی)

ابو طالب کے اس بیان سے کہ رات کے وقت میری آنکھ کھلتی تو آپ کو بستر پر نہ پاتا" ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے شب بیداری اور عبادت گزاری کی عادت تھی اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام طفولیت میں بھی جسمانیات سے بے پروا ہوتے تھے اور شرعیات اور آسمانی دین سے بے خبر ہونے کے باوجود ان پر روحانیت اور توجہ الی اللہ کا غلبہ رہتا تھا۔ اگر یہ نفوس قدسیہ خورد سالی میں اپنے جذبات اور معیشت میں اقران و اماثل سے ممتاز نہ ہوتے تو جب وہ بڑی عمر میں پہنچ کر دعوائے نبوت کرتے تو عالم بلوغ سے پہلے

پاکیزہ زندگی نہ رکھنے کی صورت میں مخالفوں کی طرف سے شبہات وارد ہو سکتے تھے۔

پس ضرور ہے کہ خدا کے پیامبروں کی ابتدائی زندگی بھی دوسروں سے ممیز و فائق اور نہایت شاندار ہو۔ خدائے مبین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طینت قدسیہ میں یوم آفرینش سے اپنی محبت کی تخم ریزی کر دی تھی اور مجمر سینہ میں اپنے عشق کی ایسی آگ روشن کر دی تھی جو آپ کو عالم طفولیت میں بھی غافل ہو کر سونے نہ دیتی تھی۔

آپ کے ایام طفلی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ دوسرے بچوں کی طرح حریص البطن نہ تھے۔ آپ کے عم زاد بھائی خوب شکم سیر ہو کر کھاتے تھے لیکن آپ بچپن میں بھی قناعت کے خوگر تھے۔ آپ نے بقدر سد رمق سے زیادہ کبھی کھانا نہ کھایا۔ باوجود اس کے جب گھر کے دوسرے بچے صبح کو بیدار ہوتے تو پریشان اور آلودہ چشم نظر آتے تھے لیکن آپ بیداری کے بعد کم خوری کے باوجود نہایت مسرور اور سرگیں چشم دکھائی دیتے تھے (ابن سعد وغیرہ)۔

# فصل ۱۵ طلب باران میں آنحضرتؐ کا توسّل

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ خواجہ عبدالمطلب قریش کے بعض رؤسا کی معیت میں سیف ذی یزن کو تہنیت و مبارکباد دینے کے لیے یمن گئے تھے اور والی یمن نے انہیں بشارت دی تھی کہ پیغمبر آخر الزمان تمہاری نسل سے ظاہر ہوں گے"۔ جب عبدالمطلب اس سفر سے واپس آئے تو اس وقت مکہ معظمہ میں قحط پڑا ہوا تھا۔ کچھ مدت اسی زبون حالی میں گزر گئی آخر رُقیقہ بنت ابوصیفی بن ہاشم بن عبد مناف کو خواب میں کسی ہاتف غیبی نے بتایا کہ نبی آخر الزمان قریش میں مبعوث ہوں گے۔ ان کی برکت قدوم سے قحط سالی دور ہو کر فراخی اور خوش عیشی نصیب ہو گی اور یہی ان کے ظہور کا وقت ہے پس تم اپنی کسی بزرگ ہستی سے درخواست کرو کہ وہ اپنی اولاد کو لے کر نکلے اور کوہ بوقبیس پر چڑھ کر بارش کے لیے دعا کرے اور قریش کے ہر بطن سے بھی ایک ایک آدمی شریک دعا ہو"

رُقیقہ نے لوگوں سے اپنا خواب بیان کیا۔ چنانچہ قریش نے بالاتفاق خواجہ عبدالمطلب سے استسقاء کے لیے درخواست کی۔ عبدالمطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بہت خورد سال تھے کندھے پر اٹھا کر کوہ بوقبیس پر گئے۔ تمام بطون قریش میں سے

بھی ایک ایک آدمی وہاں پہنچ گیا۔ عبدالمطلب نے آپ کے توسل سے بارش کی دعا کی اور دوسرے لوگ آمین کہتے رہے۔ اتنے میں بارانِ رحمت نمودار ہوا اور اتنی بارش ہوئی کہ سالہائے گزشتہ کی خشکی کی بھی تلافی ہو گئی (الروض الانف وعیون الاثر)

ابوطالب کے عہد کفالت میں بھی مکہ میں قحط پڑا تھا چنانچہ ابن عساکر نے عروہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں مکہ معظمہ گیا۔ وہاں اس وقت بڑی قحط سالی تھی۔ لوگوں نے ابوطالب کے پاس جا کر استسقاء کی درخواست کی۔ اس وقت قریش کے بچے ان کے ارد گرد کھیل رہے تھے۔ وہیں ایک لڑکا آفتابِ تاباں کی طرح درخشاں موجود تھا ابوطالب نے اس بچہ کو ساتھ لیا اور مسجد الحرام میں جا کر اس کی پشتِ مبارک کو کعبۃ اللہ سے ملا کر کہا کہ بارش کے لیے دعا کرو۔ چنانچہ اس کودک نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت آسمان پر کسی ابر کا نام ونشان نہ تھا۔ لیکن اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ بادل ہر طرف سے اُمنڈ آئے اور بارش ہونے لگی اور قحط سالی دور ہوئی۔ (مدارج النبوت)

اس واقعہ کے قریباً چھتیس سال بعد جب رؤسائے قریش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کے درپئے آزار ہوئے تو ابوطالب نے بیاسی اشعار کا ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ تھا:۔

وَلَمَّا رَاَیْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِیْهِمُ
وَقَدْ قَطَعُوْا کُلَّ الْعزلے وَالْوَسَائِلِ

امام بخاری اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ اس قصیدہ میں ایک یہ شعر بھی تھا۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰے عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

(گورے رنگ کے ہیں۔ آپ کے رُخِ انور کے وسیلہ سے لوگ طلب باران کرتے ہیں۔ آپ کی ذات ہمایوں یتیموں کی کفیل اور بیواؤں کی جائے پناہ ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ امساکِ باران کے ایام میں جب آپ (مدینہ منورہ میں) منبر پر بیٹھتے اور میں ابوطالب کا یہ شعر یاد کر کے آپ کے روئے مبارک کی طرف دیکھتا تو معاً بارش ہونے لگتی اور آپ کے منبر سے اُترنے سے پہلے مدینہ

کے پرنالے پانی سے بھر جاتے (صحیح بخاری باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا
ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوٰۃ الاستسقاء)۔

# فصل ۵۲۔ دشمنانِ دین کی طرف سے آپ کے قتل کی ناکام جدّ وجہد

اسلام کا ابرِ گوہر بار سحابِ نیساں بن کر اس لیے اٹھا تھا کہ کفر زارِ جہان کا دامن سعادتِ ابدی کے لعل و گہر سے بھر دے۔ اس لیے ضرور تھا کہ خلقِ خدا کو ہدایتِ الٰہی کا پیغام دے کر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا کیا جاتا۔ پس رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منصبی فرض ادا کیا۔ لیکن اہلِ باطل کو یہ گوارا نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس نورِ ہدایت کو آناً فاناً معدوم کر دیں لیکن رب العالمین اس کی تکمیل کا ذمہ لے چکا تھا، اس لیے اہلِ باطل اپنے ناپاک ارادوں میں ہمیشہ خائب و خاسر رہے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جب آفتاب طلوع کرتا ہے تو جب تک وہ اپنی تمام ارتقائی منزلیں طے نہ کر لے غروب نہیں ہوتا۔ اسی طرح آفتابِ رسالت بھی جب تک اپنی ضیاء پاشی کا دور ختم نہ کر لیتا اور اسوۂ محمدی کی روحانیتِ کبریٰ غلغلہ اندازِ عالم عالمیان نہ ہو لیتی، اس نیرِ اعظم کا پردۂ خفاء میں جانا کبھی ممکن نہ تھا، اگرچہ دنیا کی ساری ماسوی اللہ طاقتیں اس کے خلاف مجتمع ہو جاتیں۔ حضرت ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں ستانی کی کوششیں آپ کے بدءِ طفولیت سے شروع ہو گئی تھیں، لیکن حافظِ حقیقی نے آپ کو اعداء کی دستبرد سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ ایام رضاعت و طفولیت کے چند واقعات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

جب سیدۂ آمنہ نے مخدومِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو محترمہ حلیمہ کے سپرد کرتے ہوئے ان خوارق کا ذکر کیا جو ان کے ایام حمل میں اور وضع حمل کے بعد مشاہدہ میں آئے تھے تو اتفاق سے چند یہودی پاس ہی کھڑے یہ سب سن رہے تھے۔ وہ سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس بچہ کو قتل کر دینا چاہیئے خصوصاً موجودہ حالت میں کہ یہ یتیم ہے اس لیے کوئی باز پرس کرنے والا نہ ہوگا

ان کا یہ منصوبہ سیدہ آمنہ کے کان میں پڑ گیا۔ انہوں نے ان کو ڈانٹ کر کہا ایسی بات زبان پر نہ لاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تمہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ میں اس کی ماں موجود ہوں اور اس کے والد بھی زندہ سلامت ہیں۔" یہ سن کر یہودی وہاں سے چل دیے (ابن سعد)

سیدہ آمنہ نے حلیمہ کو رخصت کرتے وقت یوں ہی برسبیل "تذکرہ فرمایا تھا کہ اس فرزند کے باب میں کسی سیانے سے پوچھنا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر اپنے قبیلہ میں پہنچیں تو اس کے کچھ عرصہ بعد عکاظ کا میلہ ہوا۔ حلیمہ آپ کو لے کر وہاں پہنچیں اور قبیلۂ ہذیل کے ایک عرّاف کے پاس لے گئیں جسے لوگ اپنے بچے دکھایا کرتے تھے جب عرّاف نے آپ کو دیکھا تو بلند آواز سے چیخنے چلانے لگا اے ہذیل کے لوگو! اے گروہ عرب! تمام لوگ جو میلہ میں آئے تھے اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کیا بات ہے؟ وہ بولا تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اس لڑکے کو قتل کر دو"۔ یہ سن کر حلیمہ وہاں سے بسرعت نکل گئیں، اور لوگ عرّاف سے پوچھنے لگے کہ کون سا لڑکا؟ کون سا لڑکا؟ اس نے کہا وہ ابھی یہیں تھا۔ لوگوں نے آپ کو ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی سراغ نہ پا سکے۔ آخر لوگوں نے پوچھا کہ اس بچہ کو کیوں قتل کرنا چاہیے تھا؟ وہ بولا یہ لڑکا تمہارے دین کو نابود کر دے گا اور تمہارے معبودوں (بتوں) کو توڑ دے گا اور تم پر غلبہ پائے گا"۔ یہ سن کر لوگوں نے عکاظ کے میلہ میں آپ کی بہت جستجو کی مگر حلیمہ آپ کو دور لے جا چکی تھیں۔ حافظ حقیقی نے آپ کو ان کے پنجۂ بیداد سے بچا لیا چنانچہ حلیمہ بخیر و عافیت اپنے مکان پر پہنچ گئیں لیکن اس کے بعد آپ کو کسی عرّاف کے سامنے نہ کیا (ابن سعد)

جب حلیمہ آپ کو والدۂ محترمہ کے پاس واپس پہنچا گئیں تو اس کے تھوڑے دنوں بعد ایک کاہن مکہ معظمہ آیا۔ یہ کاہن ہر سال یہاں آیا کرتا تھا۔ اس وقت حضرت سیّد موجودات کی عمر پانچ سال کی تھی۔ اس مرتبہ اس نے آپ کو عبدالمطلب کے پاس دیکھ لیا۔ وہ کہنے لگا اے گروہِ قریش! اس لڑکے کو قتل کر دو کیونکہ یہ تمہارے کیش بت پرستی کو مٹا دے گا اور تمہاری جمعیت کو پراگندہ کر دے گا"۔ یہ سن کر عبدالمطلب آپ کو وہاں سے گھر لے آئے (ابن سعد)

اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ قبیلۂ بنو لہب کا ایک شخص مکہ مکرمہ آیا۔ یہ شخص علم قیافہ

میں ماہر تھا۔ قریش کے لوگ اپنے بچوں کو اس خیال سے اس کے پاس لے گئے کہ ان کے مستقبل سے متعلق کچھ معلوم کریں۔ ابو طالب بھی آپ کو اس کے پاس لے گئے۔ قیافہ شناس نے آپ کو ایک نظر دیکھا لیکن پھر کسی کام میں مصروف ہو گیا۔ جب اس کام سے فارغ ہوا تو کہنے لگا کہ وہ لڑکا کہاں ہے جس کو میں نے ابھی دیکھا تھا۔ وہ مجھے دکھاؤ۔ وہ بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہے' اس کی عظمت شان ظاہر ہو گی۔ ابو طالب نے آپ کو دوبارہ اس کے سامنے نہ کیا اور جب دیکھا کہ قیافہ شناس کو آپ کی بازدید کا اتنا اشتیاق ہے تو آپ کو اس سے مخفی کر دیا۔ اس نے ہر چند اصرار کیا لیکن ابو طالب نے اس کو منظور نہ کیا اور آپ کو ساتھ لے کر واپس چلے آئے (سیرۃ ابن ہشام)

آپ کے ایام طفلی میں بعض نصاریٰ کی یہ بھی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے وطن لے جا کر دنیا کو اس نور افشانی سے محروم کر دیں جس سے عالم انسانیت بہت جلد منور ہونے والا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حلیمہ دودھ چھڑانے کے بعد آپ کو آپ کی والدہ کی اجازت سے دوبارہ اپنے قبیلہ میں لے گئی تھیں لیکن پھر بہت جلد واپس پہنچا گئیں۔ اس واپسی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حبشہ کے چند نصاریٰ نے آپ کو حلیمہ کے ساتھ دیکھ کر کہا کہ اس لڑکے کو ہم اپنے شہر لے جاتے ہیں کیونکہ یہ لڑکا صاحب ظہور معلوم ہوتا ہے۔ ہر چند انھوں نے اصرار کیا۔ لیکن محترمہ حلیمہ نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ آخر وہ چلے گئے اور حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ محترمہ کے پاس پہنچا گئیں (سیرت ابن ہشام)

# فصل ۵۳۔ شام کا پہلا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکپن کا زمانہ ابو طالب ہی کے زیر کفالت گزرا۔ اخلاق حمیدہ اور اطوار پسندیدہ نے آپ کو نہ صرف ابو طالب اور دوسرے بزرگان خاندان کا محبوب بنا رکھا تھا بلکہ شہر کے دوسرے لوگ بھی آپ کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو طالب نے تجارت کے لیے سفر شام کا قصد کیا اور آپ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ مکہ میں چھوڑنا چاہا۔ لیکن جب وہ اونٹ پر سوار ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ چچا جان! مجھے بھی ساتھ لے چلو" گو اس صغر سنی میں آپ کا یہ طویل سفر ظاہر

مغت کی زحمت اور غیر ضروری ہرج و مشقت کا باعث تھا تاہم اس لحاظ سے کہ خدائے حکیم و خبیر کو باہر کی ولایتوں میں بھی ابھی سے آپ کی رسالت کا غلغلہ انداز کرنا منظور تھا ابو طالب نے بلاحیل و حجت اس کو منظور کر کے آپ کو اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ یہ آپ کی زندگی کا سب سے پہلا سفر تھا۔ اس وقت آپ بقول ابن جریر طبری اپنی عمر کی نویں منزل میں جا رہے تھے اور حسب بیان ابن سعد آپ کی عمر بارہ سال کی تھی۔

### پیغمبروں کے ہمشکل ہونے کی پہچان

جب یہ قافلہ آگے بڑھا تو راستہ میں ایک مسیحی معبد کے پاس جا کر ٹھیرے۔ صاحب معبد نے آپ کو ابو طالب کے ساتھ دیکھ کر ان سے پوچھا کہ یہ لڑکا تمہارا کیا لگتا ہے؟ کہا میرا بیٹا ہے۔" راہب نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس لڑکے کا باپ زندہ ہو۔ ابو طالب نے پوچھا کہ تھیں یہ کیونکر معلوم ہوا؟ راہب نے کہا کہ اس لڑکے کی شکل و صورت نبیوں کی سی ہے اور اس کی آنکھیں بھی انبیاء کی آنکھوں کے مشابہ ہیں۔ ابو طالب نے پوچھا کہ نبی کس کو کہتے ہیں؟ راہب نے کہا نبی وہ ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہو اور وہ ان احکام الٰہیہ کو بندگان خدا تک پہنچائے۔ ابو طالب نے کہا جو کچھ تم کہہ رہے ہو خدائے قدیر اس سے بھی زیادہ کر دکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔ راہب نے اس کے بعد تاکید کی کہ اس لڑکے کو یہود سے بچائے رکھنا۔

وہاں سے چلے تو ایک اور راہب نے آپ کو دیکھ لیا۔ اس نے بھی ابو طالب سے یہی سوال کیا کہ یہ لڑکا تمہارا کیا لگتا ہے؟ ابو طالب نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ راہب بولا نہیں اس لڑکے کا باپ زندہ نہ ہوگا۔ ابو طالب نے پوچھا تمہیں کیونکر معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ اس لڑکے کا چہرہ اور اس کی آنکھیں نبیوں کے سے چہرے اور آنکھوں کی طرح (خوبصورت) ہیں۔ ابو طالب بولے اللہ کریم کو اس سے بھی زیادہ کے اختیارات ہیں۔ اس کے بعد ابو طالب آپ سے کہنے لگے برادر زادے! ان لوگوں کا بیان سن رہے ہو؟ آپ نے فرمایا چچا جان! خدائے برتر کی قدرت اور اس کے انعامات و احسانات بے پایاں ہیں (ابن سعد)

### پیغمبر آخر الزّماں کے شرف دید سے مشرف ہونے کی آرزو

جب قریش کا یہ قافلہ شام کے سرحدی شہر بصریٰ میں جسے آج کل حوران کہتے ہیں پہنچا تو اس کے باہر ایک جگہ منزل کی۔ اس مقام پر ایک مسیحی خانقاہ

تھی جہاں بحیرا نام ایک راہب رہتے تھے۔ یہ دین مسیح کے بہت بڑے عالم، زہد و ورع میں ممتاز اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ انہوں نے تورات، انجیل اور دوسری آسمانی کتابوں میں پیغمبر آخر الزمان کی علامتیں پڑھی ہوئی تھیں اور آپ کو ان علامتوں سے بخوبی پہچان سکتے تھے۔ اس عاشق رسول نے مدت مدید اس اشتیاق و انتظار میں گزار دی کہ کسی طرح نبی آخر الزمان کے شرفِ دید سے مشرف ہو۔ انہیں معلوم تھا کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے قبیلۂ قریش میں پیدا ہوں گے، اس لیے جب قریش کا تجارتی قافلہ ہر سال ان کی خانقاہ کے قریب آ کر اترتا تو ان کی پُر ارمان متجسس نگاہیں ان علامتوں سے جو ان کے علم میں تھیں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو کرتیں اور جب قافلے کا کوئی آدمی ان علامات سے موصوف نہ نظر آتا تو اس حسرت کو دل ہی میں لیے واپس چلے جاتے۔ یہی ان کا ہر سال کا معمول تھا۔

## شجر و حجر کا السلام علیک کہنا

الغرض وہ اسی اشتیاق دید میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے لیکن خوبی تقدیر سے اس سال جو قریش کا قافلہ آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابر کا ایک ٹکڑا قافلہ کے ایک لڑکے کو سایہ کیے آ رہا ہے۔ اور جب قافلہ گھاٹی سے اترنے لگا تو ان پر منکشف ہوا کہ کوئی شجر اور حجر ایسا نہیں جو اس لڑکے سے خطاب کر کے السّلام علیک یا رسول اللہ نہ کہہ رہا ہو۔ یہ قافلہ بھی حسب معمول انہی بحیرا کی خانقاہ کے پاس آ کر اترا۔ اہل قافلہ ابھی اسباب ہی اتار رہے تھے کہ بحیرا راہب جھٹ آ موجود ہوئے اور آتے ہی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے مجھے قطعی یقین ہے کہ یہ نونہال سید العالمین و رسول رب العالمین ہے۔ ربّ السمٰوات والارض نے اس کو رحمت عالم بنا کر بھیجا ہے۔ اہل قافلہ جنہیں اب تک سلطانِ جہان کی کسی عظمت کا احساس اور حسی مشاہدہ نہ ہوا تھا یہ سن کر حیرت زدہ ہوئے اور پوچھا تمہیں اس کا کیونکر علم ہوا؟ بحیرا نے اپنا مشاہدہ ان سے بیان کیا (الروض الانف، تاریخ طبری، مدارج)

## اہل قافلہ کی دعوت

اب بحیرا نے اس خوشی میں کہ سالہا سال کی جستجو کے بعد گوہر مقصود ہاتھ آیا، اہل قافلہ کی دعوت کی اور خانقاہ جا کر کھانا طیار کرانے لگے۔ جب قافلہ والے کھانا کھانے کے لیے ان کی خانقاہ میں پہنچے تو وہ سرو

کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برابر بڑے غور سے دیکھتے رہے۔ جب لوگ کھانا کھا کر واپس آنے لگے تو آپ سے کہا کہ صاحبزادے! ذرا ٹھیر جایئے۔ آپ اور آپ کے عم محترم ابو طالب رُک گئے۔ اب بحیرا نے آپ کی بیداری اور خواب کی حالت دریافت کی۔ جب اس کی تشریح کی گئی تو نبی آخر الزمان کی حالت کے مطابق پائی۔ اس کے بعد بحیرا نے آپ کے شانۂ مبارک میں مُہر نبوت کو اس ہیئت پر جو کتب سماویہ میں پڑھا کرتے تھے دیکھ کر اس کو بوسہ دیا اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ پس بحیرا اُن نفوس قدسیہ میں سے ہیں جو آپ پر قبل از نبوت ایمان لائے تھے (ابن جریر طبری و مدارج)

اس کے بعد بحیرا نے ابو طالب سے پوچھا کہ یہ سلطان کونین آپ کے کیا لگتے ہیں؟ ابو طالب نے کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس کا باپ اُسی وقت رحلت کر گیا تھا جب یہ ابھی شکم مادر میں تھا۔ بحیرا نے کہا میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ یہیں سے اپنے شہر کو لوٹ جائیں کیونکہ یہود نبیٔ عربی کے دشمن ہیں۔ اگر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان علامتوں سے پہچان لیا کہ جن سے میں نے شناخت کی ہے تو یقیناً کوئی فتنہ انگیزی کریں گے (ابن سعد)

### سات مسیحی عازمین قتل

بحیرا نے رخصت کرتے وقت ابو طالب کو مکرر سمجھایا کہ تم اس صاحبزادہ کو اندرون شام میں نہ لے جاؤ کیونکہ اگر اہل شام اسے دیکھ پائیں گے تو آسمانی کتابوں کی علامتوں سے شناخت کر کے قتل کر دیں گے۔ یہ کہہ کر بحیرا نے جو مڑ کر دیکھا تو وہاں روم کے سات عیسائی کھڑے دیکھے۔ بحیرا نے خود ہی سبقت کر کے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس طرح یہاں آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں اطلاع ملی تھی کہ عربی نبی اسی مہینہ میں خروج کرنے والا ہے اس لیے راستوں کے ناکوں پر پہرے متعین کر دیے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم یہاں بھیجے گئے ہیں۔ بحیرا نے کہا کیا تم اس حقیقت کو سمجھتے ہو کہ جب رب قدیر کسی کام کی تکمیل کا ارادہ کر لے تو کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ مشیت الٰہی کو وقوع پذیر ہونے سے روک دے؟ انہوں نے کہا واقعی کسی کی مجال نہیں چنانچہ ان لوگوں نے بحیرا کے مشورہ کا نہایت احترام کیا اور یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادۂ قتل سے باز آ کر اسی کی خانقاہ میں ٹھیر گئے۔ (ابن جریر طبری)

**ابوطالب کی رجعت قہقری**

اب راہب قریش کے قافلہ میں آیا اور خدا کا واسطہ دے کر ابوطالب کو تاکید کی کہ اللہ کی اس امانت کو واپس لے جاؤ اور جب تک ان کو روانہ نہ کر دیا ابوطالب کا پیچھا نہ چھوڑا (ابن جریر طبری) ابوطالب اپنا تجارتی مال بُصریٰ ہی میں فروخت کر کے مکہ معظمہ واپس آگئے (مدارج)

بحیرا راہب سے ملاقات ہونے کا واقعہ جسے امام ترمذیؒ ابن ابی شیبہ، ابن ہشام سُہیلی وغیرہ محدثین اور اہل سیر نے بھی روایت کیا ہے ہر طرح سے درخور اعتماد ہے۔ بے شمار محدثین کرام اور سیرت نگار اس کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے جو تنقیدِ روایت کے امام ہیں اصابہ میں بحیرا راہب کا دو جگہ ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۱۳-۱۴' اور صفحہ ۱۴۴) اگر یہ روایت غیر صحیح اور ناقابلِ اعتبار ہوتی تو علامہ ممدوح اس کو بلا جرح و تردید کبھی نقل نہ کرتے۔

# فصل ۵۴ - بکریاں چرانے کا مشغلہ

جب سنِ مبارک بارہ سال کا ہوا تو شفیق چچا نے آپ کو بکریاں چرانے کا کام سپرد کیا۔ یہ گلہ بانی حقیقت میں دنیا کی گلہ بانی کی تمہید تھی اور اس میں من جانب اللہ یہ حکمت مضمر تھی کہ راعی کو رعایا کی حفاظت و نگہبانی کا عملی تجربہ ہو جائے اور آپ اُمت دعوت کے سرکش اور شورہ پشت عناصر کی ایذائیں سہنے سے پہلے بھیڑ بکریوں کی ایذا رسانی پر ضبط و تحمل کے خوگر ہو جائیں جو ریوڑ سے دور نکل کر چرواہے کی پریشانی کا موجب ہوا کرتی ہیں۔ حسب روایت ابوہریرہؓ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا کہ حق سبحانہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں اور میں بھی مکہ کے مقام قراریط پر (اپنے گھر والوں کی) بکریاں چراتا رہا ہوں (بخاری و ابن ماجہ) قراریط موضع جیاد کے پاس ایک جگہ کا نام ہے۔

بکریاں چرانے میں ایک بڑا اخلاقی فائدہ یہ ہے کہ اس سے طبیعت میں عجز و انکسار پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بکریاں چرانے والوں میں مسکنت و سنجیدگی ہوا کرتی ہے (بخاری وغیرہ) اسی بنا پر تمام انبیاء علیہم

السلام اس اخلاقی درسگاہ میں داخل ہونے پر مامور رہے چنانچہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام کا بکریاں چرانا قرآن عزیز میں مذکور ہے' اور ایک حدیث میں حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰؑ مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ داؤدؑ مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چراتے رہے تھے اور میں بھی مبعوث ہوا' اور میں جیاد میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا (عیون الاثر)

حضرت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بکریاں چرانے کا تذکرہ دوسری حدیثوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے۔ فاقہ کش صحابہؓ ایک جنگل میں پہنچ کر پیلو کا پھل توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ سیاہ پھل زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا میرا یہ اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایام طفولیت کے متعلق فرمایا کہ مجھے دو مرتبہ کے سوا کبھی امر جاہلیت کا قصد نہیں کیا (بخاری)

ان دو میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ آپ اور ایک اور قریشی لڑکا شہر سے کچھ فاصلہ پر بکریاں چرا رہے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میری بکریوں کی بھی نگرانی کرنا میں ذرا شہر (مکہ) سے ہو آؤں۔ مکہ معظمہ میں کوئی شادی تھی جس میں لہو و سرود کا انتظام تھا چنانچہ آپ تشریف لے گئے لیکن جب اس میں شرکت کے قصد سے شادی والے گھر کے قریب پہنچے تو آپ پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ سو گئے یہاں تک کہ لہو و سرود کی مجلس برخاست ہوئی اور دھوپ کی شدت نے آپ کو بیدار کر دیا۔ اس طرح حافظ حقیقی کی طرف سے آپ کی عصمت و طہارت کا سامان کیا گیا۔ دوسری مرتبہ کا واقعہ بھی بالکل اس کا ہمرنگ تھا۔ اس دفعہ بھی آپ نے اپنے رفیق سے یہی کہا اور اس مرتبہ بھی آپ نیند سے مغلوب ہو کر مجلس لہو و سرود سے باز رکھے گئے (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

گو حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان ایام میں گلہ بانی میں معروف تھے لیکن ہادیٔ فطرت بزبان حال پکار رہا تھا کہ آپ کی زندگی کا نصب العین گلہ بانی نہیں بلکہ آپ اس سے کہیں زیادہ بلند مقاصد کے لیے عبرت کدۂ عالم میں تشریف لائے ہیں۔ آپ خود تو اپنے فرائض رسالت انجام دے کر دنیا سے رخصت ہو گئے

مگر آپ اپنے ریوڑ چرانے والے پیرووں کو طلب عقبیٰ کے ساتھ ساتھ ایسی تعلیم دے گئے جس نے ان میں ملک داری اور جہاں بانی کے تمام اعلیٰ صفات جمع کر کے اقالیم کے فرماں روا بنا دیا۔

کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا کہ آپ کتنی مدت تک گلّہ بانی کرتے رہے لیکن چونکہ یہ کام فی الحقیقت ایام طفولیت ہی سے آپ کا اخلاقی معیار بہت زیادہ بلند کرنے کی غرض سے تفویض ہوا تھا اس لیے گمان غالب ہے کہ آپ نے زیادہ طویل عرصہ تک اس مشغلہ کو جاری نہ رکھا ہو گا۔

# فصل ۵۵۔ قوم کی طرف سے آمین کے معزّز لقب کا پیشکش

انبیاء علیہم السلام پر نبوّت اور وحی کا دروازہ تو بہت بعد میں جا کر کھلتا تھا لیکن ان مقدسین کو آغاز شباب ہی سے فہم سلیم اور عقل مستقیم عطا فرما دی جاتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت خدائے برتر اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکوکاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں (۲۸ : ۱۴) یہی حال خدا کے تمام پیغمبروں کا تھا کہ حدِ بلوغ پر پہنچتے ہی ان کے ظاہری و باطنی حواس اور قوائے ذہنی میں غیر معمولی انقلاب رونما ہوتا اور پھر عمل صالح کے فیضان سے اُن کے علم پر جو براہ راست رب العالمین سے عطا ہوتا تھا اور ان کے حسن کردار پر چار چاند لگ جاتے تھے اور یہ خوشگوار حالت دن بدن ترقی کرتی رہتی تھی یہاں تک کہ وہ وقت آ جاتا کہ وحیٔ الٰہی کا سرچشمہ موج زن ہو۔

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات پر آغاز شباب کے ساتھ ہی جو رنگ آیا اس کا دُھندلا سا عکس ابن ہشام اور ابن سعد رحمہما اللہ کی زبان سے سُنیئے۔

ابن ہشام رقم طراز ہیں:-

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں جوان ہوئے کہ ہر شر و فساد اور معصیت کے میلان سے حق تعالیٰ آپ کی حفاظت فرماتا تھا یہاں تک کہ آپ کو جاہلیت کی ہر ناپاکی سے پاک و مطہر رکھا کیونکہ آگے آپ کو سید رسل اور ہادی سبل بنانا تھا۔ بلوغ کے بعد آپ نہایت بامروت حیادار، راست گو، حلیم کریم، شفیق اور صاحب اخلاق فاضلہ تھے اخلاق ذمیمہ سے جو شرف و مجد انسانی کے دامن پر سخت بدنما داغ ہیں کوسوں دور تھے۔ خالق کردگار نے آپ کی ذات والا میں تمام اخلاق حمیدہ جمع فرما دیے تھے (سیرت ابن ہشام،

ابن سعدؒ لکھتے ہیں:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بالغ ہوئے تو آپ مروت کے اعتبار سے اپنی قوم میں سب سے افضل، اخلاق میں سب سے احسن، میل جول میں سب سے زیادہ فرحت بخش، ہمسائیگی میں سب سے زیادہ کریم و خوشگوار، حلم و تحمل میں سب پر فائق، گفتگو میں سب سے زیادہ صادق البیان اور فحش و اذیٰ میں سب سے زیادہ بعید تھے۔ نہایت بردبار، متواضع، منکسر المزاج، ہر ایک کے ہمدرد و بہی خواہ، وعدہ کے پابند اور انتہا درجہ کے امانت دار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات والا میں تمام امور صالحہ اور اخلاق فاضلہ جمع کر دیے تھے۔ اسی بنا پر قوم نے آپ کو امین کے معزز خطاب سے نوازا (طبقات ابن سعد)

# فصل ۵۶۔ حرب فجار میں بادل ناخواستہ شرکت

بعثت نبوی سے پہلے حجاز مقدس میں ہر سال تین بڑے بازار یا میلے لگا کرتے تھے جن میں زیادہ مشہور عکاظ کا میلہ تھا۔ یہ مقام مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے پاس واقع تھا۔ اس میں عربی قبائل جمع ہو کر خرید و فروخت کرتے اور اپنی اپنی قوم اور آبا و اجداد کی فضیلت و برتری میں فخریہ اشعار پڑھتے، اور اسی جاہلانہ تفاخر کی باتوں میں اکثر کٹ مرتے تھے۔ ایک مرتبہ عکاظ کے میلہ میں قبیلۂ بنو قیس کا ایک شخص عروہ بن عتبہ بنو کنانہ کے ایک آدمی براض کنانی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس نزاع نے بڑھتے بڑھتے قبائلی جنگ کا رنگ اختیار کر لیا جس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

زمانۂ جاہلیت اور شروع اسلام میں اہل عرب چار مہینوں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ،

محرم اور رجب کو اشہرِ حُرُم یعنی حرمت والے مہینے مانتے تھے۔ ہر عرب ان چار مہینوں کا احترام کرتا تھا۔ ان میں سے ماہ ذوالحجہ تو مناسک حج کے لیے تھا۔ ذی قعدہ حج کو جانے کے لیے، محرم حج سے واپس آنے کے لیے اور رجب سال کے وسط میں تجارتی مشاغل یا خانگی امن و سکون کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ بنو قیس نے جن کا ایک آدمی عُروہ بن عتبہ قتل ہو گیا تھا، اشہرِ حُرُم کے احترام کو بالائے طاق رکھ کر ماہ ذی قعدہ میں لڑائی شروع کر دی۔ اس بنا پر یہ جنگ حربِ فجار کے نام سے مشہور ہوئی یعنی عصیان و عُدوان کی جنگ۔

ابھی لڑائی شروع ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ عبداللہ بن جدعان کی کوشش سے باہم مصالحت ہو گئی اور چند سال تک فضا بالکل پرسکون رہی لیکن اس کے بعد کسی بات پر پھر بگڑ گئی اور ماہ شوال میں رزم و پیکار کا سلسلہ از سرِ نو شروع ہو گیا۔ بنو قیس نے اس مرتبہ بنو کنانہ کے ساتھ ان کے حلیف قریش پر بھی حملہ کر دیا۔ چونکہ خاندانی وقار کا سوال آن پڑا تھا اس لیے سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بمجبوری اس محاربہ میں جو غیر حرمت والے مہینے یعنی شوال میں شروع ہوا تھا برائے نام حصہ لینا پڑا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی لیکن دوسرے مؤرخوں نے آپ کا سنِ مبارک بیس سال بتایا ہے۔

اس معرکہ میں ہاشمیوں کے سردار پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ اور آپ کے دوسرے چچے ابو طالب، حمزہؓ اور عباسؓ بھی شریکِ کارزار تھے۔ بنو امیہ بلکہ تمام قریش کی عنانِ قیادت ابو سفیان کے والد حرب بن امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس جنگ میں پہلے بنو قیس اور آخر میں قریش غالب ہوئے لیکن بنو قیس کی ایک شاخ جس کو بنو نصر کہتے تھے کسی طرح رزم و پیکار سے دست بردار نہ ہوئی۔

اب امیر معاویہؓ کے نانا عُتبہ بن ربیعہ نے باہم مصالحت کرانے کی جدوجہد شروع کی آخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ فریقین کے مقتول شمار کیے جائیں۔ جس فریق کے آدمی زیادہ قتل ہوئے ہوں وہ دوسرے سے بقدر زیادت خون بہا وصول کرے۔ بنو قیس کے چالیس آدمی زیادہ مارے گئے تھے اس لیے قریش اور بنو کنانہ نے اپنے چالیس آدمی جن میں

ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے خواہرزادہ حضرت حکیم بن حزام بھی داخل تھے بطور دیت بنو قیس کے حوالے کر دیے، لیکن بنو عامر بن صعصعہ نے ان کو اپنے پاس حالت بے بسی میں دیکھا تو ان کے دل میں رحم آ گیا چنانچہ ان سب کو معاف کر کے رہا کر دیا اور اس طرح اس حرب و پیکار کا خاتمہ ہوا (ابن ہشام، سہیلی، ابن کثیر)

اس مصاف آرائی سے متعلق یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ گو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز منصب نبوت پر فائز نہیں ہوئے تھے لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام قبل از بعثت بھی ہر قسم کے منہیات و محظورات سے محفوظ تھے اس لیے رب قدیر نے آپ کو اس تصادم میں شریک ہونے سے قطعاً محفوظ رکھا جس کا آغاز ماہ ذی قعدہ میں ہوا تھا اس کے بعد دوسری آویزش میں بھی گو خاندانی وقار کے لحاظ سے آپ کو چچاؤں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑا لیکن آپ نے کسی متنفس پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ بلکہ آپ کا ارشاد ہے کہ میں محض اپنے چچاؤں کو اعداء کے تیروں سے بچاتا تھا۔ (ابن ہشام، ابن کثیر)

الغرض آپ نے اس رزم خواہی میں فی الحقیقت کوئی عملی حصہ نہ لیا اور نہ اس جنگجوئی سے آپ کو کوئی ادنیٰ دلچسپی تھی۔ اس کی وجہ بقول امام سُہیلی یہ تھی کہ جانبین کے متحارب اہل کفر تھے اور مومن کو حق تعالیٰ نے صرف اس صورت میں حرب و قتال کی اجازت دی ہے جبکہ اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہو (الروض سُہیلی جلد اول صفحہ ۱۲۰)

# فصل ۵۷۔ حِلف الفضول میں شرکت

نور اسلام کی ضیاء پاشی سے پہلے حرم کعبہ میں برملا ایسے حرکات شنیعہ کا ارتکاب ہوتا تھا کہ ہر انسان جس کے دل میں انسانی شرف و مجد کا کچھ بھی احساس ہو ان کو سن کر کانپ اٹھے گا۔ لوٹ مار کی ہر طرف گرم بازاری تھی۔ بے کس مسافر اور مفلوک الحال لوگ ستائے جاتے تھے۔ کسی کی دادرسی نہ تھی۔

**ایک مسافر کی مظلومی**

ایک مرتبہ قبیلہ بنو زبید کا ایک آدمی مکہ میں کچھ مال تجارت لایا جس کو حضرت عمرو فاتح مصر کے باپ عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے قیمت وصول کرنے کی ہر ممکن العمل تدبیر کی لیکن کامیابی

نہ ہوئی۔ وہ بنو عبدالدار، بنو مخزوم، بنو سہم، عدی بن کعب اور دوسرے قبایل قریش کے پاس جا جا کر داد خواہ ہوا لیکن عاص بن وائل کا اثر و اقتدار فریاد رسی میں مانع رہا۔ آخر جب کوئی بھی فریاد رس نظر نہ آیا تو ایک صبح جب اعیانِ قریش بیت اللہ کے گرد جمع تھے تو مظلوم نے کوہِ بوقبیس پر چڑھ کر بآوازِ بلند چند دردناک اشعار پڑھے اور اپنی مظلومی اور بے کسی کا دکھڑا رو دیا۔ یہ سن کر بعض ہمدردانِ بنی نوع کا دل پسیجا اور انہوں نے تمام بد اخلاقیوں کی اصلاح اور انسدادِ مظالم کا بیڑا اٹھایا۔ اصلاحات کے سب سے بڑے محرک حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم زُبیر بن عبدالمطلب تھے۔ وہ مسافر کی نوحہ وزاری سن کر عالم بے قراری میں کھڑے ہو گئے اور بولے کہ یہ فریاد رائیگاں نہیں جا سکتی۔

### مظلوموں کی داد خواہی کا مطالبہ

اس کے بعد زُبیر بن عبدالمطلب نے ان پانچ خانوادوں کے سرآوردہ افراد کو عبداللہ بن جُدعان کے وسیع مکان میں جمع کیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مادرِ محترمہ جناب آمنہ کا خاندان بنو زہرہ بن کلاب، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خاندان بنو اسد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو تیم بن مُرّہ"۔ ابن جدعان نے ان سب کی ضیافت کی۔ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بزرگانِ خاندان کے ساتھ شریک ہو کر اس میں سرگرم حصہ لیا۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے کسی قدر متجاوز تھی۔

اس اجتماع میں سب نے کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت اور حفاظت کا حلف اُٹھایا اور عہد کیا کہ ہم سب مظلوم کی امداد و اعانت اپنا فرض سمجھیں گے اور اس وقت تک چین نہ لیا کریں گے جب تک مظلوم کی دادرسی نہ کریں۔ اس معاہدہ کی نسبت حضرت نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اس معاہدہ میں شریک تھا جو عبداللہ بن جُدعان کے مکان پر طے ہوا تھا، اور اگر مجھے اس کی شرکت کے معاوضہ میں سُرخ رنگ کے بیش قیمت اونٹ بھی دیے جاتے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا، اور اگر آج اسلام میں بھی مجھے اس قسم کے معاہدہ کے لیے کسی جگہ بلایا جائے تو میں لبیک کہنے کو تیار رہوں (ابن ہشام،

ابن سعد، ابو الفداء، سہیلی)

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اوائل ہی سے مکارمِ اخلاق کے اوصافِ حمیدہ آپ کی ذاتِ گرامی میں جمع تھے اور جو روحانی و اخلاقی اغراض آپ کی بعثت سے وابستہ تھے شروع ہی سے ان کی صلاحیت آپ کی ذاتِ اقدس میں ودیعت تھی۔

**زبیدی کی دادرسی** ✓

حلف الفضول کا واقعہ بعثت سے بیس سال پیشتر اور حرب الفجار سے چار مہینہ بعد رونما ہوا۔ اس معاہدہ کے بعد حلف اٹھانے والے عاص بن وائل کے پاس پہنچے اور اس سے زبیدی کا مال لے کر اس کو واپس دلایا۔ (الروض الانف)

کہا جاتا ہے کہ قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کے نام سے اس لیے موسوم کیا کہ اس کے داعیوں کے نام میں فضل کا لفظ آتا تھا اور وہ فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث تھے۔ یہ قول ابو قتیبہ کا ہے۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے اور حدیث میں جو وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے وہ اس بیان سے زیادہ قوی ہے (تاریخ ابن کثیر)۔

**عبداللہ بن جُدعان**

عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عم زاد بھائی تھا جس کی کنیت ابو زُہیر تھی۔ یہ شخص بڑا با اخلاق تھا۔ قیدیوں کو چھڑاتا، غلاموں کو آزادی دلانا اور زیر دستوں کی پشت پناہی اس کا خاص شیوہ تھا۔ لیکن چونکہ ایمان اور عقائدِ صحیحہ کی دولت سے محروم تھا اس لیے اس کے اعمالِ خیر نہ تو رضائے الٰہی کو مستلزم تھے اور نہ نجاتِ اُخروی کے کفیل۔ ایک دفعہ ام المومنین رضہ بارگاہِ نبوت میں عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! ابن جدعان مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا اور مہمان کا اکرام کرتا تھا کیا اس کے یہ اعمال اس کو آخرت میں کچھ نفع دیں گے؟ فرمایا نہیں۔ اس نے ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا تھا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میرے گناہ بخشنا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (الروض الانف جلد اول ص ۹۲)

* * *

# فصل ۵۸۔ حضرت خدیجہ طاہرہؓ سے عقدِ ازدواج

جن ایام میں حضرت فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کی ۲۵ منزلیں طے کی ہیں ان دنوں مکہ معظمہ میں آپ کے اخلاق فاضلہ کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ آپ کے خصال حمیدہ کی بنا پر آپ کو ہر شخص نام کی بجائے "امین" کے لقب ہی سے یاد کرتا تھا۔ ان ایام میں قریش کی ایک نہایت معزز اور مالدار بیوہ خاتون خُدیجہ بنت خُوَیلد جو اپنے محاسن اخلاق و کردار کے باعث خدیجہ طاہرہ کے لقب سے ممتاز تھیں، تاجروں کو مضاربت یعنی نفع میں شرکت پر روپیہ دے کر بغرض تجارت شام بھیجا کرتی تھیں۔

## آنحضرتؐ کو تجارتی سفر کی ترغیب

ایک دن ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے "برادر زادے! میں ایک نادار شخص ہوں اور ہم پر بڑا سخت وقت آیا ہوا ہے۔ نہ ہاتھ میں کوئی سرمایہ ہے اور نہ کوئی کاروبار ہے اس وقت تماری قوم کا قافلہ شام جانے کو تیار ہے اور خدیجہؓ قریش کے آدمیوں کو اپنا سرمایہ دے کر تجارت کے لیے بھیج رہی ہیں اور لوگ ان کے سرمایہ سے بڑے منافع حاصل کر رہے ہیں۔ اگر تم بھی خدیجہ سے شام جانے کی خواہش کا اظہار کرو تو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری طہارت اور صدقِ معاملہ کی بنا پر تم کو دوسروں پر ترجیح دیں گی اور گو میں اہل کتاب کے خوف سے اس بات کو پسند نہ کرتا تھا کہ تمہیں شام بھیجوں لیکن تجارت کے لیے وہاں گئے بغیر چارہ نہیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب اس بات سے مطمئن ہوں گے کہ جب آپ اپنے قافلہ کے ہمراہ ہوں گے تو اتنی کثیر جمعیت میں آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے بہرحال آپ نے اپنے عم مکرم کی خواہش کا احترام کیا اور فرمایا کہ عجب نہیں وہ اس غرض کے لیے مجھے خود ہی بلا بھیجیں۔ چچا نے کہا "تمہاری مرضی لیکن اگر خدیجہؓ نے دوسرے تاجروں سے معاملہ کر لیا تو پھر یہ موقع ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

کسی نے جا کر خدیجہؓ سے اس گفتگو کا ذکر کر دیا۔ خدیجہؓ کے دل پر اس سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق، امانت اور کرم اخلاق کا سکہ جما ہوا تھا وہ کہنے

لگیں کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تجارت کے خواہش مند ہیں ورنہ میں ان کے ساتھ سب سے پہلے معاملہ کرتی۔ اس کے بعد آپ کو بلا بھیجا اور کہا میں نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ مجھے آپ کی صداقت و امانت کا حال بخوبی معلوم ہے اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ بھی میرا مال تجارت شام لے جائیں۔ میں آپ کی قوم کے دوسرے تاجروں کو نفع کا جو حصہ دیتی ہوں آپ کو اس سے دوچند دوں گی۔ آپ نے اس کو منظور فرمایا اور گھر آ کر چچا سے اس کا ذکر کیا۔ ابو طالب نے کہا یہ ایسا رزق ہے جو خدا نے خاص تم کو عطا کرنا چاہا ہے (عیون الاثر)

## شام کا دوسرا سفر

غرض آپ قافلہ کے ساتھ شام روانہ ہوئے۔ خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ یہ آپ کا دوسرا شامی سفر تھا۔ آپ کے چچاؤں نے تمام قافلہ والوں کو سخت تاکید کر دی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بڑی حفاظت رکھنا، مبادا کسی دشمن کی طرف سے انہیں کوئی گزند پہنچے۔ جب قافلہ شام کے سرحدی شہر بصریٰ میں پہنچا، وہاں ایک بازار کے کنارے ایک درخت کے نیچے ایسی جگہ قیام کیا جہاں سے نسطورا نام ایک راہب کا صومعہ قریب تھا۔ میسرہ پہلے بھی خدیجہؓ کے مال تجارت کے ساتھ بارہا بصریٰ جا چکا تھا اور راہب اس کو پہچانتا تھا۔ راہب نے کہا اے میسرہ! یہ صاحب جو تمہارے ساتھ ہیں کون ہیں؟ میسرہ نے کہا کہ اہل حرم میں سے ایک قریشی ہیں۔ راہب نے کہا یہ صاحب نبی اللہ ہیں۔ پھر بولا اچھا بتاؤ ان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ میسرہ نے جواب دیا ہاں۔ راہب نے کہا یہی دنیا کے آخری نجات دہندہ اور خاتم النبیین ہیں، کاش میں وہ زمانہ پاؤں جس میں ان کی دعوت و ارشاد کا آغاز ہوگا (عیون الاثر)

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے تنے کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جو بالکل بوسیدہ اور بے برگ و بار تھا آپ کے بیٹھتے ہی وہ ایسا سرسبز اور میوہ دار ہو گیا کہ دیکھنے والوں کی روح تازہ و بشاش ہوتی تھی۔ یہ مشاہدہ کر کے نسطورا قریب آئے اور ازراہ امتحان کہنے لگے میں تمہیں لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ بتاؤ تمہارا کیا نام ہے؟ آپ نے سخت ناگواری کے ساتھ فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جو مجھ پر تمہارے ان الفاظ سے زیادہ شاق ہو۔" اس وقت نسطورا کے ہاتھ

میں ایک صحیفہ تھا جس کی تحریر کو وہ بار بار دیکھتے اور کہتے تھے مجھے اسی خدائے برتر کی قسم کہ جس نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس انجیل بھیجی یہی پیغمبر آخر الزمان ہیں (مدارج النبوت)

### بادل کی سایہ افگنی

اس کے بعد آپ نے اور دوسرے بیوپاریوں نے اپنا اپنا مال تجارت جو مکہ سے لائے تھے بُصریٰ کے بازار میں فروخت کیا اور قافلہ مکہ کو واپس چلا۔ راستہ میں میسرہ برابر دیکھتا تھا کہ جب گرمی کی شدت ہوتی تھی تو جھٹ بادل آکر آپ پر کہ اونٹ پر سوار تھے سایہ افگن ہوتا تھا۔ میسرہ کے دل میں آپ کی ایسی محبت وعقیدت جاگزیں ہوئی کہ غلاموں سے بڑھ کر آپ کا تابع فرمان ہوا جب مرّ الظہران میں جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے پہنچے تو آپ سب سے آگے بڑھ آئے یہاں تک کہ ظہر کے وقت مکہ معظمہ میں پہنچ گئے۔ اس وقت خدیجہؓ چند خواتین کے ساتھ اپنے بالاخانے میں بیٹھی ہوئی باہر کا نظارہ دیکھ رہی تھیں۔ ان خواتین میں محترمہ نفیسہ بنت منیہ بھی جو اس واقعہ کی راویہ ہیں موجود تھیں۔ خدیجہؓ اور دوسری بیگمات نے بچشم خود دیکھا کہ دو بہت بڑے بڑے پرند سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سایہ کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ محو حیرت رہ گئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فرشتے تھے جو پرندوں کی صورت میں متمثل ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں آنحضرتؐ خدیجہؓ کے پاس پہنچ گئے اور بتایا کہ اس مال تجارت میں جو مکہ سے لے گئے تھے اتنا نفع ہوا۔ یہ سن کر خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں۔ اتنے میں میسرہ اور اس کے ساتھی مکہ معظمہ آپہنچے جب میسرہ نے راہب کا مقولہ اور سفر کے عجیب وغریب مشاہدات بیان کیے جن سے آپ کی عظمت شان اور بلندیٔ مرتبہ ظاہر ہوتی تھی تو وہ اور بھی آپ کی دالہ وشیفتہ ہوگئیں۔ اس کے بعد جب آپ نے شام کا مال مکہ کے بازار میں فروخت کیا تو اس مال میں بھی دوسروں سے دوچند نفع ہوا چنانچہ جناب طاہرہ نے آپ کو منافع میں اپنے وعدہ سے بھی دوگنا حصہ دیا۔ (عیون الاثر ومدارج)

### شرف زوجیت حاصل کرنے کا عزم صمیم

اب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کی آگ ہر وقت حضرت خدیجہؓ کے مجمر دل میں سلگ رہی تھی۔ وہ تفتیش مزید کے لیے اپنے ضعیف العمر عم زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جو دین مسیح علیہ السلام کے بڑے عالم تھے گئیں اور آنحضرتؐ

کے تمام خوارق و کرامات کو جو سنے اور دیکھے تھے بالتفصیل بیان کیا۔ ورقہ ؓ نے کہا اے خدیجہ! اگر یہ بیانات صحیح ہیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اُمت کے نبی ہیں اور مجھ کو کتب سماویہ سے معلوم ہے کہ اس اُمت میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے"۔ یہ سن کر جناب طاہرہ ؓ نے جو نہایت روشن دماغ اور معاملہ فہم خاتون تھیں شرف زوجیت حاصل کرنے کا عزم صمیم کر لیا حالانکہ اس سے پیشتر تمام بڑے بڑے رؤسائے قریش ان سے نکاح کرنے کے آرزومند رہے تھے اور وہ ہر پیغام کو ٹھکرا دیتی رہیں (ابن ہشام، ابوالفدا)

**خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مخلصانہ درخواست**

اس وقت تک آنحضرت ؐ ابو طالب ہی کے پاس اقامت فرما تھے جناب طاہرہ ؓ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ ذرا غربت کدہ تک قدم رنجہ فرمایئے۔ آپ نے خدیجہ ؓ کے پاس جانے کے لیے چچا سے اجازت مانگی۔ اس سے بھی آپ کے اخلاق عظیمہ کا پتہ چلتا ہے کہ پچیس برس کی عمر میں بھی آپ اپنے مربیّ سے پوچھ کر ہی کہیں جاتے تھے۔ ابو طالب نے آپ کو اجازت دی اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اپنی لونڈی کو جس کا نام نبعہ تھا آپ کے پیچھے پیچھے بھیج دیا اور کہا کہ جا کر سنو کہ خدیجہ ؓ ان سے کیا کہتی ہیں؛

نبعہ کا بیان ہے کہ جب آپ خدیجہ ؓ کے مکان پر پہنچے اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی تو وہ معاً دروازے پر آموجود ہوئیں اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر انتہائی تکریم کے خیال سے اپنی ہتھیلی پر رکھ دیا اور عرض پیرا ہوئیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں خدا کی قسم! میں ایسا نہ کرتی مگر مجھے اُمید ہے کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں اگر آپ وہی ہیں تو میرا حق پہچاننا اور میری قدر و منزلت کا احساس رکھنا اور میرے حق میں اپنے اس معبود حقیقی سے دعا کرنا جو آپ کو جلد مبعوث فرمائے گا"۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر میں وہی ہوا تو تمہارے اس احسان و سلوک کو جو مجھ سے کیا ہے کبھی نظر انداز نہیں کروں گا" اور اگر وہ صاحب میری بجائے کوئی اور ہوئے تب بھی وہ معبود برحق جس کی رضا جوئی میں تم نے مجھ پر یہ احسان کیا ہے تم کو کبھی ضائع نہیں کرے گا (فتح الباری)

**پیام نکاح**

جناب خدیجہ ؓ اس وقت تمام خواتین قریش میں حسن و جمال، مال و دولت شرف و نسب ہر صفت میں ممتاز تھیں اور صنادید قریش میں سے ہر ایک

کی یہ نہایت عزیز خواہش تھی کہ ان کو اپنے حبالۂ زوجیت میں لائے لیکن چونکہ خداوند عالم کے علم ازلی میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ وہ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف زوجیت سے سعادت اندوز ہوں، وہ رؤسائے قریش میں سے ہر ایک کا پیغام مسترد کر دیتی رہیں ــــــ وہ پیغمبر علیہ السلام کے پرتو کمال کی ایک جھلک دیکھ چکی تھیں اس لیے بہزار جان سے آپ کی شیفتہ تھیں۔

اب جناب طاہرہؓ نے نفیسہ بنت امیہ کے ہاتھ آپ کے پاس پیغام نکاح بھیجا۔ وہ آکر آپ سے ملیں اور کہنے لگیں محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو شادی کرنے میں کون امر مانع ہے؟ فرمایا کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ شادی کر سکوں۔ نفیسہ نے کہا میں اس کا ذمہ لیتی ہوں۔ اس کے بعد کہنے لگیں کہ اس وقت مال، جمال، شرف، کفو ہر خوبی آپ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔" آپ نے فرمایا تم کس کی نسبت کہہ رہی ہو؟ انہوں نے کہا خدیجہؓ بنت خویلد کی نسبت"۔ آپ نے فرمایا وہ کس طرح مانیں گی؟ کہا میں اس کی ضامن ہوں"۔ یہ کہہ کر نفیسہ چلی گئیں اور حضرت خدیجہؓ سے جا کر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں۔ اب حضرت خدیجہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ فلاں وقت تشریف لے آئیے۔ آپ نے چچاؤں کو اس پیغام کی اطلاع دی۔ سب نہایت محظوظ ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچا عَمرو بن اَسَد کو بلا بھیجا کہ آکر میرا نکاح کر دیجیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں کی معیت میں جناب طاہرہؓ کے مکان پر پہنچے اور مجلس نکاح منعقد ہوئی۔ (طبقات ابن سعد و عیون الاثر)

### خطبۂ نکاح

ابو طالب نے جو فصیح و بلیغ خطبۂ نکاح پڑھا اس کا مفہوم یہ ہے:۔

جمیع حمد و ستایش کا مستحق وہ خالق کردگار ہے جس نے ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بنایا اور اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل، مَعَدّ کے خاندان اور مُضر کے منصر میں ظاہر فرمایا۔ خدائے مبین نے ہمیں اپنے بیت کا محافظ اور حرم کا نگران بنا کر بھی برتری بخشی اور ہمارے لیے ایسا گھر تجویز فرمایا جس کی زیارت کے لیے تمام اطراف و جوانب کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔ مزید براں اس منعم حقیقی نے ہمیں پُرامن حَرَم عطا فرمایا اور

---

لے نفیسہ بنت اُمیّہ بھی بعد میں مشرف باسلام ہو گئیں۔ مشہور صحابیہ ہیں۔ انہوں نے حدیث کی روایت بھی کی۔ ان کی ماں کا نام منیہ بنت جابر بن وہب تھا (اصابہ)

لوگوں پر حکومت بخش کر فرمانا۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ یہ میرے برادرزادہ محمد بن عبداللہ گو زر و مال میں قلیل البضاعت ہیں لیکن شرافت، سیادت، فضیلت اور عقل و دانش میں سرآمدِ روزگار ہیں۔ ان صفاتِ جمیلہ میں جس کسی سے بھی ان کا مقابلہ کیا جائے گا یہ اس سے فائق و برتر ہی ثابت ہوں گے۔ لیکن مال تو چلتی پھرتی چھاؤں زوال پذیر کاسرانی اور مستعار اور عارضی متاع ہے جس کو قرار و ثبات نہیں۔ اور محمدؐ ان لوگوں میں ہیں جن کے حسب و نسب اور قرابت کا حال آپ لوگوں سے مخفی نہیں۔ اب یہ تمہارے خاندان کی معزز خاتون خدیجہ بنت خویلد کو اپنے سلک ازدواج میں منسلک کرنا چاہتے ہیں اور میرے مال میں سے اتنی رقم مہر میں دیتے ہیں اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس عقد کے بعد ان کی غیر معمولی عظمت ظاہر ہوگی اور ان کے حیرت انگیز واقعات لوگوں کے گوش زد ہوں گے۔ (الروض)

اس خطبہ کے اختتام پر جناب خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے کہا اے گروہِ قریش اس بات کے گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو چار سو مثقال مہر پر محمدؐ بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ پس جانبین سے ایجاب و قبول متحقق ہوا۔ کذا فی روضۃ الاحباب اور مواہب لدنیہ میں بعض رواۃ سے نقل کیا ہے کہ خدیجہؓ کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ اوقیہ چالیس درم کو کہتے ہیں۔ پس اس روایت کے بموجب پانچ سو درم ہوئے اور نش نصف اوقیہ کا ہوتا ہے (مدارج النبوت) ابن جریر طبری نے بھی حضرت خدیجہؓ کا مہر پانسو درم بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ رقم اسی وقت ادا کر دی گئی۔ نکاح کے وقت جناب خدیجہؓ کی عمر چالیس سال اور حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک پچیس سال کا تھا۔

**نقل مکانی** جس دارِ سعادت میں آج تک آنحضرتؐ قیام فرما تھے وہ آپ کی اور آپ کے چچا ابو طالب کی مشترک ملک تھا۔ عقد نکاح کے بعد آپ نے یہاں سے منتقل ہو کر حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے دولت کدہ کو شرفِ قدوم بخشا۔ یہ مکان آج بھی دار خدیجہؓ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ برجِ سعادت ہے، جہاں سے خورشیدِ ملت کی شعاعیں سب سے پہلے ظلمت کدۂ عالم پر ضیاء افگن ہوئیں اور وحیِ الٰہی کا سرچشمہ کئی سال تک موج زن رہا۔ اسی بنا پر بعض علماء کے نزدیک کعبۃ اللہ اور مسجدِ حرام کے بعد مکہ معظمہ کا افضل ترین مقام دار خدیجہؓ ہے۔

شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ نے اپنا سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیا۔ اس وقت آپ کی رضا جوئی ان کے لیے سب سے بڑی دولت تھی لیکن شریک زندگی ہونے کے بعد آپ نے اپنا کسی قسم کا بوجھ ان پر نہ ڈالا اور اپنے دست عمل سے نہ صرف اپنے اور اہل وعیال کے مصارف اور حوائج زندگی خود مہیا کرتے رہے بلکہ ایک تو حضرت خدیجہ رضؓ کا کاروبار سنبھال کر انہیں تجارتی جھمیلوں سے سبکدوش کر دیا۔ دوسرے تجارت میں غیر معمولی منافع حاصل کر کے حضرت خدیجہ رضؓ کے سرمایہ کو ترقی دی اور انہیں پہلے سے زیادہ متمول بنا دیا۔

## حلیمہ سعدیہ کی امداد

گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصارف اور لین دین میں بالکل مطلق العنان تھے پھر بھی بعض اہم امور میں حضرت خدیجہؓ سے مشورہ کر لینا مناسب خیال فرماتے تھے۔ جب آپ کی دودھ پلائی دائی حلیمہ سعدیہ کو آپ کی مرفہ الحالی اور کریم النفسی کا علم ہوا تو وہ مکہ معظمہ آکر آپ کے سامنے اپنے افلاس کا شکوہ کرنے لگیں۔ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے مشورہ فرمانے کے بعد چالیس بکریوں سے ان کی امداد کی (طبقات ابن سعد و تاریخ ابو الفداء)

## اولاد اطہار

حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو اولاد ہوئی اُن میں صاحبزادیوں کی نسبت تو تمام اُمّت کا اتفاق ہے کہ چار تھیں۔ زینبؓ، رقیہؓ، اُمّ کلثومؓ اور فاطمہ صلوٰات اللہ وسلامہ علیہنّ۔ اولاد ذکور میں قاسمؓ پر بھی ساری اُمت متفق ہے۔ یہ سب سے پہلا فرزند تھا جو قبل از نبوت پیدا ہو کر ایام رضاعت ہی میں رحلت کر گیا اور اسی کی نسبت سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ بعض علماء نے طیّب اور طاہر کو بھی آپ کی اولاد میں شمار کیا ہے لیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک فرزند عبداللہ تھا جو عہد اسلام میں متولد ہو کر صغر سنی میں انتقال کر گیا تھا۔ طیّب اور طاہر اسی کے لقب تھے۔ علم انساب کے اکثر ماہر اسی پر جازم ہیں اور دارقطنی نے اس کو اثبت الاقوال لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

# فصل ۵۹۔ حضرت زیدؓ کا مکہ آکر فروخت ہونا

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ بن شراحیل یمن کے ایک معزز قبیلہ بنو قضاعہ میں سے تھے۔ حارثہ نے قبیلہ طے کی ایک معزز خاتون سُعدیٰ بنت ثعلبہ سے نکاح کیا جس سے ایک بیٹی اُسماء، اور دو بیٹے جُبلہ اور زید متولد ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد سُعدیٰ نے اولاد کو اپنے میکہ میں باپ کی زیر تربیت میں چھوڑ کر دارِ آخرت کا راستہ لیا۔ جب حارثہ نے ان تینوں کے لے جانے کا قصد کیا تو بچوں کے نانا نے حارثہ سے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ان بچوں کے گزر اوقات کے لیے کافی ہے۔ آخر یہ صلاح ٹھیری کہ حارثہ، جُبلہ اور اسماء کو تو لے جائیں لیکن زید کو یہیں رہنے دیں۔ چنانچہ حارثہ زیدؓ کو ننہال ہی میں چھوڑ کر واپس گئے۔

کچھ مُدت کے بعد تہامہ کی طرف سے قبیلہ بنو فزارہ کے سوار آئے اور انہوں نے قبیلہ طے پر غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اس حادثہ میں زیدؓ غلام بنا لیے گئے اور وہاں سے بغرضِ فروخت عُکاظ کے بازار میں لائے گئے (مستدرکِ حاکم)

عُکاظ مکہ معظمہ سے تھوڑے فاصلہ پر کوہ عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں ہر سال بڑا شاندار میلہ لگا کرتا تھا۔

### حضرت زید رضی اللہ عنہ خیر الانامؐ کی غلامی میں

چونکہ زیدؓ کا ستارۂ اقبال نہایت عروج پر تھا۔ غلامی میں شہنشاہی سے بڑھ کر سرفرازی ملنے والی تھی، دائرۂ تقدیر کا خط مرکز تک پہنچا۔ حضرت خدیجہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایک لڑکا جو عقل و ادب سے آراستہ ہے بغرضِ فروخت آیا ہے۔ انہوں نے اپنے عم زاد بھائی وَرَقہ بن نوفل (یا دوسری روایت کے بموجب اپنے بھتیجے حکیم بن حزام) کو رقم دی اور وہ جا کر زید کو خرید لائے۔ کئی سال اسی حالت میں گزر گئے۔ حضرت سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے جوہرِ دانش زید کے ناصیۂ شباب پر نمودار پایا تو جناب خدیجہ طاہرہؓ سے فرمایا کہ یہ غلام مجھے ہبہ کر دو۔" انہوں نے زید کو آپ کی غلامی میں دے دیا (ابن سعد)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ غلامی فی الحقیقت ایسی سرفرازی تھی کہ جس پر ہفت اقلیم کی شہنشاہی بھی قربان تھی بالخصوص اس وجہ سے کہ آپ نے زیدؓ کو بالآخر اپنا متبنّیٰ بنا لیا جس کے بعد وہ

زید بن محمدؐ کے نام سے مشہور ہوئے (مستدرکِ حاکم)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شراحیل کو اپنے لختِ جگر کی گمشتگی کا بڑا قلق تھا۔ ان ایام میں عرب کے غیر مسلم بھی کعبۂ معلّیٰ کا حج کیا کرتے تھے۔ بعثت کے آغاز میں قبیلۂ طے کا ایک آدمی بغرضِ حج مکہ معظمہ آیا اور اس نے معًا اس یوسفِ گم گشتہ کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا زید بن محمدؐ۔ اس نے کہا نہیں تم تو زید بن حارثہ ہو۔ پھر ان کے باپ، بھائی اور دوسرے اقربا کے حالات بیان کیے اور بتایا کہ تمہارے خویش و اقارب تمہارے فراق میں سخت بدحال ہیں اور تمہاری تلاش میں بہت کچھ خرچ کر چکے ہیں۔ زیدؓ نے چند اشعار جن کا ترجمہ نیچے درج کیا جاتا ہے کہے اور بولے تم وطن جا کر میرے والد اور اہلِ وطن کو سنا دینا:۔

”گو میں اپنے وطن سے دُور و مجبور ہوں لیکن اُس کی محبت میرے دل میں موجزن ہے۔ میں خانۂ کعبہ میں مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں۔ سو تم لوگ اس غم سے باز آؤ جس نے تم کو الم زدہ بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر زمین کی خاک نہ چھانو۔ الحمدُ للّٰہ کہ میں بنو معدّ کے ایک معزز اور نیک گھرانے میں ہوں جو پشتہا پشت سے معزز چلا آتا ہے۔“

### حارثہ کا ورودِ مکہ

حضرت زیدؓ کے والد یعقوب وار روتے روتے سخت بدحال تھے۔ جب بنو طے کے زائر نے واپس جا کر ان کو فرزند کے زندہ و سلامت ہونے کا مژدہ سنایا تو ان کا چہرہ وفورِ انبساط سے چمک اُٹھا۔ بولے ربِّ کعبہ کی قسم! بتاؤ کیا وہ میرا ہی نورِ نظر تھا؟ اس نے یقین دلایا اور وہ تمام حالات بیان کیے جو دیکھ گیا تھا۔ حارثہ اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل اور اپنے دوسرے بیٹے جبلہ بن حارثہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ آئے (ابن سعد)

حارثہ مکہ مکرمہ پہنچ کر زید کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ جن میں زیدؓ بھی داخل تھے فنا کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ اچانک ان کی نگاہ زیدؓ پر پڑی اور ان کو پہچان لیا۔ زیدؓ نے بھی معًا ان کو پہچان لیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلال اور پاسِ ادب سے اُٹھ کر ان سے نہ ملے۔ آخر حارثہ نے خود ہی ان کو بلایا کہ زید! لیکن حضرت زیدؓ نے مجلسِ نبوی کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ دیکھ کر حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا زید! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ!

وہ میرا باپ ہے اور وہ میرا بھائی ہے اور وہ میرا چچا ہے"۔ آپ نے فرمایا اٹھو اور ان کو سلام کرو۔ زیدؓ حکم پاتے ہی اٹھے اور ان سب سے ملے۔ (مستدرک حاکم)

## بارگاہ نبوی میں حارثہ کا عرض معروض کرنا

حارثہ نے کہا زید! ہم تجھے لینے آئے ہیں، ہمارے ساتھ چلو۔ زیدؓ نے کہا میری نظر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں کوئی بدل نہیں اور میں ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد حارثہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت عرض پیرا ہوئے اے ابن عبد المطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے متولی ہو، مصیبت زدوں کی دستگیری تمہارا شیوہ ہے، قیدیوں کو کھلانا تمہارا شعار ہے۔ میں ایک دل فگار مصیبت زدہ شخص ہوں۔ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں کہ میرے نور العین زیدؓ کو آزاد کر کے مجھے رہین منت بناؤ اور جس قدر چاہو زر فدیہ لے لو۔ ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں"۔ (ابن سعد وحاکم)۔

آپ نے فرمایا میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اس کے نبیوں اور رسولوں میں سے آخری نبی ہوں"۔ حارثہ نے کہا آپ اس فرزند کے معاوضہ میں جس قدر چاہیں ہم سے درہم اور دینار طلب فرما سکتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کلمۂ توحید کو قبول نہیں کرتے تو پھر ہم ایک اور صورت اختیار کرتے ہیں۔ میں زید کو اختیار دیتا ہوں کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو بخوشی جانے کی اجازت دیتا ہوں اور اس کا کوئی معاوضہ تم سے نہیں لوں گا اور اگر وہ مجھے تم پر ترجیح دے تو میں ایسا قدر ناشناس نہیں ہوں کہ اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں"۔ حارثہ اور ان کا بھائی اس شرط پر بہت خوش ہوئے اور آپ کی دریا دلی اور کریم النفسی کا بہت کچھ شکریہ ادا کرنے لگے۔ (ابن سعد وحاکم)

## زیدؓ کا وطن جانے سے انکار

آپ نے زیدؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا زید! یہ تمہیں لینے آئے ہیں۔ اگر تم ان کے ساتھ جانا چاہو تو شوق سے جا سکتے ہو"۔ زیدؓ نے کہا حضرت! آپ ہی میرے ماں باپ ہیں۔ آپ کو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا"۔ یہ سن کر ان کے والد بولے زید! افسوس! تم آزادی، باپ، چچا، بھائی، خاندان اور وطن پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو"۔ زید بولے واقعی اس آستان رحمت کو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا"۔ باپ

نے پوچھا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ بولے وجہ یہ ہے کہ کوئی والدین اپنی اولاد کے حق میں اتنے رحیم و شفیق نہیں ہوتے جس قدر یہ مجھ پر مہربان ہیں"۔ آپ زیدؓ کی اس پُرخلوص محبت و عقیدت پر بہت محظوظ ہوئے اور گو وہ متبنیٰ پہلے سے بن چکے تھے لیکن آپ نے ان کو ازسرِنو خانۂ کعبہ میں حجر کے پاس لے جا کر اعلان فرمایا کہ زید میرا فرزند ہے (ابن سعد) حضرت زیدؓ کی شیفتگی رسولؐ کا ایک اور واقعہ سنو:

## بھائی پر مجلس نبوی کو ترجیح

جب زیدؓ نے اپنے وطن جانے سے قطعی انکار کر دیا تو ان کے والد اور چچا نے باہم مشورہ کیا کہ زیدؓ کے بڑے بھائی جَبلہ ان کو اپنے ساتھ باہر لے جائیں اور خویش و اقارب اور ہم جولیوں کے حالات و واقعات سنائیں، عجب نہیں کہ ان کا دل پسیجے اور باطن میں وطن کی محبت سرسرانے لگے چنانچہ ایک دن جَبلہ بارگاہِ نبوت میں عرض پیرا ہوئے جناب والا! ذرا زید کو تھوڑی دیر کے لیے (بغرض سیر و تفریح) میرے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے"۔ آپ نے فرمایا یہ زید بیٹھا ہے اگر یہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں بخوشی اس کی اجازت دیتا ہوں"۔ زیدؓ نے کہا نہیں حضور! میں اس آستانِ رحمت پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا (ترمذی)

حضرت زیدؓ کے والد چند روزہ قیام کے بعد کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بایمان ہوئے اور اپنے جگر گوشہ کو ایک شفیق باپ کے آغوشِ عاطفت میں خوش و خرم چھوڑ کر وطن واپس گئے (مستدرک حاکم) حضرت زیدؓ آپ کے متبنّیٰ ہونے کی حیثیت سے زید بن محمدؐ ہی کے نام سے مشہور رہے لیکن آخر جب قرآن کی لسانِ وحی نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کا حکم دیا تو وہ ازسرِنو اپنے باپ کی نسبت سے زید بن حارثہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ (ابن سعد)

## حضرت حمزہؓ اور زیدؓ میں قیامِ اخوّت

حضرت زیدؓ جب شروع میں مکہ معظمہ آکر غلام کی حیثیت سے فروخت ہوئے تھے تو اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا۔ آخر جب آپ کو خلعتِ نبوت سے نوازا گیا تو زیدؓ معاً دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور انہیں غلاموں میں ایمان کا شرفِ اولیت نصیب ہوا۔ اس کے چند سال بعد جب آپ کے عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سعادتِ ایمانی سے بہرہ مند ہوئے تو آپ نے زیدؓ سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔

ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو انہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔ (ابن سعد)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو جسے اس سرزمین میں کسی قسم کی خاندانی وجاہت حاصل نہ تھی اپنے عم محترم کا ہمسر بنا کر کس درجہ آسمان عظمت پر پہنچا دیا۔ اس سے قطع نظر آپ نے اپنی دو پھوپھی زاد بہنوں اور ایک عم زاد بہن اور ایک پھوپھی کی نواسی سے ان کی شادیاں کرا کر ان کا جو اعزاز و اکرام فرمایا، دنیا کی تاریخ اس مساوات اور رواداری کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

## زیدؓ کی منکوحات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش اسدیہؓ سے جن کی والدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب تھیں زیدؓ کی شادی کرا دی لیکن زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی۔ انہی ایام میں اُمّ کلثوم بنت عُقبہ بن ابی مُعَیط مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ یہ اُمّ کلثوم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اروی بنت کریز (بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس) کی دختر اور اُمّ حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب یعنی آنحضرتؐ کی پھوپھی کی نواسی تھیں۔ محترمہ ارویٰ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ عفان کی رحلت کے بعد اروی ؓ نے عُقبہ بن ابی مُعَیط سے نکاح کر لیا تھا۔ اُمّ کلثوم بنت عقبہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے سوتیلے بھائی حضرت عثمانؓ کے پاس قیام کیا۔ اکابر مہاجرین میں سے چار حضرات زبیر بن عوّام، زید بن حارثہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کی طرف سے ان کے پاس پیام نکاح پہنچے۔ اُمّ کلثومؓ نے اس بارہ میں حضرت عثمانؓ سے صلاح پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم آستان نبوت میں حاضر ہو کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضئ مبارک معلوم کرو۔ انہوں نے حریم نبوت میں حاضر ہو کر ان پیغاموں کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ زید سے نکاح کر لو چنانچہ وہ حضرت زیدؓ کے حبالۂ نکاح میں آ گئیں۔ ان سے حضرت زیدؓ کی دو اولادیں ہوئیں' زید بن زید اور رقیہ بنت زید۔ زید ایام حضانت میں مر گیا اور رقیہ نے حضرت عثمانؓ کی گود میں پرورش پا کر قضا کی۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ نے اُمّ کلثوم کو طلاق دے کر دُرّہ بنت ابی لہب سے نکاح کر لیا۔ کچھ مدت کے بعد دُرّہ کو بھی علیحدہ کر دیا اور حضرت زبیرؓ کی ہمشیر ہند بنت عوّام کو اپنے عقد زوجیت میں لائے۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ نے محترمہ اُمّ ایمن سے نکاح کیا جن سے حضرت اسامہ متولد ہوئے (ابن سعد)

**شہادت** حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں مدینہ منورہ سے دوسرے تبلیغی مراسلات کے ساتھ ایک نامہ حاکم بُصریٰ (واقع شام) کے نام بھی حضرت حارث بن عمرو صحابی ؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا۔ وہ اس نامۂ مبارک کو لے کر بیت المقدس سے دو منزل کے فاصلہ پر مُوتہ کے مقام پر پہنچے۔ اس سرزمین کی حکومت قیصری حاکم شُرحبیل بن عمرو غسانی کے دستِ اقتدار میں تھی۔ یہ شخص انتہا درجہ کا غالی عدوئے اسلام اور سخت متعصب عیسائی تھا۔ جب اس نے سنا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایلچی جا رہا ہے تو اس نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو موت کے گھاٹ اتار کر گنجِ شہیداں میں پہنچا دیا۔

جب یہ خبر دربارِ رسالت میں پہنچی تو آپ نے شرجیل کی سرکوبی کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ قیادت ایک سریّہ مُوتہ روانہ فرمایا جو تین ہزار مجاہدین ملت پر مشتمل تھا حضرت زید ؓ اسی لڑائی میں شربتِ شہادت پی کر روضۂ رضوان کو چلے گئے۔ (ابن سعد) شعبی کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو سریّہ بھی کہیں بھیجتے تھے، اگر اس میں زید ؓ بن حارثہ شامل ہوتے تو آپ لازماً انہی کو اس کا امیر یعنی قائدِ اعظم بناتے تھے۔ (مستدرک حاکم)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اگر زید ؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت موجود ہوتے تو آپ انہی کو اپنا خلیفہ وجانشین مقرر فرما جاتے۔ (ابن سعد) اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے ساری اُمت پر حضرت زید ؓ کی افضلیت و برتری مترشح ہوتی ہے۔

# فصل ۶۰۔ سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیت تاجر

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ قریش کو تقرش یعنی تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے قریش کہتے تھے۔ انہوں نے شاہِ حبشہ اور قیصرِ رُوم سے اُن کے حدودِ مملکت میں تجارتی کاروبار کے اجازت نامے لے رکھے تھے۔ گو ان ایام میں راستے پُرامن نہ تھے لیکن چونکہ خانہ کعبہ کی عظمت واحترام کا جذبہ تمام عربوں کے دلوں میں کارفرما تھا اور قریش کعبہ کے متولی ہونے کے باعث "جیران اللہ"

(خدا کے پڑوسی) کہلاتے تھے اور عرب کا ہر باشندہ ان کا احترام کرتا تھا اس لیے راستوں کے مخدوش ہونے کے باوجود قریش مکہ بے خوف و خطر اطراف واکناف ملک میں گھوم پھر کر تجارت کرتے تھے۔ ان کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تھا۔

## قیس بن سائب کا بیان

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین خدیجہ طاہرہؓ کو شرفِ زوجیت بخشنے سے پہلے بھی بہ نفس نفیس تجارت کرتے تھے اور آپ کی تجارت کے بعض واقعات کتب حدیث و سیرت میں درج ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی اور قیس بن سائب نام ایک بیوپاری کی تجارت مشترک تھی۔ ان کا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں آنحضرتؐ میرے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے۔ آپ بہترین شریک کار تھے۔ نہ آپ کاروبار میں اور شرکت میں کسی قسم کی کوئی مخالفت کرتے تھے اور نہ آپ نے کبھی نزاع و اختلاف کیا (استیعاب و اصابہ)

اسی طرح سائب بن ابی سائب کا بیان ہے کہ میں (مدینہ منورہ میں سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ آپ سے میری تعریف کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اَنَا اَعْلَمُکُمْ یعنی میں انہیں تم سے زیادہ پہچانتا ہوں۔ میں نے التماس کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپ میرے شریک تجارت تھے۔ آپ نہایت اچھے شریک تھے۔ نہ آپ نے مجھ سے کبھی اختلاف کیا اور نہ آپ کی طرف سے کبھی نزاع و مخاصمت کی نوبت آئی۔ (ابوداؤد)

## سہ شبانہ روز کا انتظار

آپ کے شرکائے تجارت کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے نبوت سے پہلے جتنی مدت بھی سوداگری کی۔ آپ بدرجۂ کمال دیانت و راست بازی کے ساتھ کاروبار تجارت کو انجام دیتے رہے۔ تاجروں کا کیسۂ اخلاق ایفائے عہد کی جنس سے عام طور پر خالی ہوتا ہے لیکن آپ نے تاجرانہ حیثیت سے اپنے وعدوں کو ہمیشہ جس خوبی سے پورا کیا اور انتہائی دیانت داری اور راست بیانی کا ثبوت دیا اس سے آپ امین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی پابندیٔ وعدہ کو اس ایک واقعہ پر قیاس کیا جا سکتا ہے جو عبداللہ بن ابی الحمساء سے مروی ہے۔ عبداللہؓ کا بیان ہے کہ مکہ معظمہ میں بعثت سے پہلے میں نے آپ سے کوئی لین دین کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا اور کچھ باقی تھا۔ میں دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ اتفاق سے

میں تین دن تک اس بات کو بھولا رہا کہ آنے کا وعدہ کر آیا ہوں۔ تین دن کے بعد جب مجھے اپنا وعدہ یاد آیا تو میں وعدہ گاہ میں پہنچا اور آپ کو وہیں منتظر پایا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں برابر تین دن سے یہیں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں (ابوداؤد)

دنیا کی تاریخ میں اس پابندیٔ عہد کی شاید کوئی نظیر نہ مل سکے گی۔

# فصل ۱۶۔ بعثت سے پہلے بتوں سے بُعد و اجتناب

ابو رجا عطاردی کا بیان ہے کہ میں عالم شباب سے پہلے جبکہ ابھی بے ریش تھا مکہ معظمہ گیا اور وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اس وقت عربوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی قوم گمراہ نہ ہوگی۔ غیر اللہ کی عبادت میں ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی شخص کہیں سے سفید بکری لے آتا تو اس کو پوجنے لگتا۔ جب کسی کو کوئی سفید پتھر مل جاتا تو اس کی پرستش شروع کر دیتا۔ اور اگر اس سے کوئی بہتر پتھر پالیتا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتا اور اس دوسرے کی عبادت کرنے لگتا (استیعاب)

لیکن اکثر لوگوں نے اپنے اپنے خاص بُت بھی بنا رکھے تھے۔ قریش کا ایک بُت تھا جسے بوانہ کہتے تھے۔ قریش اس کا احترام کرتے، اس کی عبادت کرتے، اس کے سامنے سر منڈاتے بھجن گاتے اور صبح سے رات تک وہاں اعتکاف کرتے۔ یہ اجتماع سال میں ایک مرتبہ ہوتا۔ ابو طالب بھی ہر سال اپنے اہل و عیال اور خویش و اقارب کو ساتھ لے کر وہاں حاضر ہوتے۔ لیکن جب کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ تم بھی اپنی برادری کے ساتھ اس عید میں شرکت کرو تو آپ اس سے پہلوتہی فرماتے۔

ایک مرتبہ ابو طالب آپ کے وہاں نہ جانے پر ناراض ہوئے اور آپ کی پھوپھیاں بھی آپ پر سخت غضب ناک ہوئیں اور عالم تاسف میں کہنے لگیں کہ محمدؐ! تم جو معبودوں سے پہلوتہی کرتے ہو تو ہمیں خوف ہے کہ کہیں ان کے قہر و غضب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ اور بولیں محمدؐ! آخر کیا وجہ ہے کہ تم اپنی قوم کی عید میں شامل نہیں ہوتے؟ اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ تمہارا فرض ہے کہ اپنے اعزا و اقارب کے ساتھ وہاں چلو اور اپنی جمعیت کو بڑھاؤ" وہ اسی طرح اظہار ناراضی کرتی اور پند و نصائح کے دریا بہاتی رہیں یہاں تک کہ آپ اُٹھ کر باہر

تشریف لے گئے۔

آخر ان کے سخت اصرار پر آپ ایک مرتبہ میلے میں گئے لیکن ایسی حالت میں مراجعت فرمائی کہ مرعوب اور خوف وہراس سے مغلوب تھے۔ پھوپھیوں نے پوچھا محمدؐ! تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا میں میلے میں گیا تھا اور وہیں سے واپس آرہا ہوں لیکن مجھے خوف ہے کہ آسیب کا شکار نہ ہو جاؤں۔ پھوپھیوں نے کہا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں شیطان کی دست برد سے محفوظ رکھے گا کیونکہ تم خصال حمیدہ سے متصف ہو۔ پھوپھیاں پوچھنے لگیں کہ میلہ میں جا کر تمہیں کیا نظر آیا؟ فرمایا جونہی میں کسی بُت کے قریب سے گزرنے لگتا، مجھے گورے رنگ کا کوئی شخص دکھائی دیتا جو پکارنے لگتا کہ محمدؐ! بتوں سے دور دور رہنا، کسی کو ہاتھ نہ لگانا۔" اُم ایمنؓ جو ان واقعات کی راویہ ہیں کہتی ہیں کہ اس کے بعد آپ کبھی قوم کی عید میں شامل نہ ہوئے۔

(ابن سعد)

یہ شادی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ شادی کے بعد کا ایک واقعہ آپ کے متبنیٰ حضرت زیدؓ کی زبان سے سنیئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اہل شرک نے تانبے کا ایک بُت بنا رکھا تھا جسے اُساف اور نائلہ کہتے تھے۔ اہل شرک کی عادت تھی کہ کعبہ معلیٰ کا طواف کرتے وقت ہر مرتبہ بُت پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے ساتھ کعبہ کا طواف کیا۔ جب اُساف اور نائلہ کے سامنے سے گزرا تو میں نے اس کو مسح کیا۔ آپ نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اس کو نہ چھوؤ۔ ہم طواف کرتے کرتے آگے بڑھ گئے لیکن میں نے دل میں ارادہ کیا کہ میں تجربۃً اس کو چھوؤں گا اور دیکھوں گا کہ کیا ہوتا ہے۔ پس میں نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ آپ نے فرمایا کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ (رواہ الحاکم فی المستدرک واخرجہ البیہقی ایضاً)

# فصل ۶۲۔ قریش کے معمول کے خلاف آنحضرتؐ کا قیام عرفات

قریش کو اس بات پر بڑا غرہ تھا کہ ہم حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی اولاد اور مکہ کے

رہنے والے اور بیت اللہ کے متولی ہیں۔ عرب بھر میں کوئی شخص ہماری ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس زعم کے پیش نظر انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ جیسی تعظیم و تکریم مقامات حرم کی ہوتی ہے ویسی حِلّ یعنی حرم سے باہر کی زمین میں سے کسی مقام کی نہ ہونی چاہیئے۔ اگر مقامات حِل کی بھی ویسی ہی تعظیم ہوتی رہی تو کسی دن لوگ کہنے لگیں گے کہ جب دوسرے مقامات بھی مقدس اور قابلِ تعظیم ہیں تو حرم کی کیا خصوصیت ہے۔

اس زعمِ ناقص کے پیشِ نظر قریش نے عرفات کا وقوف جو حرم سے باہر ہے ترک کردیا۔ وہ لوگ میدان عرفات سے ورے یعنی مزدلفہ ہی میں ٹھیر جاتے اور وہیں سے مکہ معظمہ لوٹ آتے حالانکہ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ وقوفِ عرفات بھی مشاعر حج میں داخل ہے اور جناب ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ جب زعماے قریش میں سے کسی سے وقوفِ عرفات کے لیے کہا جاتا تو وہ یہی جواب دیتا کہ چونکہ ہم اہلِ حرم ہیں ہمارا وہاں جانا کسی طرح زیبا نہیں۔

لیکن موفّق حقیقی عزاسمہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از بعثت ہی یہ توفیق ارزانی فرمائی تھی کہ آپ تمام قریش کے طریق عمل کے خلاف مزدلفہ کے وقوف کے بجائے برابر عرفات تشریف لے جاتے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف فرماتے (سیرت ابن ہشام)

اور یہ امر صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے کہ آپ عرفہ کی رات مزدلفہ میں نہیں ٹھیرتے تھے بلکہ عرفات کی رات دوسرے لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت جُبیر بن مطعم صحابی رضؓ نے اپنے باپ مُطعِم کو یہ کہتے سنا کہ عرفہ میں میری اونٹنی گم ہوگئی اور میں اس کی تلاش میں نکلا۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہاں لوگوں کے ساتھ پایا۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ قریش تو وقوف عرفات نہیں کرتے۔ یہ قرشی ہو کر یہاں کیوں آگئے ہیں؟ رواہ احمد (تاریخ ابن کثیر)

گو سنّت ابراہیمی کے مطابق آپ ہمیشہ عامّۃ الناس کے ساتھ عرفات میں تشریف لے جاتے تھے لیکن انجام کار ظہورِ اسلام کے بعد شرعی حیثیت سے بھی آپ اس کے مامور ہوگئے چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ قریش اور وہ لوگ جو مسلکِ قریش کے پیرو تھے مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور دوسرے تمام عرب میدان عرفات میں جاکر ٹھیرتے تھے۔ پس جب اسلام آیا تو حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ عرفات جائیں اور

وہاں ٹھیریں۔ پھر وہاں سے پھریں۔ پس یہی معنی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ کے۔ رواہ البخاری ومسلم

# فصل ۶۳ حلیمہ اور اُن کے گھرانے سے حُسنِ سلوک

اسلام نے دودھ کے رشتہ کو بھی وہی مرتبہ بخشا ہے جو نسبی قرابت کو حاصل ہے۔ اسی بنا پر حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم محترمہ حلیمہ سعدیہ اور ان کے گھر والوں سے ہمیشہ اُسی سلوک اور حسن مراعات سے پیش آتے جو اپنے خاندانی اقربا سے مرعی تھا۔ حلیمہ کے گھر کے لوگ جب کبھی مکہ معظمہ آتے آپ سے ضرور ملتے اور آپ کا حسنِ اخلاق ان کو کبھی اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ آپ سے ملاقات کیے بغیر شہر سے چلے جائیں۔ جب کبھی وہ حاضر خدمت ہوتے آپ کی محبت و عطوفت کے چشمے اُبل پڑتے اور ان سے ایسی خوش کلامی سے گفتگو فرماتے کہ جس کی شیرینی شہد سے زیادہ خوشگوار تھی۔

اپنے مونڈھوں کی چادر کا کسی کے نیچے بچھا دینا اہلِ عرب میں انتہا درجہ کا اعزاز خیال کیا جاتا تھا اس لیے جس کسی کا حد سے زیادہ اکرام منظور ہوتا اس کو وہ اپنی چادر پر بٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ (نزول وحی سے پہلے) آپ کے رضاعی والد آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان کے لیے اپنی چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں (حلیمہ) آئیں۔ آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ اخیر میں رضاعی بھائی بھی آگئے تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ **(ابو داؤد)**

### پورے ریوڑ کے عطیہ سے اعانت بخشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً مالی امداد سے بھی حلیمہ کو تقویت پہنچاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ آکر اپنے افلاس و ناداری کا شکوہ کرنے لگیں۔ یہ سن کر بھلا کیونکر ممکن تھا کہ آپ کا جذبۂ ایثار و کریم النفسی متاثر ہوئے بغیر رہتا۔ آپ نے ان کی امداد کا عزم صمیم فرما لیا۔ گو معاملات اور لین دین میں آپ بالکل مختار مطلق تھے، تاہم بعض اہم امور میں اپنی رفیقۂ حیات سے صلاح کرنا مناسب خیال فرماتے تھے۔ آپ نے حلیمہ کی عون و نصرت کے لیے حضرت خدیجہؓ سے مشورہ کیا۔ اس مشورہ کا نتیجہ کسی معمولی امداد کی شکل میں ظاہر نہ ہوا بلکہ آپ نے چالیس بکریوں کا

پورا ریوڑ عطا فرما کر ان کی طرف دستِ اعانت بڑھایا۔ حلیمہ نہایت خوش و خرم آپ کو دعائیں دیتی واپس گئیں (تاریخ ابو الفدا)

## غزوۂ حُنین

مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک گاؤں ہے جس کو حُنین کہتے ہیں۔ اس میں اور اس کے گرد و نواح میں جو قبیلہ آباد تھا اس کو ہوازن کہتے تھے۔ ۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کر کے پرچمِ اسلام کے نیچے جمع ہو گیا۔ البتہ دس قبیلے ہوازن، ثقیف (محترمہ حلیمہ کا خاندان) بنو سعد بن بکر، بنو ہلال، بنو قیس، بنو کعب، غطفان، بنو نصر، بنو جشم اور بنو کلاب ایسے تھے جو اب تک اسلام کے چشمۂ سعادت سے محروم تھے۔ ان میں سے ہوازن اور ثقیف بڑے سرکش قبیلے تھے۔ قوت اور مال و دولت میں ان کو خاص امتیاز حاصل تھا اور اس پر طرہ یہ کہ بہادری اور جنگ جوئی میں عرب کے اندر اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ یہ دونوں قبیلے اسلام کی روز افزوں ترقی کو حسد اور رقابت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ اس لیے فتح مکہ کے بعد انہوں نے ارادہ کیا کہ قبل اس کے ملتِ اسلام مزید بامِ عروج پر پہنچے (نصیب اعدا) اس کو مٹا کر عرب میں پھر کیش بت پرستی رائج کر دیں۔

اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے ہوازن کے سردار مالک بن عوف (رضی اللہ عنہ) نے جو ہنوز کفر و ثنیت کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے تمام غیر مسلم عربی شعوب و قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ جنگ قائم کرنے کی دعوت دی۔

## حصُولِ غنیمت کی پیشین گوئی

چنانچہ تین قبائل بنو قیس، بنو کعب اور بنو کلاب کے سوا باقی تمام قبیلوں نے مل کر چڑھائی کر دی جب حضرت فخرِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن اور ان کے اتحادی قبایل کے چڑھ آنے کی خبر سنی تو آپ نے عبد اللہ بن ابی حدرد اسلمی رضؓ کو مکہ معظمہ سے یہ سمجھانے کے لیے ان کے پاس بھیجا کہ جنگ جوئی سے باز رہیں لیکن ان پر لڑائی کا بھوت کچھ ایسی بُری طرح سوار تھا کہ کسی پند و موعظت کو خاطر میں نہ لائے۔ ناچار آپ نے تیاری کا حکم دیا اور فتح مکہ کے دو ہفتہ بعد قریباً چودہ ہزار صحابہ کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے کوچ کیا۔

متحدہ قبایل نے ایک حماقت و مآل نا اندیشی یہ کی تھی کہ اپنے سب مال مویشی اور عورتوں اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے جب مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قبایل

متحدہ اپنے مال مویشی اور اہل وعیال بھی ساتھ لائے ہیں تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ ان کی ہر چیز مسلمانوں کی غنیمت بنے گی۔

### لشکر اسلام کی فتح

الغرض حنین کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی جس میں لشکر اسلام مظفر و منصور رہا۔ اس غزوہ میں لشکر اسلام کو چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ (تقریباً ساڑھے تین من) چاندی ہاتھ آئی تھی۔

### رضاعی بہن پر نوازش

اسیران جنگ میں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما بھی تھیں جو آپ کو بچپن میں کھلاتی رہی تھیں۔ جب صحابہ کرامؓ نے ان کو گرفتار کیا تو کہنے لگیں کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ حضرات صحابہؓ ان کو تصدیق کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ ان کو دیکھ کر فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی ردائے مبارک بچھائی۔ دیر تک محبت آمیز گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو مدینہ چل کر میرے پاس رہو اور چاہو تو تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے۔" انہوں نے وطن جانا چاہا۔ چنانچہ آپ نے ان کو بہت سے اونٹ اور بکریاں عطا فرما کر ان کے گھر پہنچوا دیا (طبقات ابن سعد و تاریخ ابن جریر طبری)

شیما کو الوداع کہنے کے بعد شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے تمام اسیران جنگ کو بھی رہا کر دیا۔ ان واقعات کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز راقم الحروف کی کتاب "شمائل کبریٰ" میں قارئین کرام کی نظر سے گزرے گی۔

## فصل ۶۴۔ حجر اسود پر باہمی نزاع کا حکیمانہ فیصلہ

امتداد زمانہ نے کعبۂ معلیٰ کی عمارت کو کمزور کر دیا تھا اور دیواروں میں شگاف پڑ گئے تھے۔ اس لیے قریش نے ارادہ کیا کہ اس کو نئے سرے سے تعمیر کریں لیکن بیت اللہ کی عظمت کے پیش نظر ڈرتے تھے کہ مسمار کرنا اس کے احترام کے منافی نہ ہو۔ آخر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ جو اکابر قریش میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا کہنے لگا کہ بگڑی ہوئی چیز کی اصلاح ہرگز سوء ادب میں داخل نہیں اس لیے یقین رکھنا چاہیے کہ اس اقدام میں

ہم پر ہرگز غضب خداوندی نازل نہیں ہوگا"۔ لیکن لوگ مطمئن نہیں تھے۔ ہر شخص انہدام کعبہ سے خائف تھا اور کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

آخر ولید بن مغیرہ نے کہا کہ میں انہدام میں پیش دستی کرتا ہوں چنانچہ وہ کدال لے کر آگے بڑھا لیکن انہدام سے پہلے کعبۂ معلیٰ کی چھت پر چڑھ کر دعا کی الٰہی! ہماری نیت بخیر ہے ہمیں ہر گزند سے محفوظ رکھنا۔ پھر نیچے اترا۔ دونوں رکنوں کی طرف سے عمارت کو منہدم کرنا شروع کیا۔ دوسرے تمام لوگ بیٹھے دیکھتے رہے۔ کسی نے اس کام میں شرکت نہ کی۔ لوگ رات بھر منتظر رہے کہ دیکھیں ولید کی جسارت کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر اس پر کوئی افتاد پڑی تو عمارت کو علیٰ حالہا چھوڑ دیا جائے گا ورنہ ازسرِ نو تعمیر شروع کر دیں گے۔ جب صبح کو ولید صحیح و سلامت پایا گیا تو سب کو یقین ہوا کہ رب العالمین اس عمل سے راضی ہے اور سب نے اس کو بالاتفاق منہدم کرنا شروع کیا (ابن ہشام)

قریش نے باہم طے کیا تھا کہ اس تعمیر پر جس قدر زر و مال خرچ ہو، وہ ہر ایک نے وجہ حلال سے کمایا ہو اور اس میں سود، حرام اور استحصال بالجبر کی قسم کا ایک حبّہ بھی نہ ہو۔ محبت و عظمتِ کعبہ کا یہ عالم تھا کہ تمام اکابر خود گردنوں پر پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کارِ خیر میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے اس محنتِ شاقّہ سے پتھر ڈھوئے کہ دوش ہائے مبارک چھل گئے۔

گو کہ ایامِ جاہلیت میں دوسروں کے سامنے برہنہ ہونا کوئی عیب کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی تاہم آپ کو بعثت سے پہلے بھی یہ امر طبعاً ناگوار تھا۔ جب آپ پتھر ڈھو رہے تھے تو اس وقت ازار کے سوا آپ کے جسم اطہر پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ کہنے لگے برادر زادے! کیا اچھا ہو کہ تم اپنی ازار اتار ڈالو تاکہ پتھروں کے نیچے رکھنے میں کام آئے۔ لیکن برہنگی سے آپ کو سخت نفرت تھی اس لیے حضرت عباسؓ کے مشورہ کی طرف کچھ التفات نہ فرمایا۔ جناب عباسؓ نے خود چادر کا کنارا پکڑا اور جھٹکا دے کر اس کو اتار دیا اور آپ برہنہ ہو گئے۔ لیکن اس حالت کا آپ کے قلب مبارک پر ایسا ہول سمایا کہ غش کھا کر گر پڑے۔ اور واقعی کسی نیک آدمی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کے سامنے برہنہ ہو۔ حضرت جابرؓ صحابی کا بیان ہے کہ اس موقع کے سوا آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔

کعبۂ معلیٰ کی طرح حجرِ اسود کا تقدس بھی قریش میں آباء اولین سے مسلّم چلا آتا تھا۔ جب

بیت اللہ کی دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ سنگ اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں یہ اختلاف رونما ہوا کہ اس کے نصب کا شرف کس کے حصہ میں آئے۔ سب لوگ رؤسا، و عمائد شہر تھے اور ہر شخص کی آرزو تھی کہ وہی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو لیکن کوئی بھی رواداری اور ایثار پر رضامند نہ تھا۔ یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ بنو عبدالدار اور بنو عدی نے موت کا حلف اٹھا لیا۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں اور کشت و خون کا بازار گرم ہو۔ اور یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہ تھی کیونکہ جہالت اور گم کردگیٔ راہ کے باعث قبائل عرب میں قتال اور رزم و پیکار کوئی بڑا کام نہ تھا۔ ان کے ہاں تو موروثی جنگیں چلی آتی تھیں۔ چار دن اسی کش مکش میں گزر گئے۔ یہ دیکھ کر ایک قُرشی رئیس ابو اُمیہ بن مغیرہ نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ کے شوہر تھے، قوم کو حَکَم کے فیصلہ پر رضامند کیا اور بڑے ردوکد کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ جو کوئی علی الصباح حرم کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو تمام لوگ اس کے فیصلہ پر عمل پیرا ہوں۔"

قریش کے مقتدر افراد بڑی بڑی آرزوؤں اور امیدوں کو دل میں لیے ہوئے تڑکے تڑکے مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو کر عبادت الٰہی کے لیے مسجد الحرام میں آنے کے عادی تھے سب سے پہلے تشریف فرما ہیں۔ قریش آپ کو نبوت سے پہلے امین یعنی صادق و امانتدار کے معزز لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ جب اکابر قریش نے آپ کو وہاں سب سے پہلے موجود پایا تو کہنے لگے هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ هٰذَا مُحَمَّدٌ (یہ تو قوم کے امین محمدؐ ہیں۔ ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے) الغرض سب نے آپ کو ثالث قرار دیا اور آپ سے خطاب کر کے کہا ہماری دلی خواہش ہے کہ جناب تشریف لائیں اور ہماری نزاع کا فیصلہ کر دیں۔

آپ نے عجیب حکمت عملی سے اس گتھی کو سلجھایا۔ چنانچہ فرمایا کہ ایک چادر لاؤ۔ جب چادر لائی گئی تو آپ نے چادر کو بچھا دیا اور اپنے دست مبارک سے سنگ اسود کو اٹھا کر اسے چادر کے درمیان میں رکھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ کے سربرآوردہ افراد اس چادر کا ایک ایک کونا تھام لیں اور مقام نصب تک لے چلیں۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ جب وہاں لے کر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اب تمام آدمی مجھ کو اس کے موقع پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دیں۔ چونکہ وکیل کا فعل موکل ہی کا فعل متصور ہوتا ہے سب نے اس کو منظور کیا اور

آپ نے سب کی طرف سے اٹھا کر اس کو خانۂ کعبہ کے مقام پر رکھ دیا اور ایک پیچیدہ گتھی آپ کے ناخن تدبیر سے باحسن وجوہ سلجھ گئی۔ تمام لوگ آپ کی ثنا و منقبت میں رطب اللسان ہوئے کہ آپ نے رفع شر کی خوب پُر حکمت ترکیب نکالی (بخاری، ابن ہشام وغیرہما)

قبائل قریش نے تعمیر کے لیے جس قدر سرمایہ جمع کیا تھا وہ تکمیل سے پہلے ہی ختم ہو گیا اس لیے کعبۂ معلیٰ کا کچھ حصہ بلا تعمیر چھوڑ دیا گیا۔ نہ اس کی دیواریں بلند کی گئیں اور نہ چھت ڈالنے تک نوبت پہنچی۔ البتہ اس کے اردگرد چھوٹی سی گول دیوار بنا دی گئی اسی کو حطیم کہتے ہیں۔ یہ شرعاً بیت اللہ میں داخل ہے۔ دروازے کی چوکھٹ جو زمین سے پیوست ہو گئی تھی، اونچی کر دی گئی۔ آنے جانے کے لیے جو دروازہ تھا اسے مصلحۃً بند کر دیا گیا۔

## فصل ۶۵۔ قیس بن ساعدہ ایادی کا غائبانہ ایمان

دو پیغمبروں کے درمیان جو خالی زمانہ گزرتا تھا اُس کو فترت کہتے ہیں اور یہاں فترت سے وہ زمانہ مراد ہے جو حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام اور نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا۔ اہلِ فترت میں بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے توحید کو بچشم بصیرت دیکھا اور اس کی بدولت وہ غیر اللہ کی عبادت سے مجتنب رہے۔ پھر ان میں بعض وہ لوگ تھے جو کسی شریعت میں داخل نہ ہوئے بلکہ توحید اور عبادت الٰہی کی طلب میں حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے منتظر رہے۔ انہی حضرات میں ایک قیس بن ساعدہ ایادی تھے جو تاریخ اسلام میں عام طور پر قس کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ اہلِ جاہلیت میں سب سے پہلے شخص ہیں جو بعثت نبوی پر ایمان لائے۔

مرزبانی نے لکھا ہے کہ انھوں نے تین سو اسی سال کی عمر پائی۔ یہ بڑے خطیب، حکیم اور عاقل و نبیل تھے۔ ابُو نعیم نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ قس بن ساعدہ سُوق عکاظ میں اپنی قوم کو خطبہ دے رہے تھے۔ انہوں نے دورانِ خطاب میں مکہ معظمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حق اس طرف سے ظاہر ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا حق سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کہنے لگے کہ لوی بن غالب کی اولاد میں ایک بزرگ ظاہر ہوں گے۔ وہ تم کو کلمۂ اخلاص، عیش ابدی اور ایسی نعمتوں کی طرف بلائیں گے

جو کبھی زوال پذیر نہ ہوں۔ جب وہ تم کو بلائیں تو ان کی دعوت کو قبول کرنا اور اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اس دعوت پر لبیک کہے گا۔"

اور ازدی وغیرہ نے بطرق مختلف ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ قس پر رحم کرے۔ گویا میں ان کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اونٹ پر سوار ہیں اور انہوں نے ایسا کلام کیا ہے جس میں حلاوت ہے مگر وہ کلام مجھے یاد نہیں رہا۔ قس کی قوم میں سے بعض حاضرین نے کہا یا رسول اللہ! ہم کو ان کا کچھ کلام یاد ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے ان کا ایک خطبہ سنایا جو حِکَم ومواعظ سے مشحون ومعمور تھا۔

اور حسب روایت ابن شاہین حضرت خیر الوریٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قس پر رحم کرے۔ گویا میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ ان کے کلام میں شیرینی ہے لیکن وہ کلام مجھے یاد نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! مجھے ان کا کچھ کلام یاد ہے۔ آپ نے فرمایا سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو سنایا۔

اور عبداللہ بن امام احمد نے زیادات میں لکھا ہے کہ جب بکر بن وائل کا وفد مدینہ منورہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قس بن ساعدہ کی نسبت دریافت فرمایا۔ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! وہ سفر آخرت کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا گویا میں اُن کو سُرخ اونٹ پر ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ سُوقِ عکاز میں اپنی قوم کو خطاب کر رہے ہیں۔"

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اصابہ میں فرماتے ہیں کہ جاحظ نے کتاب البیان میں لکھا ہے کہ قس اور ان کی قوم کو وہ فضیلت و برتری حاصل ہے جو عرب کے ایام جاہلیت میں کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ اونٹ پر سوار ہو کر ان کے توحید کا خطبہ دینے کی اور ان کے حُسن کلام اور پند وموعظت کی خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کرتے ہوئے تحسین فرمائی۔ یہ وہ شرف ہے جس سے کوئی دوسرا متنفس مشرف نہیں ہو سکا۔ حق تعالیٰ نے قس کو ان کی توحید کی بدولت اور اظہار اخلاص اور ایمان بالبعث کی برکت سے تمام خوش اعتقادیوں کی دولت سے نوازا تھا (زرقانی شرح مواہب)

# فصل ۶۶۔ زید بن عَمرو موحّد کا بعثت نبویؐ کی پیشین گوئی کرنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عم محترم زید بن عَمرو بن نُفَیل مکہ معظمہ کے سب سے مشہور موحّد تھے۔ زید اُن سعادت مند لوگوں میں سے ہیں جنہیں حضرت ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح شرک کی ہر رسم سے اجتناب تھا۔ نزولِ وحی سے چند سال پیشتر ان سے اور سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے وادیٔ بلدح میں ملاقات ہوئی تھی۔ یہاں لوگوں نے آنحضرتؐ کے سامنے کھانا کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں بتوں پر چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا، میں تو صرف وہ چیز کھا سکتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پھر زید بن عمرو سے کہا گیا تو انہوں نے بھی انکار کیا اور کہا کہ بکری کو اللہ نے پیدا کیا اور اسی نے اس کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور اپنی زمین سے گھاس پیدا کی۔ پھر تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیتے ہو۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے۔ مشرکوں پر یہ اعتراض بہت شاق گزرا (بخاری)

حسب بیان ابن اسحٰق حضرت اسماء ذات النطاقین رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے زید بن عمروؓ کو ان کے بڑھاپے میں دیکھا تھا۔ وہ کعبہ معلّٰی سے پیٹھ لگائے بیٹھے رہتے اور قوم کے لوگوں سے کہتے تھے کہ اے گروہِ قریش! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں زید کی جان ہے تم میں میرے سوا کوئی بھی دینِ ابراہیم پر نہیں۔ پھر فرماتے الٰہی! اگر مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ مجھے کس طرح سے تیری عبادت کرنی چاہیئے تو میں اس کو اسی طرح سے بجا لاؤں لیکن افسوس کہ میں تیری عبادت کے طریقہ سے بے خبر ہوں۔ پھر اپنے ہاتھ بڑھا کر ہتھیلیوں پر سجدہ کرتے۔ اور ہر مرتبہ جو مسجد حرام میں جاتے تو کعبہ معلّٰی کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے اور کہتے اے پروردگار! تیرا بندہ اور غلام حاضر ہوا ہے۔ بیشک تو حق ہے۔ میں ان کلمات کے ساتھ تیری پناہ چاہتا ہوں جن کے وسیلہ سے ابراہیم علیہ السلام نے پناہ مانگی تھی (ابن ہشام)

حضرت عامر بن ربیعہ صحابیؓ کا بیان ہے کہ زید بن عمرو سچے دین کے متلاشی تھے اور انہیں یہودیت، نصرانیت اور بت پرستی سے کراہت تھی۔ ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے اے

عامر! میں اپنی قوم کی راہ سے الگ ہوں۔ میں ملت ابراہیمیؑ کا پیرو ہوں۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) اور ان کے جانشین اسی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

## رسول اللہؐ کی خدمت میں ہدیۂ سلام۔

حضرت عامر بن ربیعہ صحابیؓ کا بیان ہے کہ مجھ سے زید بن عمرو کہا کرتے تھے کہ میں اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک نبی کی بعثت کا منتظر ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ عبدالمطلب کی اولاد میں ہوں گے اور امید نہیں کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں کہ نبی علیہ السلام کو دیکھ سکوں اور ان کی نبوت کی شہادت دوں اور تصدیق کروں۔ البتہ اگر تم اس وقت تک زندہ رہو اور ان کو دیکھو تو ان کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا۔ میں ان کا حلیہ بتائے دیتا ہوں تاکہ ان کی شناخت میں کوئی دشواری نہ رہے۔ وہ نہ تو کوتاہ قامت ہوں گے، نہ دراز قد۔ ان کی آنکھوں میں کسی قدر سرخی ہوگی۔ شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہوگی۔ نام نامی احمد ہوگا۔ ان کا مولد و منشا یہی شہر مکہ ہوگا اور یہیں مبعوث ہوں گے۔ ان کی قوم ان کی حقانی تعلیم کو پسند نہ کرے گی اس لیے ان کو یہاں سے نکال دے گی۔ پھر وہ یثرب کو ہجرت کر جائیں گے۔ وہاں انہیں ہر طرح کی فلاح و کامرانی نصیب ہوگی۔ دیکھو ان کی نسبت دھوکا نہ کھانا۔ میں دین ابراہیمؑ کی جستجو میں دنیا بھر میں پھرا ہوں۔ جس یہودی یا عیسائی سے دین حنیف کی نسبت دریافت کیا اس نے یہی جواب دیا کہ وہ تو تمہارے وطن میں ہے۔ ان لوگوں نے بھی نبیؐ موعود کے وہی صفات بیان کیے جو میں نے تم کو بتائے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ اب دنیا میں صرف وہی ایک نبی رہ گئے ہیں جو مبعوث ہوں گے۔"

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کئی سال کے بعد جب میں سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز ہوا تو میں نے زید بن عمرو کا مقولہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اور ان کا سلام آپ کو پہنچایا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر زید کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا میں نے زید کو جنت میں راحت کے ساتھ دامن کشاں دیکھا ہے (محمد بن جریر طبری و رواہ ابن سعد مختصراً)

## گوہرِ مقصود کی تلاش

جب پہلی مرتبہ زید نے دینِ ابراہیمؑ کی جستجو میں سفر کا قصد کیا تو ان کی بیوی صفیہ بنت حضرمی نے حضرت عمرؓ کے والد خطاب بن

نُفَیل سے جو زید کا چچا تھا اس کی شکایت کی۔ خطّاب نے ان کو سفر سے روک دیا۔ چنانچہ اس کے بعد جب کبھی سفر کا قصد کرتے، ان کی بیوی خطّاب سے جا لگاتی۔ لیکن کوئی کسی پر ہمیشہ کے لیے پہرے تھوڑے ہی بٹھا سکتا ہے۔ زید ایک مرتبہ چپ چاپ چل دیے اور راہبوں اور احبار سے ملاقاتیں کرتے ہوئے موصل اور جزیرہ گئے۔ وہاں سے ملک شام کی سیر و سیاحت کی یہاں تک کہ شہر سفیعہ میں ایک راہب سے ملاقات کی۔ یہ راہب بڑا فاضل اجل تھا۔ زید نے اس سے دینِ ابراہیمؑ کی نسبت دریافت کیا۔ راہب نے کہا اے زید! دورِ حاضر میں تم کو دینِ ابراہیمؑ کی صحیح تعلیم دینے والا کوئی نہ ملے گا، لیکن یاد رکھو کہ نبیٔ آخر الزماںؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ وہ اسی شہر میں مبعوث ہوں گے جہاں سے تم آ رہے ہو۔"

گو ملک شام میں یہودیت اور نصرانیت دونوں دین موجود تھے لیکن زیدؓ کو ان میں سے کوئی مذہب پسند نہ آیا کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ ان میں کفر و شرک کے جراثیم بھر گئے ہیں۔ البتہ راہب کی زبان سے اس خبرِ فرحت اثر کے سنتے ہی عالمِ اشتیاق میں مکہ کو مراجعت کی لیکن جب قبیلۂ بنو لخم میں پہنچے تو قتل کر دیے گئے۔ وَرَقہ بن نوفل نے ان کا ایک دردناک مرثیہ کہا (ابن ہشام)

امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زید نے ایک یہودی عالم سے منزلِ مقصود کا پتہ دریافت کیا۔ عالم نے کہا کہ اگر غضبِ خداوندی سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہو تو ہمارا مذہب (موسویت) موجود ہے۔" زید نے کہا میں اسی سے بھاگ کر یہاں پہنچا ہوں پھر اس میں کیونکر گرفتار ہو سکتا ہوں البتہ کسی دوسری صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کرو تو اس کی پیروی کروں۔ اس نے دینِ حنیف کا پتہ دیا۔ انہوں نے پوچھا دینِ حنیف کیا ہے؟ بولا دینِ حنیف حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا مسلکِ حق ہے جو نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ خدائے واحد کے پرستار تھے۔

### ایسے دین کی جستجو جس میں نہ خدا کا غضب ہو نہ لعنت

زید یہاں سے بے نیلِ مرام آگے چلے۔ ایک جگہ ایک عیسائی قسیس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے چارہ جوئی کرنے لگے۔ اس نے کہا اگر لعنتِ خداوندی کا طوق پہننا منظور ہو تو ہمارا مذہب حاضر ہے۔ زید نے کہا کہ خدا کے لیے مجھے کسی ایسی راہِ ہدایت کا نشان بتاؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو نہ لعنت۔ میں تو ان دونوں سے متنفر ہوں۔ کہنے

لگا میرے نزدیک ایسا مذہب صرف دینِ حنیف یعنی حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا طریقہ ہے۔ غرض جب ہر طرف سے دینِ ابراہیمؑ کی حقانیت کا پتہ ملا تو شام سے مکہ واپس آئے اور ہاتھ اٹھا کر کہا الٰہی! میں تجھے گواہ ٹھیراتا ہوں کہ میں دینِ ابراہیمؑ ہی کا پیرو ہوں۔ (بخاری باب حدیثِ زید)

زید بن عمرو رحمہ اللہ کا حادثۂ قتل بعثت نبوی سے پانچ سال پیشتر اُس وقت پیش آیا جبکہ قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے (ابن سعد) گو زید بزعم خود دینِ حنیف کے سچے پیرو تھے لیکن حقیقت میں دینِ ابراہیمؑ کا خوبصورت چہرہ بہت بڑی حد تک مدت سے مسخ ہو چکا تھا۔ پہلے یہود و نصاریٰ نے اور پھر حجاز کے بُت پرستوں نے اس میں سیکڑوں تبدیلیاں کر ڈالی تھیں۔ اور زید درحقیقت جس گوہرِ مقصود کی تلاش میں دور دراز ممالک کی خاک چھانتے پھرے تھے وہ نبیٔ آخر الزمان سیدنا احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی تھی اور گو زید آپ کو جانتے پہچانتے تھے لیکن اس وقت تک نہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ کسی دوسرے کو معلوم تھا کہ آپ ہی وہ ختمُ المرسلین ہیں جن کا صدیوں سے غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔ چونکہ آپ کی بعثت میں کسی قدر وقفہ تھا، زیدؒ اس سعادت کے ادراک سے محروم رہے۔ البتہ یہ سعادت ان کے فرزند ارجمند حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھی تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔ اس لیے جونہی حضرت فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوائے نبوت کیا، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جھٹ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی صف میں کھڑے ہو گئے۔

## آنحضرتؐ کی دعائے مغفرت

سعید بن مسیب تابعیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے اور زید بن عمرو کی نسبت دریافت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ زید بن عمرو کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے۔ ان کی وفات دینِ ابراہیمؑ پر ہوئی۔ یہ سن کر کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جو زید بن عمرو کا نام سن کر ان پر رحمت نہ بھیجتا اور ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کرتا ہو (ابن سعد)

# فصل ۶۷۔ اُمیّہ بن ابو صلت کی حرمان نصیبی

اُمیّہ بن ابی الصلت ثقفی نام طائف کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اس کے اشعار زیادہ تر توحید الٰہی، حشر و نشر، نصائح دلپذیر اور اُمورِ حقّہ پر مشتمل تھے۔ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ خوب کھینچتا تھا۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:

| | |
|---|---|
| لک الحمد والنعماء والفضل ربنا<br>فلا شیء اعلیٰ منک حمداً ولا مجداً | اے ہمارے پروردگار! تیرے ہی لیے سب تعریفیں اور فضیلتیں ہیں اور تیری ہی طرف سے سب نعمتیں ہیں۔ نہ تجھ سے زیادہ کوئی تعریف کا مستحق ہے اور نہ تیری ذات پاک سے بڑھ کر کوئی صاحب عزّ و شرف ہے۔ |

### شعر ایمان لائے لیکن دل کافر رہا

شرید بن سُوید نام ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں اُمیّہ کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے التماس کی کہ ہاں بہت سے یاد ہیں چنانچہ آپ کو قریباً سو شعر سنائے۔ آپ نے فرمایا کہ اُس کے اشعار سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ قبولِ اسلام کے قریب پہنچا ہوا تھا (صحیح مسلم)

فاکہی اور ابن مندہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ فارعہ بنت ابی الصلت یعنی اُمیّہ کی بہن حضور سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئی اور اُمیّہ کے کچھ اشعار آپ کو سنائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اُس کے شعر تو ایمان لائے تھے لیکن دل بدستور کافر رہا۔ (فتح الباری)

اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی زبان سے تو اچھے شعر نکلتے تھے لیکن طاغوت آشیاں دل کفر سے خالی نہ ہو سکا۔ عہد حاضر کے اکثر شاعروں کا بھی یہی حال ہے۔ جب ان کی قومی نظمیں سنو تو معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے رومی اور عطار ہیں لیکن عمل پر نظر کرو تو منہیات و محرمات کے مرتکب اور صوم و صلوٰۃ تک کے تارک ہیں ؎

گو زباں تیری دُرافشاں ہوئی
ہائے پر دل کی سیاہی نہ گئی

## عُتبہ کی ریاست و ناموری منصبِ نبوت کے منافی ہے

مکہ معظمہ کے رؤسا میں حضرت معاویہؓ کا نانا عُتبہ بن ربیعہ عقل و دانش میں خاص امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اُمیّہ امیر معاویہؓ کے والد ابوسفیان بن حرب کا رفیقِ سفر تھا۔ وہ عُتبہ بن ربیعہ کی عمر اور ریاست کی نسبت دریافت کرنے لگا۔ ابوسفیانؓ نے اس کو بتایا کہ میرا خسر عُتبہ مکہ کا رئیس اعظم اور بڑا نامور آدمی ہے۔ اُمیّہ بولا کہ میں اس ریاست اور ناموری کو تو اُلٹا عیب دار سمجھتا ہوں"! ابوسفیان پر یہ بات شاق گزری۔ امیہ نے کہا بات یہ ہے کہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوگا۔ یہ پڑھ کر میرے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش وہ نبیٔ موعود میں ہوتا۔ لیکن اس کے بعد تفتیش مزید پر ثابت ہوا کہ وہ پیغمبر عبدمناف کے خاندان میں ہوگا۔ میں نے آلِ عبدمناف کے معاملہ میں غور کیا تو مجھے عُتبہ سے بڑھ کر کوئی اس حیثیت کا آدمی نظر نہ آیا کہ منصب نبوت پر فائز ہو سکے لیکن جب تم نے بتایا کہ عُتبہ ایک صاحب جاہ اور ذی ثروت آدمی ہے اور اس کی عمر بھی چالیس سال سے متجاوز ہے تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

## اُمیّہ کا اعتراف کہ محمدؐ نبیٔ موعود ہیں

اس گفتگو کے کئی سال بعد حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شرف نبوت سے سرفراز ہوئے۔ آپ اور عتبہ بن ربیعہ دونوں عبدمناف کی ذریّت میں تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ تھا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ اور عُتبہ کا نسب نامہ یہ تھا: عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ حضرت امیر معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ (صخر بن حرب بن اُمیّہ بن عبدشمس بن عبدمناف) نے اُمیّہ سے کہا کہ دیکھو عبدمناف کے خاندان میں محمد بن عبداللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) دعوائے نبوت کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں"۔ اُمیّہ نے کہا میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ منصب نبوت کے اہل ہیں اور وہ واقعی نبیٔ موعود ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا ہم لوگ ان کی پیروی کریں؟ اُمیّہ نے جواب دیا کہ میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کرتے ہوئے اپنے قبیلہ ثقیف کی عورتوں سے شرماتا ہوں کیونکہ میں نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ میں ہی وہ عربی نبیٔ موعود ہوں جس کا آسمانی نوشتوں میں تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اب اگر میں خاندان عبدمناف کے ایک شخص کا جو ہمارے ہاتھوں کا ایک لڑکا ہے اتباع کرلوں تو یہ سخت عار کی بات ہوگی (فتح الباری بحوالہ طبرانی)

## حالت کفر میں طعمۂ اجل ہونا

لیکن یہ اوائل بعثت کا واقعہ ہے جبکہ اُمیّہ پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو موجب ننگ و عار سمجھ رہا تھا۔ آخر کئی سال کے بعد وہ وقت آیا کہ وہ اپنی قسمت اسلام کے دامن ہدایت سے وابستہ کرنے پر مائل ہو چنانچہ وہ بدیں قصد شام سے روانہ ہوا کہ طائف سے اپنا مال و اسباب لے کر مدینہ منورہ کو ہجرت کر جائے اور بالاستقلال جوار رسولؐ میں بود و باش رکھ کر سعادت دارین سے بہرہ مند ہو

غزوۂ بدر میں مکہ کے قریشی بت پرستوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں نہایت ذلت آفرین شکست کھائی تھی اور صحابۂ کرامؓ نے حصولِ فتح کے بعد مکہ کے تمام مشہور دشمنان دین کی لاشیں بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دی تھیں۔ اب شومیٔ قسمت کا کمال دیکھو کہ جب اُمیّہ مدینہ منورہ کو جا رہا تھا تو راستہ میں جب اس گڑھے کے پاس پہنچا جہاں قریشی دشمنانِ دین کی لاشیں پڑی تھیں تو کوئی شخص اُمیّہ سے پوچھ بیٹھا کہ کچھ معلوم ہے کہ اس گڑھے میں کن لوگوں کی لاشیں ہیں؟ بولا معلوم نہیں۔ اُس نے کہا کہ اس میں عُتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ جو تمہارے ماموں زاد بھائی تھے اور فلاں فلاں رؤسا کی لاشیں سڑ رہی ہیں"۔ یہ سن کر اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور جزع و فزع کرتا ہوا طائف چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بُت پرست مقتولین بدر کا مرثیہ کہا۔ آخر وہیں حالتِ کفر میں مر گیا (فتح الباری)

علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ ابن مردویہ نے اسناد قوی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی کہ قرآن مجید کی یہ آیت اُمیّہ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی:

| | |
|---|---|
| وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝<br>(۷: ۱۷۵) | اور ان لوگوں کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں۔ پھر وہ ان کو چھوڑ کر نکلا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا پس وہ گمراہوں کی ٹولی میں جا ملا۔ (فتح الباری) |

دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کا مصداق بلعام اسرائیلی تھا لیکن ظاہر ہے کہ ایک آیت کے متعدد مصداق بھی ہو سکتے ہیں۔

# فصل ۶۸۔ نبی آخر الزماںؐ کے شوق لقا میں ورقہ بن نوفلؓ کا قصیدہ

یوں تو دنیا سیکڑوں ہزاروں سال سے سیّدِ وُلدِ آدم کی آمد کا مژدہ سن رہی تھی اور بہت سے سعید الفطرت افراد نے ہر زمانہ میں اپنے دیدہ و دل کو آپ کے لیے فرشِ راہ بنا رکھا تھا لیکن اب تو وہ وقت بالکل قریب آ پہنچا تھا کہ لوگ دنیا کے آخری نجات دہندہ کی دید سے اپنی آنکھیں روشن کریں۔ تاہم جب تک یہ حقیقتِ منتظر آنکھوں کے سامنے نہ آ جائے مشتاقانِ جمال کو بھلا کہاں چین تھا۔

ان ایام میں اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی وَرَقہ بن نوفلؓ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے شوقِ لقا میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کے کچھ اشعار بیان قلمبند کیے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

لججتُ وکُنتُ فی الذکریٰ لجوجًا
لھمٍّ طالما بعث النشیجا
ووصفٌ من خدیجةَ بعد وصفٍ
فقد طال انتظاری یاخدیجًا
ببطن المکتین علیٰ رجائی
حَدیثك أن اریٰ منهُ خروجا
بماخبَّرتنا من قول قس
من الرُّھبانِ أکرہُ أن یَعُوجَا
بأنّ محمدًا سیسود فینا
ویخصم من یکون له حجیجا
ویظهر فی البلاد ضیاء نور
یقیم به البریّة أن تموجا

میں نے اصرار کیا اور میں یاد کرنے میں مُصر تھا۔
غمِ شوق کے لیے جس نے بہت مرتبہ دوسرے غموں کو برانگیختہ کیا
اے خدیجہ! تم سے بار بار نبیِ موعودؐ کے اوصاف سن سن کر
میرا انتظار طول پکڑتا جاتا ہے۔
مجھے امید ہے کہ تمہارے بیان کے موافق میں ان کو مکہ یا
طائف سے ضرور ظاہر ہوتے دیکھوں گا۔
تم نے جو ہم کو گوشہ نشین عالم کی خبر دی ہے
مجھے یہ امر ناپسند ہے کہ اس میں کچھ کجی کروں
وہ خبر یہ ہے کہ عنقریب محمدؐ ہم میں ظاہر ہو کر ہماری
رہبری فرمائیں گے اور جو ان سے متصادم ہوگا اس کو مغلوب کریں گے
اور تمام شہروں میں ان کا نور ظاہر ہو کر ضیاء پاش ہوگا
اور آپ اس نور کے ذریعے مخلوقات کو اضطراب سے محفوظ کر دیں گے

فیلقی من یحارب به خسارًا
ویلقی من یسالمه قلوجا
فیالیتنی اذا ما کان ذاکم
شهدت وکنتُ اکثرهم ولوجا
ولوجا فی الذی کرهت قریش
ولوعجّت بمکتها عجیجا
ارجی بالذی کرهوا جمیعا
الی ذی العرش ان سفلوا عروجا
وهل امر السفالة غیر کفر
بمن یختار من سمك البروجا
فان یبقوا وابق یکون امورًا
یضج الکافرون لها ضجیجًا
وان اَهلِك فکل فتی سیلقی
من الاقدار متلفه خروجا

جو کوئی ان کا مقابلہ کریگا وہ زیاں کار ہوگا اور جو
صلح و آشتی سے پیش آئے گا وہ فلاح پائے گا
کاش! ان واقعات کے رونما ہوتے وقت میں موجود ہوں
میں ان کی شہادت دوں اور ان کی پیروی میں سب سبقت لے جاؤں
میں اُس دین میں داخل ہوں جس سے قریش کو نفرت ہوگی
اگرچہ ان کے مکہ میں اس سے شور و غل ہی کیوں نہ ہو
مجھے صاحب عرش سے امید ہے کہ وہ تمام نفرت کرنے والے
عمائد کو چاہ پستی میں گرا دے گا۔
اور دین کو چھوڑ کر پستی کی طرف جانا اُس ذات سے کفر کرنا ہے
جو رافع السموات کو اختیار کرتا ہے
اگر قریش اور وہ موجود رہے تو ایسے امور پیدا ہوں گے
جن پر کافر لوگ بڑی ہنگامہ آرائی کریں گے۔
اگر میں طعمۂ اجل ہوگیا تو ہر جوان تھوڑا زمانہ گزرنے پر ان کے
ظہور کا مشاہدہ کرے گا (سیرت ابن ہشام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق لقا میں جناب وَرَقہ رضی اللہ عنہ کا ایک اَور قصیدہ بھی ہے جو عیون الاثر مطبوعہ مصر جلد اول کے صفحہ ۱۵ پر درج ہے۔ من شآء فلینظر ثمہ

# فصل ۶۹۔ فرشتوں کا خواب میں آنا اور پتھروں اور درختوں کا سلام کرنا

جس طرح سپیدۂ صبح آفتاب عالمتاب کی آمد کا پتہ دیتا ہے اور بارانِ رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوا چلتی ہے، اسی طرح سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بلکہ آپ کی ولادت باسعادت سے بھی پیشتر ایسے خارقِ عادت وقائع کا ظہور شروع ہوگیا تھا جو زبانِ حال سے آپ کی رسالت کا اعلان کر رہے تھے۔ شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں

ایسے دلائل و علامات کو جو کسی نبی کی بعثت سے پہلے ظاہر ہوتے ارہاص کہتے ہیں۔

ایک ارہاص یہ ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کو حالت خواب میں ملائکہ نظر آیا کرتے تھے چنانچہ مروی ہے کہ آغاز سے پہلے رؤیا میں تین فرشتے آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرما رہے تھے۔ ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا ان میں سے وہ کون بزرگ ہیں؟ بیچ والے فرشتے نے (آپ کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ) جو سب سے بہتر ہیں۔ پچھلے نے کہا کہ ان میں سے بہتر کر لے لو" اس کے بعد وہ تینوں چلے گئے (بخاری)

ایک ارہاص پتھروں اور درختوں کا حضور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کرنا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف نبوت و کرامت پر سرافراز فرمانا چاہا تو اس وقت آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لیے آبادی سے اتنی دور نکل جاتے تھے جہاں سے مکانات دکھائی نہ دیں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں اور کھڈوں میں اُتر جاتے تھے۔ وہاں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ کہتا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ آپ آواز سن کر دائیں بائیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے مگر وہاں کوئی نظر نہ آتا (تاریخ ابن جریر طبری و روی ابن سعد آخرہ)۔

اور حضرت جابر بن سمرہ صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اُس پتھر کو اب تک پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مکہ معظمہ میں مجھے سلام کیا کرتا تھا (مسلم و ترمذی)

اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کون سا پتھر ہے جو حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حجر اسود تھا۔ بعض کے نزدیک وہ پتھر اُس کوچہ میں تھا جس کو زقاق الحجر کہتے ہیں۔ یہ کوچہ حضرت خدیجہؓ کے گھر کے راستہ میں تھا جو کچھ زمانہ کے بعد دیوار سے مسدود ہو گیا۔ حسب بیان شیخ ابن حجر ہیثمیؒ اہل مکہ میں یہ خبر بتواتر مشہور ہے کہ وہ پتھر زقاق الحجر میں ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری دیوار کے دروازے پر آنحضرتؐ کی کہنی مبارک کا نشان ہے جو پتھر میں منقوش ہو گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ پتھر اور لوہا انبیاء علیہم السلام کے لیے نرم کر دیا گیا تھا۔ اور مکہ معظمہ کے ایک پہاڑ میں بکریاں چراتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین کا جو نشان پڑ گیا تھا وہ نقش بھی آج تک موجود ہے۔ واللہ اعلم (مدارج النبوت)

علامہ سُہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پتھر کا سلام حقیقی تھا۔ حق تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لیے درختوں اور پتھروں کو گویا کر دیتا تھا لیکن کلام کے لیے یہ لازمی شرط نہیں کہ وہ آواز حروف، حیات، علم اور ارادہ سے وابستہ ہو۔"

# فصل ۷۰۔ بچھڑے میں سے انسانی آواز

ارہاص کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ سنیئے:

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

شرف اسلام سے مشرف ہونے سے پہلے میں بت خانہ میں سویا تھا کہ ایک شخص بچھڑا لایا اور بتوں کے لیے قربانی کی۔ جب اُس کو کاٹا گیا تو اس کے اندر سے بڑی شدت کے ساتھ کسی چیخنے والے کی آواز آئی کہ اے جلیح! ایک بامراد اور باصواب بات سنو کہ ایک خوش بیان آدمی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ آواز اس قدر بلند تھی کہ میں نے اتنی بلند آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ تمام آدمی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ لیکن میں نے دل کڑا کر کے کہا میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلوں گا جب تک اس ہولناک آواز کی علت اور لم دریافت نہ کر لوں۔ لیکن جب کوئی راز معلوم نہ ہو سکا تو میں بھی چلا گیا۔ آخر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں چرچا ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی اللہ ہیں (صحیح بخاری)

لیکن ایسا خرق عادت دیکھنے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی صدائے حق کو کوئی اہمیت نہ دی اور وہ بدستور کفر و شرک کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھرے۔ لیکن فی الحقیقت من جانب اللہ ہر کام کا ایک خاص وقت مقرر ہے جس سے تقدم و تأخر کسی طرح صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول ایمان کے جو اسباب و دواعی من جانب اللہ مقدر تھے ان کے ظہور میں ابھی کئی سال کی دیر تھی۔

# فصل ۷۱۔ جنّات کو آسمانوں پر جانے کی بندش

ایک ارہاص یہ تھا کہ آپ کی بعثت کے وقت نظم آسمانی میں ایک خوشگوار انقلاب

برپا ہوا اور شیاطین کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا تاکہ وحیِ الٰہی میں اور کاہنوں اور ساحروں کی اطلاعوں میں اختلاط نہ ہو سکے۔

### شعلۂ آتش سے جنّات کی تواضع

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابتداءِ دعوت میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ہمراہ بازارِ عُکاظ کو تشریف لے گئے۔ اس وقت شیاطین کو آسمانی خبریں سننے سے روکا جا چکا تھا چنانچہ جب انہوں نے آسمان پر جا کر خبریں سننے کی کوشش کی تو شہاب ثاقب (شعلۂ آتش) سے ان کی تواضع کی گئی۔ یہ حالت دیکھ کر وہ اپنی قوم میں واپس چلے آئے۔ اعیانِ قوم نے پوچھا تمہاری کیا حالت ہے؟ بولے ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نئی چیز عرصۂ ظہور میں آئی ہے۔ مناسب ہے کہ تم لوگ زمین کے مشارق و مغارب میں پھرو اور اس کی علت اور حقیقت معلوم کرو۔"

### جنوں کا قرآن سننا

چنانچہ جنات کی ٹولیاں مختلف اقطارِ عالم میں پھیل گئیں۔ جو ٹولی تہامہ کی طرف آئی اس نے سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اس وقت آپ نخلہ کے مقام پر اپنے رفقاء کے ساتھ نمازِ صبح ادا فرما رہے تھے۔ جب جنوں نے قرآن سنا تو آپس میں کہنے لگے یہی وہ کلام (قرآن) ہے جس نے ہم میں اور آسمانی خبروں میں حجاب کر دیا ہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جنات واپس گئے اور اپنی قوم میں پہنچ کر کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔ چنانچہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ آیندہ ہم کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں ٹھیرائیں گے۔ اسی وقت حضرت رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی سورت جن نازل ہوئی (بخاری)

### قرآن میں ٹوٹنے والے تاروں کا تذکرہ

جنوں پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ جن میں جنات کی زبانی ان الفاظ میں زیبِ رقم ہے:

"ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں کے انگاروں (یا ٹوٹنے والے تاروں) سے بھر دیا گیا ہے اور پہلے تو آسمان میں بہت سے مواقع تھے جہاں ہم (فرشتوں کا کلام) سننے کے لیے جا بیٹھا کرتے تھے لیکن اب کوئی سننے کا قصد کرتا ہے تو اپنے لیے کسی شہاب (شعلے) کو تاک لگائے تیار پاتا ہے۔" (سورۂ جن

آیات ۸ ۔ ۹)

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ یہ مواقع خواہ آسمان ہی کے اجزا ہوں یا ہوا یا کسی ملأ یا خلاء کے جو آسمان سے قریب ہوں اور جنات اپنی لطافت اور عدم ثقل کی وجہ سے اُن پر مستقر ہو سکتے ہوں جیسے بعض پرندے ہوا میں اُڑتے اُڑتے ٹھیر جاتے ہیں (بیان القرآن)

# فصل ۲۷۔ جنّات میں خلفشار

نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر جو ارہاص پیش آئے ان میں ایک ارہاص جنوں میں خلفشار اور اضطراب کا رونما ہونا بھی تھا۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک حسین و وجیہ آدمی اُن کے سامنے سے گزرا۔ امیرالمومنین نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ شخص عہدِ جاہلیت میں کاہن تھا چنانچہ انہوں نے حکم دیا کہ اس شخص کو بلاؤ۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوا تو اس سے فرمایا میرا گمان ہے کہ تم کفر کے تاریک دور میں کاہن تھے۔ اُس نے کہا میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو اس کے کفر کا زمانہ یاد دلائے"۔

اس قول کا یہ منشا تھا کہ جب میں کئی سال سے مشرف بایمان ہو چکا ہوں تو آپ مجھے کفر کی بات سے کیوں عار دلاتے ہیں؟

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اچھا! اُس زمانہ کی کوئی بات تو سناؤ"۔ اس نے کہا میں حالتِ کفر میں کاہن تھا۔ ایک دن بازار میں تھا کہ میری جنّیہ (جو مجھے غیبی اطلاعیں دیا کرتی تھی) گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی اور کہنے لگی:۔

اَلَمْ تَرَ الْجِنَّ و ابلاسھا     ویاسَھا من بعدِ انکاسِھا
ولحوقھا بالقلاص واحلابِھا

دیکھا تم جنّات کو اور اُن کے اضطراب کو اور اس کے بعد ان کی ناامیدی کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح اونٹوں اور ان کے پالانوں کے ساتھ چمٹ رہے ہیں؟)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُس نے سچ کہا خود مجھ پر بھی اسی قسم کا ایک واقعہ گزر چکا ہے (بخاری) اور پھر وہ واقعہ سنایا جو فصل ۷۰ میں گزر چکا ہے۔

# فصل ۳۷۔ کہانت کی برطرفی

کاہن غیب کی خبریں بتانے والوں اور فال گروں کو کہتے ہیں اور کہانت دعوائے غیب دانی اور غیب کی خبریں بتانے کا نام ہے۔ اسلام سے پہلے تمام مذاہب میں دینی پیشوائی اور مقتدائی کے لیے کہانت ایک لازمی چیز تھی۔ قدیم مصریوں، بابلیوں، ہندوؤں، رومیوں، یونانیوں، اسرائیلیوں غرض تمام قوموں میں کاہنوں کا وجود پایا جاتا تھا اور انسان کی فطری کرشمہ پرستی اسے ہر جگہ از خود پیدا کر لیتی تھی۔ یہ ایک پرانا خیال ہے کہ روح لطیف اور مخفی شے ہے اس لیے وہ ہر مخفی راز کا پتہ لگا سکتی اور اسرار سرمدی کے ہر حرم میں پہنچ سکتی ہے بشرطیکہ اس کا تزکیہ کیا جائے اور انسانی تقاضوں سے مبرا کر لی جائے۔ اس کے ساتھ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ اپنی تدبیروں سے عاجز آ جاتا ہے تو نامعلوم ذرائع ڈھونڈنے لگتا ہے اور بڑی بے صبری کے ساتھ جویا ہوتا ہے کہ کسی طرح اس مشکل کا حل معلوم کرے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر وحشی سے وحشی قوم میں نوع انسانی کے اس فطری تقاضے نے کہانت کو کسی نہ کسی عنوان سے ضرور پیدا کر دیا تھا۔

### عرب میں کہانت کا چرچا

عرب کے بت پرستوں میں بھی ہر جگہ کاہن موجود تھے اور لوگ دور و نزدیک سے اپنی تمنائیں اور مشکلیں لے کر ان کے پاس پہنچتے اور وہ عموماً ان کے ایسے جواب دیتے کہ ان کی تشفی ہو جاتی اور بزعم خود کامیاب اور بامراد ہو کر اپنے گھروں کو واپس آتے۔ ان دنوں عرب کی اصل حکومت فی الحقیقت انہی کاہنوں کے ہاتھ میں تھی جن کے سامنے کسی سردار قبیلہ یا فرماں روا کی نہیں چلتی تھی۔

### غیبی خبروں کا مآخذ

عرب کے کاہنوں کا ذریعۂ غیب دانی یہ تھا کہ کسی نہ کسی شیطان الجن سے ان کا رابطہ قائم ہوتا۔ وہی آسمان سے خبریں سن کر ان کو آ سناتا۔ نظام عالم اس طرح پر قائم ہے کہ جب ملائکہ کو انتظام دنیا کے لیے خدائے قادر و مختار کی بارگاہ سے کوئی فرمان ہوتا ہے تو فرشتوں میں اس کا چرچا ہونے لگتا ہے۔ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے شیاطین آسمان پر جا کر فرشتوں کی گفتگو سن آیا کرتے تھے۔ وہ وہاں سے واپس آ کر اپنے اپنے تعلق کے کاہنوں کو اس کی اطلاع دیتے اور کاہن ان اطلاعوں

میں من گھڑت ڈھکوسلے ملا کر غیب دانی کا دعویٰ کرنے لگتے۔

### شیاطین کو آسمان پر جانے کی بندش

چونکہ حضرت افضل الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت شیاطین کا آسمانوں پر جانا روک دیا گیا، کاہنوں کے پاس آسمانی خبریں معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ لیکن اب شیاطین نے آسمان اول کے کنارے پر پہنچ کر کان لگانے شروع کیے۔ مگر جونہی اس قسم کی کوشش عمل میں لائی گئی ملائکہ کی طرف سے ان پر شہاب ثاقب (انگارا) پھینک کر ان کو ہٹا دیا گیا۔ شہاب اس ستارہ نما شعلے کو کہتے ہیں جو رات کے وقت ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ رب العالمین اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:-

”اور ہم نے ہر شیطان مردود سے آسمان کی حفاظت کی (کہ وہاں شیاطین میں سے کوئی جانے نہیں پاتا) اگر چوری چھپے کوئی بات سن بھاگے تو شہاب کا دھکتا ہوا انگارا (اس کے کھدیڑنے کو) اس کے پیچھے ہو لیتا ہے (سورۂ حجر۔ آیات ۱۷-۱۸)

اگر ملائکہ کی شعلہ زنی سے پہلے کوئی خبر شیاطین کے کان میں پڑ گئی تو انہوں نے آکر وہ خبر اپنے کاہن کو سنا دی اور اس نے اس میں رنگ آمیزیاں کر کے عالم الغیب ہونے کی ڈینگیں مارنی شروع کر دیں۔

### کیا کہانت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا؟

بعض علماء کا خیال ہے کہ کہانت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکی ہے کیونکہ زمانۂ بعثت میں شیاطین سنگسار کر دیے گئے تاکہ آئندہ آسمانی خبریں نہ لا سکیں اور کاہن آسمانی خبریں شیاطین کے ذریعہ سے حاصل کرتے تھے اور اب شیطانوں کو آسمان پر جانے سے روک دیا گیا اس لیے کہانت بھی نیست و نابود ہو گئی“۔

لیکن ابن خلدون نے اس خیال کو غلط ٹھیرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کہانت القاء شیطانی سے بھی صادر ہوتی ہے اور خود کاہنوں کے نفوس سے بھی۔ اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ شیاطین محض ان آسمانی خبروں سے روک دیے گئے جو بعثت سے متعلق تھیں۔ دوسرے احوال اور اطلاعیں معلوم کرنے سے ان کو قطعاً نہیں روکا گیا۔ اس کے علاوہ آسمانی خبریں عہد نبوت ہی میں منقطع ہوئی تھیں۔ زمانۂ رسالت کے بعد وہ سلسلہ پھر جاری ہو گیا اور کہانت عود کر آئی۔ عہد نبوت میں آسمانی خبروں کے انقطاع کی یہ وجہ تھی کہ اس قسم کے تمام مدارک زمانۂ نبوت میں اسی طرح سست و

مضمحل ہو جاتے تھے جس طرح طلوعِ آفتاب کے بعد ستاروں اور چراغوں کا نور ماند پڑ جاتا ہے کیونکہ نبوت ایک ایسا زبردست نور تھا جس کے مقابلہ میں تمام نور معدوم یا کالعدم ہو جایا کرتے تھے۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

## دعوائے غیب دانی کا بطلان

کہانت کے عود کر آنے کی نسبت ابن خلدون کا خیال صحیح ہے یا غلط، یہاں اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں تاہم یہ امر یقینی ہے کہ اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ ہی کہانت کا چراغ گل کر دیا اور مدعیانِ غیب دانی کا زور کلیتہً توڑ دیا۔ اسلام نے صاف کہہ دیا کہ حق تعالیٰ کے سوا عالم الغیب کوئی نہیں اور غیب دانی کے جو کچھ دعوے کیے جاتے ہیں سب لغو اور بے سروپا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصلاح بھی اسلام کے اوّلیات میں سے ہے کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ سارے عالم پر کہانت کی حکومت تھی اور دینی پیشوائی کا لازمی جوہر غیب دانی یقین کیا جاتا تھا اور دنیا میں کسی کی نظر اس کے ابطال کی طرف نہیں گئی تھی یک بیک اسلام کی طرف سے اعلان ہوا کہ عالم الغیب خدائے علیم کے سوا کوئی نہیں اور جو کوئی اس کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ خود جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غیب کی سیکڑوں ہزاروں باتیں بتائیں اور پیش گوئیاں فرمائیں جو حرف بحرف سچی نکلیں اور آیندہ بھی قیامت تک سچی نکلتی رہیں گی لیکن آپ نے ان اطلاعوں کی نسبت صاف طور پر بتا دیا کہ خدائے قدوس نے فرشتہ بھیج کر اپنے پیغمبر کو ان سے آگاہ کیا ہے۔ پس وہ دراصل علام الغیوب عزّ اسمہٗ ہی کی غیب دانی کا جلوہ تھا۔

# فصل ۱۷۔ رویائے صالحہ کی دید اور غارِ حرا میں عزلت گزینی

حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم اوائل میں یا تو جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے یا شرائع انبیاء کے احکام میں سے جس حکم کو استحسانِ عقل و فراست سے مرجح خیال فرماتے اس پر عمل پیرا ہوتے جس طرح موسم سرما کے اخیر میں فضا کا تغیّر موسمِ بہار کی آمد کا اعلان کرتا ہے

اسی طرح جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی اور نبوت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا آپ کے باطن میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہو رہے تھے اور طبیعت دن بدن دنیا و مافیہا سے اُچاٹ اور بے رغبت ہوتی جا رہی تھی۔ جب سن مبارک چالیس سال کے قریب ہوا جو کمال عقل و دانش کا زمانہ ہے تو آپ کو سچے خواب آنے شروع ہوئے۔ جو خواب بھی دکھائی دیتا اس کی تعبیر سپیدۂ صبح کی طرح صاف ظاہر ہو جاتی (بخاری و مسلم)

دراصل انسان کی تعلیم و تربیت میں تدریج کا سلسلہ جاری ہے۔ خصوصاً وحیٔ الٰہی کا سا بارِ عظیم اُٹھانے کے لیے تدریج ازبس ضروری تھی کیونکہ اگر شروع ہی سے وحیٔ قرآن نازل ہونے لگتی تو تحمل دشوار تھا۔ اس لیے آپ کو عالمِ رؤیا میں فرشتے دکھائی دینے لگے اور خواب ہی میں علوم جزئیہ کی تعلیم شروع کی گئی تاکہ طبیعت کو آہستہ آہستہ عالمِ غیب سے مناسبت ہو جائے اور مزاج برداشت کا خوگر ہو۔ رویائے صادقہ کا یہ سلسلہ تقریباً چھ مہینے تک جاری رہا۔ پھر طبیعت خلوت اور عزلت نشینی کی طرف مائل کر دی گئی تاکہ اہل و عیال کے علائق سے علیحدگی کے بعد عالمِ غیب کی طرف کامل توجہ ہو سکے اور دل میں مکان محلّی بالطبع[عہ] کا القا کیا گیا جہاں جنسِ بشر سے کوئی موجود نہ ہو۔

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ دنیا میں جس قدر نبی، ولی، صالح، حکیم، فیلسوف گزرے ہیں، وہ اپنے آغازِ کار میں خلوت گزیں رہے ہیں کیونکہ عزلت و تنہائی میں فکر و توجہ کامل ہوتی ہے اور مطلوب حقیقی کی طرف پورا انہماک ہو سکتا ہے۔ البتہ جب قوتِ فکر کامل ہو جائے تو خلوت کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اس وقت انسان جلوت میں بھی اپنے مقصد و مطلوب کی طرف پوری طرح متوجہ رہ سکتا ہے۔

یہ تو خدائے حکیم ہی کے علم میں تھا کہ کون کون سی برگزیدہ ہستیاں اس کی رسالت و پیامبری کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن فکر اور ریاضت و مجاہدہ لوازمِ نبوت سے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام انہی کی مدد سے اپنے اندر وحیٔ الٰہی کی صلاحیت و استعداد پیدا کرتے تھے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کا انسان ہونا کوئی اکتسابی چیز نہیں، اس کے باوجود انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں ان میں کسب و مجاہدہ کو دخل ہوتا ہے۔ اسی طرح نبوت گو کسبی نہیں بلکہ وہبی تھی لیکن انبیاء علیہم السلام پہلے ریاضتیں اور مجاہدے کرتے تھے تو پھر اُن پر نبوت کے آثار مترتب ہوتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ اپنے کاشانۂ قدس سے کھانے پینے کا کچھ سامان ساتھ لے جاتے۔ ایامِ عزلت میں تمام مادیاتِ عالم سے محترز اور ہر ممکن الاحتراز شغل سے کنارہ کش رہتے البتہ

---

[عہ] بے اندیشہ و بے تکلف

جب بھوک کا غلبہ ہوتا تو توشہ دان میں سے کچھ تناول فرما لیتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے اور کچھ غذا لے جا کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ کبھی محترمہ خدیجہ طاہرہؓ بھی آپ کے پاس اکل و شرب کا سامان پہنچا آتیں۔ غار میں شب و روز مراقبہ اور ذکر و فکر کے سوا کوئی مشغلہ نہ ہوتا۔ ان ایام میں آپ کے بیشتر اوقات محو و استغراق میں گزرتے تھے۔ جب مہینہ بھر کی ریاضت کشی پایۂ تکمیل کو پہنچتی تو مراجعت فرما ہوتے۔ سب سے پہلے بیت اللہ کا رُخ کرتے اور کعبۂ معلیٰ کا طواف کر کے گھر میں تشریف لاتے۔

جن ایام میں آفتاب رسالت مطلع عنایت سے طلوع ہونے والا تھا، ان دنوں رُوحِ مطہر کسی نبی نمود کی جلوہ گری کے لیے سخت بے قرار تھی اور آپ کسی بلند ترین روحانی پیغام و نظام کار کے لیے ہر وقت چشم براہ تھے۔ گو حقیقت منتظرِ راہ مقصود کی چالیسویں منزل پر پہنچنے والی تھی تاہم مطلوب اب تک آنکھوں سے اوجھل تھا۔ لیکن اب وہ وقت آ گیا تھا کہ وحیٔ الٰہی کے اُفقِ مبین پر نور اور روشنی کی بدلیاں چھا جائیں اور فیضانِ الٰہیہ کا بحرِ بے کراں جوش میں آ کر سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک کو اپنا مہبط بنائے

# فصل ۵۔ نزولِ وحی

جب ایام وحی قریب پہنچے تو غارِ حرا کے عزلت گزین صلی اللہ علیہ وسلم عبادت و ریاضت میں غیر معمولی کثرت و مداومت فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ جب سن مبارک پورے چالیس سال کا ہوا تو آپ کے باطن میں وحیٔ الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا اور صبح وحی کی روشنی آفاقِ عالم کو منور کرنے لگی۔ اس نور کا ظہور بقول صحیح بتاریخ ۳ ربیع الاول سنہ ۴۱ عام الفیل کے بعد ہوا۔

## جبریل امینؑ کا ورود

جب نیّر رسالت کے طلوع کا وقت آیا تو ملائکہ کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام بحکم شہنشاہ ارض و سما، غارِ حرا میں تشریف لائے اور حسب روایت طیالسی آپ کو سلام کیا اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے والا از خود یقین کر لیتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، اسی طرح مورد وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعلم ضروری معلوم ہو گیا کہ یہ جبریلؑ ہیں۔ اس کے بعد حضرت روح الامینؑ نے

خود بھی کہا کہ میں جبریل ہوں، حق تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ کافۂ انام کے رسول ہیں۔

اب جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ پڑھیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو ناخواندہ ہوں۔ حسب بیان مولینا اشرف علی صاحب تھانویؒ آپ کی یہ عذرداری یا تو اس بنا پر تھی کہ آپ کو اس فقرہ کا مفہوم متعین نہ ہوا ہو اور یہ امر شانِ نبوت کے منافی نہیں یا باوجود تعیینِ مراد کے باین معنی تھی کہ قرارت یعنی پڑھنے کا اطلاق اکثر لکھی ہوئی چیز کے پڑھنے کے معنی میں آتا ہے۔ تو آپ نے بوجہ حرف شناس نہ ہونے کے یہ عذر فرمایا۔"

لیکن شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اس کی اور توجیہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ کا مَآ اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتا) کہنا غایت دہشت اور انتہائی خوف سے بوجہ جبریلؑ کی رؤیت اور ہیبت مقام سے پیدا ہوا ہو نہ اس وجہ سے کہ آپ ناخواندہ تھے اور ناخواندہ شخص پڑھ نہیں سکتا کیونکہ ناخواندہ بھی دوسرے کے پڑھانے سے الفاظ ادا کر سکتا ہے۔" جبریل علیہ السلام نے آپ کو شانوں سے پکڑ کر بھینچا اور چھوڑ دیا۔ اس سے آپ کو سخت مشقت اور انتہا درجہ کی تکلیف محسوس ہوئی۔

علماء نے فرمایا ہے کہ جبریل علیہ السلام کا دوش ہائے مبارک کو بھینچنا ایک تصرف تھا، جس سے یہ غرض تھی کہ آپ کے باطن میں انوارِ ملکوت داخل کیے جائیں اور قبولِ وحی کی استعداد پیدا ہو اور آپ ماسوی اللہ کے شغل سے خالی الذہن ہو کر کلام الٰہی کی طرف کما حقہٗ متوجہ ہو سکیں۔ اس کے بعد جبریلؑ نے دوبارہ کہا کہ پڑھیے۔ آپ نے مکرر فرمایا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ جبریلؑ نے آپ کو ازسرِ نو پکڑا اور دبوچا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے۔ آپ نے تیسری مرتبہ کہا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ حضرت روح الامین نے پھر شانوں سے پکڑ کر بھینچا اور کہا:۔

| | |
|---|---|
| اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ | اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے تمام مخلوق پیدا کی۔ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا۔ قرآن پڑھیے اور خدا پر بھروسہ رکھیے جو سب سے بڑا کریم ہے۔ وہ خدائے برتر جس نے انسان کو قلم کی وساطت سے علم سکھایا اور وحی کے ذریعہ سے وہ باتیں بتائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔ |

آپ نے ان آیتوں کو زبان مبارک سے ادا فرمایا۔ اس وحی میں جو آپ پر نازل ہوئی

بالذات ایک معجزہ فصاحت کا بھی تھا، اس لیے ضرور تھا کہ وحیٔ الٰہی لفظ بہ لفظ نازل ہو اور آپ اس کو اسی طرح لفظ بہ لفظ یاد کریں۔ چنانچہ آپ نے اس کو معاً یاد کر لیا اور جبریل علیہ السلام چلے گئے۔

مولنا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آخری دو آیتوں میں تعلیم کے دو ذریعے فرمائے ہیں۔ ایک کتابی تعلیم جو قلم کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ دوسری تعلیم لدُنی جو وحی کے نام سے موسوم ہے۔ وحی اوّلاً حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی اور ثانیاً آپ کی وساطت سے اُمت تک پہنچتی تھی۔ تو مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول کتابی تعلیم نہیں جو لوگوں کا نتیجۂ فکر ہوتا ہے بلکہ یہ لدُنّی علم ہے۔ اور شیخ عبدالحق دہلویؒ نے آیاتِ مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے آپ کو اور جمیع کائنات کو پیدا کیا ہے یعنی آپ اپنی قوت واستطاعت کی نارسائی کا خیال نہ کیجیے بلکہ اپنے پروردگار سے استعانت فرمائیے جو ہر چیز کا خالق اور ہر بات پر قادر ہے اور قلم سے یا تو قلمِ اعلیٰ مراد ہے جو جمیع علوم اور کتب سماویہ کی نگارش کا سبب و ذریعہ ہے یا یہی دُنیاوی قلم کہ اس دارِ دنیا میں اُس قلمِ اعلیٰ کا مظہر و مثال ہے۔

اور صاحبِ "کشاف" کے نزدیک اگر صنعتِ الٰہی کے دائرہ میں یہی قلم مراد لیا جائے جو عجیب و غریب قسم کے علوم کو حوالۂ قرطاس کرتا ہے تو خدائے قدیر کی قدرتِ بے پایاں پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے۔ ربّ العزت نے انسان کو قلم کی وساطت سے ایسے ایسے علوم پر مطلع کیا کہ انسان کے لیے اپنی قدرت سے اُن پر حاوی ہونا محال تھا۔

بعض روایتوں میں اس سورت سے پہلے آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نزول بھی مرٙوی ہے چنانچہ واحدی نے عکرمہؓ اور حسن بصریؒ سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ اقرأ کا شروع حصہ نازل ہوا اور ابن جریر وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جبریلؑ نے آ کر سب سے پہلے آپ کو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کو کہا اس کے بعد فرمایا کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (روح المعانی)

### غار سے مراجعت

اس کے بعد وحیٔ آسمانی کے مہبطِ آخرین صلی اللہ علیہ وسلم حریمِ نبوت کی طرف لوٹے مگر حالت یہ تھی کہ ہول و ترس کے مارے جسم کانپ رہا تھا۔ آپ نے آ کر اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے کچھ اوڑھا دو۔ انہوں نے

ایک گلیم آپ پر ڈال دی اور دیر تک سر و پا نی چھڑکتی رہیں یہاں تک کہ طبیعت پُر سکون ہوئی اور خوف و ہراس جاتا رہا۔ اب آپ نے جناب خدیجہؓ کو تمام ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔"

یہ خوف و ہراس مقام نبوت کی انتہائی ہیبت و جلال کی وجہ سے تھا کہ طاقت بشری اس کے غلبۂ سطوت سے بیتاب تھی۔ اور اصل یہ ہے کہ کسی دنیاوی حاکم وقت کا کوئی پر جلال پروانہ پہنچتا ہے تو قلب انسانی مضطرب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ کلام جو آپ پر نازل ہوا شہنشاہ ارض وسماء واحکم الحاکمین کا فرمان تھا جس پر قلب مبارک کا مرعوب ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس لیے آپ پر بہت دیر تک کپکپی طاری رہی۔

ام المومنین حضرت خدیجہؓ تمام ماجری سن کر کہنے لگیں کہ آپ غم نہ کھائیں۔ خدائے قدوس آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا بلکہ آپ کو سرفراز فرمائے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی (اقرباء سے حسن سلوک) کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ یتیموں اور مسکینوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ درماندوں کی مدد کرتے ہیں۔ امانت دار، خوش خصال، نیک کردار، بلند فطرت، بلند حوصلہ ہیں۔ (بخاری و مسلم)

اس کے بعد اُم المومنینؓ نے فرمایا مجھے اسی خدائے ودود کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے آپ اِس اُمت کے نبی ہیں (تاریخ ابن جریر طبری)

ظاہر ہے کہ رفیقۂ حیات سے بڑھ کر انسان کے اخلاق و عادات کا کوئی راز داں نہیں ہوتا۔ حضرت خدیجہؓ کو پندرہ برس سے آپ کا شرف مصاحبت حاصل تھا۔ یہ اتنی بڑی مدت ہے کہ جس میں زوجین کے عادات و اطوار کا کوئی گوشہ ایک دوسرے پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ یہ اسی واقفیت اور راز دانی کا اثر تھا کہ جونہی آپ کی زبانِ مبارک پر وحی نبوت کا تذکرہ آتا ہے حضرت ممدوحہ معاً تصدیق کرتی ہیں اور نہ صرف تصدیق بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو تسکین دیتی ہیں کہ آپ ایسے صفات جمیلہ سے متصف ہیں جو انسان کو کبھی ہلاکت و بربادی میں نہیں پڑنے دیتے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا یہ بیان ان کے کمال فراست اور حقائق امور کی انتہائی معرفت پر دلالت کرتا ہے۔

## عدّاس سے استفسار

سیرت سلیمان تیمی اور سیرتِ موسیٰ بن عقبہ میں مذکور ہے کہ نزولِ وحی کا واقعہ معلوم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مزید

اطمینان کے لیے تحقیقِ حال کا ارادہ کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے عدّاس کے پاس تشریف لے گئیں جو حضرت معاویہؓ کے نانا عتبہ بن ربیعہ کے غلام اور مذہباً عیسائی تھے۔ عدّاس نینوا کے رہنے والے ایک نیک کردار بزرگوار تھے جو کچھ مدت سے مکہ معظمہ میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور انہیں آسمانی کتابوں پر بہت کچھ عبور تھا۔ اُمّ المومنینؓ نے عدّاس سے فرمایا میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتی ہوں کہ مجھے بتاؤ کہ تمہیں جبریل کی نسبت کچھ علم ہے؟ عدّاس نے کہا اے سیّدۂ نساء قریش! بُت پرستوں کی اس سرزمین سے جبریل علیہ السلام کو کیا سروکار؟ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا جبریلؑ کی نسبت تم کیا جانتے ہو؟ کہا وہ نبیوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے امانت دار فرشتہ ہیں۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے پاس وہی پیامِ ربّانی پہنچایا کرتے تھے۔" یہ سن کر حضرت خدیجہؓ مطمئن ہو کر مراجعت فرما ہوئیں (زرقانی علی المواہب)

## وَرَقہ بن نوفل کا حیات آفرین بیان

اس کے بعد اُمّ المومنینؓ اپنے عم زاد بھائی وَرَقہ بن نوفل (ابن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصی) کے پاس گئیں۔ وَرَقہؓ جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے بڑے معمّر اور سن رسیدہ بزرگ تھے۔ بُت پرستی اور رسومِ جاہلیت کر چھوڑ کر عقیدۂ توحید اختیار کر لیا تھا۔ عربی اور عبرانی زبانوں کے ماہر اور آسمانی کتابوں کے بڑے عالم تھے اور وہ تمام پیش گوئیاں ان کے پیشِ نظر تھیں جو نبیٔ آخر الزمان کے متعلق آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں چلی آتی تھیں۔ وہاں پہنچ کر اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگزشت کہہ سنائی۔ وَرَقہ خوشی سے اُچھل پڑے اور بولے یہی وہ ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اے خدیجہ! تمہیں مبارک ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اُمت کے رسول ہیں اور آپ وہی احمد نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی حضرت مسیح علیہ السلام نے بشارت دے رکھی تھی۔ تم ان کی خدمت میں میری طرف سے ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرنا۔" حضرت خدیجہؓ یہ مژدہ سن کر واپس آئیں۔

جنابِ وَرَقہؓ نے صرف موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا، حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر نہ کیا۔ زرقانی نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت تمام اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) میں مسلّم تھی بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے کہ یہود ان کی نبوت کے منکر ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت کلیم علیہ السلام کی کتاب توراۃ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب (قرآن) کی طرح اکثر احکام پر مشتمل ہے بخلاف انجیل کے جس میں صرف امثال و مواعظ ہیں۔ اسی بنا پر نصاریٰ

بھی احکام تورات ہی پر عمل پیرا ہیں اور ہر مسئلہ میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

گو حضرت مسیح علیہ السلام کا زمانہ فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمن سعادت سے نسبتہً قریب تھا تاہم اُن کا نام نہ لینے کی یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام پر انبیاء سلف علیہم السلام کی طرح جبریل امینؑ کی وساطت سے وحی نہیں آتی تھی بلکہ عیسائیوں ستے تو انہیں تین اقنوموں میں سے ایک اقنوم و معبود بنا رکھا ہے چونکہ عیسائیوں کا یہ باطل عقیدہ وَرَقہ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا، اس لیے انہوں نے صرف موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا جن پر نزول وحی بوساطت جبریلؑ مسلّم الثبوت اور متفق علیہ تھا۔

### وَرَقہؓ سے ملاقات

حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے بعد بھی حسب معمول غارِ حرا میں جا کر مصروف عبادت ہوتے رہے۔ ایک دن جب وہاں سے مراجعت فرما ہوئے تو پہلے مسجد الحرام تشریف لائے اور کعبہ کا طواف کیا یہیں وَرَقہ بن نوفلؓ کو آپ نے دیکھا اور ان سے ملے۔ وَرَقہ نے کہا برادرزادے! تم نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ ذرا بیان تو کرو"۔ آپ نے اپنے مشاہدات بیان فرمائے۔ وَرَقہؓ نے کہا خدائے قدوس کی قسم! آپ اس اُمت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ نبیؑ کے پاس آیا تھا۔ یاد رکھیئے کہ آپ کو ضرور جھٹلایا جائے گا۔ ایذائیں دی جائیں گی۔ خارج البلد کیا جائے گا۔ آپ سے جنگ کی جائے گی اور آپ کو اپنی برادری کے ہاتھوں سے ہر طرح کے دُکھ سہنے پڑیں گے۔ اور اگر میں اُس وقت تک زندہ رہا تو جہاں تک میرے امکان میں ہو گا آپ کی رفاقت کا حق ادا کروں گا"۔

آپ نے فرمایا کیا میری برادری کے لوگ ہی مجھے خارج البلد کریں گے؟ کہا ہاں، آج تک جس کسی نے بھی آسمانی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں، اُس کی مخالفت کی گئی ہے اور اس کو ایذائیں دی گئی ہیں۔ پھر وَرَقہؓ نے آپ کا سر مبارک اپنے قریب کر کے اس کو بوسہ دیا اور آپ اپنے آستانِ مبارک کو واپس آئے (سیرت ابن ہشام و تاریخ ابن جریر طبری)

### حضرت وَرَقہؓ کو بعثت نبوی کی شادمانی

حضرت وَرَقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بعثتِ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی سے جامہ میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ اس ضعیفی اور کبرسنی کے باوجود ان کا معمول تھا کہ لکڑی ٹیکتے ہوئے مکہ کی شاہراہوں پر پھرتے تھے اور جہاں کہیں دو یا زیادہ آدمیوں کو باتیں کرتے سنتے وہیں

باآوازِ بلند کہنے لگتے کہ مخلوق کا نجات دہندہ آگیا ہے۔ اب بُت پرستی کا دَور ختم ہوا۔" مگر ان کی بات پر کوئی التفات نہ کرتا اور اس پیام کو بڑھاپے کے اثر پر محمول کرکے قابلِ اعتنا، نہ سمجھتا۔ (ابن ہشام وغیرہ)

### حضرت وَرَقہؓ جنت میں

تاریخ الخمیس میں وَرَقہ رضی اللہ عنہ کا سالِ وفات سنہ ۳ نبوت بتایا ہے اور بعض نے نبوت کا چوتھا سال لکھا ہے۔ اور واقدی نے جو بیان کیا ہے کہ وہ زید بن عمرو کی رفاقت میں قبائل لخم اور جذام میں گئے اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں قتل کر دیے گئے بالکل غلط ہے۔ وہ مکہ معظمہ میں مدفون ہوئے جیسا کہ بلاذری نے بیان کیا ہے (زرقانی)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے وَرَقہؓ کے ایمان کی نسبت دریافت کیا گیا۔ حضرت خدیجہؓ عرض پیرا ہوئیں، یارسول اللہ! انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن وہ آپ کی نبوت کا چرچا ہونے سے پیشتر انتقال کر گئے۔ آپ نے فرمایا کہ وَرَقہ عالمِ رؤیا میں مجھے ایسی حالت میں دکھلائے گئے کہ انہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اور اگر وہ جنتی نہ ہوتے تو ان کا لباس سفید نہ ہوتا۔ رواہ احمدؒ الترمذی (مشکوٰۃ)

اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ کسی شخص نے ورقہؓ کو کچھ بُرا بھلا کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے وَرَقہ کو جنت میں دیکھا تھا رواہ البزار۔ (الروض الانف)

# فصل ۶۷ - بعد ازبعثت کے فوری تغیّرات

گو نزولِ وحی سے پیشتر سطحی خیال کے لوگوں کی نظر میں محمد بن عبداللہ عربی (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) میں اور مکّہ کے عامۃ الناس میں کوئی فرق نہ تھا لیکن اس زمانہ میں بھی آپ کا ذہنی، اعتقادی، عملی اور اخلاقی پایہ اہلِ مکہ کے عام معیارِ اخلاق سے بہت بلند تھا۔ لوگوں کی عقل، مزاج اور طبیعت کو آپ کی عقل، طبیعت اور مزاج سے کوئی نسبت نہ تھی۔ دوسرے لوگ عام طور پر ہر قسم کی برائیوں میں ملوّث تھے لیکن آپ کی ذاتِ گرامی اس وقت بھی ہر عیب اور

ہر گناہ سے پاک تھی۔ آپ کی فطرت سلیمہ، طبعی جودت، ذکاوت اور ملکۂ نبوت نے جو انبیا علیہم السلام کی ذاتِ عالی میں ودیعت رکھا جاتا تھا آپ کو نہ صرف ہر بُرائی اور عیب سے محفوظ رکھا تھا بلکہ آپ ہر قسم کی خیر و خوبی اور نیک کرداری کا مجسمہ تھے جس طرح آپ عملی یا اعتقادی شرک، جھُوٹ، بہتان، غیبت، بخل، حسد، مے خواری، قمار بازی، بدنظری وغیرہ رذائل سے متنفر تھے، اسی طرح آپ حلم، رحم، وقار، تواضع، راست گوئی، صدقِ وعد، امانت داری، مسکین دوستی، یتیم پروری، مہمان نوازی وغیرہ صفاتِ حمیدہ سے بھی متصف تھے۔

## محاسن شرعیہ سے نا آشنا

لیکن ان محاسن عقلیہ کے باوجود آپ محاسن شرعیہ سے بالکل نا آشنا تھے۔ محاسن شرعیہ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی تہذیب اخلاق یعنی وہ امور جن کا تعلق افراد تک محدود ہے۔ جیسے ایمان، نماز، روزہ وغیرہ۔ دوسری تدبیر منزل یعنی وہ فرائض جن کا تعلق گھرانوں سے ہے جیسے احکام کے متعلق حقوقِ والدین، حقوقِ زوجین وغیرہ۔ تیسری سیاست مُدن یعنی وہ امور جو بستیوں اور آبادیوں سے متعلق ہیں مثل حدود اور فصل خصومات وغیرہ کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے ان تینوں محاسن سے بیخبر تھے۔ اس دَور میں آپ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب الٰہی کیا چیز ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں اہل علم کی صحبت میں معلوم ہوتی ہیں اور آپ کو اہل علم سے ملنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔

## محسُوسات میں تصرف

لیکن جب آپ رُوح القدس سے مؤید ہوئے اور باطن میں وحیٔ الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا تو آپ کے باطنی قویٰ میں غیر معمولی حرکت و بیداری پیدا ہوئی۔ آپ صورۃً عام لوگوں کے مشابہ تھے لیکن معنیً سب سے ممتاز تھے۔ آپ کی قوتِ متخیلہ اس قدر صحیح اور مضبوط ہوئی کہ محسُوسات اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکتے تھے اور قوت نفسانی ایسی تیز ہوئی کہ عالم اجسام پر اثر ڈال سکتی تھی یہاں تک کہ اَجرام علوی بھی اس کی دست رس سے باہر نہ رہے۔ آپ مشیت الٰہی کے ماتحت جس طرح اور جب چاہتے محسوسات میں تصرف کرنے لگتے۔ عالم ملکوت کا بھی کشف ہوا اور گو اس کشف کو دوام نہ تھا تاہم ایک مرتبہ آپ نے عالم بالا کی ہر چیز کو عیاناً دیکھ لیا۔ آپ غلطیوں سے یکسر پاک ہو گئے اور اگر کبھی تقاضائے بشریت کوئی ادنیٰ سی فروگذاشت صادر ہو گئی تو جھٹ وحیٔ الٰہی نے آکر رہبری کی اور فوراً اس کی اصلاح کر دی۔

# فصل ۷۷۔ فترت الوحی (وحی کا رُک جانا)

قرآن میں سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جس کے نزول سے نبوت کا آغاز ہوا۔ اِتقان میں ہے کہ بقیۂ سورہ کا نزول سورۂ مزّمل کے بعد ہوا تھا۔ علق کی پانچ ابتدائی آیتوں کے بعد بہ مقتضائے حکمت خداوندی قرآن کا نزول اور جبریل علیہ السلام کی آمد یک لخت رُک گئی۔ چونکہ آسمانی فیوض و برکات کا دروازہ کھلنے کے بعد مسدود ہو گیا تھا، اس سے مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو سخت ٹھیس لگی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو خدا کے خوف سے دب گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہوتا (۵۹ : ۲۱) باوجود اس شدت و ہیبت کے قرآن نور ہے اور رب العزت نے اسے اپنے کلام پاک میں نور ہی فرمایا ہے مگر یہ نور ایسا پُرکیف اور ایسا دلکش ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا کی لذتیں اور نعمتیں بالکل ہیچ ہیں۔

**سرورِ انبیاءؐ کو انقطاعِ وحی کا اندوہ**

یہی وجہ تھی کہ نزولِ وحی کی انتہائی خوفناک اور لرزہ خیز صورت کے مشاہدہ کے باوجود اس کا سلسلہ کچھ دنوں کے لیے رُکا تو ؏

ہائے پھر ہے اُسی آگ کی آرزو

کے سوا غارِ حرا کے عزلت گزین کی زبان مبارک پر کچھ نہ تھا۔ آپ اس فترت و انقطاع پر اس درجہ اندوہ ناک تھے کہ آپ نے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہا لیکن ہر مرتبہ جو آپ بحالتِ اضطرار ایسا کرنا چاہتے، جبریل علیہ السلام ظاہر ہو کر کہتے "محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میں آپ کا دوست اور بھائی ہوں"۔ جب دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو حق تعالیٰ نے آپ کو ضبط و تحمل کی ایسی غیر معمولی توفیق ارزانی فرمائی کہ جس کے بعد آپ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے ؎

ارید وصاله ویرید هجری
فاترک ما ارید لما یرید

حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں اس حالتِ ہجر کو قبض سے تعبیر کرتے ہیں اور جب یہ انقباض رفع ہو جاتا ہے تو اس کو بسط کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور گو حالت قبض میں ظاہری سلسلۂ فیضان منقطع ہو جاتا ہے اور اس سے دل سخت ملول و محزون ہوتا ہے لیکن اس حالت کو

تزکیۂ باطن اور رفع درجات میں بڑا دخل ہے ؎

چوں قبض آمد تو دروے بسط بیں | تازہ باش وچیں میفگن بر جبیں
چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو | آں صلاح تست آیس دل مشو

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی پہلی سات آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ نے فترۂ وحی کے اختتام پر ایک مہینہ تک کوہِ حرا میں مجاورت یعنی گوشہ نشینی فرمائی۔ اس کی تکمیل کے بعد جب آپ وہاں سے اُتر رہے تھے تو ایک آواز سنائی دی۔ آپ نے آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف نگاہ کی۔ کچھ نظر نہ آیا۔ اوپر کو نظر اٹھائی تو اسی فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) کو جو غارِ حرا میں آیا تھا، زمین اور آسمان کے درمیان کرسی نشین پایا۔ یہ دیکھ کر آپ پر خوف و ہراس طاری ہوا۔ آپ گھر آئے اور اپنی حرم محترم حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھے اُڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اس وقت سورۂ مدثر کی پہلی سات آیتیں نازل ہوئیں جن میں ارشاد ہوا اے گلیم پوش! اُٹھو۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور نجاست سے الگ رہو۔ (بخاری و مسلم)

### رسالت سے نبوت کا تقدم

اس کے بعد وحیِ الٰہی لگاتار شروع ہو گئی جس کا سلسلہ اُس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیاتِ طیبہ کا ظاہری تعلق عالمِ اجسام سے منقطع نہ ہو گیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آپ کی رسالت سے متقدم تھی۔ محدثین کے نزدیک نبوت میں تبلیغ و انذار شرط نہیں ہے۔ اس دور میں نزولِ وحی انبیاء کی اپنی تکمیل و تہذیبِ نفس کے لیے مقصود ہوتی تھی چنانچہ سورۂ اقرأ آپ ہی کی تعلیم و تکمیل کے لیے نازل ہوئی تھی۔ آخر جب فترتِ وحی کے دن ختم ہوئے تو تبلیغ و انذار کے لیے سورۂ مدثر کا نزول ہوا جس کو رسالت سے تعبیر کرنا چاہیئے (مدارج)

# فصل ۷۸۔ اہلِ بیتِ اطہار کی سعادت اندوزیِ ایمان

اوپر لکھا گیا ہے کہ حاملِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نزولِ وحی کا راز سب سے پہلے اپنی حرم محترم جناب خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر ظاہر فرمایا تھا۔ چونکہ وہ آپ کے صدقِ مقال کی ہمیشہ سے معترف تھیں معاً آپ پر ایمان لائیں۔ ان کے بعد حضرت ورقہ بن نوفلؓ شرفِ تصدیق سے

مشرف ہوئے۔ چونکہ جلد ہی دعوت و تبلیغ کا حکم بھی آگیا آپ نے امتثالاً للامر پہلے اپنے گھر والوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ سب نے اس دعوت کو لبیک کہا (ابن سعد)

### اوّل المومنین

دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ کے اہلِ بیت یعنی اُم المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا، آپ کی صاحبزادیاں (جناب زینب، رُقیہ، اُمّ کلثوم، فاطمہ زہرا، سلام اللہ علیہن) آپ کے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ، آپ کی لونڈی حضرت اُمّ ایمنؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور ورقہ بن نوفل تھے (ابن کثیر) اس وقت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا سن مبارک قریباً ساڑھے چار سال اور حضرت علی مرتضیٰ کی عمر سات آٹھ سال یا زیادہ سے زیادہ دس سال کی تھی۔

### قحط سالی میں حضرت علیؓ کو گھر لانا

اِن ایام میں حضرت علی مرتضیٰؓ اپنے والد ابو طالب کے گھر میں نہیں بلکہ سرورِ دوجہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آغوشِ تربیت میں پرورش پا رہے تھے اور آستانِ نبوت ہی میں ہوش سنبھالا تھا۔ چنانچہ مجاہد تابعیؒ کا بیان ہے کہ نزولِ وحی سے پہلے ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں سخت قحط پڑا۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے عمّ محترم حضرت عباسؓ ان ایام میں بنوہاشم کے اندر زیادہ مرفّہ الحال تھے۔ آپ نے ایک دن حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ چچا ابو طالب پر عیال کا بڑا بوجھ ہے اور گرانی کا جو عالم ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ اس لیے میری رائے ہے کہ ہم دونوں ان کے پاس چلیں اور ان کا ایک ایک بیٹا اپنے اپنے گھر لا کر ان کا بوجھ ہلکا کر دیں۔" جناب عباسؓ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ دونوں حضرات ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ قحط سالی نے لوگوں کی حالت سخت ابتر کر رکھی ہے اور تم کثیر العیال ہو۔ اس لیے ہم آپ کو سبکبار کرنا چاہتے ہیں۔" ابو طالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ کر جو مرضی میں آئے کرو۔" پس پیغمبر علیہ السلام علیؓ کو اور حضرت عباسؓ جعفر طیار کو اپنے اپنے گھر لائے۔ اس کے بعد جب واہب کردگار نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا تو حضرت علیؓ نے بھی دوسرے اہلِ بیت کے ساتھ ایمان لا کر نبوت محمدی کی تصدیق کی (ابن جریر طبری)۔

## فصل ۹۷۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کا قبولِ اسلام

جن روایتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے بزرگوں کا نام لیا گیا ہے ان میں

یہ چار حضرات مذکور ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق، اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم۔ علماء نے روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، آزاد مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ مشرف بایمان ہوئے۔

اِس بارہ میں اختلاف چلا آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے کون بزرگ پہلے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضرات ابن عباس، حسّان بن ثابت، اسماء بنت ابی بکر، نخعی وغیرہم کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ ایمان لانے میں اوّل و سابق تھے۔ اور حضرات سلمان، ابوذر، مقداد، خباب، جابر، ابوسعید خُدری، زید بن ارقم، ابن شہاب، قتادہ وغیرہم کے بیان کے بموجب حضرت علیؓ پہلے مشرف بایمان ہوئے تھے۔ جو علماء حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اوّلیت کے قائل ہیں اُن کی ایک دلیل حضرت عمار بن یاسرؓ کا یہ قول ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں دیکھا تھا جب کہ آپ کے ساتھ پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ابوبکرؓ کے سوا کوئی اور نہ تھا (بخاری)

### حضرت علیؓ کا تقدم ایمانی

لیکن امام ابن عبدالبرؒ نے اس پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؓ ایمان لائے تھے مگر خورد سال تھے اور اپنے اسلام کو ابو طالب کے خوف سے مخفی رکھتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اسلام لا کر اس کا اظہار کیا۔ اس خیال کی تائید جناب حسن مجتبیٰؓ کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ خود حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے تھے کہ ابوبکر چار باتوں میں مجھ پر سبقت لے گئے (۱) انہوں نے اسلام کا افشاء و اظہار کیا (۲) انہوں نے ہجرت اور (۳) مصاحبت فی الغار میں سبقت کی (۴) انہوں نے آغازِ اسلام میں علانیہ نماز پڑھی حالانکہ میں دروں میں جا کر چوری چھپے نماز ادا کرتا تھا (مدارج النبوۃ)

### حقیقی شرف اوّلیت حضرت ابوبکرؓ کے لیے مخصوص ہے

الغرض راقم الحروف کے نزدیک وہی روایات ارجح ہیں جن میں حضرت علیؓ کا جناب ابوبکر صدیقؓ سے پہلے مسلمان ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ گو اس اوّلیت کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہیں کیونکہ آغازِ بعثت میں حضرت علیؓ ابھی نابالغ تھے۔ اور نابالغ کا اسلام عندالشرع معتبر نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں کہ اوّلیت

اسلام کے سبب فضیلت ہونے پر جو ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اوّلیت اسلام محض اس بنا پر وجہ فضیلت ہے کہ جس بزرگ ہستی کو سب سے پہلے شرف ایمان نصیب ہوا ہوگا، اُس کو رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب و آلام میں بھی سب سے زیادہ شرکت کا موقع ملا ہوگا اور اس نے اور وں سے زیادہ آپ کی نُصرت و یاری کی ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وجہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے سوا باقی خلفائے ثلاثہ میں نہ پائی جاتی ہے نہ پائی جا سکتی ہے۔ لہٰذا خلفائے راشدین میں اوّلیت ایمان کا شرف حضرت صدیق رضؓ کے خصوصیات میں سے ہے۔

## بُحیرا راہب سے حضرت ابو بکرؓ کی ملاقات

اس سے قطع نظر بعض روایتوں سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ بن عثمان (ابو بکر رضی اللہ عنہ) حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی بعثت سے بہت عرصہ پہلے غائبانہ ایمان لا چکے تھے چنانچہ حسب بیان میمون بن مہران حضرت ابو بکرؓ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی ولادت سے بھی پہلے اُس وقت ایمان لائے تھے جب بحیرا راہب نے آپ کے رسول برحق ہونے کی بشارت دی تھی (اصابہ)

اس بیان کی تفصیل حضرت کعبؓ کے بیان میں ملتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اسلام لانے کا ابتدائی محرک ایک رؤیا تھا۔ اس کی کیفیت اس طرح ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بغرض تجارت شام جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لیے بحیرا راہب کے پاس گئے۔ بحیرا نے خواب سن کر پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا "مکہ کا" پھر پوچھا کس خاندان سے ہو؟ انھوں نے فرمایا قریش سے۔ پھر پوچھا تمہارا پیشہ کیا ہے؟ فرمایا تاجر ہوں"۔ بحیرا نے کہا کہ اللہ نے تمہیں سچا خواب دکھایا۔ ایک عظیم الشان رسول تمہاری قوم میں مبعوث ہوں گے۔ تم ان کی زندگی میں ان کے وزیر اور وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہو گے۔ لیکن اس وقت حضرت صدیق رضؓ نے یہ خواب کسی پر ظاہر نہ کیا (ابن عساکر)

## قبول اسلام میں مبادرت کی ایک اور وجہ

حضرت ابو بکر رضؓ ایک اور وجہ سے بھی سالہا سال سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے کوکبۂ جلال کے منتظر تھے۔ ایک مرتبہ وہ صحن کعبہ میں کھڑے تھے۔ اتنے میں اُمیّہ بن صلت شاعر جو جاہلی دور میں موحدانہ نظمیں کہا کرتا تھا اور اس کا تذکرہ صفحات گزشتہ پر آ چکا ہے وہاں آیا اور ان سے خطاب کر کے پوچھنے لگا کہ جس نبی کی آمد کا انتظار ہے وہ ہم (اہل طائف) میں مبعوث ہوگا یا تم (قریش مکہ) میں؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھے معلوم نہیں"۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوبکرؓ تصدیقِ حال کے لیے وَرَقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ یہ اکثر آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور منہ سے کچھ غنغنایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُمیّہ بن صلت کا مقولہ پیش کر کے ان کا خیال معلوم کرنا چاہا۔ وَرَقہ نے کہا ہاں بھائی! مجھے علم سماوی پر عبور حاصل ہے۔ جس نبی کی آمد کا انتظار ہے وہ وسطِ عرب کے ایک خاندان میں ظاہر ہوگا اور چونکہ میں علم نسب کا بھی ماہر ہوں، اس بنا پر کہتا ہوں کہ تمہاری قوم قریش نسب کے لحاظ سے وسطی عرب ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمہارے ہی اندر ظاہر ہوگا"۔ وَرَقہؓ کا بیان سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا انتظار و اشتیاق اور زیادہ بڑھ گیا۔

### تیسری تحریک

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتظارِ بعثت اور شوقِ نظارہ کا تیسرا باعث ان کا ایک اور خواب بھی تھا۔ وہ عالمِ رؤیا میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چاند ہے جو مکہ معظمہ پر نازل ہو کر مختلف اجزاء میں تقسیم ہوگیا ہے اور اس کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک گھر میں داخل ہوا ہے۔ پھر وہ کیا دیکھتے ہیں کہ چاند کے تمام اجزاء باہم مل گئے ہیں اور مکمل چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کسی کتابی معبّر کا پتہ لگا کر اس کے پاس گئے اور خواب کا ماجرا بیان کیا۔ معبّر نے بتایا کہ تم اس نبیٔ آخرالزمان کی پیروی کرو گے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور تم اس نبی کے تمام پیروؤں میں سب سے زیادہ اسعد و اشرف ہوگے"۔ حضرت ابوبکرؓ بعثتِ نبوی کے پہلے ہی سے منتظر تھے۔ یہ تعبیر سُن کر ان کی آتشِ اشتیاق اور شعلہ زن ہوئی چنانچہ جونہی نبیٔ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کی ابتدا کی متابعت کر کے اول المومنین کی صف میں سب سے پہلے جا کھڑے ہوئے (الروض الانف)

اسی معنیٰ میں خود حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا وہ متردد ہوا اور جھجکتا رہا لیکن ابوبکرؓ کے سامنے جیسے ہی اسلام پیش کیا انہوں نے بلا تامل میری تصدیق کی اور ایمان لائے۔ علامہ بیہقیؒ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے سے آثارِ بعثت اور دلائلِ نبوت کی تصدیق کر چکے تھے۔ اس بنا پر جیسے ہی آنجناب نے دعوت کا آغاز فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے لبیک کہی (تاریخ الخلفاء سیوطی)

### آثارِ نبوت کی ذوق شناسی

علاوہ ازیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر وہ نور تھا جو دلوں کو فریفتہ کرتا تھا۔ آپ کے

اخلاق فاضلہ جاذب قلوب تھے اور تقریر نہایت مؤثر و دل نشین تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر حضرت عبداللہ (معروف بہ ابوبکرؓ) کی لوح دل پر آپ کی عظمت و برتری کا سکہ شروع سے جما ہوا تھا۔ جونہی آپ نے دعوائے نبوت کیا انہیں آپ کی نبوت کا یقین ہوگیا۔ مزید براں نبوت کے کچھ آثار و خواص بھی ہوتے ہیں۔ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں مدعیٔ نبوت واقعی نبی تھا یا نہیں تو اس کا علم مدعی کے حالات و تعلیمات اور اخلاق و عادات کی ہو سکتا ہے۔ یہ معرفت یا تو ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے جیسی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے سابقینِ اسلام کو تھی یا خبر متواتر سے جیسی ہم مسلمانوں کو ہے نبوت کے ان آثار و کیفیات کی ذوق شناسی جن نفوسِ قدسیہ کی سرشت میں ودیعت تھی وہ فوراً آمادۂ تصدیق ہو گئے تھے۔

## حضرت صدیق اکبرؓ سے متعلق میور کی رائے

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق سر ولیم میور لکھتا ہے کہ وہ نہ تو کسی کام میں عجلت کرتے تھے اور نہ ان کا کوئی کام کسی ہنگامی لولہ کا نتیجہ ہوتا تھا بلکہ ہر ایک کام نہایت سوچ بچار کے بعد پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ ان کی رائے نہایت صائب اور مبنی بر انصاف ہوتی تھی۔ تقریر نہایت دل پذیر تھی اور اخلاق پسندیدہ و دل کش تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قبیلۂ قریش کے رؤسا، ان کی مجلس کے مشتاق رہتے تھے اور بات بات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے (لائف آف محمدؐ)

## اسلام کی بلند ترین شخصیت

حضرت ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ اسلام میں بہت بلند شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا اسم گرامی عبداللہ لقب صدیق و عتیق اور کنیت ابوبکر تھی۔ واقعۂ فیل کے ڈھائی سال بعد پیدا ہوئے۔ نہایت حسین و جمیل اور مکہ معظمہ کے بہت بڑے سوداگر تھے۔ جب ایمان لائے تو ان کے پاس مال تجارت کے علاوہ چالیس ہزار درم نقد تھے۔ اس جمع کے علاوہ مداخل کا سلسلہ بھی بذریعۂ تجارت جاری رہا لیکن انہوں نے قبول اسلام کے بعد دینِ حنیف کی راہ میں اتنا روپیہ خرچ کیا کہ جس روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں مدینہ منورہ پہنچے ہیں تو اس وقت ان کے پاس صرف پانچ ہزار درم رہ گئے تھے۔ انہوں نے اوائل بعثت میں بہت سے اُن لونڈی غلاموں کو جنہیں جابرۂ قریش نے محض قبول اسلام کی بنا پر شکنجۂ عذاب میں کھینچ رکھا تھا اپنے روپیہ سے

آزاد کرایا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی ان کا کاروبار تجارت بڑے عروج پر تھا لیکن انفاق فی سبیل اللہ کا یہ عالم تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک درہم بھی پس انداز نہیں کر گئے تھے (اضافہ)

# فصل ۸۰۔ نماز کی فرضیت

رب السموات والارض کی وحدانیت کے اقرار اور تماثیل و مماثیل سے قطعی اظہار برائت کے بعد خدائے برتر نے قوانینِ اسلام میں سب سے پہلے نماز کو فرض کیا۔ یہ وہ اہم فریضۂ الٰہی ہے جس کی نسبت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز بندے اور کفر کے درمیان حدِّ فاصل ہے (صحیح مسلم) اور فرمایا جس نے نماز کی محافظت اور اس پر مواظبت کی تو یہ نماز اس کے لیے قیامت کے دن نور اور برہان اور نجات کا ذریعہ ثابت ہوگی اور جو اس کی محافظت نہیں کرتا اس کے لیے نور اور برہان اور نجات نہ ہوگی (احمد و دارمی) اور آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوذر! اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرنا اگرچہ تم ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاؤ یا آگ میں جلا دیے جاؤ اور فرض نماز کبھی نہ چھوڑنا کیونکہ جو کوئی نماز کر دانستہ چھوڑتا ہے وہ عہدِ اسلام سے بری ہو جاتا ہے (ابن ماجہ)

**جبریلؑ کا آکر وضو اور نماز سکھلانا**

نماز کی فرضیت پر جبریل امین آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ مکۂ اعلیٰ میں تھے۔ وہ آپ کو وادی کی ایک سمت میں لے گئے۔ وہاں ایک پتھر پر اپنی ایڑی ماری۔ اس سے ایک چشمہ جاری ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے وضو کرتے ہوئے آپ کو بتایا کہ نماز کے لیے اس طرح طہارت کی جائے۔ آپ ان کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے بھی وضو کیا۔ پھر جبریلؑ نے کھڑے ہو کر آپ کو نماز پڑھائی۔ جبریلؑ امام تھے اور آپ ان کے مقتدی۔ جبریلؑ نماز سکھا کر چلے گئے۔ آپ اپنے حرم میں قدوم فرما ہوئے اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے فرضیت نماز کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جبریل امینؑ نے مجھ کو نماز پڑھائی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُم المومنینؓ کے سامنے وضو کیا اور انہیں بتایا کہ فریضۂ صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے پہلے اس طرح وضو کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جس طرح جبریلؑ نے آپ کو نماز پڑھائی تھی اسی طرح آپ نے محترمہ خدیجہؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور انہوں نے آپ کی اقتداء

کی (ابن جریر طبری و ابن ہشام)

### نزول وحی کے ساتھ ہی نماز فرض ہوئی

ادائے صلوٰۃ کا یہ واقعہ اسی دن کے آخری حصہ کا ہے جس روز کہ وحیٔ الٰہی نے غارِ حرا میں سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو اپنا مورد و مہبط بنایا تھا۔ جس طرح ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو قبولِ اسلام کا شرفِ اولین حاصل تھا اسی طرح انہیں مالک الملک عز اسمہٗ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی سعادت بھی امت میں سب سے پہلے نصیب ہوئی۔ خود حضرت فخرِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اُس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علیؓ نے دوسرے دن سہ شنبہ کو نماز ادا کی۔ اس کے بعد ابوبکرؓ اور زید بن حارثہؓ شریکِ نماز ہوئے (تاریخ الخمیس)

### فریضۂ صلوٰۃ قبل از معراج

نماز پنج گانہ ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے شبِ معراج میں فرض ہوئی تھی۔ اس مسئلہ میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے کہ معراج سے پہلے مکہ معظمہ میں کتنی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آٹھ پہر میں صرف دو رکعت نماز فرض تھی جس وقت کسی کو موقع ملتا ادا کر لیتا۔ ایک قول یہ ہے کہ صرف نمازِ عشاء پڑھنے کا حکم تھا لیکن اس کے لیے بھی ساعت کی کوئی تحدید و تعیین نہ تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ اوائل میں نمازِ عشاء فرض تھی لیکن بعد میں آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے منسوخ ہوگئی اور رات کے بعض حصہ کا قیام فرض ہوا لیکن پھر نمازِ پنجگانہ کی فرضیت سے یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ اور امام حسن بصریؒ اور حربیؒ کا بیان ہے کہ معراج سے پہلے دو نمازیں تھیں۔ دو رکعت صبح کے وقت اور دو رکعت عشی یعنی دن کے پچھلے حصہ میں جو فرضاً پڑھی جاتی تھیں۔ (روح المعانی تفسیر آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ و فتح الباری جلد اوّل، صفحہ ۳۱۷)۔

### معراج سے پہلے دو رکعتی نمازیں۔

لیکن زیادہ مشہور یہی ہے کہ مکہ معظمہ میں دو رکعتی نماز دو وقت پڑھی جاتی تھی۔ پہلی صبح کو اور دوسری عشی کے وقت۔ لغتِ عرب میں دوپہر ڈھلنے سے لے کر رات تک کو عشی کہتے ہیں (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲۸ ص ۴)

چونکہ عشی دن کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں جس کا کوئی خاص وقت معین نہیں، اس لیے یہ بتانا مشکل ہے کہ نمازِ صبح ادا کر لینے کے بعد دوسری نماز ظہر، عصر، مغرب اور عشا میں سے کس وقت پڑھی

جاتی تھی۔ گو عصر اور مغرب کے دو قول زیادہ شہرت پزیر ہیں تاہم اغلب ہے کہ نماز عشی کی نسبت ہر مسلمان مجاز تھا کہ زوال آفتاب اور عشاء کے درمیان جس وقت سہولت دیکھے پڑھ لے۔

### نماز حضر میں اضافہ

اور علامہ علی قاری ؒ نے لکھا ہے کہ معراج سے پہلے صرف دو نمازیں تھیں، ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے (شرح نقایہ علی قاری ؒ)

دو رکعتی نمازوں کا سلسلہ مکہ معظمہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دو مہینہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد نماز حضر کی رکعتوں میں اضافہ کر دیا گیا چنانچہ صاحب مواہب لدنیہ لکھتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما ئے مدینہ ہوئے تو ماہ ربیع الآخر میں صلوٰۃ حضر میں زیادتی کی گئی۔ معراج کے بعد سے ہجرت کے دو مہینہ بعد تک نماز مغرب کے سوا جو تین رکعت تھی تمام نمازیں دو رکعتی تھیں۔ ظہر، عصر اور عشاء میں دو کی جگہ چار رکعتیں کر دی گئیں اور چونکہ نماز صبح میں قرات طویل پڑھی جاتی ہے اس کو بحال رہنے دیا گیا۔ البتہ سفر میں وہی پہلی دو رکعتی نماز رہنے دی گئی۔

### مسجد حرام میں نماز باجماعت

آغاز بعثت میں جبکہ ہادیٔ ملت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروان دین حنیف پر ہنوز قریش کی ستم آرائیوں کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ نماز مسجد حرام ہی میں جا کر ادا کرتے تھے۔ بالکل ابتدائی عبادت گزاری کا ایک نظارہ عفیف کندی رضؓ کی زبان سے سنیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں آغاز بعثت میں اس غرض سے مکہ آیا کہ اپنی بیوی کے لیے عطر اور کپڑا خرید کر لے جاؤں اور عباسؓ بن عبدالمطلب کا مہمان ہوا۔ صبح کے وقت عباسؓ کے ہمراہ کعبۂ معلیٰ گیا۔ اتنے میں ایک معزز آدمی آیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اس کے بعد رو بکعبہ کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک لڑکا آیا اور اس بزرگ کی داہنی جانب کھڑے ہو کر نماز شروع کی پھر ایک معزز خاتون آئی اور ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ غرض لڑکا اور خاتون اس بزرگ ہستی کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے گئے۔

یہ دیکھ کر میں نے عباس رضؓ سے کہا میرا خیال ہے کہ کوئی بڑا انقلاب رونما ہو گا۔ عباس رضؓ نے کہا جانتے ہو کہ یہ جوان اور لڑکا اور عورت کون ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ عباس رضؓ نے کہا یہ جوان میرے برادر زادہ محمدؐ بن عبداللہ ہیں اور لڑکا میرا بھتیجا علی بن ابی طالب تھا اور وہ خاتون میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ کی زوجۂ محترمہ ہے اور میرے بھتیجے کا یہ بیان ہے کہ میرا یہ دین خاص

آسمانی مسلک اور الہامی مذہب ہے۔ اور میرے پاس خدا کا مقرب فرشتہ آکر احکامِ خداوندی پہنچاتا ہے اور جو کچھ میں کرتا ہوں خدائے قدوس کے حکم سے کرتا ہوں"۔ یہ بیان کرکے عباس نے کہا کہ جہاں تک میرے معلومات کو دخل ہے روئے زمین پر ان تینوں کے سوا اس نئے دین کا کوئی پیرو نہیں"۔ یہ سن کر میرے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش! چوتھا میں ہوتا (ابن سعد و حاکم فی المستدرک)

**قبلۂ نماز**

یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی مناسب ہے کہ مکہ معظمہ میں پہلے اہلِ ایمان کا قبلہ کعبۂ معلّیٰ نہیں تھا بلکہ سب حضرات بیت المقدس کی طرف مونھ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ جب نماز ادا کرنی ہوتی تو رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان کھڑے ہوتے اور کعبہ اپنے اور شام کے درمیان رکھتے (سیرت ابن ہشام)

# فصل ۱۸۔ حضرت عمرو بن عَبَسَہؓ کا دائرۂ اسلام میں داخلہ

حضرت عمرو بن عَبَسَہ سُلمی قبیلہ بنو سُلَم کے ایک رئیس تھے۔ ان کی کنیت ابو نجیح تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے۔

**تین پتھر چُولھے کے لیے ایک معبُود بنانے کے واسطے**

ان کا بیان ہے کہ میں جاہلیت میں اپنی قوم کے معبودوں کو باطل سمجھ کر اُن سے بیزار ہو گیا تھا۔ اس بیزاری کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ اہلِ تیمار میں سے ایک یہودی عالم سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے کہا میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو پتھروں کی پوجا کرتے ہیں۔ ہماری یہ حالت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص کسی ایسی قوم میں جائے جن کے پاس پوجنے کے لیے کوئی پتھر نہ ہو تو وہ اِدھر اُدھر سے تلاش کرکے چار پتھر اُٹھا لاتا ہے۔ تین پتھروں سے تو چُولھا بنا لیتا ہے اور چوتھے کو جو اُن میں ذرا خوش نما ہو اپنا معبود قرار دے کر پوجنے لگتا ہے۔ اور اگر پتھروں کی تلاش سے مراجعت کرتے وقت اس کو کوئی اور خوش نما پتھر نظر آجائے تو اس کو چھوڑ کر اس دوسرے کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ پتھر تو سراسر باطل معبود ہے جو کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لیے از راہِ نوازش مجھے پتھر سے بہتر کوئی اور معبود بتاؤ۔

**یہودی عالم کا بیان کہ ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں**

یہودی عالم نے کہا کہ مکہ میں ایک

جلیل القدر نبی ظاہر ہونے والے ہیں جو اپنی قوم کے معبودوں سے روگردانی کریں گے۔ جب تم ان کو پاؤ تو ان کی پیروی کرنا کیونکہ وہ من جانب اللہ افضل دین لے کر آئیں گے"۔ پس اُس دن سے مکہ میری توجہ والتفات کا مرکز بن گیا۔ میں ہر آنے والے سے پوچھا کرتا کہ وہاں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے تو مجھے ہر مرتبہ نفی میں جواب ملتا۔ (ابن سعد)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کا بیان ہے کہ آخر اسی تموّج افکار میں یہ خبر گوش زد ہوئی کہ مکہ میں ایک بزرگ ظاہر ہوئے ہیں جو آسمانی خبریں دیتے ہیں اور انہوں نے اپنی قوم کے معبودوں سے اظہار برأت کر کے اپنا دوسرا معبود قرار دیا ہے۔ معاً یہ خیال راسخ ہوا کہ مکہ جا کر انہیں دیکھنا چاہیئے۔

## خدا کے برگزیدہ رسولؐ سے ملاقات

حضرت عمروؓ کہتے ہیں کہ میں سواری کا انتظام کر کے مکہ پہنچا اور خدا کے برگزیدہ رسولؐ سے ملاقات کی۔ ان دنوں آپ کی دعوت بالکل ابتدائی مرحلہ پر تھی اور آپ تبلیغ کا ہر قدم نہایت اِخفاء اور رازداری کے ساتھ اُٹھاتے تھے۔ میں نے سوال کیا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں نبی اللہ ہوں۔ میں نے کہا نبی کیا؟ فرمایا مجھے حق سبحانہٗ نے خلق خدا کی ہدایت و رہبری کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے گزارش کی آپ مخلوق کے پاس کیا پیغام لائے ہیں؟ فرمایا مجھے خویش و اقارب سے نیکی کرنے، بتوں کے منہدم کرنے، خدائے واحد کی پرستش کرنے اور اس ذاتِ برتر کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کا پیغام دیا گیا ہے۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے ارشادات سے بڑا متاثر ہوا اور چشم زدن میں میری اقلیمِ دل کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ میں نے پوچھا اب تک کسی نے آپ کی رفاقت بھی اختیار کی ہے؟ فرمایا ایک آزاد اور ایک غلام نے۔ ان دنوں بیرونی لوگوں میں سے حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما ایمان لا چکے تھے۔ میں شرفِ ایمان سے سرفراز ہوا اور التماس کی یارسول اللہ! میں بھی آپ کا ساتھ دینے پر بدل و جان حاضر ہوں"۔ ارشاد ہوا کہ ابھی تم میری رفاقت کے متحمل نہ ہو سکو گے اِس لیے مناسب ہے کہ سردست اپنے وطن کو لوٹ جاؤ اور جب سنو کہ مجھے غلبہ نصیب ہوا تو پھر میرے پاس آنا۔

## مدینہ منورہ میں حاضری

حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے ارشاد کے بموجب وطن کو مراجعت کی۔ کئی سال تک لوگوں سے آپ کے حالات دریافت کرتا رہا۔ آخر جب مرکزِ نبوّت صنم کدۂ مکہ سے بیت الامن مدینہ کو منتقل ہوا

اور لوگوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش نے آپ کو قتل کر دینا چاہا تھا مگر آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے اور اب لوگ جوق جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو میں مدینہ طیبہ پہنچا اور آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر سعادتِ دید سے بہرہ اندوز ہوا۔ میں عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ باوجودیکہ چودہ پندرہ سال کا عرصہ منقضی ہو چکا تھا تاہم آپ نے فرمایا تم وہی ہو جو مجھ سے مکہ میں ملے تھے؟ میں نے گزارش کی ہاں یا رسول اللہ! اس کے بعد آپ کے ہاتھ پر از سر نو بیعت کی اور نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم کیا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ غزوۂ خیبر کے بعد شرفِ ہجرت سے بھی مستسعد ہوئے۔ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوامامہ باہلی اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم نے اور بہت سے تابعین نے ان سے روایت کی۔ خلافتِ عثمانی میں انتقال فرمایا (اصابہ)

# فصل ۸۲۔ مجالسِ یمن میں حضرت سلطان الانبیاء کا ذکرِ خیر

حضرت سرورِ کائنات و مفخرِ موجودات علیہ التحیۃ والسلام کی نبوت کا جوہر گراں مایہ عامۃ الناس کی نظروں سے اسی طرح مخفی تھا جس طرح گوہر شاہوار خلوت خانۂ صدف میں نہاں ہوتا ہے لیکن علماے اہلِ کتاب جو بازارِ روحانیت کے صراف تھے اس جوہر کی قدر و قیمت جانتے تھے ؎

ہنر چو مشک بود مشک اگر نہاں دارند
زنیض رائحۂ او مشام راخبر است

لیکن اب وہ وقت آگیا تھا کہ آپ کی نسیمِ فضائل گلستانِ جہاں کو معطر کرے اور اوجِ نبوت کا آفتاب آسمانِ ہدایت سے ضیا پاش ہو۔

**حضرت عباس اور ابوسفیان کی رفاقت سفر** | حسب روایت ابونعیم جناب عبداللہ

بن عباسؓ کا بیان ہے کہ میرے والدِ محترم حضرت عبّاس بن عبدالمطّلب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں مکّہ سے چند سواروں کی رفاقت میں جن میں ابوسفیان بن حرب بھی داخل تھے بغرضِ تجارت یمن گیا۔ وہاں پہنچ کر ہم نے یہ انتظام کیا کہ باری باری کھانا تیار کرتے تھے۔ جس روز کھانا تیار کرنے کے لیے میری باری تھی، سب رفقائے سفر ماحضر تناول کرنے کو میرے پاس جمع ہو گئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ابوسفیان نے مجھ سے کہا ابوالفضل! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا بھتیجا نبوت کا دعویدار بن بیٹھا ہے؟ میں نے کہا میرا کون سا بھتیجا؟ ابوسفیان نے کہا کیا تم ہم سے چھپاتے ہو؟ تمہارے بھتیجوں میں ایک شخص کے سوا اور کون ہے جو ایسا دعویٰ کر سکے؟ میں نے کہا آخر وہ کون ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا محمدؐ بن عبداللہ۔ میں نے کہا کیا واقعی محمدؐ نے دعوائے نبوت کیا ہے؟ ابوسفیان بولے ہاں کیا ہے۔

### مکّہ کی چٹھی میں آنحضرتؐ کے دعوائے نبوت کا تذکرہ

یہ کہہ کر ابوسفیان نے ایک چٹھی نکال کر دکھائی جو ابوسفیان کے نام ان کے بیٹے حنظلہ نے مکہ سے بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابطح میں کھڑے ہو کر کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور لوگوں کو اللہ عزّ وجلّ کی طرف بلاتا ہوں“۔ یہ سن کر حضرت عبّاس کا ساغرِ دل خوشی سے چھلک گیا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسی اصدق القول ہستی نے یہ دعویٰ کیا ہے تو وہ یقیناً منصبِ نبوت پر فائز ہوئے ہیں۔ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے دریافت کیا اب تم اس دعوے کی نسبت کیا کہتے ہو؟ حضرت عباسؓ نے کہا اے حنظلہ کے باپ! میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صادق البیان ہی یقین کرتا ہوں“۔ ابوسفیان نے بات کاٹ کر کہا اس تعلّی کو جانے دو۔ مجھے یہ بات سخت ناگوار ہے کہ تمہارے خاندان کا کوئی آدمی اس قسم کا بلند بانگ دعویٰ کر کے تمہارا پایۂ عظمت بلند کرے۔ اے عبدالمطّلب کی اولاد! مجھے خوف ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس دعوے کی بدولت کوئی گزند نہ پہنچے اور ایسی تعلّی ہلاکت آفریں نہ ثابت ہو۔ اس کے بعد ابوسفیان خاندانی رقابت کے جذبہ سے مجبور ہو کر ہاشمیوں پر بہت کچھ ہنستے اور جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے۔

### عبداللہ بن حذافہؓ کی طرف سے نبوتِ محمدیؐ کی تبلیغ

جن عالی فطرت حضرات کے دلوں میں خدائے ودود کی رحمت نوازی نے اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت کی شمع روشن کر دی تھی ان میں ایک عبداللہؓ بن حذافہ سہمی بھی تھے۔ حضرت

عباسؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن حذافہ رضؓ مشرف بایمان ہونے کے بعد یمن پہنچے اور وہاں جس جگہ اور جس مجلس میں بھی گئے، انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعوائے نبوت کا ضرور تذکرہ کیا۔ چنانچہ اس کے بعد وہاں کوئی ایسی مجلس نہیں تھی جس میں سرور دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر نہ آیا ہو اور آپ کا دعوائے نبوت موضوع بحث نہ بنا ہو۔

## یہودی عالم سے حضرت عباس کا مکالمہ

یمن کی ایک علمی مجلس میں احبار یہود میں سے ایک بڑا حبر یعنی عالم ابوسفیانؓ سے پوچھنے لگا کہ یہ کیا افواہ ہے؟ اور کہا میں نے سنا ہے کہ مدعی نبوت کا چچا بغرض تجارت یہاں آیا ہوا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں اس مدعی نبوت کا چچا ہوں یہودی حبر نے کہا کیا تم ان کے والد کے بھائی ہو؟ کہا ہاں۔ حبر نے کہا مدعی کے کچھ حالات تو بیان کرو۔ مگر ابوسفیان نے کوئی اطمینان بخش بات نہ بتائی اور حبر کی تشنگی معلومات نہ بجھ سکی۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ دوسرے دن حبر کو بتایا گیا کہ مدعی نبوت کے حقیقی چچا ایک اور بزرگ ہیں۔ چنانچہ حبر نے میرا پتہ لگایا اور میں اس حبر کی مجلس میں گیا۔ وہاں ابوسفیان بھی موجود تھے۔ حبر نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا آپ مدعی نبوت کے چچا ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ بولا باپ کے حقیقی بھائی؟ میں نے کہا ہاں ہاں باپ کا حقیقی بھائی۔ حبر نے حصول اطمینان کے لیے ابوسفیان سے پوچھا کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا ہاں سچ کہتے ہیں۔ میں نے کہا جو کچھ تمہیں دریافت کرنا ہو مجھ سے دریافت کرو اور اگر میں غلط بیانی کروں گا تو یہ ابوسفیان بیٹھے ہیں میرا جھوٹ جھٹ ظاہر کر دیں گے۔"

## خواندہ ہونے کا سوال

اب حبر بولا میں تمہیں خدائے واحد کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارا بھتیجا مدت العمر کبھی دروغ گوئی یا خیانت کا بھی مرتکب ہوا ہے؟ میں نے کہا مجھے عبدالمطلب کے خدا کی قسم! اس نے نہ تو کبھی غلط بیانی کی اور نہ اس سے کبھی خیانت سرزد ہوئی بلکہ وہ قریش میں ہمیشہ امین کے لقب سے ممتاز رہا۔ اس کے بعد حبر نے دریافت کیا کیا تمہارے برادرزادہ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں؟ حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ اپنے بھتیجے کی بڑائی کے لیے کہہ دوں کہ وہ لکھنا جانتے ہیں مگر معاً دل میں خیال گزرا کہ ابوسفیان جھٹ میری تردید کر دیں گے اور فوراً چلا اٹھیں گے کہ وہ لکھنے پڑھنے سے بالکل بے بہرہ ہیں، اس لیے مجھے مجبوراً یہی کہنا پڑا کہ میرا بھتیجا لکھنا پڑھنا نہیں جانتا

جبر کے اِس سوال کی غرض وغایت یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا اس نے کسی انسان معلّم سے کوئی تعلیم پائی ہو۔ ان نفوسِ قدسیہ کو منجانب اللہ علم لدُنی عطا ہوتا تھا اور وہ بوساطت جبریل علیہ السلام روحانی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ جب جبر نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں نبوت کی دونوں بنیادی علامتیں موجود ہیں یعنی راست گوئی اور دیانت داری کے جوہر سے بھی آراستہ ہیں اور نوشت وخواند سے بھی بے بہرہ ہیں تو اسے آپ کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد عالمِ اضطراب میں اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی چادر نیچے ڈال کر بولا کہ یہود ذبح ہو گئے، یہود ہلاک کر دیے گئے۔

### کدار سے نمودار ہونے والے سوار دیکھنے کی شرط

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم اپنے قیام گاہ پر واپس آئے تو ابوسفیان مجھ سے کہنے لگے اے ابوالفضل! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھتیجے کی نبوت کا حال سن کر یہودی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔ میں نے کہا ہاں یہودی عالم پر جزع وفزع کی جو کیفیت طاری تھی وہ تم نے بچشم خود دیکھ لی۔ لیکن ابوسفیانؓ! میرے خیال میں مناسب ہے کہ تم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آؤ۔ اگر ان کی نبوت صادق اور صحیح ہے تو تم سبقت الی الایمان کی دولت سے سرفراز ہو گے اور اگر باطل ثابت ہوئی تو تم پر کوئی الزام نہ ہوگا کیونکہ بہت سے دیگر لوگ بھی تمہارے ہم خیال موجود ہوں گے۔“

اس کے جواب میں ابوسفیان نے کہا میں تمہارے بھتیجے پر اُس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کدار کی طرف سے سوار آتے نہ دیکھ لوں۔ میں نے کہا ابوسفیان! یہ کیا بعید الفہم بات کہہ رہے ہو؟ بولے یوں ہی ایک بات میرے مونہہ سے نکل گئی ہے مگر مجھے یقین ہے کہ حق تعالیٰ کسی ایسے لشکر کو نہیں چھوڑے گا جو کدار کی طرف سے نمودار ہو۔“

### ۲۲ سال کے بعد کدار کی طرف سے سواروں کا نمودار ہونا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے قریباً بائیس سال بعد جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور ہم نے بچشم خود دیکھا کہ اسلامی لشکر کے سوار کدار کی طرف سے برآمد ہوئے ہیں تو میں نے ابوسفیان سے کہا کہ اب ذرا اپنی بات کو یاد کرو جو تم نے یمن میں کہی تھی۔ ابوسفیان نے کہا ہاں واللہ! مجھے خوب یاد ہے اور اُس خدائے برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اسلام کے ادراکِ سعادت کے لیے میری رہبری فرمائی (البدایہ والنہایہ

(ابن کثیرؒ)

عُبیدبن اسمٰعیل کا بیان ہے کہ کَدآ (ممدودہ) اعلیٰ مکہ کا وہ پہاڑی راستہ ہے جدھر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسخیرِ مکہ کے دن مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے اور کُدیٰ (مضموم ومقصور) اس راستہ کو کہتے ہیں جدھر سے آپ مراجعت فرما ہوئے تھے اور ابوزید نے بتایا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کَدآ سے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کُدیٰ کی طرف سے مکہ میں وارد ہوئے تھے۔ (معجم البلدان)

# فصل ۸۳۔ حضرت عمرو بن مُرّہ جُہَنی کا مشرف باسلام ہونا

**حضرت عمرو کا رؤیائے صادقہ**

طبرانی نے مسند کبیر میں اور ابو نعیم نے روایت کی کہ حضرت عمرو بن مُرّہ جُہنیؓ نے یاسر بن سُوَید سے بیان کیا کہ میں ایامِ جاہلیت میں حج کے لیے مکہ معظمہ آیا۔ یہاں پہنچ کر خواب دیکھا کہ ایک نور کعبۂ معلیٰ سے اُٹھ کر کوہ یثرب تک جا پہنچا ہے اور قبیلۂ جُہَینہ کو ڈھانپ لیا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس میں سے ایک آواز سنی کہ تاریکیاں دور ہوئیں، روشنی پھیل گئی، خاتم الانبیا مبعوث ہوئے۔ پھر ایک روشنی برآمد ہوئی جس سے حیرہ کے محل اور مداین کے قصرہائے ابیض دکھائی دینے لگے۔ اس نور میں سے ایک آواز سنی گئی کہ اسلام ظاہر ہوا، بُت ٹوٹ گئے، صلۂ رحمی کا دَور دورہ ہوا۔" میں یہ خواب دیکھ کر سخت وحشت زدہ ہوا اور اپنی قوم کے لوگوں سے جو میرے ساتھ بغرضِ حج مکہ آئے ہوئے تھے کہا کہ قریش کے قبیلہ میں کوئی عظیم الشان حادثہ رونما ہوا ہے یا ہونے والا ہے اور اپنے ساتھیوں سے خواب کا ماجرا بیان کیا۔

جب ہم مکہ سے اپنے شہر واپس گئے تو اس کے چند ہی روز بعد ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ ایک صاحب جنہیں محمدؐ اور احمدؐ کہتے ہیں مکہ میں مبعوث ہوئے ہیں۔ میں مکہ مکرمہ پہنچا اور آپ سے مل کر اپنے خواب کا ماجریٰ بیان کیا۔ خواب سُن کر آپ کہنے لگے اے عمرو بن مُرّہ! میں نبی مرسل ہوں جو اس غرض سے تمام بندگانِ خدا کے پاس بھیجا گیا ہوں کہ انہیں اسلام کی طرف بُلاؤں۔ بُت پرستی سے باز رکھوں۔ خدائے واحد کی عبادت اور صلۂ رحمی کا حکم دوں۔ جو کوئی اس دعوت کو لبیک کہے گا اس کے لیے بہشتِ جاوداں ہے اور جو اس سے روگرداں رہے گا اس کا ٹھکانا

جہنم ہے۔ پس اے عمرو! ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہولِ جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ میں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور حلقۂ اسلام میں داخل ہُوا۔

## حضرت رسول ثقلین کو اپنا نعتیہ کلام سنانا

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے یہ اشعار رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے ؎

شهدتُ بانّ اللهَ حق وانني
لاٰلهةِ الاحجار اوّلُ تارك
فشمّرتُ عن ساقي ازار مهاجر
اليك ادُبُّ الغور بعد الدكادك
لاصحب خيرَ النّاسِ نفسًا ووالدًا
رسُولَ مليكِ النّاس فوق الحبائك

میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ حق ہے اور میں پتھروں کے معبُودوں کو سب سے پہلے پس پشت ڈالنے والا ہوں۔ میں نے پوری سرگرمی کے ساتھ آپ کی طرف ہجرت کی ہے میں دشوار گزار راستوں سے آپ کی طرف چل رہا ہوں تاکہ میں ذات اور آباؤ اجداد کے لحاظ سے دنیا کی بہترین ہستی کا شرف صحبت حاصل کروں مالک الملک کے رسول کا جو تمام نیکوں سے فائق و برتر ہے۔

## تبلیغ میں حلم و رفق کو شعار بنانے کی تلقین

یہ اشعار سن کر حضرت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو! تمہیں مبارک ہو۔ میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے اپنی قوم میں جاکر دعوت و تبلیغ کرنے کی اجازت دیجئے۔ عجب نہیں کہ خدائے قدوس نے جس طرح آپ کے طفیل مجھ پر نوازش فرمائی اسی طرح میری قوم پر میرے ذریعہ سے رحم کرے اور وہ ہدایت پا جائیں۔ آپ نے مجھے ان کی طرف جاکر تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور جب میں آپ سے رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ حلم و رفق کا التزام کرنا، سختی نہ کرنا۔ خود پسندی سے باز رہنا اور کسی کا حسد نہ کرنا۔"

## بنو رفاعہ میں دعوتِ اسلام

حضرت عمرو بن مُرّہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم میں پہنچا اور لوگوں سے کہا اے بنو رفاعہ! اور بنو جہینہ! میں رسول اللہ کی طرف سے تمہارے پاس قاصد بن کر آیا ہوں۔ تم کو جنت کی دعوت دیتا اور دوزخ سے ڈراتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ کی عبادت اور بُت پرستی سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ جو کوئی اس دعوت کو لبیک کہے گا اس کے لیے جنت ہے اور جو کوئی اعراض کرے گا اس کے لیے جہنم شعلہ زن ہے۔ الغرض میری دعوت و تحریک سے ایک شخص کے سوا ساری قوم دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔ میں نے وطن پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ اپنے بُت کو جس کی

ہم عبادت کیا کرتے تھے توڑ ڈالا۔

ابو نعیم نے اپنی روایت میں حضرت عمرو بن مُرّہ جُہنی رضؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ میری قوم کا جو شخص سعادت ایمانی سے محروم رہا تھا اس نے میری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ عمرو نے لوگوں سے جو بات کہی ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں عمرو نے اپنے بزرگوں کے خلاف ایک نئی راہ نکال لی ہے۔ یہ شخص لوگوں کو ترغیب دیتا ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ عمرو نے اپنے آبائی دین سے منحرف ہو کر اور لوگوں کو اہل تہامہ کے ایک قرشی کی پیروی پر مائل کر کے جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ غرض یہ شخص سخت منحوس اور نامبارک ہے۔"

**معاند کا اندھا، گونگا اور بہرہ ہو جانا**

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدائے قہار اس منکر و معترض کو دار آخرت میں گمراہی اور کج روی کی جو سزا دے گا وہ تو الگ ہی کے رہے گی لیکن اس کو دنیا میں بھی یہ سزا ملی کہ گونگا بہرہ اور اندھا ہو گیا اور اس وقت تک موت کا شکار نہ ہوا جب تک اس کا منہ گل کر نہ گر پڑا۔ یہ اس کے لیے ایسی مصیبت تھی کہ جس نے اس کو کھانا کھانے سے بھی محروم کر دیا تھا (تاریخ ابن کثیرج ۲)

## فصل ۸۴ حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغی سرگرمیاں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر میں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے یعنی مشرف باسلام ہونے کے وقت ان کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔ محدث دارقطنی نے افراد میں ابو یحییٰ سے روایت کی ہے کہ میں نے امیر المومنین علی مرتضیٰ رضؓ کو منبر پر یہ فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے ابو بکرؓ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر صدیق کے لقب سے ممتاز فرمایا (اصابہ)، ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں سنح کے مقام پر ان کا پارچہ بافی کا کارخانہ تھا۔ (ابن سعد) کبھی کبھی خود بھی مال لے جایا کرتے تھے چنانچہ قبول اسلام کے بعد مکہ معظمہ سے بُصریٰ واقع ملک شام مال تجارت لے جایا کرتے تھے (ابن ماجہ)

**حضرت صدیقؓ کی خوش کلامی اور حسن مجالست**

عہد جاہلیت میں حضرت ابو بکرؓ کے

حسنِ مجالست، خوش کلامی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے تمام قریش ان سے محبت کرتے تھے۔ اور ان کے پاس بہت لوگوں کی نشست و برخاست رہتی تھی۔ ابتدا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرونی آدمیوں میں سے حضرت ابوبکرؓ کے سوا کسی کو اسلام کی طرف نہ بلایا تھا۔ جناب صدیقؓ نے ایمان کی سعادت حاصل کی تو حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کا ہر جگہ چرچا ہونے لگا۔

جناب ابوبکرؓ نے سعادتِ ایمانی کے حصول کے ساتھ ہی در پردہ تبلیغ کا کام بھی شروع کر دیا۔ ہجرت سے پہلے قیامِ مکہ کا زمانہ مسلمانوں کے لیے جس طرح خوفناک تھا اس کا دھندلا سا عکس آیندہ صفحات پر نظروں کے سامنے آجائے گا۔ ایسے نازک وقت میں تو خود اپنے اسلام کا اظہار ہی بہت مشکل تھا چہ جائیکہ دوسروں کو بُت پرستی سے ہٹا کر اپنے نئے مذہب میں لانے کی جرأت کی جا سکتی لیکن حضرت ابوبکرؓ کی قوتِ ایمانی نے اس خطرناک مہم کو اپنے دوشِ ہمت پر اُٹھا لیا۔ چنانچہ ان کی دعوت و تبلیغ ایسی کامیاب ہوئی کہ اوائلِ اسلام میں اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔

## حضرات عثمانؓ، زبیرؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰنؓ کی سعادتِ ایمانی

حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اپنے اُن دوستوں اور ہم نشینوں کو اسلام پر مائل کیا جن پر انہیں پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ ان کی مساعیٔ جمیلہ سے حضرت عثمان بن عفان رئیسِ بنو عبدالشمس، حضرت زُبیر بن عوام سردارِ بنو اسد جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص فاتحِ ایران اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سردارانِ بنو زُہرہ رضی اللہ عنہم اسلام کے گرویدہ ہو کر نعمتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ یہی حضرات سبّاق (بہت سبقت کرنے والے) کہلاتے ہیں (ابن ہشام وغیرہ)

یہ تمام نفوسِ قدسیہ عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں۔ ان کے خاص طور پر مبشر بالجنۃ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات نے ایسے وقت میں اسلام قبول کیا جب کہ شجرِ اسلام کی ہنوز نئی نئی تخم ریزی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایمان میں سبقت کر کے نہ صرف موجودہ وقت میں شجرِ اسلام کے سینچنے میں خوب مدد دی بلکہ آیندہ بھی مدت العمر غیر معمولی جاں نثاریاں کر کے مفادِ دینی کو تقویت پہنچاتے رہے۔

## دینِ اسلام حضرت صدیق اکبرؓ کا مرہونِ منت ہے

ان کے علاوہ بہت سے دوسرے حضرات بھی جن کے اسماء گرامی

ان شاء اللہ العزیز آیندہ فصل میں درج ہوں گے مواعظ صدیقی سے متاثر ہو کر مشرف بایمان ہوئے۔

اصل یہ ہے کہ دینِ اسلام اپنے داعیٔ اوّل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس جلیل القدر ہستی کا سب سے زیادہ مرہونِ منّت ہے وہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور دنیا میں کوئی مومن قانت ایسا نہیں پیدا ہوا اور نہ کوئی قیامت تک ایسا پیدا ہوگا جس کی گردن میں حضور سیدالانام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے احسانات کا جوا نہ پڑا ہو۔

# فصل ۸۵۔ دعوتِ اسلامی کی مقبولیت اور اسلامی برادری میں اضافہ

جن پانچ حضرات کے اسمائے گرامی فصل سابق میں زیب قرطاس ہوئے وہ سب مکہ معظمہ کی مقتدر ہستیاں تھیں ان کے توسط سے دینِ اسلام کا چرچا چپکے چپکے دوسروں میں بھی پھیلا اور مسلمانوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہونے لگا۔

**حضرت ابو عُبَیدہؓ کا شرفِ ایمانی**

پہلے پانچ بزرگانِ ملّت کی سعادت اندوزیٔ ایمان کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی سعی مشکور نے جناب ابو عُبَیدؓ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بادۂ ایمان سے سرشار کیا۔ خواتین میں حضرت خدیجہؓ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے بعد سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والی خواتین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی محترمہ اُمّ الفضل رضی زوجۂ عباسؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی بڑی صاحبزادی جناب اسماء رضی اللہ عنہا تھیں۔ موخرالذکر ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہیں۔

**سعید بن زیدؓ، ابن مسعودؓ وغیرہما کا قبول اسلام**

حضرت ابو عُبَیدہ رضؓ کے حلاوت اندوزِ ایمان ہونے کے چند روز بعد حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد پھر حضرت ارقم بن ابو الارقم اور ان کے بعد حضرت عثمان بن مظعون، اور ان کے دونوں برادرِ حقیقی قدامہ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہم نعمتِ ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ان کے بعد عُبَیدہ بن حرث بن مطلب بن عبد مناف اور حضرت سعیدؓ بن زید (جو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں) اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب (جو حضرت فاروق اعظمؓ کی ہمشیرہ تھیں)

اور حضرت خبّاب بن اَرَت اور حضرت سعد بن ابی وقّاص کے بھائی عُمَیر بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم) مشرف باسلام ہوئے۔

## حضرت جعفرؓ کا دعوتِ توحید کو لبیک کہنا

ان کے بعد سلیط بن عَمرو اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ان کی بیوی اَسما بنت سَلامہ اور خُنَیس بن حذافہ اور عامر بن ربیعہ اور عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابو احمد عبد بن جحش (جو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے) اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے بھائی جناب جعفر طیارؓ اور حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء بنت عُمَیس اور حاطِب بن حرث اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور ان کے بھائی خطاب بن حرث اور ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار اور معمر بن حرث اور حضرت عثمان بن مظعون کے صاحبزادہ سائب بن عثمان اور مطّلب بن ازہر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف اور نعیم بن عبداللہ بن اُسَید معروف بہ نحام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فُہَیرہ اور خالد بن سعید بن عاص اور ان کی بیوی امینہ بنت خلف اور حاطب بن عَمرو اور ابو حُذَیفہ بن عُتبہ (جو حضرت امیر معاویہؓ کے حقیقی ماموں تھے) اور واقد بن عبداللہ اور خالد، عامر، عاقل، ایاس پسران بُکَیر بن عبدیالیل اور عمار بن یاسر اور صُہَیب بن سنان رضی اللہ عنہم نے داعیٔ توحید کو لبیک کہا۔ ان کے بعد اور بھی زن و مرد سعادتِ ایمان سے بہرہ مند ہوئے اور شہر مکہ میں ہر طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہوا (سیرۃ ابن ہشام)

دعوت کے پہلے تین سال میں جن پاک نفس حضرات نے برملا اسلام قبول کیا اور جن کے ناموں کا پتہ لگ سکا ہے ان کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ ممکن ہے کہ اصل تعداد زیادہ ہو مگر قریباً چالیس حضرات کے قبولِ اسلام کا ذکر صراحۃً ملتا ہے۔

## داعیٔ اسلام کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت

یہ سابقینِ اوّلین خود مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے اور مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار سے پوری طرح واقف تھے۔ اس جماعت کا صدقِ دل سے ایمان لانا اور پھر ہمیشہ جان نثار رہنا اس امر کی زبردست شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بنا نہایت صدق و صفا پر مبنی تھی۔ یہ ایسی بدیہی شہادت ہے کہ مشہور دشمنِ اسلام سر ولیم میور سابق گورنر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"یہ امر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کا بڑے زور سے مؤید ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ نہ صرف راست باز لوگ تھے بلکہ آپ کے محرمِ راز دوست یا آپ کے خاندان کے لوگ تھے جو آپ کی پرائیویٹ زندگی سے کامل اطلاع رکھتے تھے اور یہ اس اختلاف سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے جو مفتریوں کی اندرونی اور بیرونی حالت میں پایا جاتا ہے (لائف آف محمدؐ)

### مسٹر سکاٹ کا اظہار خیال

اسی طرح مسٹر ایس پی سکاٹ لکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں کھلی کھلی صداقت و دیانت ودیعت تھی۔ آپ کی حقانیت اور زہد و اتقاء کی اس سے بڑھ کر قابلِ وثوق شہادت نہیں مل سکتی کہ آپ کے سب سے پہلے پیرو صاحب عقل و خرد حضرات تھے۔ انہوں نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ آپ کی تعلیمات کو قبول کیا۔ اسلام کے سوا جس قدر مذاہب تاریخ میں مذکور ہیں اُن میں جتنے لوگ ابتداء میں ایمان لائے وہ جاہل اور اَن پڑھ لوگ تھے۔ جن کا کوئی کیرکٹر ہی نہ تھا اور کسی طرح اس قابل نہ تھے کہ عامۃ الناس ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے۔ وہ لوگ تبلیغ کرتے تو ایسی زبان میں جو خلافِ محاورہ اور قواعدِ صرف و نحو سے عاری ہوتی تھی۔ اس لیے لوگ ان کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ وہ ایسے سادہ لوح ہوتے تھے کہ فلسفی اور مذاہب غیر کے مقتدا ان کی سادگی پر ہنستے تھے۔ ان کی غالب تعداد ملک کے مجرموں، عمدیوں اور بدکاریوں، غلاموں یا خدمت گاروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سب سے پہلے ایمان لانے والے نیک کردار صنادید عرب تھے۔ ان نومسلموں کی پاکیزگیٔ اخلاق اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ ان کے اغراض نہایت پاکیزہ اور اعتقادات بیحد مخلصانہ تھے۔ اگر کوئی ایسا شخص جو لوگوں سے ہر وقت خلا ملا رکھتا ہو وحی و الہام کا دعویٰ کرے تو اس کے گہرے اور گاڑھے دوست اس کو بمشکل مانتے ہیں۔ کسی مذہبی معلم و مقنن کو اس صورت میں زیادہ کامیابی ہو سکتی ہے جب وہ لوگوں سے دور رہتا ہو۔ نہ اس طرح کہ اپنے معتقدین کے ساتھ ہر وقت خلا ملا رکھتا ہو اور ان لوگوں کو ہر وقت اس کے اندرونی حالات جانچنے کے مواقع حاصل ہوں" (ہسٹری اوف دی مورش ایمپائر ان یورپ۔ مطبوعہ لندن جلد اول صفحہ ۹۴)

### مقبولیت کی علامت

معلوم ہو کہ قبولِ عام کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو

اور اُس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ ان میں سے پہلا قبول مقبولیت کی علامت ہے نہ کہ دوسرا کیونکہ حدیث میں مقبولیت کی علامت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ اوّلاً حق تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے پھر وہ ملأ اعلیٰ والوں کو اس کی محبت کا حکم دیتا ہے اور ملأ اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو اور وہ اپنے سے نیچے والوں کو اس کی اطلاع دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ حکم اہلِ دنیا تک پہنچتا ہے اور جو ترتیب ملأ اعلیٰ میں تھی اُسی ترتیب سے اُس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے یعنی پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے ؛ اس کے بعد دوسرے لوگوں کو۔ پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیلِ مقبولیت نہیں۔

جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اظہار فرمایا تو اول وہ لوگ آپ کے معتقد ہوئے جو اس زمانہ میں سب سے اچھے تھے۔ اس کے بعد وہ لوگ مشرف بایمان ہوئے جو ان سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور بُرے سب زیرِ اثر آ گئے حتیٰ کہ آپ کے ماننے والے منافق بھی تھے۔ اسی بنا پر جو صحابہ ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ سب سے افضل ہیں۔ اس کے بعد وہ جو غزوۂ بدر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر ان کے بعد وہ جو اُحد سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر وہ جو غزوۂ خندق سے پہلے سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پھر وہ جو صلح حُدیبیہ سے پہلے آغوش اسلام میں آئے۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنی قسمت اسلام سے وابستہ کر دی۔ اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی مطیع ہو گئے اور آپ کی مقبولیت عام ہو گئی۔

# فصل ۸۶۔ صحابۂ کرامؓ کا تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن

ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی خصوصیات میں سے ایک مخصوص صفت تزکیۂ باطن تھی۔ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک (سورۂ جمعہ) میں فرماتا ہے :۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی
الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ
وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۝

اور وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے جاہلوں میں اُن ہی میں سے ایک (محمدؐ) کو پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک صاف کرتے اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صفات بیان فرمائے گئے ہیں: (۱) آیاتِ الٰہی کی تعلیم (۲) تزکیۂ نفس (۳) اور کتاب و حکمت کی تعلیم۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ارشاداتِ ربانی صرف پڑھ کر سنانے اور ان کا مطلب و مفہوم بیان کر دینے پر اکتفا نہ فرماتے تھے بلکہ اپنے اصحاب پر اس کا عملی رنگ بھی چڑھاتے تھے۔

چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے وہ تمام باطنی آلائشیں اور گندگیاں خارج کر دیں جو غیر اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولنے اور نشوونما پانے کے باعث ان کے باطن اور افکار و ایمان میں جاگزیں تھیں۔ آپ نے ناپاک اور طاغوت آشیاں دلوں کا ایسا تزکیہ فرمایا کہ بڑے سے بڑے فاسقانِ دہر بھی آپ کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد آسمان تقویٰ و طہارت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے لگے۔ آپ نے ان حضرات کا اخلاق، معاملات اور طرزِ زندگی کے اعتبار سے اتنا بلند کر دیا کہ محض ان کو دیکھ کر ہی ہر وہ شخص ان کی للّٰہیت اور تعلق باللہ سے متاثر ہو جاتا۔ جس کی فطرت میں نیکی، دیانت، راست بازی، نیک کرداری، حسنِ اخلاق، طہارت و ستھرائی اور پاکیزہ طرزِ زندگی کی کچھ بھی قدر تھی۔

آپ نے صحابۂ کرامؓ کی روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ ان میں ایسی سیاسی بیداری و شعور اور عزیمت و اولوالعزمی بھی پیدا کر دی کہ آئندہ چل کر یہی گڈریے اور ریوڑ چرانے والے بڑی بڑی اقلیموں اور سلطنتوں کے فرماں روا بن گئے۔ خدائے قدوس نے اپنے کلام پاک میں بہت جگہ اس مقدس گروہ کی تعریف و توصیف فرمائی ہے اور ان کی جاں نثاری، اطاعت شعاری، صدق و دیانت اور توجہ الی اللہ پر اظہار خوشنودی فرمایا ہے۔

# فصل ۸۷۔ گھاٹیوں اور دّروں میں نماز پڑھنے کی مجبوری

دین حق نے مکہ مکرمہ کے معزز قبیلہ قریش کے بہت سے ممتاز ارکان کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا اور قریش کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کہیں دوسرے لوگ بھی اسی طرح اپنے آبائی مذہب سے منحرف نہ ہو جائیں اس بنا پر قریش اس رجوع الی الحق کو حسد اور کینہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور ان کے دلوں میں داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جذبۂ عناد پرورش پانے لگا۔ اس لیے اب خواجۂ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسلامی عبادت اور دینی کارگزاریوں کا

حال اغیار کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اس بنا پر اب ہر کام نہایت اخفا اور رازداری کے ساتھ طے پانے لگا۔ جب نماز کا وقت آتا تو مسلمان اپنی قوم اور قبیلہ سے مخفی پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جاکر نماز پڑھا کرتے۔ خود ہادیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام بھی پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لے جاکر نماز ادا فرما لیتے۔

### جدید طریقۂ عبادت پر ابوطالب کا استعجاب

ایک مرتبہ آپ حضرت علیؓ کو ساتھ لے کر کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابو طالب وہاں آنکلے۔ انہیں اس جدید طریقۂ عبادت پر حیرت ہوئی۔ کھڑے ہو کر بڑے غور اور اشتیاق سے دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا برادر زادے! یہ کون سا مذہب ہے جس کے مطابق تم عبادت کر رہے تھے؟ آپ نے فرمایا یہی سچا آسمانی مذہب ہے۔ ملائکہ اور تمام انبیاء و مرسلین کا یہی مسلک ہے۔ ہمارے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا یہی دین تھا اور مجھے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے"۔

اس کے بعد آپ نے ابو طالب کو دینِ حق کی دعوت دی۔ وہ کہنے لگے میں تو اپنے آباو اجداد کا طریقہ نہیں چھوڑ سکتا لیکن تم کو اس کی پیروی کا اختیار ہے۔ پھر اپنے بیٹے علیؓ سے پوچھا تمہارا کیا مذہب ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا ابا جی! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق پر ایمان لایا ہوں، اور ان ہی کا اتباع کرتا ہوں"۔ یہ سن کر ابو طالب نے کہا مجھے یقین ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے نیک ہی کام کا حکم دیں گے۔ پس بہتر ہے کہ تم ان کا اتباع کرو۔ (ابن جریر طبری وغیرہ)

ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو طالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یقین تھا اسی لیے بیٹے کو آپ کی پیروی کی بخوشی اجازت دی مگر خود اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر نشانۂ ملامت بنا گوارا نہ کیا۔

### آنحضرتؐ کا علیؓ اور جعفرؓ کے ساتھ نماز پڑھنا

ایک اور مرتبہ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو ساتھ لیے نماز پڑھ رہے تھے۔ بنو ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے بیٹے اور بھتیجے کو بارگاہ احدیت میں سر بسجود دیکھا تو ان کا دل بہت متاثر ہوا۔ اس وقت ان کے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ بھی جو عمر میں حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے ساتھ تھے۔ ان کی طرف دیکھ کر کہا جعفر! تم بھی

اپنے چچازاد بھائی کے ایک پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی (اسد الغابہ)

اس وقت تک کثیر التعداد قرشی اپنے کیش بُت پرستی سے مونہہ موڑ کر دینِ حنیف کی پیروی اختیار کر چکے تھے اور اسلام کا نورِ ہدایت اندر ہی اندر ضلالت کی تاریکیوں کو شکست دے کر صنادیدِ قریش کے لیے وجہِ تشویش بن رہا تھا اس بنا پر اب قریش نہ صرف داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پرخاش رکھنے لگے بلکہ صحابہ کرامؓ پر بھی دانت پیس رہے تھے اور بہت سے مغلوب الغضب بُت پرستوں کی خواہش تھی کہ موقع ملے تو مسلمانوں کو زدوکوب کر کے اپنے دل کا بخار نکالیں۔

### نماز پڑھنے والوں پر بُت پرستوں کی یورش

ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چند صحابہؓ کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں مصروفِ نماز تھے۔ اتفاق سے بُت پرستوں کی ایک ٹولی وہاں پہنچ گئی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو حالتِ نماز میں دیکھ کر اس طرح غضب آلودہ ہوئے جس طرح بیل سُرخ کپڑا دیکھ کر بھڑک اُٹھتا ہے اور یکبارگی نمازیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت سعدؓ جو ایک جوشیلے نوجوان تھے اور رگوں میں جاں نثاریٔ اسلام کا خون دوڑ رہا تھا اس ظلم رانی کو برداشت نہ کر سکے۔ اتفاق سے اونٹ کی ایک پسلی ان کے قریب ہی پڑی تھی۔ نماز کو چھوڑ کر اسی ہڈی سے ایک بُت پرست کا سر پھوڑ ڈالا۔ یہ دیکھ کر حملہ آور ٹھنڈے پڑ گئے اور معاً ظلم و زیادتی سے ہاتھ کھینچ لیے۔ مسلمان بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ اسلام میں اس قسم کا یہ پہلا ہی واقعہ تھا (ابن جریر طبری و ابن ہشام)

## فصل ۸۸ حضرت طُلَیبؓ اور اُن کی مادرِ محترمہ کی پیرویٔ اسلام

جن ایام میں مسلمان مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں جا جا کر چوری چھپے نمازیں پڑھ رہے تھے، حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی محترمہ اروی بنت عبد المطلب کے فرزند طُلَیب بن عُمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نعمتِ ایمانی سے سرفراز ہوئے۔ انہوں نے ۱۳ھ میں جبکہ عمر کی قریب ۳۵ منزلیں طے کی تھیں شام میں شربتِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

ہجرت نبویہ کے وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور وہ ہجرت سے دس سال پیشتر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔

### حضرت اروی ؓ کا کلمۂ شہادت پڑھنا

طُلَیبؓ باوجود کمسن ہونے کے نہایت ہوشمند اور بہت ذکی تھے۔ مشرف باسلام ہونے کے بعد گھر پہنچے تو اپنی والدۂ محترمہ حضرت اروی رضی اللہ عنہا سے کہا میں اللہ رب العالمین کی رضاجوئی کے لیے ایمان لاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیرو ہوگیا ہوں۔ حضرت اروی ؓ نے جو مقتدائے عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر غائبانہ ایمان رکھتی تھیں کہا بیٹا! تمہارا بھائی عزیزوں سے زیادہ تمہاری امداد کا مستحق ہے اگر مجھ میں مردوں کی سی طاقت ہوتی تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرکے انہیں اعداء کی دراز دستیوں سے بچاتی۔" طُلَیبؓ نے کہا اماں! اگر تمہارا یہ خیال ہے تو پھر قبولِ اسلام میں کون سا امر مانع ہے؟ حضرت اروی ؓ نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر توحید و رسالت کا اقرار کیا۔ (مستدرک حاکم)

### نمازیوں پر دو مشہور غنڈوں کی سنگ باری

ان ایام میں معمول یہ تھا کہ جب عصر کا وقت ہوتا تو صحابۂ کرامؓ گھاٹیوں میں جاکر پھیل جاتے اور اکیلے دوکیلے نماز ادا کرلیتے۔ ایک دن طلیب بن عمیر اور حاطب بن عبد شمس نماز پڑھ رہے تھے کہ ابن اصیدی اور ابن قطلبیہ جو مکہ کے دو مشہور غنڈے تھے گھاٹی میں جا پہنچے اور ان جرم ناآشناؤں پر سنگ باری شروع کردی لیکن وہ پورے انہماک کے ساتھ متوجہ الی اللہ رہے اور جب تک نماز سے فارغ نہ ہولیے برابر پتھر کھاتے رہے۔ آخر جب سلام پھیرا تو غنڈے یہ یقین کرکے کہ اب یہ برسر مقابلہ ہوں گے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے تعاقب نہ کیا اور انتقام پر صبر و تحمل کو ترجیح دے کر خاموش ہوگئے۔ غنڈے مشہور دشمنانِ دین ابوجہل، ابولہب اور عقبہ بن ابی مُعَیط کے پاس پہنچے اور اپنی کارگزاری پر اظہارِ مسرت اور فخر کرنے لگے۔ انہوں نے ان کی خوب پیٹھ ٹھونکی اور بہت کچھ تحسین کی۔

### ابوجہل کی سرکوبی میں حضرت طُلَیبؓ کی جرأت

بعض صحابۂ کرامؓ کی عادت تھی کہ بوقت غلسِ صبح کسی گھاٹی میں پہنچ کر مصروف عبادت ہوجاتے۔ جب وہ علی الصباح مصروف نماز تھے تو ابوجہل، ابولہب اور عقبہ اپنا شیطانی لشکر لے کر

وہاں پہنچے اور قلیل التعداد نمازیوں کو مارنا پیٹنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ تم محمدؐ کی پیروی سے باز آؤ گے یا نہیں؟ مگر ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کو جبراً کسی عقیدہ سے نہیں پھیر سکتا خصوصاً ایمان واسلام کا نشہ کچھ ایسا ہلکا نہ تھا جو مار پیٹ کی ترشی سے اتر سکتا۔ صحابہ کرام ؓ نے بھی مدافعت شروع کی اور ببانگِ دُہل کہا کہ ہم واقعی دینِ حق کے پیرو ہیں اور ہم ہرگز اس سے مونہہ نہیں موڑیں گے"۔ لیکن حملہ آور اپنی جفا کاری اور دست درازی سے کسی طرح باز نہ آئے۔ یہ دیکھ کر طُلَیبؓ کم سن ہونے کے باوجود بڑی جرأت سے سرخیلِ شقاوت ابوجہل کی طرف بڑھے اور اس کو ایک کاری ضرب لگا دی۔ اعداء نے دوسروں کو چھوڑ کر حضرت طُلَیبؓ کا رُخ کیا اور ان کو پکڑ کر باندھ لیا۔ لیکن ابولہب آڑے آیا اور لوگوں کو یہ یقین دلا کر میرا بھانجا پھر کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا ان کو چھوڑا دیا۔

## اعدائے دین کا حضرت اروٰیؓ سے شکوہ

اس کے بعد بعض دشمنانِ دین حضرت اروٰی بنت عبد المطلب کے پاس گئے اور کہنے لگے کیا تم نہیں دیکھتی ہو کہ تمہارے بیٹے طلیبؓ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی ہے اور ان کا آلۂ کار بن گیا ہے؟ حضرت اروٰیؓ نے جواب دیا کہ طُلَیبؓ کی زندگی کی سعید ترین ساعت وہ ہے جس میں وہ اپنے ماموں زاد بھائی کی طرف سے مدافعت کرے کیونکہ میرے برادر زادہ محمد علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں اور ان کے پاس رب العالمین کے پیغام آتے ہیں"۔ انہوں نے کہا کیا تم نے بھی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی متابعت اختیار کر لی ہے؟ بولیں ہاں میں بھی دینِ حق کی پیرو ہوں"۔

یہ سن کر وہ ابولہب کے پاس گئے اور اس کو حضرت اروٰیؓ کے قبولِ اسلام کی اطلاع دی۔ وہ یہ خبر سن کر دیر تک ورطۂ اضطراب میں غرق رہا۔ پھر بہن کے پاس آیا اور کہنے لگا میں یہ سن کر سخت حیرت زدہ ہوں کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کا جوا گردن میں ڈال لیا ہے اور عبد المطلب کے دین سے برگشتہ ہو گئی ہو۔ حضرت اروٰیؓ نے فرمایا کہ دنیا کے تمام دوسرے دین منسوخ ہو چکے۔ اب دینِ محمدؐی کا دور دورہ ہے"۔

## ابولہب کو حضرت اروٰیؓ کی سرزنش۔

حضرت اروٰیؓ اس کے بعد ابولہب کو سمجھانے لگیں کہ بادیۂ ضلالت سے مونہہ موڑو اور بادیۂ جہالت سے باز آؤ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے رسول ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں آسمان سے اطلاع پا کر

کہتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ان کی تائید میں کھڑے ہو جاؤ اور مؤیدین و ناصرین ملت کے زمرہ میں شامل ہو کر ان کو دشمنوں کے شر سے بچاؤ۔ اگر ان کو سطوت و غلبہ نصیب ہوا تو پھر تمہیں اختیار ہو گا کہ خواہ ان کی پیروی کرو یا اپنے دین پر قائم رہو اور اگر تم ایسا نہ کرو تو تم اپنے خاندان کے غدار ہو اور اپنے بھتیجے سے سخت بے وفائی کر رہے ہو۔"

وہ شقی ازلی کہنے لگا کہ ہم میں سارے عرب سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہے اور پھر لوگوں کا یہ شکوہ بھی کسی طرح نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک نیا دین اختراع کر لیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ واپس چلا گیا (مستدرک حاکم)

# فصل ۸۹ ابولہب کی معتاد عناد پروری

اب قبائل قریش میں کوئی قبیلہ بھی ایسا نہ رہ گیا تھا جس کے کچھ نہ کچھ افراد کیشِ بت پرستی سے بیزار ہو کر سعادت کدۂ اسلام میں داخل نہ ہو چکے ہوں۔ یہ حالت اعیانِ قریش کے لیے سخت سوہانِ روح بن گئی تھی اور وہ مقبولیت و ترقیٔ اسلام کو دیکھ دیکھ کر نعل در آتش ہو رہے تھے۔ ان کی ناگواریٔ طبع کے وجوہ و اسباب مختلف تھے، جن پر ان شاء اللہ العزیز کسی آیندہ فصل میں روشنی ڈالی جائے گی۔

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کا تذکرہ پینتیسویں فصل میں زیرِ عنوان "عبد المطلب کی اولاد" ہدیۂ احباب ہو چکا ہے۔ ان چچاؤں میں ایک انتہا درجہ کا حرمان نصیب چچا ابولہب بن عبد المطلب بھی تھا جو نہ صرف اعدائے رسالت کے زمرہ میں داخل تھا بلکہ ان کی صفِ اول میں کھڑا تھا اور یہ نہیں کہ صفِ اول کے کسی آخری مقام پہ ہو بلکہ وہ ہمیں اعدی الاعداء ابوجہل کے بعد سب سے مقدم دکھائی دیتا ہے۔

**رسول اللہ کے تین سب سے زیادہ خطرناک دشمن۔**

یوں تو مکہ معظمہ کی ساری غیر اسلامی آبادی داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کے لیے بھڑوں کا چھتا بن گئی تھی لیکن اعداء میں بھی سب سے زیادہ خطرناک تین اشقیاء تھے۔ (۱) عمرو بن ہشام معروف بہ ابوجہل (۲) عبد العزیٰ بن عبد المطلب معروف بہ ابولہب اور (۳) عقبہ بن ابی معیط۔ الغرض ابولہب تین بد ترین اعداء میں دوسرے درجہ کا خطرناک

دشمن تھا۔ حالانکہ آپ کی بعثت سے پیشتر اس کی محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرصۂ ہستی میں قدم رکھ کر ظلمت کدۂ عالم کو منور فرمایا ہے تو ابولہب کو آپ کی ولادت کی اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اس نے اپنی لونڈی ثُوَیبہ کو جس نے آکر آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کا مژدہ سنایا تھا فرطِ بہجت و شادمانی میں آزاد کر دیا۔

اس کے بعد بھی وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ جیسا کہ بڑوں کا شیوہ ہے مشفقانہ برتاؤ ہی کرتا رہا۔ اس حسنِ سلوک اور خوشگوار تعلقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلی میں اپنی دونوں منجھلی صاحبزادیاں سیدہ رُقَیَّہ اور سیدہ اُمِّ کلثوم سلام اللہ علیہما اسی کے دو بیٹوں عُتبہ اور عُتَیبہ سے بیاہ دیں۔

### رسولِ انامؐ کا "جرم" توحید پرستی

لیکن خدائے عزیز کی قدرتِ قاہرہ کی کرشمہ سازی دیکھو کہ جونہی آپ نے قریش کے قومی مسلک کے خلاف توحیدِ الٰہی کا جادۂ مستقیم اختیار کر کے لوگوں کو شرک و ثنیت کی کثافت سے پاک کرنے کا عزم فرمایا، وہی ابولہب نسب و صہر کی دوگونہ قرابت داری کے باوجود آپ کا دشمن جان ہو گیا، اور اس درجہ شدید العداوت ہوا کہ اپنی تمام بہیمی قوتیں اور غضبی خواہشیں اسی کینہ جوئی کے سپرد کر دیں۔ اس نے بارہا آپ کی جان لینے کی بھی کوشش کی لیکن حافظِ حقیقی نے آپ کو ہر مرتبہ اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

خاندانِ بنو ہاشم کے تمام ارکان کیا عورتیں اور کیا مرد اس کو فساد انگیزی سے منع کرتے تھے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے انتہائی عجز و انکسار اور آشتی و محبت سے پیش آتے تھے لیکن اس کا پتھر دل کسی طرح نہ پسیجتا تھا بلکہ خاندان والے جتنا زیادہ سمجھاتے تھے اسی قدر زیادہ اس کی قساوت ترقی کرتی تھی۔ وہ خفتہ بخت ہر پند و موعظت کے جواب میں کہتا تھا کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خود ساختہ طریق کار سے دست بردار نہ ہوں گے میری آتشِ کینہ ٹھنڈی نہیں ہو گی لیکن ظاہر ہے کہ جس ذات قدسی کے ثبات و استقلال کی عمارت خود خالقِ کردگار کے دستِ قدرت نے استوار کی ہو، اس کو کسی دشمن کی مخالفت کا طوفان کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔ وہ بدنصیب اس شعر کا مصداق تھا ؎

من با تو و تو با من سگیں شب و روز
دارم سر آشتی و داری سرِ جنگ

**حَمَّالَۃَ الحَطَب کی رسول دشمنی**

اس کی جورو عوراء بنت حرب جو ابو سفیان کی بہن تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اپنے شوہر سے بھی گوے سبقت لے گئی تھی۔ رات اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں اسے آپ کی ایذا رسانی کے منصوبوں سے فرصت نہ تھی۔ رات کے وقت تو اس نے یہ وتیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ کانٹے اور جھاڑیاں آپ کے راستہ میں بچھا دیا کرتی تاکہ آپ اندھیری رات میں آتے جاتے تکلیف اُٹھائیں اور دن بھر کے لیے اس کا عزیز ترین مشغلہ یہ تھا کہ رؤساے قریش کے پاس جا جا کر آپ کے خلاف ان کے کان بھرتی اور بہتان تراشی کر کے ان کی آتش عناد پر تیل چھڑکتی۔ (روح المعانی بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم)

قرآن مجید میں ابولہب کی جورو کو جو حمّالۃ الحطب (ہیزم کش) کا لقب دیا گیا ہے تو وہ اسی چغل خوری کی بدعادت کے باعث تھا کیونکہ عربی کے محاورہ میں چغل خور کو ہیزم کش بھی کہتے ہیں۔ شیخ سعدی شیرازی نے بھی فارسی کے ایک شعر میں یہی محاورہ اختیار کیا ہے ؎

میان دو کس جنگ چوں آتش است
سخن چین بدبخت ہیزم کش است

**کنیت**

ابولہب بڑا چٹا گورا اور حسین وجمیل شخص تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ وہ شعلہ رخسار تھا۔ اس کے دونوں رخسار آگ کی طرح درخشاں تھے۔ اسی اشراق و تابندگی کی بنا پر اس نے از راہ فخر اپنی کنیت ابولہب (شعلے کا باپ) اختیار کی تھی۔ اور یہ کنیت اس کے مآل و انجام سے بھی بہت مناسبت رکھتی تھی۔ ابولہب کا نام عبدالعزّیٰ تھا اور عزّیٰ اس کے دو معبودوں (لات و عزّیٰ) میں سے ایک تھا کہ نام میں جس کی طرف اضافت کی گئی تھی۔

# فصل ۹۔ فرضیّت تہجّد کی منسوخی

آغاز اسلام میں قبل از طلوع آفتاب اور قبل غروب کی دو نمازوں کے علاوہ نماز تہجد بھی فرض ہوئی تھی۔ تہجد کی نسبت رب قدیر نے سورۂ مزمّل میں فرمایا:۔

"نصف شب کھڑے رہا کرو اور باقی نصف آرام کیا کرو۔ یا اس نصف سے بھی

کسی قدر کم کر دو یعنی دو ثلث آرام کرو اور تہائی رات قیام میں گزارو یا نصف سے کچھ بڑھا دو یعنی نصف سے زیادہ قیام اور نصف سے کم استراحت کرو۔"

گو اس فرمانِ خداوندی میں شب بھر کی بیداری کا حکم نہ تھا لیکن چونکہ عہدِ حاضر کی طرح اُس زمانہ میں گھڑیاں نہیں تھیں اس لیے صحابہ کرامؓ کو یہ معلوم کرنے میں سخت دشواری پیش آتی تھی کہ کتنی رات گزر چکی ہے اور کتنی باقی ہے۔ اس بنا پر اکثر صحابہ رات کی استراحت سے دست بردار ہو گئے تھے اور ان کی ساری رات عبادت ہی میں گزرتی تھی۔ کچھ مدت کے بعد یہ محنتِ شاقہ اور ریاضتِ مافوق الطاقہ جسمانی امراض کی تولید کا باعث ہوئی۔ پنڈلیوں میں خون اُتر کر ورم ہو گیا اور پاؤں سُوج گئے۔

آخر پورے ایک سال کی جاں کاہیوں کے بعد رحمتِ الٰہی کا بحرِ کرم جوش زن ہوا۔ اس وقت تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور تخفیفِ عبادت کے لیے سورۂ مزمل کی یہ آیت نازل ہوئی۔

"آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے رفقا میں سے بعض حضرات کبھی دو تہائی کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کو معلوم ہے کہ تم اس تقدیرِ وقت کو منضبط نہیں کر سکتے اس وجہ سے تم لوگوں کو سخت مشقت لاحق ہوتی ہے۔ کیونکہ اندازے سے تخمینہ کرنے میں کمی کا اندیشہ رہتا ہے اور اندازے سے زیادہ کرنے میں قریب قریب ساری رات صرف ہو جاتی ہے جس کے باعث تمہیں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی شدید مشقت ہے۔ پس ان وجوہ کی بنا پر خدائے رحیم و شفیق نے تمہارے حال پر عنایت کی اور سابقہ حکم کو منسوخ فرما دیا۔ سو اب تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔"

قرآن پڑھنے سے نماز تہجد مراد ہے کہ اس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ مطلب یہ کہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ اب جس قدر نماز تہجد بسہولت پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔"

نسخ کی پہلی اور اصل علت مشقت تھی اور دوسری یہ کہ صحابہ میں سے بعض افراد کو تلاشِ معاش کے لیے ملک میں سفر کرنا پڑتا تھا اور سفر میں نماز تہجد کی ادائی سخت مشقت و تکلیف سے ہمکنار رہتی، ان وجوہ کی بنا پر خدائے رؤف و رحیم نے تہجد کی فرضیت معاف فرما دی۔

# فصل ۹۱۔ اِسلام کا پہلا تبلیغی مرکز

حضرت سعدؓ کے ہاتھوں ایک بُت پرست کے سر پھٹول اور حضرت طُلَیبؓ کے ہاتھ سے ابوجہل کی دُرگت کے جو واقعے رونما ہوئے انہوں نے جلتی آگ پر تیل کا کام دیا۔ مسلمانوں کے خلاف شہر میں ہر طرف بجلی کی رَو کی طرح کینہ و عداوت کا جذبہ پھیل گیا۔ اعیانِ قریش نے ارادہ کیا کہ شجرِ اسلام کو قوت پکڑنے سے پہلے ہی مستاصل کر دیں لیکن نہیں جانتے تھے کہ اسلام فنا ہونے کے لیے دنیا میں ظاہر نہیں ہوا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہلِ ایمان کی زندگی خطرہ میں تھی اور درّوں اور گھاٹیوں میں جا کر فریضۂ صلوٰۃ ادا کرنا سخت مخدوش تھا۔ اِن حالات کے پیش نظر حضرت ارقم بن ابی الارقم مخزومی رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر تبلیغی اور اجتماعی ضروریات کے لیے ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے نذر کر دیا (اصابہ)

یہ مکان کعبۂ معلّیٰ کے پاس ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وہ اس کے دروازے پر سے ہو کر گزرتے تھے۔ اب مسلمانوں کو شہر کے اندر بیٹھنے کی ایک موزون جگہ مل گئی اور درّوں اور غاروں کے جبری اجتماع سے نجات ملی۔ تمام مسلمان مکان کا دروازہ بند کر کے یہیں نماز پڑھنے لگے۔ نئے لوگ اسی مکان میں آ کر اسلام قبول کرتے اور اسلامی تعلیمات سنتے۔ چونکہ حضرت ارقمؓ نے یہ مکان خدا کے نام پر وقف کر دیا تھا اس لیے یہ گھر اسلام کا گھر مشہور ہو گیا (ابن سعد وغیرہ)

حضرت ارقم مخزومی رضی اللہ عنہ اسلام لانے والوں میں ساتویں تھے اور بعض کے نزدیک دس حضرات کے بعد مشرف باسلام ہوتے تھے۔ بدر، اُحُد اور تمام دوسرے مشاہد میں حاضر رہے۔ اوائل میں اسلام اُس وقت تک انہی کے مکان میں پناہ گزیں رہا جب تک مسلمانوں کی تعداد چالیس تک نہ پہنچ گئی۔ ان میں آخری پیروِ اسلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ جب اہلِ ایمان کی جمعیت چالیس تک پہنچ گئی تو وہ اس کنجِ عزلت سے باہر نکل پڑے (اصابہ)۔

# فصل ۹۲- برملا تبلیغ حق کا فرمانِ خداوندی

اب بعثت کو تین سال گزر چکے تھے۔ اس مدت میں فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرماتے رہے۔ جب چوتھے سال کے آغاز میں آفتابِ نبوت کسی قدر بلندی پر پہنچا اور اسلام کے نحیف جسم میں تھوڑی سی طاقت پیدا ہو چلی تو خدائے حکیم و برتر کی طرف سے صاف حکم آیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ

احکامِ الٰہی برملا سنائیے اور شرک پسندوں کی (مخالفت کی) پروا نہ کیجیے۔

اس حکم کے مطابق آپ نے اپنی دعوت کو آشکارا کر دیا اور کمرِ ہمت کو مضبوط باندھ کر احکامِ خداوندی سنانے لگے۔ اس لیے قریش علانیہ برسرِ پرخاش ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی چہل سالہ زندگی نہایت خاموشی کے ساتھ گزری تھی۔ گو اس مدت میں آپ کی امانت و دیانت، راست بیانی و صدق شعاری، عفت و پارسائی، طہارت و نیک کرداری کا گھر گھر چرچا تھا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ ربِ قدیر کو اس جوہرِ گراں مایہ سے کیا کام لینا منظور ہے۔ اس عرصہ میں خدائے جلیل نے مکہ معظمہ کے تمام اکابر سے عملاً سیکڑوں مرتبہ آپ کی دیانت، پاک بازی اور صدق شعاری کا اقرار کرایا اور ہر کس و ناکس سے آپ کی سچائی اور طہارتِ نفس کی تعریف کرائی۔ اس سے خدائے حکیم و توانا کو یہ دکھانا منظور تھا کہ ہم اسی شخص کو تمہارے پاس پیامبر کی حیثیت سے بھیجتے ہیں جس کی امانت و دیانت اور راست بازی تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے۔ الغرض جب آپ پیامِ حق لے کر آئے اور برملا اس کی تبلیغ فرمانے لگے تو وہی لوگ آپ کے دشمنِ جاں ہو گئے جو آپ کے خُلقِ عظیم، طہارتِ نفس اور پاک بازی کے مداح تھے۔

## اقربا کو تبلیغ کرنے کا فرمان

چند روز کے بعد قرآنِ حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی جس میں خاص اپنی برادری کو دعوت دینے کا حکم تھا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ

اور اپنے نزدیک کے کنبہ کو خدا کا خوف دلائیے اور ان مومنوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیے جنہوں نے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶: ۲۱۴ - ۲۱۵)

آپ کا اتباع کیا ہے۔

اس حکم کے ماتحت آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی۔ اے گروہِ قریش! قریش کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہاڑ پر چڑھ کر ہمیں پکار رہے ہیں۔ سب لوگ جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کیا بات ہے؟ فرمایا دیکھو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک غارت گر لشکر پہاڑ کے پیچھے سے آ رہا ہے جو آتے ہی شہر پر حملہ بول دے گا تو کیا میری بات کا اعتبار کرو گے؟ کہنے لگے ہاں اعتبار کریں گے کیونکہ ہم نے تمہیں ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے اور تجربہ میں نہیں آیا کہ تم کبھی کوئی خلافِ واقعہ بات زبان پر لائے ہو"۔

آپ نے فرمایا تو میں آپ لوگوں کو جتلا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں۔ اگر آپ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو سخت عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا اے عبد المطلب کی اولاد! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنو کعب بن لوی! اپنے تئیں آتشِ جہنم سے بچاؤ۔ اے آلِ عبد مناف! دوزخ سے محفوظ رہنے کا سامان کرو۔ اے بنو زہرہ! اے بنو عبد شمس! اے بنو مُرّہ! اے بنو فہر! اے بنو عدی! اے فلاں! اے فلاں! الغرض قریش کے تمام خاندانوں کو نام بنام پکارا اور فرمایا کہ خالق کردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈراؤں۔ پس معلوم ہو کہ جب تک تم لوگ اس بات کا یقین نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا قابلِ پرستش کوئی نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اُس وقت تک نہ تو میں تمہیں کوئی دُنیوی نفع پہنچا سکتا ہوں اور نہ آخرت میں تمہارے کام آ سکتا ہوں"۔

## سورۂ لہب کا نزول

یہ سُن کر اعیانِ قریش جن میں آپ کا چچا ابو لہب بن عبد المطلب بھی داخل تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے۔ ابو لہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہا تجھے ہلاکت ہو کیا تو نے اتنی سی بات کے لیے لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اور اسی کے ساتھ ایک بڑا پتھر بھی آپ کو مارنے کے لیے اُٹھایا۔ پس ابو لہب کے بارہ میں قرآن کی سورت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ نازل ہوئی (بخاری، مسلم، تفسیر روح المعانی)

سورۂ لہب میں خدائے عزیز نے ابو لہب اور اس کی جورو کے واصلِ جہنم ہونے کی اطلاع دی ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ابو لہب اور اس کی جورو کا جذبۂ غیظ دو آتشہ ہو گیا اور وہ مارِ دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔

### پتھر مارنے کو آنا لیکن آنحضرت کو نہ دیکھ سکنا

ابو یعلیٰ، ابن ابی حاتم، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر (رضی اللہ عنہا) سے روایت کی ہے کہ جب سورۂ تبت یدآ ابی لہب نازل ہوئی تو ابو لہب کی جورو شور مچاتی اور بڑبڑاتی ہوئی آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا پتھر تھا۔ اس وقت آپ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اُسے دُور سے آتے دیکھ لیا اور گزارش کی یا رسول اللہ! آپ کی چچی عوراء کسی فاسد ارادہ سے پتھر لیے آ رہی ہے۔ مبادا آپ پر وار کرے۔ آپ نے فرمایا وہ مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گی۔ چنانچہ جب وہ قریب پہنچی تو وہاں صرف حضرت صدیق اکبرؓ کو موجود پایا۔ عوراء ان سے کہنے لگی میں نے سنا ہے کہ تمہارے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری ہجو کی ہے۔ اگر وہ اس وقت مجھے مل جاتا تو یہ پتھر اس کے سر پر دے مارتی۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ نہیں کسی نے تجھے غلط اطلاع دی ہے۔ انہوں نے تیری کوئی ہجو نہیں کی۔"

معلوم ہو کہ حضرت صدیقؓ اس بیان میں بالکل راست گو تھے کیونکہ سورۂ لہب میں ابو لہب اور اس کی جورو کی جو تشنیع کی گئی ہے وہ خداوندِ عالم کی طرف سے ہے، سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں ہاتھ نہ تھا۔ جن الفاظ میں آپ پر کلام الٰہی نازل ہوا وہ آپ نے لگی لپٹی رکھے بغیر بجنسہٖ امت تک پہنچا دیا۔

### ہاشمیوں کو کھانے کی دعوت

چند روز کے بعد آپ نے اپنے خاص خاندان بنو ہاشم کو کھانے پر بلایا۔ چالیس افراد مدعو تھے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے ابو طالب، حمزہ اور عباس بھی داخل تھے۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آپ نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں فرمایا "میں آپ حضرات کے لیے ایک ایسی چیز لے کر آیا ہوں جو دُنیوی اور اُخروی فلاح کی کفیل ہے اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص اپنی قوم کے لیے ایسا نادر تحفہ لایا ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بارِ گراں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کون اس کام میں میری رفاقت اختیار کرے گا؟ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ کچھ دیر تک عالمِ سکوت طاری رہا۔ باوجودیکہ حضرت علیؓ اُس وقت ایک کم سن بچّہ تھے تاب سکوت نہ لا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ گو میں بہت کم سن ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی۔ ان کے اس جواب سے سب لوگ بے ساختہ ہنسنے لگے کہ یہ دو تن خود ہی دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں (تاریخ ابوالفداء)

لیکن آگے چل کر زمانہ نے دیکھ لیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا تھا، وہ بے کم و کاست صحیح تھا۔

### محلّوں اور گھروں میں تبلیغ

اب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر میں عام طور پر بالاعلان لوگوں کو دین حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ اسی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے شہر کے ایک محلّے میں، حضرت عثمان بن عفانؓ نے دوسرے میں، حضرت سعید بن زیدؓ نے شہر کی ایک طرف اور حضرت ابوعُبیدہ بن الجراحؓ نے دوسری جانب تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا (ابن سعد)

ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود مجلسوں میں، بازاروں میں بلکہ بعض لوگوں کے گھروں میں جا جا کر بھی توحید کی خوبیاں سمجھاتے اور بتوں کی پوجا سے منع فرماتے۔ اسی طرح چوری، حرام کاری، قمار بازی، دروغ گوئی، خیانت، ڈاکہ، دختر کشی وغیرہ رذائل سے نفرت دلاتے اور لوگوں کے تزکیۂ نفوس کی سعی بلیغ فرماتے۔

## فصل ۹۳۔ برادری کی مخالفت کے وُجُوہ و اسباب

جب اہلِ ایمان کو کعبۂ معلّیٰ کے پاس باہم مل بیٹھنے اور انجمن آرا ہونے کی ایک موزوں جگہ مل گئی تو چند روز کے بعد توحید کے منادِ اعظم علیہ التحیۃ والسلام نے اپنے جان نثاروں کو حکم دیا کہ وہ پورے انہماک اور ارادہ اولوا العزمی کے ساتھ توحید کی دعوت شروع کر دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اہلِ شرک حضرت سعدؓ اور حضرت طلیبؓ کی حوصلہ مندی سے کچھ تو پہلے ہی برانگیختہ ہو رہے تھے اس علانیہ تبلیغ نے عامۃ الناس کو عموماً اور رؤسائے قریش کو خصوصاً اور بھی نعل در آتش کر دیا۔

ان دوگونہ وجوہ عناد کے علاوہ قریش کی مخالفت کے بہت سے دوسرے اسباب بھی تھے۔ جن میں سے پہلا سبب یہ تھا کہ کعبۂ معلّیٰ اُس زمانہ سے جبکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی تھی عرب بھر میں مقدس اور مرجعِ خلائق چلا آتا تھا۔ گو عربوں نے بعثتِ نبوی سے بہت پہلے توحید کی حبلِ متین کو چھوڑ کر بُت پرستی سے جی بہلا لیا تھا، تاہم کعبۂ معلّیٰ کا اجلال و احترام بت پرستی کے بعد بھی ہر زمانہ میں مسلّم رہا۔ کعبۃ اللہ خدائے واحد کے پرستاروں کے لیے بنایا گیا تھا لیکن اصنام پرستوں نے اس میں اس قدر بتوں کی نمایش کر رکھی تھی جس قدر

کہ سال کے دن ہوتے ہیں۔ قریش کعبۂ معلیٰ کے متولی اور کلید بردار تھے اور وہی ہندوستان کے برہمنوں کی طرح لوگوں کو بتانِ کعبہ کی پوجا کراتے تھے اس وجہ سے انہیں عرب بھر میں خاص امتیاز و ترفع حاصل تھا۔

اہلِ مکہ عرب کے جس حصہ میں بھی جاتے ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی اور انہیں ہر قسم کی رعایتیں اور سہولتیں بہم پہنچائی جاتیں۔ اطراف و اکنافِ ملک کے باشندے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قریشی تاجروں اور مسافروں کی مہمانداری میں حصہ لیتے اور اس مہمانداری اور خدمت گزاری پر فخر کرتے تھے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مقصدِ اولیں سرزمینِ عرب سے بت پرستی کا استیصال تھا اور بت پرستی ہی عرب کا عام مذہب تھی، عمائدِ قریش محسوس کرتے تھے کہ اسلام کی ترقی و اشاعت کے ساتھ بت پرستی ملیامیٹ ہو جائے گی اور بت پرستی کے خاتمہ کے ساتھ نہ صرف ملک سے ان کا رُعب و اقتدار اٹھ جائے گا بلکہ وہ تجارت بھی خطرے میں پڑ جائے گی جس پر ان کی معاش کا بہت کچھ انحصار ہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بت پرستی سے باز رہنے کی تلقین فرماتے تو اکثر لوگ داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر بیٹھتے کہ اگر بت پرستی کوئی مذموم فعل ہے تو ہمارے آبا و اجداد ایسا کیوں کرتے تھے؟ کیا وہ گمراہ تھے؟ تو آپ لگی لپٹی رکھے بغیر برملا فرما دیتے کہ ہاں وہ بُرا کرتے تھے۔ اعیانِ قریش اپنے آبا و اجداد کے مذہب اور طریقِ عمل کی مذمت ٹھنڈے دل سے گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اس برملا تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام غیر مسلم قریش مخالفت پر کمربستہ اور درپئے استیصال ہو گئے۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ قریب قریب سارے قریشی رُؤسا بداخلاقیوں اور سیاہ کرداریوں کے مرتکب تھے اور داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح بت پرستی کی تردید کرتے تھے، اسی طرح ان بدکرداریوں پر بھی دار و گیر فرماتے تھے۔ اس لیے ان کے دلوں میں ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت کینہ اور بغض پیدا ہو گیا۔

چوتھا باعث یہ تھا کہ اسلام نے تمام انسانوں کو مساوی الحیثیت قرار دیا ہے اور اگر کسی کو دوسرے پر فضیلت و برتری ہے تو وہ شرفِ ایمانی کے بعد محض نیکی اور تقویٰ کے لحاظ سے ہے۔ اس لیے اسلام ہر قسم کے غرورِ نسب اور اونچ نیچ کے فرق کو جو ہنود کی طرح عربوں میں بھی صدیوں سے چلا آتا تھا یکسر محو کر دینا چاہتا تھا۔ اس بنا پر قریش کو خوف تھا کہ اسلام پرانے

رسوم کو برطرف کر کے ان کو دوسرے لوگوں کے برابر کر دے گا۔ اس لیے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اسلام رواج پزیر نہ ہوتا کہ قدیم رواجوں کے قیام و بقا کے ساتھ ان کی رفعت و برتری برقرار رہے۔

مخاصمت کی پانچویں وجہ یہ تھی کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے مکہ معظمہ میں قریش کے متعدد محکمے اور منصب قائم تھے۔ اس لیے قریش کے جن جن غیر ہاشمی رُؤسا کو اسلام کی ترقی اور رواج پذیر ہونے کی وجہ سے اپنے جاہ و منصب میں جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا خطرہ محسوس ہوا اس نے مخالفت میں بھی اسی قدر زیادہ سرگرمی سے حصہ لیا۔

مخالفت کا چھٹا مبنیٰ قبائل قریش کی باہمی رقابتیں اور رنجشیں تھیں۔ جس طرح بنو عبد مناف اور اس کی شاخ بنو ہاشم میں اور قریش کے بعض دوسرے خاندانوں میں رقابت کے جذبات موج زن تھے اسی طرح کچھ مدت سے خود عبد مناف کی اولاد میں بھی باہم کشیدگی چلی آتی تھی۔ عبد مناف کے دو بیٹے تھے۔ ہاشم اور عبد شمس۔ ان دونوں کی اولاد علی الترتیب ہاشمی اور اُموی کہلاتی ہے (اُموی یا بنو اُمیّہ، اُمیّہ کی طرف منسوب ہیں جو عبد شمس کا بیٹا تھا) ہاشمی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان تھا۔ ابو سفیان بن حرب اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کے خاندان کو اُموی یا بنو اُمیّہ کہتے ہیں۔ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد عبد المُطّلب کے اثر و رسوخ نے ہاشمیوں کا پلہ بھاری کر دیا تھا لیکن عبد المطّلب کی آنکھیں بند ہوتے ہی بنو اُمیّہ کا اثر و اقتدار بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوائے نبوت کے ساتھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف بلانا شروع کیا تو ابو سفیان بن حرب (ابن اُمیّہ بن عبد شمس) اور دوسرے اُمویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی و عروج کو ہاشمیوں کا عروج اور اپنی نگونساری خیال کیا۔ اِس بنا پر حضرت عثمانؓ بن عفّان اور ابو حذیفہؓ کے سوا جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، بنو امیہ کے تمام افراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ حالانکہ ہاشمی ان کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور انہیں صلۂ رحمی اور مروّت فی القُربیٰ کے اقتضا سے ایسا کرنا کسی طرح زیب نہ دیتا تھا۔

بنو مخزوم اور بنو امیہ کی طرح قریش کے دوسرے قبائل بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ان دونوں سے متحد العمل ہو گئے کیونکہ ہر ایک کو یقین تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم) برسر ترقی و عروج ہو گئے تو ہاشمیوں کے سوا تمام قریش کی عزّت و اقتدار کا خاتمہ ہے۔

حالانکہ ان کا یہ خیال غلط تھا۔ دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام لوگوں کو ایک سطح پر لاکر اور تفرقے مٹا کر آپس میں بھائی بھائی بنانا چاہتے تھے۔

مخالفت کے جس قدر ذرائع واسباب اوپر مذکور ہوئے، ان میں سب سے بڑا سبب قریش کو ان کے مذہب سے ہٹانا تھا۔ اہلِ عرب بت پرستی کو ایسا ہی عزیز رکھتے تھے جیسا ہم توحید سے شغف رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مذہب جس کی شیفتگی انسان کی گھٹی میں پڑی ہو، جس کی محبت میں وہ اپنی جان ومال، عزت وآبرو، عیش وراحت، زن وفرزند ہر چیز کو قربان کردینے پر آمادہ ہو، اس سے نہ صرف بیگانہ کردینا بلکہ عشق ومحبت کو نفرت وعداوت سے بدل دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن پیغمبر عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی ہی مدت میں دکھا دیا کہ جن عربوں کو بت پرستی سے اتنا شغف تھا، انہیں شرک باللہ اور اصنام پرستی سے کس درجہ نفرت ہوگئی (سیرت النبی)

## فصل ۹۴۔ ابوجہل کے بغض وعناد کی علّت

### رسول اللہ ؐ کے اصدق البیان ہونے کا اعتراف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر انسان سے زیادہ سچے تھے اور ساری دنیا کی ساری خوبیاں اور بھلائیاں آپ کے سینۂ مبارک میں سمٹ کر سما گئی تھیں خصوصاً صادق البیانی اور راست گوئی آپ کا ایسا جوہر تھا جس کا اعتراف آپ کے ان دشمنوں نے بھی کیا ہے جو آپ سے ہمیشہ برسرِ جنگ وجدل رہتے تھے۔ کسی بڑے سے بڑے دشمن جان کی بھی ایسی شہادت نہیں مل سکتی جس میں قبل از نبوت بھی (معاذ اللہ) آپ کی کسی غلط بیانی کا ثبوت ملتا ہو۔ آپ کا عناد عرب کے بت پرست، یہود اور نصاریٰ کی گھٹی میں پڑا تھا باوجود اس کے ان میں سے کسی نے کسی ادنیٰ ترین غلط بیانی کا بھی آپ پر کبھی الزام نہ لگایا۔ ابوجہل سے بڑھ کر آپ کا دشمن کون ہوگا؟ وہ بھی آپ کو اصدق الناس ہی یقین کرتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت مسوّر بن مخرمہ صحابی ؓ نے اپنے ماموں ابوجہل سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے دعوائے نبوت سے پہلے کبھی غلط بیانی یا کسی برائی کا الزام لگایا تھا یا نہیں؟ ابوجہل بولا خوا ہر زادے! خدا کی قسم! ایسا کبھی نہیں

ہوا۔ جن ایام میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ابھی عنفوانِ شباب تھا ہم سب لوگ ان کو امین کہا کرتے تھے پھر موجودہ وقت میں کہ وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ گئے ہیں کیا ہم ان کو کذب بیانی سے متہم کر سکتے ہیں؟

## نبوت آجانے سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری ہو گیا

حضرت مسورؓ نے فرمایا ماموں جان! جب حقیقت الامر یہ ہے تو ان کا اتباع نہ کرنا سخت افسوس ناک ہے"۔ ابوجہل نے کہا بات یہ ہے کہ بنو ہاشم ہمارے حریف مقابل ہیں۔ ان سے ہمارے خاندان بنو مخزوم کا مدت سے شرف و برتری پر جھگڑا چلا آتا ہے۔ ہم ہر بات میں ان کا اور وہ ہمارا مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ جب کبھی انہوں نے حاجیوں کو کھانا کھلایا یا پانی پلایا تو ہم نے بھی کھلایا پلایا۔ اگر انہوں نے بے خرچ مسافروں کو زادِ راہ دیا تو ہم نے بھی دیا۔ اگر انہوں نے کسی کمزور کو اپنے جوار و پناہ میں لیا تو ہم نے بھی لیا۔ الغرض وہ اور ہم تمام امور میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں اور یہ لاگ ڈانٹ برابر چلی جاتی ہے۔ پس ہم کسی بات میں ان سے ہیٹے اور وہ ہم سے فائق نہیں ہیں لیکن اب اس خاندان میں نبوت آجانے سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری ہو گیا ہے اور ہمارے پاس اس کمی کے پورا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس حالت میں ہمارا ان سے ملاپ ہو تو کس طرح اور ننگِ اتباع گوارا کیا جائے تو کس دل سے؟ پس خدا کی قسم! ہم کبھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق نہیں کریں گے اور ہمیں ان کی پیروی گوارا نہ ہو گی" (ابن ہشام وغیرہ)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ابوجہل جیسے اعدائے دین بھی حضرت نذیر و بشیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول برحق یقین کرتے تھے لیکن قومی عصبیت قبولِ ہدایت اور اتباعِ حق کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ آج بھی دنیا میں لاکھوں انسان ملت مصطفوی علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام کی حقانیت کا یقین رکھتے ہیں لیکن خاندانی بندشیں اور قومی تعلقات قبول حق سے مانع ہیں۔

## عمرو بن ہشام کی کنیت

یاد رہے کہ جس طرح سانپ بظاہر بڑا خوش منظر اور بباطن زہر سے بھرا ہے، اسی طرح عمرو بن ہشام معروف بہ ابوجہل شکل و صورت اور ظاہری وضع کے لحاظ سے معزز آدمی دکھائی دیتا تھا لیکن اس کی نخوت، جہل، افساد اور خبث ضمیر کا یہ عالم تھا کہ اگر بالفرض دنیا بھر کے بغض و کینہ اور کور باطنی کو ترازو کے ایک پلے میں رکھ دیا جائے اور تنہا اس کی عناد پروری اور ناپاک سیرت دوسرے پلے پر ہو تو یقین کیا جاتا

ہے کہ ابوجہل کی خشمناکی اور خبثِ باطن کا پلہ ہی بھاری رہے گا۔ ہرچند کہ اس تنگ چشم کوتاہ نظر کے چہرے سے متانت و سنجیدگی ٹپکتی تھی اور لمبی سفید ریش نے ثقاہت کا اعلان کر رکھا تھا لیکن زبانِ حال پکار رہی تھی ـــہ

ریشِ سفید شیخ میں ہے ظلمت فریب
اس مکرِ چاندنی پہ نہ کرنا گمانِ صبح

اوائل میں عمرو بن ہشام ابوالحکم (حکمتوں کا باپ) کی کنیت سے مشہور تھا لیکن کارپردازانِ قضاو قدر نے کہا نہیں یہ شخص جاہلانہ شقاوت پسندیوں کے باعث ابوجہل (جہالت کا باپ) کی کنیت سے شہرت پائے گا چنانچہ صحابۂ کرام نے یا خود فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ابوجہل کی کنیت سے یاد کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج روئے زمین پر بہت تھوڑے لوگ ایسے پائے جائیں گے جو اس کو اس کی اصلی کنیت یا نام سے پہچانتے ہوں۔

# فصل ۹۵۔ قریش کا زعمِ باطل کہ بشرِ خاکی نبی نہیں ہوسکتا

قریش کے جو وجوہِ مخالفت اوپر درج ہوئے وہ جذبات وا بیاں یا ذاتی اغراض سے وابستہ تھے لیکن ایک بنائے انکار و مخاصمت اصولی بھی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسان نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجا جاسکتا۔ چنانچہ کہتے تھے اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا (کیا ہمیں ظلمانی بشر ہدایت کرسکتا ہے؟ (تغابن آیۃ ۶) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی ضروریات کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح کا ایک بشر ہے۔ وہی کھاتا ہے جو ہم کھاتے ہیں اور ویسا ہی پہنتا ہے جس طرح ہم پہنتے ہیں (سورۂ مومنون آیۃ ۳۳)

**رسول کے بشر ہونے کی حکمت**

منکرینِ رسالت کا خیال تھا کہ رسول بشر نہیں ہوسکتا۔ اس واہمہ کا جواب یہ ہے کہ رسول اور مرسل الیہم میں مناسبت ضروری ہے۔ اگر مُرسَل الیہم فرشتے ہوتے تو رسول بھی فرشتہ بھیجا جانا چاہیے تھا اور جس صورت میں کہ مُرسَل الیہم بشر ہیں تو رسول بھی بشر ہی ہونا چاہیئے تھا۔ انسان کے پاس

---

ـــہ مکرِ چاندنی سے جھوٹی چاندنی یعنی صبح کاذب مراد ہے ۱۲

کسی فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجنے میں یہ حکمت تھی کہ فرشتہ ہمارے لیے کسی بات میں نمونہ نہیں بن سکتا تھا۔ نہ اس کو کھانے پینے کی احتیاج ہوتی، نہ پہننے کی، نہ ازدواج کی اور نہ دوسرے لوازم زندگی کی۔ فرشتہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا تھا کہ ہم کو ان چیزوں کے احکام آسمانی کتاب سے پڑھ کر سنا دیتا۔ لیکن یہ ضرورت صرف کتاب کے نازل کر دینے سے بھی پوری ہو سکتی تھی۔ پس خدائے حکیم و دانا کی حکمت نوازی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ ہمارے پاس ہماری ہی جنس کے پیغمبر بھیجے جو ہماری طرح کھاتے پیتے، نکاح کرتے، باہمی تعلقات رکھتے اور تمدن و معاشرت کے خوگر تھے اور ان کے ساتھ کتابیں بھیجیں تاکہ وہ آسمانی احکام کی بہ نفس نفیس تعمیل کر کے لوگوں پر علم و عمل کے دروازے کھول دیں۔ چنانچہ ربّ قدیر نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۗ (۲۵: ۲۰)

ہم نے آپ سے پیشتر بھی جس قدر رسول بھیجے وہ (دوسرے آدمیوں کی طرح) کھانے پینے اور گلی کوچوں میں چلنے پھرنے والے (اور معاشرت رکھنے والے) بھیجے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (۶: ۹)

اگر ہم فرشتہ کو احکام دے کر بھیجتے تب بھی یہ ہوتا کہ وہ انسان کی صورت میں آتا اور جو شبہے یہ لوگ اب کر رہے ہیں وہی شبہات اس وقت بھی ان کے دلوں میں موج زن ہوتے۔

حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں وہ سب باتیں پیش آئیں جو عامۃ الناس کو پیش آتی ہیں۔ آپ نے عقدِ نکاح کیے۔ اولاد کی شادیاں کیں۔ غم کی تقریبیں ہوئیں۔ متعدد صاحبزادوں نے انتقال کیا۔ غرض جو احوال و عوارض بھی تمام انسانوں کو پیش آتے ہیں آپ کو ان سب سے سابقہ پڑا تاکہ پیروؤں کے لیے ایک مکمل اُسوہ اور دائمی دستور العمل تیار ہو جائے۔

## ایک اور وسوسہ کا ازالہ

اور اگر کسی کو یہ وسوسہ ہو کہ جب مناسبت ضروری ہے اور مناسبت کے لیے ہم جنس ہونا لازم ہے تو پھر رسولوں کے پاس فرشتہ کیوں آتا تھا اور رسول فرشتہ سے کس طرح فیض یاب ہو سکتے تھے؟ اس کی نسبت گزارش ہے کہ رسول خواص بشریت کے ساتھ ہی شانِ ملکیت سے بھی متصف تھے، اس بنا پر ان کو بشر اور فرشتہ دونوں سے مناسبت تھی۔ ان کا یہ کام تھا کہ فرشتہ سے وحی حاصل کر کے انسانوں کو

پہنچادیں بخلاف عوام بشر کے کہ ان میں ملکیت کی شان نہیں ہوتی۔

اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ مناسبت پیدا کرنے کے لیے فرشتہ بھی بشر کی وضع وہیئت میں بھیجا جا سکتا تھا تو اس کے متعلق التماس ہے کہ تبدیلیٔ ہیئت سے خاصیت نہیں بدل جایا کرتی۔ اور اگر یہ واہمہ موجِ زن ہو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کی طرح جنّوں کی طرف کس بنا پر مبعوث فرمایا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جامعیت کبریٰ کی حامل تھی اس لیے جنّوں کے لیے بھی آپ سے استفاضہ کرنا آسان تھا۔

## عالمِ انسانیت کو بامِ عروج پر پہنچانا

یہاں یہ حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا میں پتھر پُجتے تھے۔ دریا، پہاڑ، ندیاں واجب الاحترام تھیں۔ درختوں اور جھاڑیوں کی پرستش ہوتی تھی۔ آگ، ہوا، سورج، چاند، ستارے معبود بنے ہوئے تھے۔ غرض کائنات کی ہر چیز معزز و محترم تھی لیکن اگر دنیا میں کوئی ذلیل و درماندہ ہستی تھی تو وہ حضرتِ انسان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر رُوح القدس کا نزول ہوا اور آپ نے اپنے مامور من اللہ ہونے کا اعلان فرمایا تو مکّہ کے بُت پرست سخت حیرت سے کہنے لگے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان جیسی ذلیل ہستی جو کائنات کی ہر چیز کے سامنے سجدہ ریز ہے نبی بن سکے"؟

اس کے جواب میں حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالمِ انسانیت کی نسبت تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بشر تو کائنات کی سب سے محترم ہستی ہے اور وہ چیزیں جن کے سامنے حضرتِ انسان اپنی حماقت سے جبہہ سائی کرتا ہے اُن میں سے ہر ایک چیز انسان کی چاکر اور خود اسی کے نفع اور خدمت کے لیے بنائی گئی ہے۔ چنانچہ ربِّ قدیر نے آپ کے اس قول کی تائید میں قرآن کی یہ آیتیں نازل فرمائیں: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (ہم نے بنی آدم کو مکرم و محترم بنایا) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں، بہترین دل و دماغ دے کر اور کائنات کی ہر چیز کا حاکم بنا کر بھیجا)

اور بشر کے نبی ہونے کے متعلق ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو بتایا کہ انسان کے پاس آج تک جس قدر نبی بھیجے گئے وہ سب انسان ہی تھے۔ چنانچہ تمہارے اجدادِ اوّلین حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور جناب اسمٰعیل (علیہما السلام) انسان ہی تھے"۔ اور فرمایا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن تم پر مجھے یہ فوقیت حاصل ہے کہ میں وحیٔ الٰہی سے مؤید ہوں۔

غرض آپ نے ایسے نازک دور میں جب کہ اشرف المخلوق انسان ارذل ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا، اپنی بشریت کا اعلان فرمایا اور منکوب و مخذول بشریت کو حضیض ذلت سے نکال کر عظمت و رفعت کے ثریا سے ہمدوش کر دیا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اس اعتراف حقیقت میں غیر مسلم طالبانِ حق کے لیے بھی اپنی سچائی اور صداقت کی ایک روشن دلیل پیش کر دی کیونکہ اگر آپ من جانب اللہ نہ ہوتے تو ایسے وقت میں جبکہ عالم انسانیت اس درجہ قعر ذلت میں گرا ہوا تھا آپ کی طرف سے دعوائے نبوت کے ساتھ ہی اپنی بشریت کا اظہار و اعلان کبھی ممکن نہ تھا۔ اس وقت سے انسان بھی نہ صرف معزز و محترم بلکہ اشرف المخلوق تسلیم کیا جانے لگا، ورنہ اس سے پیشتر تو کائنات کی ذلیل ترین مخلوق حضرت انسان ہی تھا۔ عالم انسانیت پر اسلام کا یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ جس سے وہ قیامت تک عہدہ برآ نہ ہو سکے گا۔

# فصل ۹۶۔ قریش کا اعتراض کہ منصب نبوت کسی رئیس کے شایانِ شان تھا

رؤسائے قریش کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر خدا کو بشر ہی رسول بنا کر بھیجنا منظور تھا تو یہ منصب جلیل (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو جاہ و ریاست سے بہرہ مند نہیں کیوں تفویض ہوا؟ اس کے لیے تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے رئیس مثلاً ولید بن مغیرہ قریشی مکی یا عروہ بن مسعود ثقفی رئیس طائف کا انتخاب موزوں تھا۔"

اس کے جواب میں رب جلیل نے (سورۂ انعام آیۃ ۱۲۴ میں) فرمایا کہ مصلحت خداوندی جس کو چاہے تبلیغ دین کے لیے منتخب کرے اور اپنی رسالت و پیام رسانی کے صحیح موقع و محل کو خود خدائے برتر ہی خوب جانتا ہے۔"

یاد رہے کہ رؤسائے قریش جن دو رئیسوں کو منصب نبوت کے لیے موزوں تر بتلاتے تھے، اُن میں سے مؤخر الذکر یعنی حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے مشرف بایمان ہو کر حضرت سرور انبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاکری اختیار کی، اور گو ولید بن مغیرہ رئیس مکہ اپنی پستیٔ فطرت کے باعث خود سعادت ایمانی سے محروم رہ کر دنیا سے نامراد گیا مگر اس کے دونوں

فرزندانِ جلیل ولید بن ولید اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما نے حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر ملّتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا التحیۃ و السلام کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ خصوصاً مؤخرالذکر بزرگوار نے تو اپنی شجاعت و سپہ سالاری کے جوہر دکھا کر بارگاہِ نبوت سے "سیف اللہ" کا قابلِ فخر خطاب بھی حاصل کیا۔

# فصل ۹۷۔ پیغمبرزادیوں کو طلاق دلانے کی سفیہانہ کوشش

### بنات طاہرات

حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا تھیں۔ ان سے چھوٹی کا نام رُقیہ تھا۔ ان سے چھوٹی اُمِّ کلثوم کی کنیت سے مشہور تھیں۔ اور سب سے چھوٹی سیدۃ النساء جناب فاطمہ زہراءؓ تھیں۔ بعثت کے وقت حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا صغیرالسن تھیں۔ تینوں بڑی صاحبزادیاں جو بیاہی ہوئی تھیں، اپنی والدۂ مکرمہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی مشرف بایمان ہوئی تھیں۔

سیدہ زینبؓ اُمّ المومنین خدیجہؓ کے خواہرزادہ جناب ابوالعاصؓ کے عقدِ زوجیت میں تھیں، حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں منجھلی صاحبزادیوں (سیدہ رُقیہ اور سیدہ اُمّ کلثوم) کا نکاح بعثت سے پیشتر ان کی نابالغی کی حالت میں ابولہب کے بیٹوں عُتبہ اور عُتیبہ سے کر دیا تھا اور ہنوز رخصتی کی نوبت نہ آئی تھی کہ ابولہب اور اس کی بیوی اور تمام قریش دعوتِ توحید کی بنا پر آپ کے دشمن ہو گئے، اس لیے ان کی رخصتی کا معاملہ طاقِ التوا پر پڑا رہ گیا۔

قریش ہادیٔ خلق صلی اللہ علیہ وسلم کو جو روحی صدمے پہنچا رہے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے آپ کی شادی شدہ صاحبزادیوں کو طلاق دلا کر آپ کے قلبِ مبارک کو ٹھیس لگانے کی سفیہانہ کوشش کی۔

### حضرت ابوالعاصؓ کا طلاق دینے سے انکار

اس سلسلہ میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر حضرت ابوالعاصؓ پر جو اس وقت تک حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے زور ڈالا گیا کہ وہ زینبؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو طلاق دے دیں اور وعدہ کیا کہ اس طلاق کے عوض میں

مکہ کی جس لڑکی سے چاہیں اس سے تمہاری شادی کرا دیتے ہیں۔" لیکن انہوں نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور کہا میں اپنی بیوی کو بے گناہ طلاق نہیں دے سکتا۔"

### سعید بن عاص کی لڑکی عُتبہ کی زوجیت میں

عمایدِ قریش یہاں سے بے نیلِ مرام ابو لہب کو ساتھ لے کر اس کے بڑے لڑکے عُتبہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی (سیّدہ رُقیّہؓ) کو علیحدہ کر دو تو قریش میں جس لڑکی کو چاہو اس سے تمہاری شادی کرا دیتے ہیں۔" عتبہ نے جو اُس وقت تک شرفِ اسلام سے مشرف نہیں ہوتے تھے کہا اچھا! اگر تم لوگ سعید بن عاص کی دختر سے میرا عقد کرا دو تو میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیٹی کو چھوڑ دیتا ہوں۔" چنانچہ مشہور عدوِ اسلام سعید بن عاص کی لڑکی عتبہ کی زوجیت میں دے دی گئی اور انہوں نے سیّدہ رُقیّہ سلام اللہ علیہا کو جو نکاح کے بعد ہنوز سسرال میں نہ گئی تھیں طلاق دے دی۔ اس کے بعد ابو لہب کے چھوٹے بیٹے عُتَیبہ سے حضرت اُمِّ کلثومؓ کو طلاق دلائی گئی (تاریخ محمد بن جریر طبری و اصابہ)۔

### سیّدہ رُقیّہؓ حضرت عثمانؓ کے مشکوئے معلّیٰ میں

حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق ملنے کے بعد حضرت رقیہؓ کو جناب عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ نکاح میں دے دیا اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جنگ بدر کی فتح کے دن جب سیّدہ رُقیّہؓ راہگرائے عالمِ آخرت ہوئیں تو آپ نے ربیع الاول سنہ ۳ھ میں حضرت عثمانؓ کو سیّدہ اُمِّ کلثوم کے شرفِ زوجیت سے نوازا۔ اسی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذُوالنّورَین (دو نور والے) کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفّان کے سوا دنیا میں کسی کو کبھی یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ کسی نبی کی دو صاحبزادیاں اس کے عقد میں آئی ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جاہلیت میں اَبو عَمرو کی کنیت سے مشہور تھے۔ لیکن جب سیّدہ رُقیّہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطنِ مبارک سے ان کا ایک لڑکا عبداللہ نام پیدا ہوا تو اس کے بعد ان کی طرف منسوب ہو کر انہوں نے ابو عبداللہ کی کنیت سے شہرت پائی۔ عبداللہ کی عمر ابھی چھ ہی سال کی ہوئی تھی کہ مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی جس سے وہ بیمار ہو کر جمادی الاولیٰ سنہ ۴ھ میں انتقال کر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمانؓ نے انہیں قبر میں اتارا (ابن سعد)

# فصل ۹۸۔ عُتَیبَہ کی فرومایگی اور اُس کا عبرت ناک انجام

قریش نے دونوں منجھلی پیغمبرزادیوں کو طلاق دلانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے سلسلۂ انتقام جوئی میں عتیبہ کو اشتعال دلا کر خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر بھی آمادہ کیا۔ یہ نابکار آپ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا تم نے اپنے آبائی دین سے کفر کیا ہے اس لیے میں نے تمہاری بیٹی چھوڑ دی ہے۔ پھر حملہ آور ہو کر حضورِ انور کا پیرہن چاک کر دیا اور چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اس وقت ابو طالب موجود تھے۔ انہیں یہ جسارت دیکھ کر سخت طیش آیا لیکن ضبط و تحمل سے کام لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے برادرزادے! کاش تم اپنے مذہب کی تبلیغ سے جس نے یہاں تک نوبت پہنچائی ہے اور سارا جہان تمہارا دشمن ہو گیا ہے دست بردار ہو جاتے۔"

لیکن ابو طالب کو معلوم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے قدوم فرما ہونے کی غرض و غایت تبلیغ دین کے سوا کچھ نہ تھی، اس بنا پر آپ کے لیے بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ نتائج سے بے پروا ہو کر اپنے فرضِ منصبی میں منہمک رہیں۔

### بدُعا کی ہیبت

گو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بڑے سے بڑے دشمن جاں پر بھی بددعا نہیں کرتے تھے، تاہم اِس وقت غیرتِ الٰہی نے آپ کے مونہ سے یہ الفاظ نکلوا دیے اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ (الٰہی! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اِس پر مسلط کر دے) جب عُتَیبہ واپس گیا تو ابولہب نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا کہا اور اُس نے کیا جواب دیا؟ عُتَیبہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وہ بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا سے مجھے تیرے متعلق بہت زیادہ تشویش ہو گئی ہے۔ یہ سن کر عتیبہ لرزہ براندام ہو گیا اور ہر وقت خوف زدہ رہنے لگا۔

اس واقعۂ ہائلہ کے چند روز بعد ابولہب عُتَیبہ کو ساتھ لے کر بقصدِ تجارت ملک شام کو روانہ ہوا۔ پہلی منزل پر جسے زرقا کہتے تھے ایک خانقاہ تھی جس میں ایک راہب رہتا تھا۔ وہ قافلہ کو دیکھ کر خانقاہ سے نکلا اور بولا یہاں درندوں کی کثرت ہے، اپنی حفاظت کا سامان اچھی طرح کر لینا۔ ابولہب رفقائے سفر سے کہنے لگا میں اس فرزند کے بارہ میں بڑا خوف زدہ ہوں کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر بددعا کی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ آپ تمام

حضرات اس فرزند کی حفاظت میں میری مدد کریں۔ اہل قافلہ نے کہا بزرگوار ہم ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں اور جو اہتمام چاہتے ہو ہم اسی کے مطابق حفاظت کا انتظام کر دیتے ہیں۔ چنانچہ باہمی صواب دید سے رات کو قافلہ کا سارا سامان جمع کر کے ایک اونچا ٹیلا قائم کیا گیا اور عتیبہ کو اس کے اوپر چڑھا کر تمام لوگ ارد گرد سو گئے۔

## شیر کا عُتَیبہ کو چبا کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا

اس کے بعد زیادہ رات نہ گزرنے پائی تھی کہ ایک شیر آیا اور اہل قافلہ کے چہرے سونگھنے لگا۔ اس نے ہر ایک چہرہ سونگھا اور چھوڑ دیا لیکن جب اس کو ان لوگوں میں اپنا مطلوب نہ ملا تو چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب اسے محسوس ہوا کہ سب سے اوپر ایک شخص لیٹا ہوا ہے۔ یہ دیکھ اس نے اپنا بدن سمیٹا۔ پھر ایک جست کی اور اسباب کے ڈھیر پر پہنچ کر عُتیبہ کا چہرہ سونگھا۔ وہ جاگ کر تھرا اٹھا اور شیر کی دہشت سے چلایا ہائے میری ماں! شیر نے اُس کو آناً فاناً چبا کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ قافلہ کے لوگ بدحواسی کے عالم میں جاگ اُٹھے۔ شیر نے اپنا کام کر کے پھر ایک جست کی اور بیابان کا راستہ لیا۔

اس وقت ابولہب کی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ چلاتے ہوئے کہنے لگا ہائے وہی ہوا جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس واقعہ کو بیہقی نے بروایت ابوہریرہ و قتادہ اور ابونعیم نے بسند نوفل بن ابی عقرب اور ابن عساکر اور ابونعیم نے بسند عروہ ہبّار بن اسود سے روایت کیا ہے لیکن ابولہب اور دوسرے اشقیاء کی شقاوت کا کمال دیکھو کہ ایسے ایسے معجزے اور کرشمہ ہائے قدرت دیکھتے تھے مگر قبولِ اسلام تو درکنار عناد و مخالفت سے بھی باز نہ آتے تھے۔

## ابولَہَب کی اولاد

ابولہب غزوۂ بدر کے چند روز بعد اہلِ شرک کی ہزیمت کے صدمہ سے ہلاک ہوا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ عُتبہ، مُعتّب اور عتیبہ۔ ان میں سے مؤخرالذکر شیر کا شکار بنا اور عُتبہ اور مُعتّب رضی اللہ عنہما فتح مکہ کے دن مشرف بایمان ہوئے۔ ان دونوں کو حُنین اور طائف کے معرکوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ہمرہی حاصل ہوا۔ دونوں بھائی اخیر تک مکہ معظمہ میں رہے اور مدینہ منورہ کو ہجرت نہ کی (استیعاب)

البتہ ان کی ہمشیر دُرّہ بنت ابولہب اسلام کی دولت جاوید سے بھی بہرہ مند ہوئیں اور ہجرت کی سعادت کی بھی سرفرازی حاصل کی (اصابہ)

# فصل ۹۹۔ جبریل امینؑ کا اپنی اصلی صورت میں نزول و ظہور

حضرت حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملائکہ کے سردار حضرت جبریل امینؑ کی وساطت سے وحی آتی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبریل ہونا تو اس وقت پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا تھا جب آپ انہیں پہچانتے ہوں اور صحیح پہچان اصلی صورت دیکھنے پر موقوف ہے۔ اس بنا پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی اصلی صورت بھی دکھائیے"۔ انہوں نے حسب روایت ترمذی جیاد میں وعدہ ٹھیرایا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے انہیں مشرقی اُفق یعنی آسمان کے کنارے پر اس حیثیت سے دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں اور قامت اور جسم اور بازوؤں نے آسمان کے دونوں کنارے چھپا رکھے ہیں۔ آپ دہشت سے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس وقت حضرت جبریلؑ آپ کی تسکین خاطر کے لیے جھٹ اُترے اور انسانی شکل اختیار کر کے آپ سے یہاں تک قریب ہوئے کہ دو کمانوں کی برابر بلکہ غایت قرب کی وجہ سے اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب دو شخص باہم انتہا درجہ کا اتحاد و اتفاق کرنا چاہتے تھے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں لے کر اُن کے چلّے یعنی تانت کو باہم ملا دیتے تھے۔ اس محاورہ کی بنا پر دو کمان کی برابر قرب و اتحاد سے کنایہ ہوگئی۔ اس ظاہری قرب و مجاورت کے علاوہ آپ میں اور جبریل علیہ السلام میں روحانی اتصال اور قلبی اتحاد بھی تھا جس پر کامل معرفت اور حفظ صورت مدرکہ کا مدار ہے۔ غرض یہ کہ جبریلؑ کی تسکین دہی سے آپ کو افاقہ ہوا۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد ایک مرتبہ قریش کے بعض رؤسا نے اپنے انکار و اعراض کے سلسلہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبریل ہونا تو اس صورت میں قابلِ تسلیم ہو سکتا ہے جب آپ نے کبھی جبریلؑ کو بچشم خود دیکھا ہو اور ان کو پہچانتے ہوں اور صحیح پہچان ان کی اصلی صورت دیکھنے پر موقوف ہے کیا آپ نے کبھی جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا بھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے۔ اس وقت آپ کے بیان کی تصدیق میں سورہ نجم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جن میں حق تعالیٰ

نے فرمایا کہ ہاں ایک مرتبہ فرشتہ اپنی اصلی صورت پر آپ کے روبرو ایسی حالت میں نمودار ہوا کہ وہ اُفُق اعلیٰ یعنی آسمان کے بلند کنارے پر تھا۔

اُفق پر دکھلائی دینے میں شاید یہ حکمت تھی کہ آسمان کے وسط میں دیکھنا مشقت اور تکلیف سے ہم کنار تھا اور بالکل کنارے پر بھی چیز پوری طرح نظر نہیں آتی اس لیے جبریلؑ اُفق اعلیٰ یعنی زرا بلندی پر نظر آئے۔ فرشتے کا صورت بدل لینا ایسا ہی ہے جیسے انسان لباس تبدیل کر لیتا ہے۔ پس جس طرح جبریلؑ کو اصلی صورت میں دیکھنے سے پہلے حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طریقہ سے ان کی معرفت حاصل تھی، اسی طرح جب آپ نے حقیقت کا ادراک کر لیا تھا تو شکل و وضع کی تبدیلی شناخت میں مانع نہ ہوئی۔

بعض مفسّروں نے سورۂ نجم کی ان آیتوں کی تفسیر رویت الٰہیہ کے ساتھ کی ہے مگر صحیح مسلم میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ان آیتوں کی تفسیر رؤیت جبریلؑ کے ساتھ خود حضورِ انورؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور بخاری نے شریک کی جو روایت نقل کی ہے اس سے شبہہ ہو سکتا ہے کہ شاید یہ آیات قرب وتدلّی باری تعالیٰ پر محمول ہوں لیکن امام نووی ؒ نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے کہ شریک حافظِ حدیث نہیں تھے۔ (تفسیر بیان القرآن)

# فصل ۔۔۱۔ اہلِ حق کے خلاف مجلسِ ایذا رسانی کا قیام

**راہِ تبلیغ میں غیر معمولی استقلال وپامردی**

حضرت سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے راہِ تبلیغ میں جس ہمت وپامردی کے ساتھ طوفان ہائے معاندت کا مقابلہ کیا دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آنحضرتؐ کے سوانح حیات کو شروع سے اخیر تک پڑھ جائیے، آپ کو کوئی واقعہ ایسا نہ ملے گا جس کے پہلو میں ثبات و استقلال کے پہاڑ نہ کھڑے ہوں۔ نبوت کی تمامتر ۲۳ سالہ زندگی سخت مشکلات میں گھری رہی تاہم یہ ذاتِ اقدس چشم زدن کے لیے بھی کبھی یاس واضطراب کے نام سے آشنا نہ ہوئی۔ در و دیوار، شجر و حجر سے مخالفت کی صدائیں بلند ہوئیں لیکن سب بے اثر رہیں۔ دنیا کی ساری طاغوتی طاقتیں پرخاش پر تُل گئیں لیکن آپ کے عزمِ آہنیں نے سب کو پاش پاش کر دیا۔ عرب بھر کے نامی گرامی

شجاعوں نے آپ کو (معاذاللہ) پامال کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن خود ہی ذلیل و پامال ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے۔ حق کی آواز کو دبانے اور خاموش کرنے کے لیے جو مسلسل اور پیہم ستیزہ کاریاں جاری رہیں، اگر کوئی مخالف بھی نظرِ انصاف سے ان کا مطالعہ کرے تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک تن تنہا انسان کے لیے اُن مشکلات سے عہدہ برآ ہونا بجز منصب نبوت اور خاص ربانی نُصرت بخشیوں کے بالکل ناممکن تھا۔

### آسمانی آئین کے نفاذ کا نصب العین

ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کا منتہائے نظریہ تھا کہ بسیطِ ارض پر صرف ربّ العالمین عزّ اسمہٗ کا آسمانی آئین نافذ ہو اور دنیا کے اندر کوئی نظامِ عمل ایسا نہ رہے جو اس آسمانی ضابطۂ قانون کے حدود سے باہر ہو۔ اہلِ مکّہ کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں اطاعتِ خداوندی کے ساتھ بتوں کی عبادت بھی جُزوِ دین بنی ہوئی تھی اس لیے قریش کو پیروانِ رسالت کا یہ رویّہ سخت ناگوار ہوا کہ انہوں نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیش کردہ قانونِ خداوندی کی پیروی میں صرف خدائے واحد کی حاکمیت اور اس کے اعلیٰ اقتدار کو تسلیم کیا ہے۔ جب داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حنیف کو اس کی مکمل ترین صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر کے نورِ حق کا اُجالا تمام دنیا میں پھیلانا چاہا تو خیرہ چشموں کی آنکھیں تابِ نظارہ نہ لا سکیں اور چاروں طرف سے قریشی ظلم و تعدی کی آندھیاں اس غرض سے مسلمانوں پر اُمنڈ آئیں کہ نورِ حق کی روشنی کو ظلمتِ کفر میں مستور کر دیں۔

### مسلمانوں پر جور و ظلم کے طوفان

اس ناپاک کوشش میں مسلمانوں کو ایسے ایسے مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا کہ جن کے تصوّر سے تاریخ کی روح کانپ اُٹھتی ہے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اس کا پایۂ ثبات ڈگمگا جاتا لیکن فراعنۂ وقت کی ستم آرائیوں کے طوفان کسی صحابی کے شجرِ ایمان کو ذرا بھی جنبش نہ دے سکے اور حقیقت یہ ہے کہ خدائے قدیر قیامِ حق کے لیے اپنے جن خاصانِ بارگاہ کا شرحِ صدر فرما دیتا ہے، دنیا کی کوئی ماسوی اللہ طاقت ان کی استقامت کے مضبوط قلعوں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

### نومسلموں پر ابوجہل کی چیرہ دستیاں

ابوجہل کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو فوراً اس کے پاس پہنچتا اور طرح طرح کی دھمکیاں دے کر کہتا کہ تو نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ ہم تمہیں بری طرح رُسوا کریں گے۔ اگر وہ بیوپاری ہوتا تو اس کی تجارت تباہ کرانے کی دھمکی دیتا۔ اگر طبقۂ غربا سے تعلق رکھتا تو

اس کو مارتا پیٹتا اور طرح طرح کے جسمانی اور روحانی صدمے پہنچاتا۔ اور یہ کچھ ابوجہل پر موقوف نہ تھا بلکہ قریب قریب ہر عدوئے حق ابوجہل بنا ہوا تھا۔ ارباب شرک نادار و مفلوک الحال مسلمانوں کو نہایت وحشیانہ طریق پر زدوکوب کر کے لہو لہان کر دیتے۔ یہاں تک کہ ان غریبوں کو اُٹھ کر بیٹھنے کی سکت بھی باقی نہ رہتی۔ (سیرت ابن ہشام)

**مجلس ایذارسانی**

قریش نے ظلم آرائی کے کام کو منظم کرنے کے لیے باقاعدہ مجلس ایذارسانی بھی قائم کی جس کے ارکان قریب قریب سارے غیر مسلم رؤسائے قریش تھے۔ مجلس ایذارسانی جو شب و روز مصروف عمل رہتی، اس کے دو شعبے تھے۔ پہلے میں جو اعدائے دین شامل تھے، ان کا کام جسمانی ایذارسانیاں تھا۔ دوسرے شعبہ کے حرمان نصیب کسی حق پرست کو جسمانی ایذا نہ دیتے تھے بلکہ صرف استہزا کرنا اور مذاق اُڑانا ان کا شیوہ تھا۔

**مذاق اڑانے والی ٹولی**

مستہزئین کے سرگروہ قریش کے یہ پانچ افراد تھے: (۱) ولید بن مغیرہ مخزومی یعنی حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کا باپ۔ (۲) عاص بن وائل یعنی حضرت عمرو فاتح مصر رضی اللہ عنہ کا باپ (۳) اسود بن مطلب بن اسد۔ (۴) اسود بن عبدلیغوث (۵) حارث بن قیس فہمی۔

استہزاء و تمسخر اور اہل حق کی ہنسی اُڑانے کا جو انجام ہوا اور مستہزئین کو اس بدکرداری کی جو سزا ملی، اس کی تشریح ان شاء اللہ العزیز آیندہ صفحات پر آئے گی۔

اب ذیل میں نام دار فراعنۂ قریش کی وہ عبرت ناک اور زہرہ گداز اذیت کوشیاں سپردِ قلم کی جاتی ہیں جو ان ظالموں کی طرف سے اسلام کی بیخ کنی کی کوشش میں عمل میں لائی جا رہی تھیں۔ ان واقعات کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ سابقین اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خدا و رسولؐ کی راہ میں سرفروشی کر کے کس طرح اپنے ایمان کا عملی ثبوت دیا۔

## فصل ۱۰۱ حضرت عثمانؓ پر چچا کا قہر و عتاب

حضرت عثمان بن عفان (بن ابوالعاص بن اُمیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قُصیّ) رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوائے نبوت کیا ہے تو اُس وقت وہ سفر میں تھے۔ عہدِ جاہلی میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمان رضؓ میں

باہم ارتباط تھا۔ سفر سے واپس آکر حضرت ابوبکرؓ سے ملنے گئے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے دعوائے نبوت کا ذکر کرکے محاسن اسلام پر ایک دل پذیر تقریر کی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کو ہاتف غیبی کی زبان سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی شہادت مل چکی تھی، قبولِ حق پر فی الفور آمادہ ہوگئے۔

اس غرض کے لیے حضرت صدّیقؓ نے ارادہ کیا کہ انہیں ساتھ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوں۔ اتنے میں خود سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے اور جناب عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا "عثمان! میں تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ خدا کی اس نعمت کو قبول کرو۔" حضرت عثمانؓ معاً دستِ مبارک میں ہاتھ دے کر مشرف باسلام ہوگئے اس وقت ان کی عمر چونتیس ۳۴ سال کی تھی۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! شام سے واپس آتے ہوئے ہم نے معان اور زرقاء کے درمیان ایک جگہ قیام کیا اور آرام کرنے لگے۔ جب ہم پر نیند کی سی حالت طاری تھی تو کسی ہاتف نے آواز دی کہ سونے والو! جاگو۔ احمد نبیؐ مکہ میں ظاہر ہو چکے ہیں۔" جب ہم مکہ پہنچے تو آپ کے دعوائے نبوت کا تذکرہ سنا!"

ان کے چچا حکم بن ابو العاص کو جو خلفائے بنو امیہ کے مورثِ اعلیٰ مروان کا باپ تھا، ان کا اسلام سخت ناگوار تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسی سے باندھ کر مارا اور اعزہ و اقارب نے سرد مہری شروع کی۔ رفتہ رفتہ اقرباء کی مخالفت اور سخت گیری یہاں تک بڑھی کہ حدِ برداشت سے باہر ہوگئی۔ بالآخر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رُقیہ سلام اللہ علیہا (بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لے کر ملک حبشہ کو روانہ ہوگئے (طبقات ابن سعد)

امیر معاویہؓ کے عہدِ امارت میں حضرت عثمانؓ کے چچا کا بیٹا مروان بن حکم مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔ اُس کی درشت مزاجی اور ظلم آرائی مشہور ہے۔ ایک مرتبہ حضرت صادقِ مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حُوَیطِبؓ بن عبد العزّیٰ اس کے پاس گئے۔ مروان ازراہِ طنز پوچھنے لگا "بڈھے میاں! تم نے قبولِ اسلام میں اتنی تاخیر کیوں کر دی؟ اور کیا وجہ ہے کہ اس سعادت کے حصول میں نوجوان تم پر سبقت لے گئے؟ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعات کے اظہار میں ایسے جری تھے کہ ظالم سے ظالم حکمران کا ظلم و جور بھی انہیں سچی بات کہنے سے نہیں روک سکتا تھا۔

حضرت حُویطبؓ کہنے لگے کہ میں نے بارہا ارادہ کیا کہ اسلام سے مشرف ہو جاؤں، لیکن ہر مرتبہ تمہارے باپ حَکَم نے غیرت دلا کر مجھے اس کارِ خیر سے روک دیا" یہ دندان شکن جواب سن کر مَروان خاموش ہو گیا اور بہت نادم ہُوا۔ اس کے بعد حُویطبؓ کہنے لگے کیا میں تم کو یہ بھی بتاؤں کہ تمہارے باپ حَکَم نے حضرت عثمانؓ بن عفّان کو قبولِ اسلام کے "جُرم" میں کیا کیا ایذائیں دی تھیں؟ یہ سُن کر مروان اور زیادہ خفیف ہُوا (مستدرک حاکم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عثمان بن عفّان بن ابو العاص بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ حضرت عثمانؓ کی والدہ کا نام اروٰی بنت کُریز تھا۔ اور اروٰی کی والدہ اُمّ حکیم بیضا، حضرت فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں (مستدرک حاکم) حضرت عثمانؓ کی والدہ اروٰی رضی اللہ عنہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں دولتِ ایمان سے بہرہ مند ہوئیں اور عہدِ عثمانی میں دنیائے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہا (تجرید اسماء الصحابہ)

# فصل ۱۰۲۔ حضرت طلحہؓ پر بڑوں کا عتاب

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشّرہ میں سے ہیں، سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں بغرضِ تجارت بُصریٰ (واقع ملک شام) کو گئے۔ وہاں ایک صومعہ میں ایک راہب کو دیکھا جو لوگوں سے دریافت کر رہا تھا کہ اس موسم میں مکہ سے بھی کوئی شخص آیا ہے؟ طلحہؓ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا میں وہیں سے آرہا ہوں۔ پوچھنے لگا کیا احمد نبیؐ ظاہر ہو چکے ہیں؟ میں نے کہا احمد کون؟ کہا احمد بن عبداللہ بن عبدالمطّلب۔ وہی دنیا میں آخری نبی ہیں۔ اس کے بعد کہا دیکھو، ان سے بیعت کرنے میں کوئی دوسرا شخص تم سے سبقت نہ لے جائے۔ یہ سن کر میں نے مکہ پہنچنے میں پوری عجلت سے کام لیا۔ یہاں آکر لوگوں سے پوچھا میرے پیچھے کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے؟ لوگوں نے کہا محمد بن عبداللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ابنِ ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے ان کی متابعت کر لی ہے۔ طلحہؓ کہتے ہیں کہ میں ابوبکرؓ کے پاس گیا اور پوچھا کیا تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں وہ حق کی طرف بلاتے ہیں۔ اب طلحہؓ نے راہب کا مقولہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکرؓ طلحہؓ

کو ساتھ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ طلحہؓ نے آپ کو سلام کیا اور راہب سے جو کچھ سنا تھا وہ آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ راہب کا بیان سن کر خوش ہوئے اور طلحہؓ کی درخواست پر ان کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ جب ان کے چچا اور بڑے بھائی کو ان کے قبولِ اسلام کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے رسی سے باندھ کر ان کو بہت پیٹا کہ اس تشدد سے دینِ اسلام کو چھوڑ دیں لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا (مستدرکِ حاکم و اسد الغابہ)

# فصل ۱۰۳۔ حضرت زُبیرؓ اور حضرت سعیدؓ پر جور و ستم

حضرت زُبیر بن عوّام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ بن کلاب قرشی اسدی رضی اللہ عنہ جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے فرزند اور اُم المومنین خدیجہؓ کے برادر زادہ اور عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں، جب مشرف با یمان ہوئے تو انہیں بھی دوسرے بلاکشانِ محبتِ ایمان کی طرح قُریشی بت پرستوں کے پنجۂ ظلم و ستم میں گرفتار ہونا پڑا۔ ان کے چچا نوفل بن خویلد نے ہر ممکن طریق سے ان کو دینِ حق سے منحرف کرنا چاہا اور طرح طرح کی سختیاں کیں لیکن ان آزمائشوں کے باوجود توحید کی حبلِ متین ہاتھ سے نہ چھوٹی۔ آخر جھنجھلا کر اُس نے اور زیادہ درندگی کو اپنا شعار بنایا یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور ان کی ناک میں اس قدر دھونی دیتا کہ دم گھٹنے لگتا۔ لیکن ان کی زبان مبارک سے ہمیشہ یہی نکلتا کہ کچھ کرو اب میں اسلام کے چشمۂ صافی سے مونھ نہیں موڑ سکتا۔ جب مظالم و شدائد نے کسی طرح پیچھا نہ چھوڑا تو حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وطن چھوڑ کر حبشہ کی غریب الوطنی اختیار کی (اصابہ)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور اُن زید بن عمرو کے فرزند ہیں جنہیں ایامِ جاہلیت اور کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ نظر آ رہا تھا۔ حضرت سعیدؓ اپنی نیک نہاد بیوی جناب فاطمہ بنت خطّاب کے ساتھ مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ فاطمہؓ حضرت عمر فاروقؓ کی حقیقی ہمشیر تھیں لیکن خود حضرت عمر فاروقؓ اس وقت تک سعادت ایمان سے حلاوت اندوز نہیں ہوئے تھے۔ جب انہوں نے بہن اور بہنوئی کی تبدیلیٔ مذہب کا حال سنا تو سخت برافروختہ ہوئے اور ان کے گھر جا کر دونوں میاں بیوی کو اس قدر پیٹا کہ لہو لہان ہو گئے (ابن سعد) لیکن یہ زد و کوب ان کی ہوارفتگیٔ ایمان کو کسی طرح دور نہ کر سکی یہاں تک کہ ان بزرگوں کی اسی استقامت

نے حضرت عمر فاروق رضؓ کو بھی حقانیتِ اسلام کا جلوہ دکھا دیا۔ اس کی تفصیل اِن شاء اللہ کسی آیندہ فصل میں آئے گی۔

# فصل ۴۰: حضرت سعدؓ اور اُن کے بھائی کی اِستقامت

حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کی عمر قریباً بیس سال کی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی ترغیب و تحریک سے آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔ جب ان کی ماں حمنہ بنت ابوسفیان نے بیٹے کے تبدیلِ مذہب کا حال سنا تو سخت کبیدہ خاطر ہوئی اور ان سے بات چیت ترک کر دی۔ جب ناراضی اور ترکِ کلام پر کوئی اثر مترتب نہ ہوا تو کھانا پینا چھوڑ کر یہ کہنا شروع کیا کہ اے سعد! جب تک تم اپنا قدیم مذہب اختیار نہ کرو گے میں غذا نہیں کھاؤں گی۔ چونکہ والدہ کے نہایت فرمان بردار تھے، دل کو سخت کوفت ہوئی۔ یہ ان کے لیے بڑی آزمایش کا وقت تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو دل ایک دفعہ حلاوتِ ایمان کا حظ اٹھا چکا ہو وہ کفر و شرک کی نجاست کی طرف دوبارہ مائل نہیں ہو سکتا۔ ماں کے مقاطعۂ جوعی پر بیٹے کی جبینِ استقامت پر ذرا شکن نہ پڑی۔ اور کہا اے ماں! اگر تم ہزار دفعہ بھی مرکر جیو گی اور پھر مرو گی تو بھی میں اسلام سے ہرگز نہ پھروں گا۔ اس وقت حضرت جبریل امین ؑ حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ فرمانِ خداوندی لے کے پہنچے:

وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ
بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا
تُطِعْهُمَا (۲۹: ۸)

اور اگر والدین تجھ پر یہ دباؤ ڈالیں کہ تو کسی ایسی چیز کو میرا شریک ٹھیرائے جس کے معبود ہونے کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو ان کا حکم نہ ماننا۔

اس آیت میں ارشاد ہوا کہ گو ماں باپ کا حق بہت بڑا ہے لیکن جس ربّ العالمین نے والدین اور اولاد سب کو پیدا کیا ہے اس کا حق سب سے مقدم اور سب پر فائق ہے۔ لہٰذا اُس کے حکم کے خلاف کسی بڑی سے بڑی ہستی کی اطاعت بھی جائز نہیں (صحیح مسلم و فتح البیان)

ماں نے تین دن کی فاقہ کشی کے بعد حسبِ معمول کھانا شروع کر دیا لیکن اس کے چند روز بعد حضرت سعدؓ کے بھائی عامر بن ابی وقاص رضؓ نے بھی دعوتِ اسلام کو لبیک کہہ دیا۔

ماں کو ان کے قبولِ اسلام کا اور بھی زیادہ قلق ہوا۔ اُس نے قسم کھالی کہ جب تک عامر اسلام سے دست بردار نہ ہو جائیں گے اُس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھے گی اور نہ کوئی غذا کھائے گی۔ چنانچہ اس نے از سرِ نو بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ حضرت سعدؓ ماں کی بیجا ضد پر تنگ آ گئے اور فرمایا اماں! آپ عامر کے تبدیلِ مذہب کے لیے کیوں عہد کرتی ہیں، میرے لیے عہد کیجیے۔ اس نے کہا کیوں؟ کہا تاکہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھیں اور نہ کھانا کھا سکیں جب تک اپنا ٹھکانا جہنم میں نہ دیکھ لیں۔" ماں نے کہا میں تیرے لیے کیوں عہد کروں میں اپنے سعادتمند بیٹے عامر کے لیے عہد کرتی ہوں (اسد الغابہ)

جب ماں کسی طرح راضی نہ ہوئی تو اس کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور ہجرتِ ثانیہ میں حبشہ چلے گئے اور کچھ زمانہ کے بعد حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچ کر غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے (اصابہ) یاد رہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہی سپہ سالارِ اعظم ہیں جنہوں نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ملک ایران فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا تھا۔

# فصل ۱۰۵۔ حضرت مُصعَب بن عُمَیرؓ زندانِ بلا میں

حضرت مُصعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔ وہ ان ایّام میں مشرف باسلام ہوئے جب مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی اور حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم جناب ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں تھے۔ حضرت مصعبؓ مکہ معظمہ کے ایک نہایت حسین و جمیل نوجوان تھے۔ والدین کو جو بڑے متمول تھے، ان سے بڑی محبت تھی اور اپنے لختِ جگر کو بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ چنانچہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمین لباس پہنتے اور لطیف سے لطیف خوشبو جو مکہ میں میسر آ سکتی استعمال فرماتے تھے۔ شہر بھر میں ان سے بڑھ کر خوش رو، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت کوئی نہیں تھا۔ زری دار حضرمی جوتا جو اُس زمانہ میں امیر طبقہ کے لیے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے استعمال کی چیز تھی۔

آخر جب شرفِ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے تو والدین ان کے دشمن ہو گئے لیکن شرابِ توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا تھا کہ تکلفات اور عیش و تنعم کی کوئی پروا نہ رہ گئی۔ ایک۔

دن وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ یہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے کہ جو جسم ریشم کے سوا کسی دوسرے لباس سے آشنا نہ تھا اس پر کوئی کپڑا بھی ایسا نہیں جس پر پیوند نہ لگے ہوں (ترغیب وترہیب بحوالہ ترمذی و مسند ابویعلیٰ)

ایک مرتبہ دربارِ رسالت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لیے کھال کے ایک ٹکڑے کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کھال پر بھی جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ صحابۂ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں خوش عشرت اور ناز پروردہ کوئی نہ تھا لیکن حسنات کے شغف اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تنعمات اور حظوظ فانیہ سے بے نیاز کر دیا ہے (ابن سعد)

حضرت مُصعَبؓ نے ابتداءً بہت دنوں تک اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور چھپ چھپ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے رہے۔ آخر ایک دن کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہؓ نے جو اس وقت تک حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ دشمنانِ اسلام میں ان کا شمار تھا حضرت مُصعَبؓ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور جا کر ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی۔ انہوں نے سنا تو معاً محبت و شفقت، نفرت سے بدل گئی۔ حضرت مُصعَبؓ گھر پہنچے تو والدین نے زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ حبس وقید کی تلخ زندگی نے آخر کار ترکِ وطن پر مجبور کر دیا اور دوسرے مہاجروں کے ساتھ سرزمین حبشہ کی راہ لی۔ کچھ مدت کے بعد حبشہ سے پھر مکہ آ گئے۔ بہار حسن وجمال پر خزان ادبار نے چھاپہ مارا تھا اور چہرہ اتر کر ایسا پیلا پڑ گیا تھا کہ بمشکل پہچانے جاتے تھے۔ ماں کو اپنے نور نظر کی حالت پر رحم آ گیا۔ اس دن سے مظالم کے اعادہ سے قطعاً دست بردار ہو گئی (ابن سعد)

## فصل ۱۰۶۔ عبداللہ ذوالبجادینؓ اور ہشام بن عاصؓ کی مظلومی

**حضرت عبداللہؓ سے چچا کا سلوک** مکہ معظمہ کے اندر قریش کے ایک گھرانہ میں عبداللہؓ

ایک یتیم لڑکا چچا کی حجرِ تربیت میں پرورش پا رہا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی صفحہ دل پر دینِ حنیف کی خوبیاں نقش ہو گئیں۔ چچا کو جو ایک مشہور عدوے اسلام تھا معلوم ہوا کہ بھتیجا اسلام کی طرف مائل ہے تو کہا کہ اگر تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کی تو جو کچھ دیا ہے سب چھین لوں گا"۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو دل نورِ ایمان سے جگمگا رہا تھا اس میں دنیوی ساز و سامان کو کہاں تک بار مل سکتا تھا؟ عبداللہ رض نے کہا چچا جان! میں تو خدا کے برگزیدہ رسولؐ کے چاکروں میں داخل ہو کر آپ کے روحانی خرمنِ فیض کی خوشہ چینی کر رہا ہوں۔ میری حیات و موت تو اب انہی کے قدموں میں ہے۔ چچا سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور مغلوب الغضب ہو کر جو کچھ دیا تھا سب چھین لیا یہاں تک کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لیے۔

## لنگوٹ باندھے ماں کے پاس آنا

عبداللہ رض لنگوٹ باندھے مادرِ شفقہ کے پاس پہنچے۔ ماں کی ممتا بھلا اس حالتِ زار کو کیونکر گوارا کرتی۔ ماں کے پاس ایک چادر تھی، دو ٹکڑے کر کے اپنے فرزند کو دی۔ انہوں نے ایک کو تہ بند اور دوسرے کو چادر بنا لیا۔ رات گزری تو صبح کو مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدا میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد جب حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظرِ مبارک عبداللہ پر پڑی تو پوچھا تم کون ہو؟ التماس کی یا رسول اللہ! عبداللہ بن عبد نہم ہوں۔ آپ چچا کی بدسلوکی اور ماں کی شفقتِ مادری کا حال سن چکے تھے۔ فرمایا تم عبداللہ ذوالبجادین (دو چادر والے) ہو؟ حضرت عبداللہ رض کے لیے یہ مایۂ ناز لقب ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بڑھ کر تھا عالمِ مسرت میں گزارش کی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے ان کے حال پر بہت کچھ نوازشیں فرمائیں اور ہر طرح سے تسلی دی (اسد الغابہ)

## حضرت ہشامؓ کی قیدِ محن

جن ایام میں مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر رضی اللہ عنہ ابھی کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے، ان کے چھوٹے بھائی حضرت ہشام بن عاص کی پیشانی نورِ ایمان سے چمک رہی تھی۔ اقربا کی ایذا رسانی اور سرد مہری سے تنگ آ کر مہاجروں کے ساتھ حبشہ چلے گئے اور جب وہاں سنا کہ حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے دارالامان مدینہ کو شرف قدوم بخشا ہے تو مدینہ جانے کے قصد سے مکہ واپس آئے لیکن باپ اور دوسرے گھر والوں نے قید کر دیا۔ عرصۂ دراز تک قید و بند کی مصیبتیں سہتے رہے۔ آخر غزوۂ خندق کے بعد ایک دفعہ موقع مل گیا تو بھاگ کر مدینہ منورہ

پہنچ گئے۔ جن ایام میں ان کے بھائی عمرو بن عاص حبشہ جا کر دربار سلطانی میں کفر و شرک کی نمائندگی کر رہے تھے ان دنوں حضرت ہشام بن عاص حبشہ ہی میں تھے (استیعاب)

# فصل ۱۰۷۔ حضرات ابو جندلؓ اور عبداللہؓ کی قید و بند

حضرت ابو جندل بن سُہیل قُرشی عامری رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایمان کی خاطر بڑے بڑے مصائب برداشت کیے۔ جب ان کے باپ سُہیل بن عمرو کو معلوم ہوا کہ انہوں نے دعوت توحید کو لبیک کہی ہے تو پیروں میں بیڑیاں ڈال کر ان کو قید کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مکہ مکرمہ میں ہر جگہ ظلم کے خونخوار عفریت کی جس نے انسانیت اور عدلِ الٰہی کا جسم پارہ پارہ کر دیا تھا پرستش ہو رہی تھی۔ ابو جندل کئی سال تک اسیر پنجۂ جفا رہے۔ سُہیلؓ نے اپنے دوسرے بیٹے عبداللہؓ کو بھی پابزنجیر کر رکھا تھا۔ حبشہ سے واپس آنے کے بعد انہیں یہاں تک اذیتیں دی گئیں کہ اپنے ایمان کے اخفار پر مجبور ہو گئے یہاں تک کہ ان کے والدین اور دوسرے قُرشی بت پرستوں نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کا خیال چھوڑ دیا ہے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ جو دل ایک دفعہ نورِ ایمان سے منور ہو چکا ہو وہ بمشکل کفر کی تاریکی کو قبول کرتا ہے۔ باپ اپنی غلط فہمی کا شکار ہو کر ان کو بھی مکہ سے شرک کی حمایت میں اپنے ساتھ غزوۂ بدر میں لے گیا اور مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرا ہونے کے لیے بہت کچھ برانگیختہ کرتا رہا۔ آخر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ لشکر قریش سے منقطع ہو کر لوائے توحید کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور لڑائی میں اعدائے دین کا صفایا کر کے اپنے ایمان کا خوب مظاہرہ کیا (ابن سعد) ان کے والد سُہیل بن عمرو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے تھے۔

# فصل ۱۰۸۔ حضرت خالدؓ بن سعید کا ابتلاء

حضرت خالد بن سعید بن عاص اُموی رضؓ کے دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک آتشیں غار کے

کنارے کھڑے ہیں اور ان کا والد سعید بن عاص انہیں غار میں دھکیل رہا ہے لیکن ہادیٔ اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں گلے سے پکڑ کر گرنے سے بچاتے ہیں"۔ جب بیدار ہوئے تو دل سخت بے چین تھا۔ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ یہ رؤیا خواب پریشان نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اب خالدرضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درِ دولت پر پہنچے اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ حضرت صدیقؓ تعبیر خواب کے ماہر تھے۔ انہوں نے فرمایا میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاؤ اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور مشرف باسلام ہو گے اور تمہارے والد اس آتشیں غار میں گریں گے لیکن تم ایمان کی برکت سے نجات پاؤ گے"۔

### دولت ایمان سے بہرہ مندی

خالدؓ اس بیان سے بڑے متاثر ہوئے اور جھٹ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے حضرتؐ والا! آپ لوگوں کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس بات کی طرف کہ خدائے واحد کی پرستش کرو اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ۔ ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو جنہیں تمہارے نفع یا ضرر پر کوئی قدرت نہیں اور یہاں تک خبر نہیں کہ کون ان کی پرستش کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور مجھ کو خدا کا بندہ اور رسول مانو"۔ یہ سُن کر دل کے نئے نئے جذبات ساحلِ لب سے آ ٹکرائے اور خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی تصدیق کر کے اسلام کی دولت جاوید سے بہرہ ور ہوئے (مستدرک حاکم) اور لطف یہ ہے کہ اسلام لاتے ہی حضرت داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درپردہ تبلیغ اسلام کا کام بھی شروع کر دیا۔

### ترکِ اسلام سے انکار

ان کے والد سعید بن عاص کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے دوسرے بیٹوں کو ان کے پکڑ لانے کے لیے بھیجا۔ وہ ان کو گرفتار کر کے باپ کے پاس لے آئے۔ سعید بن عاص نے آنکھیں نیلی پیلی کر کے ترکِ اسلام کا حکم دیا اور کہا کہ علانیہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے برارۃ کا اظہار کرو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ اس عاشق رسولؐ نے فرمایا کہ جان جاتی ہے تو جائے لیکن محمد علیہ السلام کا دامن ہدایت ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا۔ باپ نے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے بہتیرے مُسہل دیے لیکن ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر سعید بن عاص نے بڑی بے رحمی سے پیٹنا شروع کیا لیکن یہ کسی طرح ارتداد و اعراض پر راضی نہ ہوئے۔ سعید بن عاص نے از سرِ نو اس بے دردی سے مارا کہ لکڑی سر پر پڑتے پڑتے

ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ جب مارتے مارتے تھک گیا تو بولا کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قوم کی دشمنی کا حال جانتے ہوئے ان کی پیروی اختیار کی؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انہوں نے قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ ہمارے معبودوں کو برا کہتے اور آباؤ اجداد کو ملعون کرتے ہیں اور تو ایسا نالائق ہے کہ ان باتوں میں ان کا ہمنوا ہے"۔

## مارپیٹ اور فاقہ کشی کے مصائب

مگر اس بادۂ حق کے متوالے نے بے خوف و خطر کہا واللہ! وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور میں واقعی ان کا پیرو ہوں"۔ جب سنگ دل باپ مارتے مارتے اور سمجھاتے سمجھاتے تھک چکا تو ناچار قید کر دیا اور کھانا پینا بند کر کے گھر والوں اور پاس پڑوس کو تاکید کر دی کہ کوئی شخص اس سے ہم کلام نہ ہو"۔ حضرت خالدؓ کئی دن تک بے آب و دانہ قید تنہائی اور فاقہ کشی کے مصائب جھیلتے رہے۔ آخر ایک دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور مضافات مکہ میں روپوش ہو گئے اور جب متلاشیانِ امن و سکون کا دوسرا قافلہ مکہ سے حبشہ جانے لگا تو یہ بھی حبشہ چلے گئے (طبقات ابن سعد، استیعاب، اسد الغابہ)

یاد رہے کہ حضرت خالد بن سعید اموی رضؓ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی صفیہ بنت مغیرہ کے فرزند تھے۔ حضرت خالدؓ کا باپ سعید بن عاص غزوۂ بدر میں ہلاک ہوا تھا۔ اس کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد ابان بن سعید بھی حلاوت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی ہجرت کے دو سال بعد عمرو بن سعیدؓ نے بھی مشرف باسلام ہو کر اپنی بیوی فاطمہؓ سمیت حبشہ کی راہ لی (ابن سعد)

ان بیانات سے مترشح ہوتا ہے کہ سعید حضرت خالدؓ کی ہجرت کے بعد طعمۂ اجل ہوا لیکن مستدرک حاکم کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے حضرت خالد کی موجودگی میں دنیا سے کوچ کیا تھا۔ سعید، برعکس نہند نام زنگی کافور، کا پورا مصداق تھا۔ یہ شقی ازلی اپنے مرض موت میں کہنے لگا کہ اگر اللہ نے مجھے اس مرض سے افاقہ بخشا تو پھر بطن مکہ میں ابن ابی کبشہ کے معبود کی کبھی پرستش نہ ہونے دوں گا"۔ یہ سن کر خالدؓ بن سعید نے کہا الٰہی! اسے اس مرض سے کبھی شفا نہ بخشیو۔ چنانچہ اسی مرض میں ہلاک ہو گیا۔ (مستدرک حاکم)

## تینوں بھائیوں کا حکومتوں پر سرفراز کیا جانا

حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد اور ابان اور عمرو تینوں بھائیوں

کو مختلف مقامات کی حکومت بخشی تھی۔ جب حضور انورؐ کا وصال ہوا تو یہ تینوں اپنے اپنے اعمال سے واپس آ گئے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عُمّال سے بڑھ کر کوئی کسی عمل کا زیادہ مستحق نہیں۔ آپ حضرات اپنی اپنی حکومتوں پر واپس تشریف لے جائیں۔ لیکن انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے بعد کسی کے عامل نہیں بن سکتے (مستدرک حاکم)

# فصل ۱۰۹۔ حضرت سَلَمہؓ بن ہِشام کی قید و بند

مشہور عدوے رسالت ابوجہل جس کا دماغ نشۂ باطل سے معطّل اور جذبات ہیجانِ عصبیت سے مجنونانہ تھے شب و روز اس کوشش میں منہمک تھا کہ لوگ قبولِ حق سے باز رہیں اور چمنِ زارِ اسلام سرسبز نہ ہو لیکن جب خود اس کے اپنے گھر میں نورِ توحید نے جلوہ گری کی یعنی اس کے حقیقی بھائی حضرت سَلَمہ بن ہشام اور ماں جائے بھائی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہما شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے تو بہت سٹپٹایا اور ہر امکانی کوشش کی کہ ان کو سعادتِ اسلام سے محروم کر دے لیکن ہر اقدام میں خائب و خاسر رہا۔ حضرت سَلَمہ بن ہشامؓ دعوت کے ابتدائی دَور میں مشرف بایمان ہوئے تھے۔ ابوجہل نے ان کی توہین و تذلیل کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن ایمان باللہ کا تقاضا یہ ہے کہ جرمِ عشق میں ہر توہین کا کمال خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا جائے۔ جب ابوجہل کی سختیاں حدِ برداشت سے بڑھ گئیں تو کہفِ امان کی تلاش میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد اہلِ مکہ کے قبولِ اسلام کی خبر سن کر دوسرے مہاجروں کے ساتھ واپس آ گئے۔

لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ اطلاع بے اصل تھی تو سب نے مراجعت کا قصد کیا۔ دوسرے حضرات تو چلے گئے لیکن حضرت سَلَمہؓ کو ابوجہل نے نہ جانے دیا اور از سرِ نو طرح طرح کی تکلیفیں دینی شروع کیں۔ کھانا بند کر دیا اور ہر وقت زد و کوب کر کے وحشیانہ انتقام لیتا اور دل کی بھڑاس نکالتا رہتا تھا۔ لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو جسمانی اذیتیں اور روحانی صدمے کی ترشی اتار دیتی، اس لیے اس کی تمام معاندانہ کوششیں رائگاں گئیں۔ اور ابھی اسلام مکہ مکرمہ میں اتنا کمزور تھا کہ داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی امداد کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ ناچار کئی سال اسی

قید محن میں گرفتار رہ کر صبر ایوبی کا عملی ثبوت دیتے رہے (ابن سعد)

# فصل ۱۱۰ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کی استقامت

ابوجہل کی ماں نے ہشام کے مرنے کے بعد ابو ربیعہ نام ایک قریشی سے نکاح کر لیا تھا۔ اس سے حضرت عیاش رض پیدا ہوئے تھے۔ گو حضرت عیاش رض ابوجہل جیسے معاندِ اسلام کے سوتیلے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آئینۂ قلب پرتوِ حق کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت عیاش رض دعوت کے ابتدائی ایام میں جبکہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز حضرت ارقم رض کے مکان میں پناہ گزیں نہ ہوئے تھے اسلام کی دولتِ جاوید سے بہرہ ور ہوئے اور ابوجہل کی مزاحمت کے باوجود اپنی بیوی اسماء رض کے ساتھ کنجِ عافیت کی طلب میں حبشہ کو ہجرت کی۔ کچھ زمانہ کے بعد حبشہ سے مکہ کو مراجعت فرما ہوئے اور حضرت عمر فاروق رض کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔

ابوجہل جس کے لیے اہلِ حق کی ایذا رسانی سب سے زیادہ دل پسند مشغلہ تھا اپنے بھائی کا اسلام اور ان کی ہجرت کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا چنانچہ وہ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ پہنچا اور عیاش رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے کہا حضرت والدہ مکرمہ تمہاری جدائی میں سخت بے چین ہیں اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تم کو نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی۔ عیاش رضی اللہ عنہ اس چکمہ میں آ گئے اور ابوجہل کے ساتھ مکہ واپس آئے۔ یہاں پہنچ کر ابوجہل نے ان کو قید کر دیا۔ بہت دنوں تک زندانِ جفا کی صعوبتیں اٹھاتے رہے۔ آخر جب سیف اللہ خالد بن ولید کے بھائی ولید بن ولید رضی اللہ عنہ اہلِ مکہ کی قید سے نکل کر مدینہ طیبہ پہنچے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مصیبت کا تذکرہ کیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم مکہ جا کر کسی طرح عیاش اور سلمہ کو چھوڑا لاؤ۔ چنانچہ حضرت ولیدؓ مکہ مکرمہ آئے اور نہایت رازداری اور ہنرمندی کے ساتھ دونوں کو قید سے چھوڑا لے گئے۔

(طبقات ابن سعد)

# فصل ۱۱۱ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مصائب

وہ سب نومسلم حضرات جن کی مظلومی کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں حوالۂ قرطاس ہوا قبیلۂ قریش کے معزز ارکان تھے۔ ان قدح خوارانِ بادۂ توحید کو جس قدر ابتلا بھی پیش آئے وہ سب اپنے ہی بزرگانِ خاندان کے ہاتھوں سے پہنچے ورنہ ان کی خاندانی عظمت و وجاہت کے پیشِ نظر کوئی بیرونی شخص ان کی ایذارسانی کی جرأت نہیں کرسکتا تھا اس لیے قریش کا سارا غصہ ان لونڈی غلاموں یا دوسرے غریب الدیار کلمہ گوؤں پر نکلتا تھا جو مکہ میں بے یار و مددگار رہتے تھے۔ بت پرستوں کے بس میں جو کچھ بھی تھا بھوک پیاس مارپیٹ ہر طرح سے ان خستہ حال نومسلموں پر مظالم ڈھاتے اور ان کے لیے نئے نئے اندازِ ستم ایجاد کرتے تھے۔ ان زہرہ گداز مظالم کے بھی چند نظارے ملاحظہ ہوں :۔

عاشق ذوالجلال حضرت ابوعبداللہ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ گو ظاہری شکل و صورت سے سیاہ فام اور موٹے ہونٹوں والے حبشی تھے تاہم کُلبۂ دل نورِ ایمان سے جگمگا رہا تھا۔ یہ اُس وقت سعادت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے تھے جبکہ وادیٔ بطحاء کے اکثر گورے چٹے باشندے اپنی سفیدیٔ رنگت اور زعمِ شرافت میں ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُمیّہ بن خلف نام ایک غیر مسلم قرشی سرمایہ دار کے غلام تھے اور مخفی طور پر سعادت ایمان سے شرف اندوز ہوچکے تھے۔

### قبول اسلام کی صدائے بازگشت

جب ان کے قبولِ اسلام کی خبر اُمیّہ کے کان تک پہنچی تو اسے سخت نفرت ہوئی اور خزانہ اور بیت خانہ کی کنجیاں ان سے لے کر دوسرے غلام کو دے دیں۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا کہ تم کس معبود کی پرستش کرتے ہو؟ بولے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی۔ اُمیّہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا اس عبادت کو چھوڑ دے ورنہ ذلت کے ساتھ مارا جائے گا۔" حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مالک الملک کی عبادت سے کس طرح روگردانی کرسکتا ہوں؟ یہ سن کر اُمیّہ آگ بگولا ہوگیا اور ان کو ایسی ایسی تکلیفیں دینی شروع کیں کہ جن کے تصور سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔

### لات و عزیٰ کی جگہ اَحَد اَحَد کی صدا

مکّہ میں حَرّہ کی زمین گرمی کے سبب سے مشہور ہے۔

یہ دھوپ میں توے کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت بلالؓ بارہا خدائے واحد کی پرستش چھوڑنے سے انکار کر چکے تھے اس لیے اُمیّہ نے ان کے لیے یہ سزا مقرر کی کہ دوپہر کے وقت حرّہ کی جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی گرم چٹان سینۂ مبارک پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر سکیں، پھر پیٹنا شروع کرتا اور زدوکوب کے وقت کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی سے باز آ اور لات اور عزّیٰ کے معبودِ برحق ہونے کا اقرار کر لے ورنہ یوں ہی گھُٹ گھُٹ کر مر جائے گا۔ لیکن لات وعُزّیٰ کی جگہ ہر مرتبہ اس شیدائے حق کی زبان سے اَحَد اَحَد کی آواز نکلتی تھی یعنی معبودِ برحق تو ایک ہی ہے"

اُمیّہ نے اس عاشقِ رسولؐ کے خلاف بیسیوں ستم ایجاد کر رکھے تھے اور وہ ہر ظلم رانی کے بعد کہتا تھا کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے لات وعُزّیٰ پر ایمان نہیں لائے گا تجھے اسی طرح شکنجۂ عذاب میں کس کس کر ہلاک کر دوں گا۔ لیکن حضرت بلالؓ صدقِ دل اور کمالِ یقین میں اس درجہ راسخ تھے کہ ان کی جبینِ استقلال پر ذرا شکن نہ پڑتی تھی۔

### لوہے کی زرہ پہنا کر دُھوپ میں لٹانا

اس سلسلۂ دار و گیر میں اُمیّہ نے ایک مرتبہ اپنے دوسرے غلاموں کو جمع کر کے حکم دیا کہ تم میں جو کوئی میری رضامندی کا جویاں ہے اس کا فرض ہے کہ اس (حضرت بلالؓ) کو اتنی ایذائیں دے کہ یہ محمدؐ اور محمدؐ کے خدا سے علیحدہ ہو جائے چنانچہ غلام لوہے کی زرہ پہنا کر انہیں دھوپ میں ڈال دیتے۔ سرِ شام ہاتھ پیر باندھ کر تاریک کوٹھری میں قید کر دیتے اور جب کسی کو خیال آتا رات کے مختلف حصوں میں تازیانے رسید کرتا رہتا۔ صبح تک یہی عملِ تعذیب جاری رہتا۔

### گلے میں رسّی باندھ کر گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرنا

ایک مرتبہ اُمیّہ نے ان کے گلے میں رسی باندھی اور محلّہ کے لونڈوں کو بلا کر رسّی ان کے ہاتھ میں دے دی۔ لڑکے انہیں مکّہ کی پہاڑیوں اور شہر کے گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرے۔ گو رسی سے حلقومِ مبارک پر زخم آ گئے تھے تاہم ان مظالم و شدائد کی تلخی ان کی حلاوتِ ایمان کو کسی طرح زائل نہ کر سکی۔ مدتِ مدید انہی زہرہ گداز مصائب میں گزری لیکن حضرت بلالؓ کی یہ حالت تھی کہ ع

بڑھتا تھا اور شوق "گنہ" ہر سزا کے بعد

بڑی سی بڑی تکلیفیں دی گئیں لیکن کوئی اذیت ان کے قصرِ ایمان کے کنگوروں کو جنبش نہ دے سکی۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عثمان یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس مکان کے آگے سے گزرے جہاں حضرت بلالؓ پر مار پڑ رہی تھی۔ یہ عبرتناک منظر دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کا دل بھر آیا اور رنج واندوہ کے عالم میں سوچنے لگے کہ بلال کو ان مصائب سے کیونکر نجات مل سکتی ہے۔

### حضرت ابوبکرؓ کی نصیحت کا مغرورانہ جواب

حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت تو فرطِ غم میں چلے آئے لیکن علی الصباح اُمیّہ کے گھر تشریف لے گئے اور ازراہِ نصیحت فرمایا اُمیّہ! اس جُرم ناآشنا غلام کے حق میں خدا سے ڈر اور ظلم ناحق سے باز آ۔ اس بیچارہ نے خدا کا سچا دین قبول کیا ہے، اس کے ساتھ بُرائی کی بجائے احسان کر۔ یہ احسان تجھے فردائے قیامت کو نفع دے گا۔" اُمیّہ بولا قیامت کوئی چیز نہیں اور اگر بالفرض قیامت ہو بھی تو مجھے دنیا میں کس چیز کی کمی ہے کہ تمہاری مُوہوم اُخروی نعمتوں پر فریفتہ ہوں۔" حضرت صدیقؓ نہایت نرم لہجہ میں مکرر سمجھانے لگے کہ میرا کہا مان اور اس جُرم ناآشنا پر ظلم نہ کر۔"

### حضرت بلالؓ کا سودا

اُمیّہ طیش میں آکر کہنے لگا ابن ابی قحافہ! (ابوقحافہ حضرت صدیق اکبرؓ کے والد محترم کی کنیت تھی)، اگر اس غلام کی تکلیف پر تمہارا دل کڑھتا ہے تو اس کو خرید کیوں نہیں لیتے"؛ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اچھا اس کے عوض میں کیا چاہتے ہو؟ بولا تم اس کو خرید نہ سکو گے اور اگر خریداری ہی منظور ہے تو اس کو اپنے غلام فسطاس رُومی کے معاوضہ میں لے لو۔" فسطاس بڑا لئیق اور کارگزار غلام تھا اور دو ہزار کی جمع بھی رکھتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خالق اکبر عزاسمہ کی رضاجوئی کے لیے اس مبادلہ پر راضی ہو گئے۔ اُمیّہ کو اس پر سخت حیرت ہوئی جھٹ بیترا بدلا اور بولا نہیں چالیس اوقیہ چاندی بھی اس کے ساتھ لوں گا۔" حضرت صدیقؓ نے اس کو بھی منظور فرمایا اور حضرت بلالؓ کو ساتھ لے کر چلے۔ اُمیّہ ہنس کر کہنے لگا کہ یہ شخص نطانت و زیرکی کے باوجود اس سودے میں دھوکا کھا گیا ہے۔ اگر ابوبکرؓ کی جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو ایک دانق کے عوض میں بھی جو درم کا چھٹا حصہ ہے نہ خریدتا بلکہ مفت بھی اس کو قبول نہ کرتا۔"

### بلال کی قیمت میں یمن کی بادشاہت بھی ہیچ ہے

یہ سُن کر حضرت صدیقؓ پلٹ پڑے اور اُمیّہ سے فرمایا ارے نادان! تو اس غلام کا رتبہ کیا جانے۔ تمام یمن کی بادشاہت بھی اس غلام کی قیمت میں ہیچ ہے۔" اس کے

بعد انہوں نے حضرت بلال رضؓ کو بارگاہ نبوت میں لا حاضر کیا اور تمام ماجرا عرض کر کے گزارش کی یا رسول اللہ! میں اللہ کی رضا جوئی کے لیے بلال رضؓ کو آزاد کرتا ہوں"۔ یہ سن کر سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نہایت محظوظ ہوئے اور حضرت بلال رضؓ پوری دلجمعی کے ساتھ کاشانۂ نبوت میں رہ کر سعادت دارین سے بہرہ اندوز ہونے لگے (سنن ابن ماجہ، طبقات ابن سعد، سیرۃ ابن ہشام، اسد الغابہ، مدارج)

## فصل ۱۱۲ حضرت خبّابؓ کی داستانِ مصائب

حضرت خبّاب بن اَرتّ رضی اللہ عنہ اُمّ نمار کے غلام تھے۔ یہ اُس وقت ایمان لائے تھے جبکہ حضور خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں نہ ہوئے تھے (ابن سعد) ان کے اسلام لاتے ہی قریش کا دستِ ستم ان پر دراز ہوگیا۔ ان کو ایسی ایسی ایذائیں دی جاتی تھیں جو انسانی وحشت و درندگی کی انتہا ہے۔ ایک دن اشقیائے قریش نے دُہکتے ہوئے کوئلے زمین پر پھیلا دیے اور حضرت خبّاب کو پکڑ کر ان پر لٹا دیا۔ ایک شخص اس کام پر متعین ہُوا کہ ان کے سینۂ مبارک پر پاؤں رکھ کر زور سے دبائے رکھے تاکہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ اس کے بعد پاؤں ہٹا کر انہیں انگاروں پر گھسیٹنا شروع کر دیا گیا اور وہ ان انگاروں پر کباب ہوتے رہے یہاں تک کہ خود زخموں کی رطوبت نے آگ کو بجھا دیا (ابن سعد)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب ایک مرتبہ حضرت خلافت مآبؓ نے ان سے یہ واقعہ دریافت کیا تو خبابؓ نے پیٹھ کھول کر دکھائی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے کبھی نہیں گزری۔ پشت مبارک برص کے داغوں کی طرح بالکل سفید ہو رہی تھی۔ (طبقات ابن سعد و اُسد الغابہ)

**ایک شقیّہ کی سزائے کردار**

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ اُمّ نمار نام ایک عورت کے غلام تھے۔ جب یہ دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے تو اس وقت ان کی عمر تیئیس چوبیس سال کی تھی۔ عورت نے ان کے اسلام پر سخت ناگواری محسوس کی۔ اس نے پہلے دو ایک مرتبہ نرمی سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی چھوڑ دے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہُوا اور جب دیکھا کہ کوئی ترغیب کارگر نہیں ہوتی

تو نیلی پیلی آنکھیں کر کے کہنے لگی کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا خیال چھوڑ دے ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔" انہوں نے کہا ایک جان کیا لاکھ جان بھی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر قربان ہے۔" اب اس عورت نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ لوہے کی سلاخ سُرخ کر کے اچانک ان کے سر مبارک پر رکھ دیتی اور داغ دیتی۔ اسی طرح کبھی پیٹھ مبارک پر گرم پتھر رکھواتی۔ مکہ معظمہ میں کوئی حکومت نہ تھی جو ان سفاکیوں پر باز پرس کرتی۔ ناچار حضرت خبابؓ نے اپنے ہادی و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر اپنی مظلومی کا شکوہ کیا۔

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں خدا کے برگزیدہ نائب تھے۔ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی الٰہی! خبّاب کی مدد کر۔" یہ دعا معاً موقف اجابت پر پہنچی۔ عورت کو ایسا درد سر شروع ہوا کہ حواس باختہ ہو کر کتوں کی طرح بھونکنے لگتی۔ جب اسی حالت کرب میں کئی دن گزر گئے تو مکہ میں کوئی سیانا آیا جس نے بتایا کہ سر کو داغ دینے کے سوا اس درد کا کوئی علاج نہیں۔ ناچار اس پر آمادہ ہوئی چنانچہ داغ دیا گیا تو درد کو سکون ہوا۔ لیکن اس کے بعد درد کے دورے پڑنے لگے۔ اس عورت نے بالآخر حضرت خبابؓ رضی اللہ عنہ ہی کو داغنے پر متعین کیا چنانچہ وہ بھی گرم لوہے کی اُسی سلاخ سے اُسے داغ دیا کرتے جس کو وہ ان کے لیے استعمال کیا کرتی تھی۔ انجام کار اسی حالت زار میں نہنگ ہلاک کا لقمہ بن گئی۔

# فصل ۱۳۱ حضرت عمّارؓ کا ابتلاء اور اُن کے والدین کا حادثہ شہادت

حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین بھی بہت سے دوسرے عاشقانِ حق کی طرح انواع تعذیب میں گرفتار رہے۔ قریش حضرت عمّارؓ کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔ کبھی جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر پیٹتے کہ بیہوش ہو جاتے۔ جب ہوش میں آتے تو ان سے کہا جاتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیچھا چھوڑو گے یا نہیں؟ تو وہ کہتے کہ محمد علیہ السلام پر میری لاکھ جان قربان۔" تو وہ پھر مارنا شروع کر دیتے۔ حضرت عمّارؓ کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ محترمہ سُمیّہؓ تو ان سے بھی زیادہ مبتلائے مصائب تھے۔

ایک دفعہ اشقیائے قریش ان تینوں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر اور دھوپ میں ڈال کر پیٹ رہے تھے۔ اسی حالت میں حضور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپ غلبۂ اعدا کی وجہ سے ان کا شر دفع نہیں کر سکتے تھے اور مکہ میں کوئی حکومت و سلطنت بھی نہ تھی جو ان سفاکیوں کا سدِ باب کرتی۔ آپ نے اس دردناک نظارہ کو دیکھ کر فرمایا:۔ اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ (اے یاسر کے خاندان! صبر کرو، تمہارا مقام جنت میں ہے)

اس ایذا رسانی پر بھی اعدائے دین کے جذبۂ بہیمیت کو تسکین نہ ہوئی تو ابوجہل نے اپنی حماقت کے نشہ میں حضرت عمارؓ کی والدہ محترمہ کو جو سابقات اسلام میں تھیں نہایت وحشیانہ طریق پر برچھی مار کر روضۂ رضوان میں پہنچا دیا۔ لیکن ان کے آئینۂ دل سے توحید کا عکس کسی طرح زائل نہ کر سکا۔ اس کے بعد حضرت یاسرؓ کو بھی برچھا مار کر زمرۂ شہداء میں شامل کر دیا گیا (اسد الغابہ و مدارج)

ارباب شرک حضرت عمار کو مارتے پیٹتے اور بھوکا پیاسا رکھتے اور پانی میں غوطے دیتے تھے۔ ایک دفعہ اس قدر غوطے دیے کہ بالکل حواس باختہ ہو گئے۔ دوپہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے اور مطالبہ کرتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرو مگر زبان مبارک سے کلمۂ حق کے سوا کوئی بات نہ نکلتی۔ عالم ضعیفی میں جن لوگوں نے حضرت عمار کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی ان کا بیان ہے کہ اس وقت بھی کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں اور گرم بالو اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پشت مبارک پر موجود تھے (طبقات ابن سعد، اسد الغابہ)

## فصل ۱۱۳- حضرت صُہَیبؓ اور حضرت ابوفکیہہؓ کی مظلومی

حضرت صُہَیبؓ کے والد کا نام سنان تھا۔ سنان کسریٰ (شاہ ایران) کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے اور ان کا خاندان موصل میں بود و باش رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ روم کے نصاریٰ نے نواحِ موصل پر حملہ کیا اور بہت سے لوگوں کو قید کر کے لے گئے۔ ان قیدیوں میں صہیبؓ بھی داخل تھے جو ابھی کم سن تھے۔ انہوں نے سرزمین روم ہی میں پرورش پائی اس لیے رومی مشہور

ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ معظمہ لے آیا۔ یہاں عبداللہ بن جُدعان نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس اثنا میں آفتابِ نبوت مکہ کی چوٹیوں سے نمودار ہوا تو یہ اور حضرت عمار بن یاسرؓ ایک ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے (بخاری و مسلم) قریش حضرت صُہیبؓ کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹا دیتے تھے اور اس قدر مبتلاے الم کرتے کہ حواس مختل ہو جاتے تھے (بخاری)

### تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر پشتِ مبارک پر بوجھل پتھر رکھنا

حضرت ابو فکیہہؓ کا نام یسار تھا۔ نسباً ازدی تھے۔ ابتدا میں اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ دعوتِ اسلام کے اوائل میں ساقیِ کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ سے جُرعۂ توحید پیا۔ بے یار و مددگار غلام تھے اس لیے نہایت بُری طرح اُمیّہ بن خلف کے جور و ستم کا نشانہ بنے رہے۔ اُمیّہ کے خویش و اقارب بھی ان کو قبولِ اسلام کے "جرم" میں دردانگیز ایذائیں دیتے تھے۔ ٹھیک دوپہر کو تپتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پشتِ مبارک پر بوجھل پتھر رکھ دیتے تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور یہ سلسلۂ تعذیب اُس وقت تک قائم رہتا جب تک وہ بے ہوش نہ ہو جاتے۔

### بیڑیاں ڈال کر جلتی ہوئی ریت پر ڈالنا

ایک مرتبہ اُمیّہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹنے لگا اور انہیں جلتی ہوئی ریت پہ لا ڈالا۔ اُدھر سے اس کے بیٹے صفوان کا گزر ہوا۔ صفوان اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے بلکہ اعداے اسلام میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ صفوان نے حضرت ابو فکیہہؓ سے پوچھا کیا یہ (اُمیّہ) تیرے رب نہیں ہیں؟ لیکن ظاہر ہے کہ وہ زبان جو توحیدِ الٰہی کا اقرار کر چکی تھی وہ کسی انسان کی ربوبیت کے اعتراف سے کبھی آلودہ نہ ہو سکتی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرا رب تو اللہ تعالیٰ ہے جو جمیع کائنات کا خالق و رازق ہے۔" یہ سن کر صفوان نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے کہ دم نکل گیا۔

### حضرت ابو بکرؓ کا خرید کر آزاد کرنا

ابو فکیہہؓ کا بے درد بھائی بھی جو برادرانِ یوسفؑ سے زیادہ کینہ پرور تھا قریب ہی کھڑا دیکھ رہا تھا، بجائے اس کے کہ ان کو صفوان کے دستِ ستم سے بچاتا اس سنگ دل کو اس اذیت رسانی پر بھی تسکین نہ ہوئی۔ للکارا کہ ذرا اور زور سے تاکہ کسی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال چھوڑ دے۔ صفوان

نے حلقوم مبارک کو اور زور سے دبایا اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ کشتۂ ستم کی جان نکل گئی تو چھوڑ دیا لیکن زندگی کی رمق ابھی باقی تھی حسن اتفاق سے ستم رسیدہ غلاموں کے مربی و مولیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے۔ انہوں نے یہ ہولناک منظر دیکھا تو ان کو خرید کر آزاد کر دیا (اسد الغابہ)

قارئین کرام آیندہ صفحات پر پڑھیں گے کہ اُمیّہ بن خلف غزوۂ بدر میں ہلاک ہوا تھا اور اس کے بیٹے صفوان رضؓ کچھ مدت کے بعد مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لونڈی لُبَیْنَہ رضی اللہ عنہا بھی مظلومی میں دوسرے اسیران بلا سے کم نہ تھیں جب وہ دولت ایمان سے مالامال ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے جو ہنوز گوۓ ضلالت میں ٹھوکریں کھا رہے تھے ان کے خلاف زدوکوب کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کا معمول تھا کہ جب اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے محض اس وجہ سے چھوڑتا ہوں کہ تھک گیا ہوں۔ (اصابہ)

# فصل ۱۱۵۔ دُوسرے لونڈی غلام جنہیں حضرت صدّیق اکبر رضؓ نے آزاد کرایا

حضرت بلال رضؓ کی طرح سات اور کنیزیں اور غلام مبتلاۓ مصائب تھے جنہیں حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کے دست کرم نے فی سبیل اللہ نعمت آزادی سے ہمکنار کیا۔ ان میں ایک مظلوم حضرت عامر بن فُہَیْرَہ رضؓ تھے جنہیں ایک رطل (قریباً نصف سیر یا چالیس تولہ) سونے کے عوض یمن بن جذعان سے خرید کر آزاد کیا۔ حضرت عامر رضؓ ہجرت کے وقت مخدوم عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب تھے۔ واقعۂ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔

**بینائی کا عود کر آنا**

ازاں جملہ زنیرہ رضؓ تھیں جو اپنے بت پرست آقاؤں کی ایذا رسانیوں پر ہر وقت صبر کے گھونٹ پی رہی تھیں۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تو سوء اتفاق سے چند روز کے بعد ان کی بینائی جاتی رہی۔ اہل ملت نے طعنے دیے کہ لات[ع] اور عزّیٰ کا تصرف دیکھ لیا؟ انہوں نے کہا تمہارا خیال غلط ہے

---

[ع] دو بتوں کے نام ۱۲

جب لات اور عزیٰ کو اپنی ہستی تک کی خبر نہیں تو انہیں کسی کے نفع و ضرر کا کیا اختیار ہو سکتا ہے؟ ہر سود و زیان مالک الملک عز اسمہٗ کے دستِ اختیار میں ہے چنانچہ خدائے قدیر نے ان کے صدقِ نیت کی بدولت بہت جلد ان کی چشمِ بصارت کھول دی۔ رضی اللہ عنہا

انہی میں نہدیہؓ اور ان کی بیٹی جاریہؓ تھیں۔ یہ دونوں بنو عبد الدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ یہ عورت ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کو ہر وقت ستایا کرتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس کا علم ہوا تو عورت کے پاس گئے اور لونڈیاں فروخت کرنے کی سلسلہ جنبانی کی۔ اس نے بہت بڑھ چڑھ کر قیمت مانگی۔ انہوں نے اس کی مونہ مانگی قیمت دے کر ان کو خرید لیا اور ان کے پاس آ کر کہنے لگے کہ تمہیں مژدہ ہو کہ میں نے تم کو خرید کر آزاد کر دیا ہے۔ اٹھو چلو۔ وہ دونوں اس وقت آٹا پیس رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ یہ مروت سے بعید ہے کہ کام ادھورا چھوڑ جائیں"۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس جذبہ کی تحسین کی اور غلہ پیس کر ختم کرنے کی اجازت دی۔

اسی طرح زنیرہ نام بنو مومل کی ایک لونڈی بھی سعادت ایمان سے بہرہ ور ہوئی تھیں۔ حضرت عمرؓ اس وقت تک دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ اس لونڈی کو بھی قبولِ اسلام کی وجہ سے سخت اذیت دیا کرتے تھے۔ حضرت صدیقؓ کو ان ایذا رسانیوں کا علم ہوا تو اس کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ وہی زنیرہ ہیں جن کے قبولِ اسلام پر اعیانِ قریش کہا کرتے تھے کہ بھائیو! اگر دینِ اسلام میں کوئی بھلائی اور سچائی ہوتی تو ایک ذلیل باندی اس میں ہم جیسے شرفاء سے کیونکر سبقت لے جاتی۔ اس پر کتاب اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ط (۴۶: ۱۱)

اور منکر اہلِ ایمان کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر دین اسلام خیر و خوبی سے ہمکنار ہوتا تو یہ لوگ اس کے قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔

اسی طرح ایک لونڈی اُمِ عبیسؓ تھیں جو قبولِ اسلام کے "جرم" میں مبتلائے آلام تھیں۔ حضرت ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی بہت سی رقم خرچ کر کے نعمت آزادی سے ہمکنار کیا (اصابہ وغیرہ)

### حضرت ابو قحافہؓ کا مشورہ کہ تنومند غلاموں کو آزاد کرتے

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مال کا بیشتر حصہ لونڈی غلاموں کے آزاد کرانے میں صرف کر دیا تو ان کے والد حضرت ابو قحافہؓ کہنے لگے بیٹا! ایسے لوگوں کو آزاد کراتے

سے کیا فائدہ ہے؟ اگر چست و تنومند غلاموں کو آزاد کراتے تو وہ تمہارے احسان مند رہتے اور آڑے وقت میں کام آتے۔" حضرت صدیق ؓ نے فرمایا ابا جان! میں کسی دنیاوی نفع کی اُمید پر ان کو آزاد نہیں کرتا (مدارج النبوۃ)

الغرض دوست داران رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلومی کی یہ ایک مختصر سی روداد ہے جو قارئینِ کرام کی عبرت آموزی کے لیے پیش کی گئی۔ گو اس وقت طاقت و اقتدار کے نشہ نے ظالموں کی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور انہوں نے اہل ایمان کو اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا لیکن اہل حق کی یہی مظلومی تھی جو انجام کار اس خاک دان کے گرد و غبار سے نکل کر اُس فریاد سننے والے تک پہنچی جو تمام کائنات کے لیے آخری عدالت ہے۔

# فصل ۱۱۶۔ صحابہ کرام ؓ کی استقامت اور حواریانِ مسیح علیہ السلام

ظاہر ہے کہ قریش ان ظلم آرائیوں میں جو حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ سے باز رکھنے اور پیروانِ اُسوۂ محمدی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کو لباس ایمان سے عاری کرنے کی کوشش میں روا رکھی گئیں کسی طرح کامیاب نہ ہوئے۔ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال میں تو کسی ادنیٰ جنبش کا بھی امکان نہ تھا، آپ کا کوئی پیرو بھی ان زہرہ گداز ستم رانیوں سے گھبرا کر راہِ حق سے منحرف نہ ہوا۔ ہر ایک نے پوری ہمت اور اولوالعزمی کے ساتھ آخری لمحوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل و جان سے ساتھ دیا۔ اصل یہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیشہ کے لیے راہِ حق میں حائل نہیں رہ سکتی کیونکہ صداقت کو جس قدر زیادہ دبانے کی کوشش کی جائے وہ اسی قدر زیادہ قوت پکڑتی ہے اور حق دار پر چڑھ کر اور زیادہ سربلند ہوتا ہے۔ یقین ہے کہ دنیا کی تاریخ من حیث الجماعت ثبات و استقلال کی کوئی ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتی جن کے عملی نمونے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیش کیے۔

اور لطف یہ ہے کہ ان حضرات نے اُس وقت دعوتِ حق کو لبیک کہہ کر اپنے آپ کو امتحان کی کٹھالی میں ڈالا جب کہ بظاہر اس دعوت کی کامیابی کے کوئی آثار نہ تھے اور بادۂ توحید

کے متوالوں کی ایک نہایت مختصر سی جماعت کس مپرسی کے عالم میں اسیرِ پنجۂ جور و جفا تھی۔ ایک عیسائی مؤرخ اپالوجی گافرے ہگنس نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں سپاریوں اور قربانیوں کی نسبت لکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات نے اپنے پیرووں میں نشۂ دینی کی جو کیفیت پیدا کر دی اس کو حضرت مسیح (علیہ السلام) کے حواریوں میں تلاش کرنا عبث ہے۔ جب حضرت مسیحؑ کو سولی کی طرف لے گئے تو حواریوں کی دینی حرارت نابود ہو گئی اور وہ اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے برخلاف پیغمبر عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے پاس جمع ہوئے اور آپ کے تحفظ میں اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر آپ کو تمام دشمنوں پر غالب کر دیا (سیرۃ النبی)

حواریوں کے راہ فرار اختیار کرنے کا تذکرہ متی اور مرقس دونوں نے قلمبند کیا ہے چنانچہ لکھا ہے یسوع (مسیح علیہ السلام) نے بھیڑ سے کہا کیا تم تلواریں اور لاٹھیاں لے کر مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو؟ میں ہر روز ہیکل میں بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا۔ مگر یہ سب کچھ اس لیے ہوا ہے کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔ اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (متی ۲۶: ۵۶، مرقس ۱۴: ۵۱)

مگر یاد رہے کہ مسیح علیہ السلام کی نسبت عیسائی مؤرخ نے جو اظہارِ خیال کیا ہے اور متی اور مرقس نے جو کچھ لکھا ہے یہ سب آج کے عیسائی عقیدہ کے مطابق ہے۔ ورنہ اسلامی تعلیمات کے بموجب مسیح علیہ السلام کو کسی نے سولی پر نہیں چڑھایا بلکہ حق تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا کر اعداء کی گرفت سے بچا لیا اور حکام نے ان کی شبیہ کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ اس طرح فلک چہارم جنابِ مسیحؑ کا دار الہجرت قرار پایا۔

# فصل ۱۱۷۔ انتقام جوئی سے باز رہنے کا فرمانِ رسالت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مظلومی کے دردناک حالات و واقعات پڑھ کر دل میں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس خاموشی اور تسلیم و رضا کے ساتھ مظالم اعداء کا آماج کیوں بنے ہوئے تھے اور ظالموں سے بدلہ لینے کے لیے ان کی رگِ حمیت میں کیوں جنبش نہیں ہوتی تھی؟ حالانکہ اگر اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا تو دفعیۂ ظلم کچھ مشکل نہ تھا۔" اس کا جواب یہ ہے کہ

ایک تو حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنوز من جانب اللہ اعدا پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ دوسرے اسلام اس وقت بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ اگر مسلمان ابھی سے انتقام جوئی پر اتر آتے تو آیندہ چل کر شجر اسلام کو پنپنے اور سرسبز ہونے کا موقع نہ ملتا اس لیے ضبط و تحمل ہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔

چنانچہ مروی ہے کہ جن ایام میں جابرۂ قریش کی ستم آرائیوں کا طوفان پوری شدت سے مسلمانوں کے سروں پر اٹھ رہا تھا" حضرات عبدالرحمٰن بن عوف، مقداد بن اسود، سعد بن ابی وقاص، قدامہ بن مظعون وغیرہم رضوان اللہ علیہم نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یارسول اللہ! جب ہم بت پرست تھے تو سب ہمارا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور ہماری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن جب سے ہم نے دین حق کی پیروی اختیار کی ہے ہمیں سخت ایذائیں دی جاتی ہیں اور ہماری انتہا درجہ کی تحقیر ہوتی ہے۔ اس لیے اگر حکم ہو تو ہم بھی اشرار و معاندین سے نبٹ لیا کریں"۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہی حکم ہے کہ ان کی خطائیں کو معاف کر کے درگزر کروں۔ اس لیے تم لوگ صبر کرو اور کسی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اور جو کوئی زیادتی کرے اس کو معاف کر دو۔ غرض آپ نے کسی طرح انتقام کی اجازت نہ دی (نسائی)

# فصل ۱۱۸ ۔ غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی

جب دعوت اسلام ابھی ابتدائی منزل میں تھی اور بے کس مسلمان ہر وقت ستائے جا رہے تھے اس وقت ان حضرات کے سوا جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا کامل یقین تھا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس دعوت کو بھی کبھی فروغ نصیب ہوگا اور اسلام کا ننھا سا پودا جو بمشکل زمین سے نکلا ہے بہت جلد ایک تناور درخت بن جائے گا۔ ایسے نازک وقت میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غلبۂ اسلام کی سچی پیشین گوئی کی وہ آپ کے من جانب اللہ ہونے کے ہزاروں قطعی دلائل میں سے ایک قطعی دلیل ہے۔

### رفع مشکلات کے لیے دعا کی درخواست

حضرت خباب بن ارتؓ صحابیؓ جن کی مظلومی کا تذکرہ گزشتہ صفحات پر گزر چکا ہے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مشرکین مکہ نے ہم لوگوں کو بڑی بڑی ایذائیں دیں۔ اس وقت نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں سر مبارک کے نیچے چادر رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ ہم نے جا کر التماس کی یارسول اللہ! آپ دعا فرمائیے کہ ربّ قدیر مسلمانوں کی یہ مشکلیں رفع کر دے! چونکہ یہ عرض داشت کسی قدر عجلت پسندی سے ہم کنار تھی آپ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور اُٹھ کر فرمایا کہ تم سے پہلے بعض اہلِ ایمان کی استقامت کا یہ عالم تھا کہ زمین میں گڑھا کھود کر مومن کو اس میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر آرہ لا کر سر پر رکھا جاتا تھا اور چیر کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے لیکن یہ عذاب شدید اس کو راہِ دین سے نہیں پھیر سکتا تھا۔ اسی طرح کسی کے لیے لوہے کی کنگھی تیار کی جاتی تھی اور گوشت کے نیچے ہڈیوں اور پٹھوں پر چلا دی جاتی تھی لیکن یہ عذاب بھی اس کو دینِ حق سے منحرف نہیں کر سکتا تھا اور مجھے خدائے برتر کی قسم ہے کہ حق تعالیٰ دین اسلام کی تکمیل کرے گا اور اسے ایسا غلبہ عطا فرمائے گا کہ سوار صنعا سے حضرموت تک نہایت امن و سکون کے ساتھ سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو (بخاری)

### پیشین گوئی کا پورا ہونا

اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ اطمینان رکھو۔ عنقریب خدائے قادر و توانا ان مشکلوں کو رفع کر دے گا اور ابتلاء کے ایام رفت گزشت ہو جائیں گے چنانچہ یہ پیشین گوئی نہ صرف حرف بحرف پوری ہوئی بلکہ چند ہی سال کے اندر اسلام کا بول بالا ہو گیا اور کوئی متنفس ایسا نہ رہا جو اپنے لیے دینِ اسلام کی پیروی کو باعث صد فخر و مباہات نہ خیال کرتا ہو اور امن کی یہ حالت ہو گئی کہ ایک بڑھیا بھی ہاتھوں میں سونا اچھالتی ہوئی جاتی تھی تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوتا تھا۔

### صحابہؓ کی استقامت کے مستحکم قلعے

معلوم ہو کہ بخاری کی متذکرہ صدر حدیث میں جس مومن کا سر مبارک آرہ سے چیرے جانے کا ذکر ہے وہ یحییٰ علیہ السلام کے والد بزرگوار حضرت زکریا علیہ السلام تھے۔ یہاں آرہ اور آہنی کنگھی کی تمثیل سے دل میں خلجان پیدا ہوتا ہے کہ شاید اصحاب سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم صبر و استقامت میں مومنین سابقین سے کچھ کمتر تھے لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ ذرا غور کرو کہ دار کا تختہ ہو یا تلوار کی دھار، برچھی کی اَنی ہو یا بندوق کی گولی، لوہے کا آرہ ہو یا خاردار کنگھی، ان چیزوں کی تکلیف آنی اور عارضی ہوتی ہے۔ ان کے ذریعہ سے دو چار منٹ کے اندر مصیبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے لیکن اسلام کے ان مایۂ ناز نفوسِ مطہرہ کی استقامت کے قلعے مومنین سابقین کے صبر و استقلال کے دمدموں سے کسی طرح کم مضبوط نہ تھے جو سالہا سال انتہائی زہرہ گداز مصائب میں مبتلا رہے لیکن ان کی

شیفتگی حق کا نشہ کبھی رو بانحطاط نہ ہوا۔

## اصحاب کرام رضہ کی فداکاری اور شغف حق

یہاں استطراداً صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فدویت اور شیفتگی اسلام کے دو غیر معروف واقعات نمونتاً درج کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ان عاشقانِ حق و صدق کی کشتیِ ایمان کا لنگر کتنا مضبوط تھا۔ ہجرت کے بعد مضافات مدینہ کے چند افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو اس کے بعد ہی دفاع ملی کی خاطر مسلمانوں کو رزم و پیکار کی اجازت مل گئی اور ہر کلمہ گو پر شرکت غزا لازم ہوئی۔ لیکن یہ نومسلم جن کے لوح دل پر ایمان کے نقش ابھی پوری طرح مرتسم نہ ہوئے تھے گھروں میں بیٹھ رہے۔ اس وقت خدائے عزیز نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا۔

(۴ : ۶۶)

اور اگر ہم لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کر لو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جاؤ تو بجز قلیل التعداد کے اس حکم کو کوئی بجا نہ لاتا اور جو کچھ ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل پیرا ہوتے تو ان کے حق میں بہتر اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا تھا۔

## جان پر کھیل جانے کی آمادگی

ابن ابی حاتمؒ نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بارگاہ نبوی میں التماس کی یا رسول اللہ! اگر التماس ہو تو میں ہزار جان سے فدا ہونے اور خودکشی کرنے پر آمادہ ہوں"۔ آپ نے فرمایا ابوبکر! تم نے سچ کہا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا واللہ! اگر خدائے عزیز حکم دے تو ہم فوراً حکمِ جاں سپاری کی تعمیل کریں۔ لیکن الحمدللہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس قسم کا حکم نہیں دیا"۔ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاروق اعظمؓ کا یہ مقولہ سنا تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ جن کا ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ اس کے بعد حضرت صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ جان کا نذرانہ پیش کرنے کا حکم دے تو یہ بھی معاً امتثال امر پر آمادہ ہو جائیں۔

اسی طرح آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کہ حکم ہو تو یہ بھی

جانبازی سے دریغ نہ کریں گے"۔ اور امام حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بے شمار صحابہؓ نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر گزارش کی یا رسول اللہ! اگر حق تعالیٰ یہ حکم نازل کرے تو ہم بلا تامّل اس کی تعمیل کریں گے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کا ایمان پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے"۔

## خواصِ اُمّت کی قوتِ ایمانی

معلوم ہوگا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے تو آپ کے پیچھے بنو اسرائیل نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس شرک کی پاداش میں اسرائیلیوں کو حکم دیا تھا کہ اپنی اپنی جانوں کو ہلاک کرو تو تمہاری توبہ قبول ہوگی"۔ بنو اسرائیل کی ایک بڑی تعداد نے خودکشی کرلی۔ ایک مرتبہ جب مدینۂ منورہ کے ایک یہودی نے حضرات عبداللہ بن مسعود، ثابت بن قیس انصاری اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے اسرائیلیوں کی یہ سرگزشت بیان کر کے اس پر فخر کیا تو یہ تینوں حضرات فرمانے لگے کہ حق تعالیٰ ہمارے صدقِ نیت سے بخوبی واقف ہے۔ اگر سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں تو ہم فوراً جان پر کھیل جائیں گے"۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ مقولہ سنا تو فرمایا مجھے اسی ذاتِ برتر کی قسم! کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میری اُمت میں بہت لوگ ایسے ہیں جن کی قوتِ ایمانی پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مستحکم ہے

(روح المعانی وغیرہ)

## صحابۂ کرام کی فضیلت

معلوم ہو کہ خودکُشی اسلام میں قطعاً حرام اور اکبر الکبائر ہے۔ ہاں اگر خود مالک الملک جل شانہٗ ہی کبھی کسی گناہ کی پاداش میں یا مومنوں کے ایمان کا امتحان کرنے کے لیے خودکشی کا حکم دیتا تو پھر مامورین کے لیے فرض عین ہو جاتی۔ آیت مذکورہ میں ارشاد ہے کہ اگر ہم خودکشی یا ترکِ وطن کا حکم دیتے تو قلیل التعداد کے سوا کوئی شخص اس حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام اور بعض دوسرے مقبولانِ بارگاہ صمدیت عامۃ المسلمین کے مقابلہ میں قلیل التعداد ہیں۔ یوں تو مطیعین ہمیشہ کفّار و فسّاق کے کے مقابلہ میں کم رہے ہیں لیکن اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم امت کے دوسرے مومنین کاملین کے مقابلہ میں جو قیامت تک ہوں گے نسبتہً قلیل تھے۔

تربیت یافتگانِ رسولِ امین علیہ التحیۃ والسلام جو صدیقوں کا درجہ رکھتے ہیں ایسی منتخب ہستیاں تھیں کہ جب سے کائنات عالم وجود میں آئی، بادیہ گیتی نے انبیا علیہم السلام کے سوا ان کی برابر کوئی

راسخ الایمان جماعت پیدا نہیں کی جس طرح نبیوں میں حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خیر الانبیاء تھے، اسی طرح اُمتوں میں آپ کے اصحاب خیر الامم تھے۔ باقی یہود و نصاریٰ سو وہ خودکشی کے احکام کی تعمیل تو کیا کریں گے اگر وہ اطاعتِ رسولؐ ہی کو بجان و دل قبول کریں تو نجات پا سکتے ہیں۔ لیکن اسلاف پر فخر کرنا اور پدرم سلطان بود کی رٹ لگانا قطعاً بے سود ہے۔

## حضرت عبداللہ سہمیؓ کا جذبہ جان نثاری

اب ایک اور صحابی کا جان فروشانہ جذبۂ صادقہ ملاحظہ ہو:۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ جو ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ شاہِ ایران کے پاس لے گئے تھے اتفاق سے ایک معرکہ میں رومی عیسائیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ عیسائیوں کا معمول تھا کہ جو مسلمان بھی ملتا اس کو قبولِ مسیحیت کی ترغیب دیتے۔ جب وہ انکار کرتا تو موت کی دھمکی دیتے۔ اگر اس پر بھی نہ مانتا اور ارتداد پر موت کو ترجیح دیتا تو اُس عاشقِ حق کو تانبے کی ایک عظیم الجثہ گائے کے شکم میں جس کے نیچے آگ جلتی رہتی تھی اور اس میں روغنِ زیتون کھولتا رہتا تھا اُٹھا کر بے دریغ ڈال دیتے۔ نصاریٰ نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے سامنے بھی اپنا دین پیش کر کے کہا کہ اگر قبول نہیں کرو گے تو تم کو گائے کی نذر کر دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہؓ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ بھلا موت سے ڈر کر حق و صدق کی حبلِ متین کو ہاتھ سے کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔ انہوں نے قبولِ مسیحیت سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ سچا دین چھوڑ کر مسیحیت قبول کر وں۔ نصاریٰ نے حضرت عبداللہؓ کی عبرت پذیری کے لیے ایک دوسرے مسلمان قیدی کو بلا کر عیسویت کی دعوت دی۔ اور جب اس نے انکار کیا تو اس کو زیتون کے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ وہ کشتۂ حق آناً فاناً جل بھُن کر کوئلہ بن گیا۔

## ہر موئے بدن میں جان ہونے کی آرزو

یہ ہولناک منظر دکھا کر اعیانِ نصاریٰ بولے اگر مسیحیت قبول نہیں کرتے تو تمہارا بھی یہی حشر ہو گا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہؓ اشکبار ہو گئے۔ رومیوں نے کہا آخر موت سے ڈر کر رونے لگے کیوں مسیحیت قبول نہیں کر لیتے؟ فرمایا میں اپنے انجام پر نہیں روتا کیونکہ موت تو مومن کا تحفہ ہے بلکہ میری آنکھیں اپنی کم مایگی پر اشکبار ہیں کہ صرف ایک جان راہِ خدا میں کام آئے گی۔ کاش ایک جان کی جگہ میرے ہر موئے بدن میں ایک ایک مستقل جان ہوتی اور وہ سب جانیں فی سبیل اللہ قربان ہوتیں۔" یہ قوتِ ایمانی دیکھ کر نصاریٰ دنگ رہ گئے اور اس شرط پر ہی رہائی دینے کے لیے آمادہ ہوئے

کہ ان کے فرماں روا شاہ روم کی پیشانی کو بوسہ دیں"۔ لیکن اس پرستارِ حق کا لب مبارک ایک صلیب پرست کی بوسہ ستانی سے آلودہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس سے بھی انکار کر دیا۔ جب عیسائی حاکم نے دیکھا کہ اس پر بھی آمادہ نہیں ہیں تو مال و دولت اور حُسن و رعنائی کے بتیرے سبز باغ دکھائے۔ انہوں نے ان دل فریبیوں کو بھی نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔

آخر عیسائی حاکم نے کہا کہ اگر میری پیشانی کو چوم لو تو تمام مسلمان قیدی جو تعداد میں اسّی ہیں رہا کر دیے جائیں گے۔ ایک صحابی کے لیے مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ عزیز اور کون چیز ہو سکتی تھی، جھٹ اس پر آمادہ ہو گئے اور ایک بوسہ کے عوض میں اسّی مسلمانوں کی قیمتی جانیں بچا لیں۔ جب یہ رہا ہو کر مدینۃ الرسول واپس آئے اور مسلمانوں کو ان کی یہ سرگزشت معلوم ہوئی تو خلافت مآب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرطِ مسرت سے ان کی پیشانی مبارک چوم لی۔ مدینہ منورہ میں جب بعض صحابہ رض حضرت عبداللہ بن حذافہ رض سے مزاحاً کہا کرتے کہ تم نے ایک بے دین کی پیشانی کو بوسہ دیا تو یہ مسکرا کر جواب دیتے کہ ہاں چوما لیکن اپنی جان کی خاطر نہیں بلکہ اس کے بدلے میں اسّی مسلمانوں کی عزیز جانیں بچ گئیں (اُسد الغابہ)

## مسلمانوں کی فارغ البالی اور ترفُّہ کی پیشین گوئی

غلبۂ اسلام کے متعلق حضرت خباب بن اُرتؓ رضی اللہ عنہ کی روایت اوپر درج ہو چکی ہے۔ یہاں مسلمانوں کے تنعم اور ترفہ کی نسبت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور پیشین گوئی بھی درج کی جاتی ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ مجلس نبوی میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کے بدن پر جو چادر تھی اس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ چونکہ حضرت مُصعبؓ بن عُمیر بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے اور قبول اسلام سے پہلے بڑی آسودگی کی زندگی گزاری تھی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور حاضرین سے فرمایا اُس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم میں سے بعض صبح کو ایک لباس میں نکلیں گے اور شام کو دوسری پوشاک میں برآمد ہوں گے۔ تمہارے سامنے کھانے کا ایک شغرہ رکھا جائے گا اور دوسرا اُٹھایا جائے گا۔ اور تم (دیوار گیریوں سے) اپنے گھروں کو اس طرح ڈھانکو گے جس طرح کعبہ کو غلاف چڑھایا جاتا ہے"۔ صحابہ رض نے التماس کی یا رسول اللہ! جب ہمیں اس درجہ کی آسودگی نصیب ہو گی تو موجودہ حالت سے بہتر اور خوشحال ہوں گے کیونکہ جب ہم کسب معاش اور خانگی دھندوں کی طرف سے مطمئن

ہوں گے تو عبادت الٰہی کے لیے فارغ ہو جائیں گے۔ فرمایا نہیں تم آسودگی اور فارغ البالی کے اُن ایام کی نسبت موجودہ حالت میں اچھے ہو (ترمذی)

حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی خلافت فاروقی و عثمانی میں اور اس کے بعد اُموی و عباسی فرماں روائیوں میں مدت مدید تک حرف بحرف پوری ہوتی رہی جیسا کہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں ہے۔

## حکومت اور خلافت اسلامیہ کا خدائی وعدہ

بخاری اور ترمذی کی مرویات جو اوپر درج ہوئیں حضرت صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشین گوئیوں پر مشتمل تھیں۔ خود ذات رب العالمین جل شانہٗ نے بھی اپنے مومن بندوں سے ایسے پر آشوب دور میں جبکہ مکہ مکرمہ میں اعدائے ملت کی چیرہ دستیوں کا طوفان امنڈ رہا تھا نہ صرف امن و عافیت کا یقین دلایا بلکہ حکومت و خلافت کا بھی وعدہ فرمایا جو تھوڑی ہی مدت میں پایۂ تکمیل و ایفا کو پہنچ گیا۔ چنانچہ حضرت اُبَیّ بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مکہ معظمہ میں دین کا کوئی کام علانیۃً اور کھلم کھلا نہیں ہو سکتا تھا۔ بُت پرستوں نے اہلِ ایمان کو اتنا ستایا کہ آخر مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے۔ ہجرت کے بعد فتح مکہ تک مدینہ منورہ میں بھی مسلمان مامون نہ تھے۔ یہاں بھی وہی خوف اور دہشت کا دَور دورہ تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رات دن کمربستہ اور ہتھیار بند رہتے تھے۔ انہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ نہیں معلوم کس طرف سے کوئی غنیم چڑھ آئے۔ بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کبھی یہ خوف و ہراس دور ہو کر مسلمانوں کو چین سے بیٹھنا بھی نصیب ہوگا؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ

اے امت محمدی! حق تعالیٰ تمہاری جماعت کے ان لوگوں سے جو ایمان لا کر اعمالِ خیر کرتے ہیں وعدہ فرماتا ہے کہ انہیں زمین پر اسی طرح حکومت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے (ہدایت یافتہ) لوگوں کو عطا کی تھی اور جس دین (حق) کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو تقویت دے گا اور ان کے موجودہ خوف و ہراس کو امن و عافیت سے بدل دے گا بشرطیکہ میری عبادت

(۲۴: ۵۵) | کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔

اور مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر وہ اسلام پر قائم رہیں گے اور شریعتِ حقّہ کی پیروی کریں گے تو خدائے برتر نہ صرف انہیں امن وامان بخشے گا بلکہ حکومت و جہاں بانی سے بھی سرفراز فرمائیگا۔" (ابن کثیر)

چنانچہ چند ہی سال میں یہ وعدۂ خداوندی حرف بحرف پورا ہؤا اور زمانہ نے دیکھ لیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دینی اور دنیوی دونوں برکتیں لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے اہلِ ایمان کو نہ صرف آسمانی بادشاہت کا مژدہ سنایا بلکہ انہیں دُنیوی فرمانفرمائی کی دولت سے بھی مالا مال کیا تاکہ بسیط ارض پر آسمانی بادشاہت قائم ہو اور اس احکم الحاکمین کی بندگی بے خوف وخطر بجالائی جاسکے۔

# فصل ۱۱۹۔ قریش کی طرف سے راہِ تبلیغ میں مزاحمت

قریش کے آدمی ایک ایک دو دو کر کے برابر حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور یہ ایسی چیز تھی جو ہر بُت پرست کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی۔

جب قریش نے محسوس کیا کہ ان کا آبائی مذہب خطرہ میں ہے اور لوگوں کو اسلام سے باز رکھنے کی کوئی کوشش اب تک سرسبز نہیں ہوئی تو اب وہ پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ اپنے دستی معبُودوں (بتوں) کی حفاظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کے آبائی معبُود ان کی حفاظت اور مدد کرتے اُلٹی انہیں ان کی امداد اور حفاظت کرنی پڑی۔

اس سلسلہ میں انہوں نے ارادہ کیا کہ اشاعتِ اسلام کو جبراً روک دیا جائے اور تبلیغ کے تمام وسائل وذرائع مسدود کر دیے جائیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے فیصلہ کیا کہ نہ تو کسی مسلمان کو بر سرِ عام تقریر کرنے دیں اور نہ کلمۂ شہادت اور قرآن پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ اس کے لیے انہوں نے اس درجہ تشدد کیا کہ اگر اسلامی جوش اور ایمانی وارفتگی کی قوت قلبِ مومن میں جاگیر نہ ہوتی تو ایک مسلمان بھی اسلام پر ثابت قدم نہ رہ سکتا۔

# فصل ۱۲۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن خوانی کی سزا

جن ایام میں مکہ معظمہ کے اندر دعوتِ توحید کا غلغلہ بلند ہوا، عبداللہ بن مسعودؓ مشہور عدوئے اسلام عُقبہ بن ابی مُعیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس و ہمدم جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُس طرف سے گزرے جہاں عبداللہ بکریاں چرا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا میاں لڑکے! کچھ دودھ پلا سکتے ہو؟ عبداللہ بن مسعودؓ جو ابھی نابالغ یا قریب البلوغ تھے کہنے لگے جناب والا! اگر یہ بکریاں میری اپنی ہوتیں تو ضرور پلا دیتا۔ ان کا مالک فلاں شخص ہے"۔

## بے شیر بکری کے تھنوں کا دودھ سے بھر جانا

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیے ہوں؟ عرض کی ہاں لیکن آپ ایسی بکری کو کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا تم لاؤ تو"۔ ابن مسعودؓ نے ایک بکری پیش کی۔ آپ نے تھن پر ہاتھ رکھ کر دعا کی۔ معاً تھن دودھ سے بھر گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس بکری کا دودھ دوہا۔ اتنا دودھ نکلا کہ تینوں نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ (تاریخ ابن جریر طبری و اسد الغابہ)

ابو داؤد طیالسی، ابن سعد، ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ابو نعیم کی روایت میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نو عمر لڑکا تھا اور مکہ مکرمہ میں عقبہ بن ابی مُعیط کی بکریوں کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے! تمہارے پاس دودھ ہے تو ہمیں پلا دو"۔ میں نے گزارش کی کہ بکریاں دوسرے شخص کی ہیں میں تو فقط نگہبان ہوں"۔ دونوں نے فرمایا تمہارے پاس کوئی ایسی چھوٹی بکری بھی ہے جو اب تک گابھن نہ ہوئی ہو؟ میں نے کہا ہاں مگر اس کو لے کر کیا کرو گے؟ آپ نے فرمایا کہ تم لاؤ تو"۔ میں ایک چھوٹی بکری ان کے پاس لے آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کو پکڑا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھن پکڑ کر ان پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔ معاً تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ نے اس بکری کا دودھ نکالا اور دونوں نے نوش

فرمایا۔ اس کے بعد مجھ کو پلایا۔ پھر آپ نے تھنوں کو حکم دیا کہ حسبِ سابق سکڑ جاؤ۔ وہ فی الفور پہلی حالت پر آ گئے۔

## حضرت ابن مسعودؓ کا مشرف بایمان ہونا

اس کرشمۂ قدرت نے عبداللہؓ کے کشت زارِ دل میں اسلام کا تخمِ محبت بو دیا اور یقین ہو گیا کہ یہ کوئی واجب الاتباع بزرگ ترین ہستی ہے۔ اس کے بعد پتہ دریافت کر کے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ کا کلام سن کر اور بھی والہ وشیفتہ ہو گئے۔ اور معاً التماس کی کہ مجھے بھی اپنی جماعت میں شامل فرما لیجیے"۔ آپ نے اس درخواست کو شرفِ قبول بخشا۔ عبداللہؓ شاہراہِ ہدایت کا نشان پا کر مشرف بایمان ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی تعلیم شروع کی۔ یہ وہ ابتدائی زمانہ تھا جبکہ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نے آج تک علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ قرآن خوانی کی جرأت نہ کی تھی۔

## جناب عبداللہؓ کا جوشِ ایمانی

ایک دن صحابہ رضوان اللہ علیہم نے جو شمعِ نبوت پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے باہم مشورہ کیا کہ قریشِ مکہ کے کان آج تک قرآن سے آشنا نہیں ہوئے۔ کوئی ایسی صورت ہو کہ شہر کے غیر مسلم رؤسا کو قرآن باآواز بلند پڑھ کر سنایا جائے لیکن ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی درپیش تھا کہ اس پُرخطر وادی کو کون قطع کرے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہنے لگے اس خدمت کے لیے بندہ حاضر ہے۔ صحابہؓ نے کہا کہ یہ راستہ بڑا سنگلاخ ہے۔ اس عزم کے لیے تو کوئی ایسا شخص چاہیے جس کا خاندان بڑا وسیع ہو اور وہ اپنے خاندان کی حمایت میں قریش کے دستِ ستم سے محفوظ رہے"۔ لیکن عبداللہؓ کے جوشِ ایمانی کو بھلا کہاں قرار تھا۔ بولے مجھے جانے دو۔ مالک الملک کو جو منظور ہے وہی ہو گا۔

## مار پیٹ سے لہولہان

غرض دوسرے دن جب تمام رؤسائے مکہ مسجدِ حرام میں انجمن آرا تھے اس شیفتۂ اسلامؓ نے ایک طرف کھڑے ہو کر قرآن خوانی شروع کر دی۔ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کیا پڑھ رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اُس کی تلاوت کرتا ہے"۔ وہاں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو آنحضرتؐ کا دشمن یا دعوتِ اسلامؓ سے متنفر نہ ہو۔ یہ سننا تھا کہ تمام مجمع مشتعل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ رُخِ انور ورم کر آیا اور بالکل لہولہان ہو گئے

لیکن کمال ایمانی کا یہ عالم تھا کہ دشمن مارے جاتے تھے اور یہ برابر معروف تلاوت تھے۔ ان کی زبان اُس وقت تک بند نہ ہوئی جب تک کہ خود قرآن کی سورت ہی ختم نہ ہو گئی۔

جب خستگی اور شکستہ حالی کے ساتھ واپس آئے تو صحابہؓ نے کہا ہم اسی خوف سے تمہیں جانے سے روکتے تھے"۔ حضرت عبداللہ بولے واللہ! میری نظر میں دشمنانِ خدا آج سے زیادہ ذلیل کبھی نہیں ہوئے اور میں کل پھر اُن کے مجمع میں جا کر قرآن حکیم کی تلاوت کروں گا۔ جان نثارِ رسالت نے فرمایا بس جانے دو اسی قدر کافی ہے کیونکہ جس کلام کا سننا انہیں ناگوارِ خاطر تھا تم نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا (تاریخ طبری و اسد الغابہ)

# فصل ۱۲۱۔ آقائے دوجہاںؐ کو کلید بردار کا کعبہ میں داخل ہونے سے روکنا

کعبۂ معلیٰ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ عبدری بھی مخالفینِ رسالت کے زمرہ میں داخل تھے اہلِ مکہ کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے دوشنبہ اور پنج شنبہ کو دو دن بیت اللہ کا دروازہ کھولا جاتا تھا اور عقیدت شعار لوگ اندر داخل ہونے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کے ساتھ اندر جانے کا قصد فرمایا لیکن عثمان بن طلحہ نے یہ کہہ کر اندر جانے سے روک دیا کہ تم اپنی قوم کے دین و ملت سے برگشتہ ہو گئے ہو اس لیے تمہیں داخلہ کی اجازت نہیں مل سکتی۔ آپ نے بہت کچھ کہا اور ہر طرح سے سمجھایا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور آپ کو کسی طرح داخلہ کی اجازت نہ دی۔

### کلیدِ کعبہ کی نسبت مخبرِ صادقؐ کی پیشگوئی

آپ نے صبر کا گھونٹ پی کر فرمایا عثمان! آج تم مجھے بیت اللہ میں قدم رکھنے سے روکتے ہو لیکن ان شاء اللہ العزیز ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب اس کی کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا اور جس سے چاہوں گا روک لوں گا! عثمان نے تیور بدل کر سخت نفرت اور عداوت کے لہجہ میں جواب دیا کہ کیا قریش اُس وقت ایسے ہی ذلیل و درماندہ ہو جائیں گے کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی؛ خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ

نہیں اُس وقت قریش کو عزت و رفعت نصیب ہو گی (ابن سعد)

اس کے کچھ مدت بعد داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے تلخ لہجہ میں جواب دیا محمدؐ! مجھے تمہاری حالت پر سخت حیرت اور افسوس ہے کہ خود تو تم نے اپنے قومی دین کی مخالفت میں ایک نیا مذہب اختراع کر لیا ہے اور اس کے باوجود مجھ جیسے عزیز آدمی سے امید رکھتے ہو کہ میں تمہاری متابعت اختیار کر لوں گا (ابن سعد)

### کلید بردار دائرۂ اسلام میں

لیکن تقدیر کھڑی ہنس رہی تھی کہ آج جس مذہب کی متابعت باعث ننگ و عار ہے، کل کو اسی کی چاکری تمہارے لیے مایۂ صد ناز و افتخار ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے معاہدۂ حُدَیبیہ کے بعد ۸ھ ہجری میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی رفاقت میں مدینۃ الرسول کو ہجرت کی اور سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر کے سعادتِ دارین سے بہرہ مند ہوئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ان سے جس کرم گستری اور دریا دلی کا سلوک کیا، وہ بھی آپ کی صداقت اور شانِ رحمت کی ایک درخشاں مثال ہے۔

فتح مکہ کے بعد ایک دن سیدِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۂ معلّیٰ میں داخل ہونے کا قصد فرمایا۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے گھر جا کر ماں سے کنجی طلب کی۔ ماں نے جو ہنوز شرفِ ایمان سے بہرہ مند نہ ہوئی تھی بلکہ اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سخت بغض رکھتی تھی دینے سے انکار کیا۔ بہت منت سماجت کی اور بہتیرا سمجھایا لیکن کم عقل بڑھیا کسی طرح راضی نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ تنگ آ کر بولے ماں! بہتر ہے کہ چابی دے دے ورنہ خدا کی قسم! یہ تلوار پیٹھ میں اتار دوں گا۔" ماں نے مرعوب ہو کر کنجی دے دی۔ غرض حضرت عثمانؓ کنجی لے کر آئے اور سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دی۔

### چودہ سال کے بعد پیش گوئی کا پورا ہونا

آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ جب باہر تشریف لائے تو آپ کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! حاجیوں کا سقایہ (پانی پلانے کا انتظام) مجھ سے متعلق ہے۔ بیت اللہ کی کنجی بھی مجھے عنایت ہو۔" اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی یا رسول اللہ! اگر کلید برداری کا شرف مجھے بخشا جائے تو بڑی نوازش

ہو گی"۔ یہ دونوں درخواستیں دیکھ کر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اب کنجی واپس نہ ملے گی۔ لیکن آپ نے اپنے چچا اور ابن عم زاد کی درخواستوں کا کوئی جواب نہ دیا اور کنجی حضرت عثمان بن طلحہؓ کے حوالے کر دی اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی قریباً چودہ سال کے بعد پوری ہوئی کہ ان شاء اللہ العزیز ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا اور جس سے چاہوں گا' روک لوں گا۔"

آپ نے حضرت عثمان رضؓ کو چابی دیتے وقت فرمایا تھا لو! یہ ہمیشہ کے لیے لو۔ ظالم کے سوا تم سے کبھی کوئی نہ لے گا۔" اس ارشاد کے بموجب خانۂ خدا کی کلید حضرت عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں اب تک چلی آتی ہے (طبقات ابن سعد واستیعاب)۔ حضرت عثمان بن طلحہؓ اس وقت تک مدینہ طیبہ میں رہے جب تک سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم رحلت گزین عالم جاوداں نہ ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد فرائض کلید برداری کے انصرام کی خاطر پھر مکہ معظمہ چلے آئے اور اسی جگہ ۴۲ھ میں وفات پائی (استیعاب)

# فصل ۱۲۲۔ قرآن کی حفاظت اور اس کے جمع کیے جانے کا وعدۂ خداوندی

سورۂ قیامہ کی آیات ۱۶ - ۱۹ کے الفاظ یہ ہیں:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝

(اے پیغمبرؐ) وحی کے جلد یاد کرنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کیجیے۔ قرآن کا جمع کرنا اور پڑھا دینا بلاشبہ ہمارے ذمہ ہے۔ پھر جب ہم (جبریلؑ کے ذریعہ سے) قرآن پڑھ چکا کریں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کریں۔ پھر اس کا بیان کرنا اور سمجھا دینا بھی ہمارے ذمّہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضؓ نے ان آیتوں کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اور لب مبارک جلد جلد ہلاتے اور کلام وحی کو بعجلت پڑھنے کی کوشش فرماتے۔ اس لیے حق سبحانہٗ نے فرمان بھیجا کہ اے ہمارے رسولؐ! زبان نہ ہلاؤ اور

جلد پڑھنے کی کوشش نہ کرو بلکہ پہلے اس کو اچھی طرح سن لو اور پھر پڑھو۔ ہم اسے تمہارے سینے میں جمع کر دیں گے چنانچہ اس کے بعد جب وحی نازل ہوتی تو آپ پہلے اس کو غور سے سن لیتے پھر جبریلؑ کے جانے کے بعد بجنسہ آیتِ کریمہ پڑھ کر سناتے (بخاری)

### بقول شاہ ولی اللہؒ تفسیر ابن عباسؓ میں تسامحُ ہے

لیکن شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس تفسیر میں تسامحُ ہے۔ وہ یہ کہ آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید کو جمع کر دینا، پڑھوا دینا اور اس کو واضح کر دینا تین امور بیان فرمائے ہیں۔ ان تینوں باتوں کو قریب قریب ایک ہی معنیٰ میں لینا کسی قدر بعید معلوم ہوتا ہے خصوصاً اس لیے کہ آیت ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ میں لفظ ثُمَّ (پھر) آیا ہے اور لفظ ثُمَّ تراخیٔ تاخیر کے لیے آتا ہے۔ پس آیت کے موزون و مناسب معنیٰ یہ ہیں کہ جمع قرآن سے اس کے مصاحف میں جمع کیے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پیغمبر! ہم آپ کی امت کو توفیق دیں گے کہ وہ کلام وحی کو مصاحف میں جمع کر لے گی اور افرادِ امت اس درجہ اس کی تلاوت کیا کریں گے کہ قیامت تک سلسلۂ تواتر نہ ٹوٹنے پائے گا۔ سو اے ہمارے رسول! آپ اس کی فکر نہ کیجیے کہ قرآن مجید آپ کے دل سے فراموش ہو جائے گا اور نہ اس کے لیے کچھ مشقت اٹھائیے۔"

### آنحضرتؐ کو حفظ قرآن میں کوئی مشقت نہیں اُٹھانی پڑتی تھی

اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک معجزہ تھا کہ جس طرح عامۂ مسلمین قرآن مجید کے یاد کرنے میں محنت و مشقت اُٹھاتے ہیں حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ محنت و صعوبت نہیں اٹھانی پڑتی تھی بلکہ بمجرد تبلیغ جبریل علیہ السلام قرآن آپ کے ذہن میں محفوظ ہو جاتا تھا اور آپ کو اس کی نسبت کسی فکر و تردد کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اسی کی نسبت ایزدِ متعال فرماتا ہے کہ اسے یادداشت میں لانے کی فکر نہ کیجیے۔ اس کا آپ کی یادداشت میں لانا ہمارے ذمہ ہے۔ آپ صرف بوقتِ نزول اسے بغور سن لیا کریں۔

اور فرمایا کہ اے ہمارے رسول! آپ بعد نزول صرف ان امور کی طرف اپنی توجہ معطوف رکھیے جو کلام الٰہی کی تبلیغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ہم ہر زمانہ میں اس کی شرح اور اسبابِ نزول کو واضح کرتے رہیں گے جس سے علمائے امت اس کے مصداق کو بیان کریں گے

اور یہ وہ باتیں ہیں جو آیندہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ سوائے ہمارے رسول! آپ ان کے لیے کوشش نہ کیجیے"۔

### حفظِ قرآن کا وعدہ کس صورت میں پورا ہوا؟

چونکہ قرآن حکیم میں بعض آیتیں متشابہات اور بعض آیات انہی متشابہات کی مبیّن ہیں اور خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن حکیم کے مبیّن و مفسّر تھے تو اس اصول کے ماتحت آیۂ کریمہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ آیہ کریمہ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (پھر ہم قرآن کے محافظ ہیں) کی مفسّر ہوئی۔ پس وعدۂ حفظِ قرآن حق تھا اور وہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ مسلمانوں نے اس کو مصاحف میں جمع کیا اور مشرق سے مغرب تک جس قدر مسلمان ہیں ہمیشہ شب و روز اس کی تلاوت اور اس کے حفظ کرنے میں مشغول ہیں اور ہمیشہ مشغول رہیں گے

معلوم ہو کہ سب سے پہلے حضرت اُبیّ بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید یاد کرنا شروع کیا اور سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے تفسیر نویسی کا آغاز کیا۔ اس سے پیشتر حضرات شیخین یعنی امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کو مصاحف میں جمع کیا اور وہی حفاظت قرآن کی صورت ہوئی۔ خدائے قدوس نے اسی کا اپنے اوپر ذمہ لیا تھا۔ پس وعدۂ الٰہی کا ایفا، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک ہاتھوں سے انجام پایا۔

# فصل ۱۲۳۔ قرآن کا سا پاکیزہ اور ہدایت آموز کلام پیش کرنے کی دعوتِ عام

قرآن معلوم و نا معلوم تمام کتب سماویہ کا جامع اور سب کا ناسخ ہے۔ اب اس کے سوا کوئی کتاب مستقل صورت میں جائز العمل نہیں۔ قرآن کا دَور اختتام دنیا تک ہے اس لیے اس کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب نازل نہیں ہوگی۔ قرآن اُترتے ہی تحریراً اور زبانی حفظ دونوں طرح سے محفوظ کر لیا جاتا تھا۔ عہدِ رسالت میں سارا قرآن قلمبند ہو چکا تھا گو ایک جگہ بین الدفتین جمع نہ تھا اور اس کے اجزاء کی ذہنی ترتیب مرتب و مدوّن ہو چکی تھی البتہ صوری تدوین خلافت راشدہ

میں عمل پذیر ہوئی۔

### قرآن کی سہ گانہ تدوین

علمی حلقوں میں عام طور پر مشہور ہے کہ قرآن صرف ایک مرتبہ عہد صدیقی میں مدون ہوا تھا لیکن حاکم محدثؒ کے نزدیک قرآن تین مرتبہ جمع کیا گیا تھا۔ حسب روایت حاکم حضرت زید بن ثابت انصاریؓ نے فرمایا ہے کہ ہم عہد نبوی میں کاغذ کے پرزوں پر قرآن تالیف کیا کرتے تھے۔ بیہقیؒ کے نزدیک تالیف سے شاید یہ مراد ہو کہ جو آیتیں نازل ہوتی تھیں اس کی نسبت کاتبان وحی حضرت فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ ان آیتوں کو کس سورت کے ذیل میں درج کیا جائے۔

قرآن دوسری مرتبہ عہد صدیقی میں مدون ہوا جس کی یہ تقریب پیدا ہوئی کہ جب جنگ یمامہ میں کثیر التعداد قاریوں نے جرعۂ شہادت پی لیا تو حضرت خلافت مآبؓ نے اس احتمال پر کہ مبادا قرآن کا کوئی حصہ تلف ہو جائے بالہام ربانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صلاح و صواب دید سے فیصلہ کیا کہ قرآن کے تمام منتشر اجزاء کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے چنانچہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کو یہ خدمت تفویض ہوئی اور ان کی مساعیٔ جمیلہ سے یہ کام نہایت خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ حضرت زیدؓ کے جمع کیے ہوئے صحیفے دم واپسیں تک حضرت صدیق اکبرؓ کی تحویل میں رہے۔ ان کی رحلت کے بعد یہ صحائف حضرت عمرؓ کی نگرانی میں تھے اور جب حضرت عمرؓ دنیا سے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہہ کر رحمت الٰہی کے جوار میں چلے گئے تو ان کی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان کی نگران رہیں (بخاری)

### قرآن کی تیسری تدوین

تیسری مرتبہ خلافت عثمانی میں قرآن کی تدوین ہوئی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربیجان کے معرکوں کے لیے فوجی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس وقت وہاں قرارت سبعہ کے اختلاف کی بنا پر لوگوں میں بہت کچھ نزاع و مخاصمت برپا تھی۔ حضرت حذیفہؓ وہاں سے فراغت پا کر مدینہ منورہ آئے تو حضرت عثمان ذوالنورینؓ سے ملاقات کر کے وہاں کی صورت حال ان کے گوش گزار کی اور عرض پیرا ہوئے امیر المومنین! اس سے پیشتر کہ لوگ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں تحریف و تبدیل کرنے لگیں۔ آپ اس نزاع کا سدباب فرما دیجیے" امیر المومنین حضرت عثمانؓ اس بیان سے بہت متاثر ہوئے اور جلد سے جلد اس کا تدارک کرنا چاہا۔ چنانچہ فی الفور اُمّ المومنین

حضرت حفصہ رضؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ وہ تمام صحیفے بھیج دیجیے جو آپ کے پاس رکھے ہیں تاکہ ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے اصل نسخے آپ کو واپس بھیج دیں۔

### صحیفے اور مصحف کا فرق

صحیفے وہ اوراق تھے جن پر عہد صدیقی میں قرآن لکھا جاتا رہا۔ ہر سورت اپنی آیتوں کے ساتھ دوسری سورت سے جداگانہ اور الگ کاغذ پر مسطور تھی۔ کوئی سورت کسی دوسری سے مقدم یا مؤخر نہ تھی۔ لیکن جب ان کو نقل کرتے وقت ایک دوسری سے آگے پیچھے رکھا گیا تو اس مجموعہ کو مصحف کہنے لگے۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ کی خواہش کے بموجب اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے تمام صحیفے امیر المومنین کے پاس بھیج دیے اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ، سعید بن عاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ ان کی نقلیں شروع کریں۔ ان چاروں میں سے پہلے انصاری اور تین مؤخر الذکر قرشی تھے۔ حضرت خلافت مآبؓ نے تینوں قرشیوں سے فرمایا کہ جب لکھتے وقت زید بن ثابت رضؓ سے تمہارا کوئی اختلاف ہو تو اس کو لغتِ قریش کے مطابق زیب رقم کرو کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان کے موافق نازل ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب یہ حضرات صحیفوں کو مصاحف میں نقل کر چکے اور کتابت مکمل ہو چکی تو حضرت حفصہ رضؓ کے صحیفے ان کو واپس کر دیے گئے۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی قلمرو کے تمام دار الحکومتوں کو ایک ایک مصحف بھجوا دیا۔ (بخاری)

### عطائے معجزات میں مقتضائے وقت کا لحاظ

انبیاء علیہم السلام کو مقتضائے وقت کے مطابق معجزے عطا کیے جاتے تھے۔ قوم فرعون سحر میں یدطولیٰ رکھتی تھی۔ اس لیے جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا ہوا۔ معاصرین مسیح علیہ السلام طب و حذاقت میں شہرۂ آفاق تھے، اس بنا پر خدائے حکیم و دانا نے انہیں بلا علاج اور بے دوا مادر زاد اندھے اور مجذوم و مبروص کو تندرست کرنے اور مردہ زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا۔ اسی طرح فصحائے عرب نظم و نثر، معنیٰ، لغت اور فصاحت و بلاغت کے منتہائے کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اس وجہ سے حق سبحانہٗ نے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ عطا فرمایا۔

### معجزۂ قرآن

قرآن ایسا بلند پایہ معجزہ ہے کہ اتنا عظیم الشان اعجاز کسی دوسرے نبی کو عطا

نہیں ہوا تھا۔ انبیاے سلف کے معجزے محض وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھتے تھے یعنی ان کے عہدِ نبوت کے اختتام پر وہ بھی ختم ہو گئے، اس بنا پر ان کی اعجاز نمائیوں کو وہی لوگ دیکھ سکے جو ان کے زمانہ میں موجود تھے۔ بعد میں آنے والی نسلیں ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں لیکن ہمارے آقا و مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ قرآن ابتداے نزول سے لے کر قیامت تک دائم و مستمر ہے اور یہ ہر زمانہ میں رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کی شہادت دیتا رہے گا۔

### اعداے دین کا ناطقہ بند کرنے کی امتیازی شان

اعجازِ قرآن جس طرح دینِ حنیف اور اس کے داعی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی صداقت کا اَبدی شاہدِ عدل ہے، اسی طرح اس کو دشمنانِ دین کا ناطقہ بند کرنے میں بھی کمال حاصل ہے۔ تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں پنڈت دیانند سُرسَتی بانی آریہ سماج اپنے تبلیغی دورہ میں جالندھر پہنچے تو وہاں مولوی احمد حسن صاحب کو جو دیوبند سے نئے نئے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے مذہبی مباحثہ کے لیے للکارا چنانچہ خرقِ عادت کے امکان یا عدم امکان کے موضوع پر مناظرہ قرار پایا۔ مولوی صاحب امکانِ معجزہ کے مدعی تھے اور پنڈت جی منکر۔ مولوی صاحب نے عقلی دلائل و براہین کے پُل باندھ دیے لیکن پنڈت جی ہر دلیل کے جواب میں یہی رٹ لگاتے تھے کہ معجزہ کر کے دکھاؤ اور اسی مجلس میں دکھاؤ تو مانوں گا۔ جب پنڈت جی نے بار بار یہی مطالبہ کیا تو مولوی صاحب نے قرآن لے کر ان کے سامنے کر دیا اور فرمایا لیجیے! یہ اسلام کا زندۂ جاوید معجزہ ہے جو اسی مجلس میں حاضر ہے۔ پنڈت جی بغلیں جھانکنے لگے اور لاجواب ہو کر دم بخود رہ گئے۔ حق کی شاندار فتح ہوئی اور عامۃ الناس نے بڑے تزک و احتشام سے مولوی صاحب کا جلوس نکالا۔

### دوازدہ گونہ اعجازِ قرآنی

قرآن اسرار و معارف کے لحاظ سے ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے اس لیے اس کی تفسیر کسی پر کبھی ختم نہ ہوگی اور ہر زمانہ میں اس کو یکساں مقبولیت نصیب رہے گی اور ہمیشہ عدیم النظیر سرچشمۂ ہدایت بنا رہے گا۔ ان حیثیتوں سے اور نیز اپنی عدیم المثال فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن معجزہ ہے۔ علامہ ابوشکور سَلمی رحمہ اللہ نے تمہید میں قرآن کے اندر بارہ طرح کا اعجاز ثابت کیا ہے اور طرّہ یہ کہ قریش یہ کلام معجز اس برگزیدۂ خلق کی زبان سے سنتے تھے جو عادۃً اہلِ فصاحت و بلاغت کے زمرہ میں داخل نہ ہو سکتے تھے

کیونکہ کلام اور معنیٰ کی فصاحت تعلیم کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم انسانی تعلیم سے بالکل ناآشنا تھے۔

## نظیر و مثل لانے کے پیہم مطالبے

اور اس دعویٰ کی نقلی دلیل کہ قرآن معجزہ ہے اور یہ کہ جس طرح سلف اس کی مثل پیش کرنے سے عاجز و قاصر تھے اسی طرح خلف بھی قیامت تک بے بس و درماندہ رہیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (۱۱: ۱۳)

اے پیغمبر! منکر کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی آپ) نے قرآن کو اپنے دل سے بنایا ہے تو آپ ان سے کہیے کہ اگر تم اس بیان میں سچے ہو تو تم بھی (اہلِ زبان ہو) اسی طرح کی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آؤ اور خدا کے سوا جس سے مدد لے سکو اس کو بھی بلا لو۔

یعنی سورہ بقرہ سے لے کر سورۂ ہود تک جو سورتیں ہیں ان میں سے دس سورتیں اپنی مرضی سے انتخاب کر لو اور پھر ان کا مقابلہ کر دکھاؤ۔ لیکن لوگوں نے عجز و درماندگی کا اعتراف کیا۔ پھر حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (۲: ۲۳)

اور یہ جو ہم نے اپنے بندے پر قرآن اتارا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اس کام کے لیے اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لو۔

یعنی جونسی سورت چاہو خواہ طویل یا قصیر پیش کر دکھاؤ۔ قرآن میں سب سے چھوٹی سورت کوثر ہے، اسی کی مانند کوئی سورت بنا لاؤ مگر پھر بھی عاجز رہے۔ اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والوں کے لیے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوا۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (۱۷: ۸۸)

اے ہمارے رسول! آپ ان لوگوں سے کہیے کہ اگر انسان اور جنات جمع ہو کر اس بات کی کوشش کریں کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی کلام بنا لائیں تو اس جیسا کلام ہرگز نہ بنا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔

اور یہ قطعی فیصلہ ہو گیا کہ قرآن کے مقابلہ میں کبھی کوئی کلام پیش نہیں ہو سکتا اور نہ قیامت تک پیش کیا جا سکے گا۔ حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور خود قرآن حکیم نے قریباً چودہ صدیوں سے ہر سال، ہر مہینہ اور ہر دن کی ہر ساعت میں ہر جن و انس کو اس مقابلہ کی دعوت دے رکھی ہے لیکن کسی کی مجال نہیں کہ مقابلہ کا حوصلہ کرے۔ سرزمین شام میں عربی زبان کے ایسے فصیح و بلیغ مسیحی ادیب موجود ہیں جنہوں نے ادب، اخلاق اور لغت کی بڑی بڑی ضخیم کتابیں مرتب کرکے شائع کی ہیں لیکن کبھی کسی کو قرآن کے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی طرح ہر زمانہ کے شہرۂ آفاق اعدائے دین و معاندین ملت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جنہیں ہر وقت تخریب اسلام کی ناپاک کوششوں میں انہماک تھا ہزار جتن کیے کہ کوئی ایسا پاکیزہ اور فصیح و بلیغ کلام پیش کر سکیں مگر کسی نے کبھی قدرت نہ پائی اور نہ کسی کو قیامت تک اس پر قدرت ہو گی۔

### الفاظ و معانی دونوں میں اعجاز

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اعجاز نظم قرآن میں ہے اور بعض کا قول ہے کہ صرف معنیٰ میں ہے مگر یہ دونوں گمان غیر صحیح ہیں۔ علامہ ابو شکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں "صحیح یہ ہے کہ نظم اور معنیٰ دونوں اعجاز ہیں کیونکہ اگر اعجاز بالمعنیٰ ہی مانا جائے تو لازم آئے گا کہ پہلی کتب سماوی بھی اعجاز تھیں مگر یہ امر صحیح نہیں۔ اور اگر اعجاز بالنظم کے قائل ہوں تو نظم اور لفظ جب معنیٰ سے خالی ہوں تو کلام ہی لغو ہو گا اور یہ کلام الٰہی کے لیے محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اعجاز نظم اور معنیٰ دونوں حیثیت سے ہے۔ اسی طرح بعض علماء کے نزدیک کتب ماضیہ بھی کلام الٰہی ہونے کی بنا پر معجزہ تھیں مگر صحیح یہ ہے کہ وہ کتابیں منزل من اللہ ہونے کے باوجود معجزہ نہ تھیں ورنہ یہود و نصاریٰ اور انبیائے سلف کے دوسرے پیرو تحریف پر قدرت نہ پاتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک چیز کسی خاص زمانہ میں اور کسی خاص فرد کے ساتھ صفتِ اعجاز سے موصوف ہو لیکن دوسرے زمانہ میں کسی دوسرے شخص کے لیے اس صفت پر باقی نہ رہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام جناب کلیم علیہ السلام کے ہاتھ پر تو معجزہ تھا لیکن زمانہ مابعد میں اس صفت سے عاری ہو گیا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کتب ماضیہ بھی اُن انبیاء علیہم السلام کی مدت حیات میں تو معجزہ رہی ہوں جن پر وہ نازل ہوئیں لیکن بعد میں اس صفت سے عاری ہو گئی ہوں۔

### رسول خدا کا زندۂ جاوید معجزہ

الغرض قرآن مجید مختلف حیثیتوں اور متعدد وجوہ سے سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن ترین اور

زندہ جاوید معجزہ ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے لیے قرآن حکیم کے بعد کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ گو قرآن کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریباً تین ہزار اور معجزے بھی عطا ہوئے جو کتب احادیث و سیر میں مندرج ہیں لیکن چونکہ آپ قیامت تک کے ہر انسان کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ کا پیغام ہدایت دنیا کے لیے احکم الحاکمین عز اسمہٗ کا آخری پیغام تھا، اس بنا پر خدائے قادر و حکیم نے آپ کی نبوت کے ثبوت میں قیامت تک باقی رہنے والے معجزۂ قرآن ہی کو بنیاد و اساس قرار دیا۔ اور حضرت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین رسالت کے سامنے اسی کو پیش کر کے تحدّی فرمائی۔

### ایک اعتراض کا جواب

الحاد و زندقہ پسند لوگ قرآن کی دلیلِ اعجاز کے جواب میں کہا کرتے ہیں کہ بعض متکلمین میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو دوسروں میں نہیں پائی جاتی اس لیئے ممکن ہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں فصاحت زبان کی خصوصیت ہو۔ پس قرآن کی فصاحت و بلاغت کسی طرح اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی"۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ قرآن کی سی اعجازی خصوصیت دفعۃً کیسے پیدا ہو گئی؟ اور لاکھ خصوصیت ہو تاہم دوسرے فصحا بھی کوشش کر کے تھوڑا بہت تو ویسا کلام لکھ سکتے تھے لیکن حالت یہ ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں دو چار سطریں بھی کبھی کوئی شخص لکھ کر نہ پیش کر سکا۔ اور گو احادیث نبویہ کی عبارت بھی تمام دوسری عربی تحریروں سے فائق اور نہایت فصیح و بلیغ ہے مگر اس کے باوجود نہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ آپ کے پیروؤں میں سے کسی نے آج تک اس کے امتناعِ نظیر کا دعویٰ کیا۔

### کلام اللہ کو کلام رسول گمان کرنے والے

بت پرست اور دوسری مشرک قومیں تو صحف آسمانی کے اس تخیل ہی سے ناآشنا ہیں کہ رب العالمین کے ہاں سے کوئی کتاب کسی بندہ پر نازل ہو سکتی ہے۔ لیکن بوالعجبی دیکھو کہ اسلامی اصطلاح کے مطابق عہد حاضر میں کوئی یہودی اور عیسائی بھی کسی کتاب الٰہی کے نزول کا قائل نہیں۔ ان کے خیال میں آسمانی کتاب کا صرف یہ مفہوم ہے کہ خدا نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے کسی شخص کو منتخب کیا اور اس کے باطن میں کچھ مضامین القا فرما دیئے۔ ان کے زعم میں ایسا القا و الہام ہر عارف باللہ کو ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے نبوت و رسالت کی کوئی شرط نہیں۔ پھر بعد کو بھی عارف اس الہامی

مضمون کو اپنے الفاظ میں اپنے شاگردوں کو سنا دیتا ہے اور شاگرد اس کو لکھ لیتے ہیں۔ غرض یہود و نصاریٰ کے نزدیک الہامی کتابوں کی حیثیت صرف وہ ہے جو مسلمان مشائخ کے ملفوظات کی ہے۔ حالانکہ قرآن کی طرح توراۃ اور انجیل کا بھی ایک ایک حرف منجانب اللہ تھا۔ لیکن چونکہ موسوی اور عیسوی دین دونوں منسوخ ہو گئے اور دنیا میں آسمانی تعلیمات کو روایۃً نقل نہ کیا گیا، اس لیے ان بیچاروں کو اتنا تک معلوم نہیں کہ توراۃ، انجیل اور زبور کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف ارشاد خداوندی تھا۔ اسی ذہنیت کا اثر ہے کہ وہ قرآن کو بھی کلام الٰہی ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس کو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام گمان کرتے ہیں۔

اب قرآن مجید سے متعلق بعض مستشرقین کے خیالات نمونۃً پیش کیے جاتے ہیں۔

### مسٹر ڈیون پورٹ کی رائے

مسٹر جان ڈیون پورٹ قرآن مجید کی جامعیت اور اس کی خوبی مضامین کے متعلق لکھتے ہیں کہ قرآن مسلمانوں کا عام دستور العمل ہے جس میں مذہبی قوانین، باہمی تعلقات، فوجداری، دیوانی، تجارتی، فوجی اور ملکی قوانین اور تعزیرات سب کچھ موجود ہے۔ مذہبی احکام سے لے کر دنیوی معاملات تک ہر چیز کا مفصل بیان ہے۔ قرآن روح کی نجات ہے۔ صحت جسمانی، شخصی حقوق، حقوق عامہ، نفع رسانی خلق، نیکی بدی، سزائے دینی و دنیوی سب پر حاوی ہے۔ قرآن دوسری آسمانی کتابوں (مجموعۂ بائیبل) کی طرح صرف عبادات اور مذہبی امور پر مشتمل نہیں بلکہ اس میں ملکی نظم و نسق کا بھی بیان ہے جو سلطنت و جہاں بانی کی اساس ہے۔ اسی سے ہر ایک ملکی قانون اخذ کیا جاتا ہے اور اسی کے موافق ہر ایک مالی اور ملکی نزاع کا فیصلہ کیا جاتا ہے (محمدؐ اینڈ دی قرآن مطبوعہ لندن ص ۷۲)

### مسلمان قرآن پر جتنا بھی ناز کریں بجا ہے

اور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مسلمان قرآن پر جتنا بھی ناز و افتخار کریں بجا ہے۔ دوسرے محاسن اور خوبیوں کے علاوہ اس میں دو باتیں نہایت عمدہ ہیں۔ اول وہ خوش بیانی جس میں خدائے برتر کا ذکر ہے۔ اس کے پڑھتے وقت انسان کے دل پر رب العالمین کی عظمت و کبریائی کا رعب چھا جاتا ہے اور دل پر ایک خاص طرح کا اثر مستولی ہوتا ہے۔ جذبات سے مغلوب ہونا انسانی خاصہ ہے۔ لیکن بائیبل میں ایسے بے شمار واقعات خدائے قدوس کی طرف منسوب ہیں جن میں

حق تعالیٰ کا جذبات سے مغلوب ہونا مذکور ہے۔ لیکن قرآن اس قسم کے مزخرفات سے بالکل پاک ہے۔ قرآن ایسے تخیلات اور الفاظ وقصص سے بھی خالی ہے جو خلاف تہذیب سمجھے جا سکتے ہوں مگر افسوس کہ بائیبل کے عہد نامۂ قدیم میں بہت سے خلاف تہذیب بیانات درج ہیں۔ قرآن ہر قسم کے عیوب و نقائص سے ایسا مبرا ہے کہ اس میں ذری سی حرف گیری کی بھی گنجایش نہیں۔ اسے اوّل سے آخر تک پڑھ جائیے، اس میں کوئی بات خندہ زا اور خلاف شرم و حیا دکھائی نہ دے گی (ایضاً صفحہ ۸۰)

اور لکھتے ہیں کہ ترقیٔ اسلام کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جب ایسے لوگوں نے قرآن کا مطالعہ کیا جو اپنے یہودی اور نصرانی ہم وطنوں سے خلا ملا رکھنے کے باعث اپنی قدیم بداعتقادیوں اور بُت پرستی سے متنفر تھے تو ان پر بیش از پیش اپنے مذہب کا بطلان ظاہر ہو گیا (ایضاً صفحہ ۸۱)

## جارج سیل کے تأثرات

جارج سیل ایک مشہور عیسائی ہے۔ اس نے کلام مجید کا انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا جو ہر جگہ مل سکتا ہے۔ باوجودیکہ یہ انگریز نہایت متعصب اور غالی ہے اور اس کے ترجمۂ قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ارشادات ربانی پر اعتراض کرنے کے لیے کسی بہانہ کی تلاش میں رہتا ہے، تاہم کلام پاک نے اس جیسے شخص سے بھی خراج تحسین وصول کر لیا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

قرآن بے شبہ عربی زبان کی بہترین اور مستند ترین کتاب ہے اور جیسا کہ راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور خود یہ کتاب انہیں تعلیم دیتی ہے، کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ یہ ایک مستقل معجزہ ہے جو احیاے اموات کے معجزہ سے بلند پایہ ہے اور تنہا یہی ایک صحیفہ ایسا ہے جو دنیا کو اپنے آسمانی ہونے کا یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کے نہایت فصیح اللسان ادیبوں کو ڈنکے کی چوٹ دعوت دی تھی کہ کوئی شخص قرآن جیسی ایک آیت ہی پیش کر دے۔ اطراف واکناف ملک میں بے شمار فصحاء و بلغاء ایسے موجود تھے جن کے نغمہ ہاے فصاحت وبلاغت سے عرب کا ریگستان چمن زار بنا ہوا تھا مگر کوئی مرد میدان ایسا نہ نکلا جو ایک ہی آیت ایسی پیش کر دے جو قرآن حکیم کی ایک آیت کا مقابلہ کر سکے۔

## ایک آیت قرآنی کے مقابلہ میں لبید کی سپر اندازی

اس کے بعد جارج سیل رقم طراز ہے کہ میں اس دعویٰ کے ثبوت میں بہت سی مثالوں میں سے صرف ایک

مثال پیش کروں گا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں عرب کے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ شاعر لبید بن ربیعہ کی ایک نظم کعبۂ معلیٰ کے دروازے پر لٹکائی گئی۔ نہایت بلند پایہ نظموں کے سوا کسی نظم کو یہ عزت کبھی نصیب نہ ہوئی کہ بیت اللہ کے دروازے پر لٹکائی جاتی۔ عرب کا کوئی شاعر لبید بن ربیعہ کے کلام کے مقابلہ میں اپنی نظم پیش نہ کر سکا۔ لیکن جب اس کے پاس ہی قرآن حکیم کی ایک آیت لکھ کر لٹکائی گئی تو خود لبید (جو اس وقت بت پرست تھا) اس آیت کے ابتدائی الفاظ ہی پڑھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور بے ساختہ تعریفی الفاظ اس کی زبان سے نکل گئے۔ چنانچہ لبید فی الفور اس دین پر ایمان لے آیا جس کی تعلیم اس آیت کے الفاظ دے رہے تھے۔ قرآن کی عبارت نہایت فصیح، خوبصورت اور رواں ہے۔ اس کے فقرے نہایت فصیح اور خوبصورت ہیں۔ خصوصاً وہ آیات نہایت فصیح و بلیغ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور صفات کا تذکرہ ہے۔ قرآن کے ان عدیم النظیر کمالات کے باوجود اعدائے دین کی ژاژ خائی ملاحظہ ہو:

### عجمی غلام کے تعلیم دینے کا افسانہ

رب جلیل اپنے کلام پاک (۱۶: ۱۰۲) میں فرماتا ہے:

”یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے“۔

اس سے اُن کا مقصود عتبہ بن ربیعہ کا عیسائی غلام تھا جس کی سالہا سال سے مکہ میں بود و باش تھی، یا شہر کا ایک لوہار جس کو بلعام یا مقیس کہتے تھے حالانکہ یہ دونوں عجمی تھے۔ لوہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں جی لگا کر سنتا تھا، اس بنا پر آپ کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ چونکہ اس کو انجیل وغیرہ سے کچھ مس تھا اس سبب معاندوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ یہی شخص درپردہ قرآن سکھاتا ہے (دُرِ منثور)

اس کے جواب میں خدائے برتر نے جو ارشاد فرمایا اس کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن تو مجموعۂ الفاظ و معانی کا نام ہے۔ اگر معنیٰ کے محاسن خارقہ تک تمہاری عقل و فہم کی رسائی نہیں تو الفاظ کی فصاحت و بلاغت کو تو بخوبی سمجھ سکتے ہو۔ اگر بفرض محال کوئی دوسرا شخص اس کے مضامین آپ کے ذہن نشین کر دیتا ہے تو عبارت کی فصاحت اور شان و شوکت کیونکر پیدا ہوئی؛ قرآن صاف عربی ہے اور عربی بھی ایسی کہ تمام فصحاء و بلغاء عرب اس کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہے تو کسی عجمی کی بھلا کیا مجال ہے کہ ایسی بلاغت اور عبارت آرائی پر قدرت پا سکے۔

اور اگر یہ وہم ہو کہ کوئی دوسرا مضامین سکھلا دیتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیتے ہوں، یہ بھی لغو خیال ہے کیونکہ قرآن کی فصاحت اور لطافت لسانی

میں آپ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے ورنہ تمام فصحائے عرب اس کے معارضہ پر قدرت پا سکتے۔

# فصل ۱۲۴۔ قرآن سے بُت پرستی کی مذمّت خارج کر دینے کا مطالبہ

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی اصول توحید الٰہی کا پیغام تھا اور توحیدِ الٰہی بت پرستی کے فنا و استیصال کو مستلزم تھی۔ اسی وجہ سے جب حضرت فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کو قرآن مجید سناتے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ اور دوسرے بت پرست ایسی آیتوں کو سن کر جن میں ان کے بتوں اور بت پرستی کی مذمت ہوتی تھی کہنے لگتے کہ اگر تم کو ہمیں قرآن تسلیم کرانا ہے تو اس کی بجائے کوئی دوسرا قرآن لاؤ اور دوسرا نہیں لاتے تو اس میں سے بُت پرستی کی مذمت نکال ڈالو۔ اتنے تغیر و تبدل پر بھی ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر و خازن)

مگر ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ اپنی بیہودگی میں تمام دوسرے بیجا مطالبات سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ اس کے قبول کرنے کی صورت میں سرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ وحی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا تھا۔ یہ درخواست یا تو محض مسخرہ پن تھی یا یہ امتحان مدنظر تھا کہ اگر قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ہے تو ہماری خاطر سے اس میں کچھ نہ کچھ ردّ و بدل منظور کر لیں گے اور اگر من جانب اللہ نازل ہوتا ہے تو ہماری خوشنودیٔ خاطر کی کچھ پروا نہیں کریں گے۔

ربّ قدیر عزّ اسمہٗ نے اس مطالبہ کی نسبت اپنے کلام پاک میں فرمایا۔ "اور جب ان کو ہماری آیات بیّنات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملاقات کرنے کی توقع نہیں وہ کہنے لگتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسی میں ردّ و بدل کر دو۔ لیکن آپ ان سے کہیئے کہ میرا تو یہ مقدور نہیں کہ اس میں (اپنی طرف سے کسی قسم کی) ترمیم کر سکوں۔ میں تو اسی کا پیرو ہوں جو میری طرف وحی آتی ہے۔ اگر اپنے رب قدیر کی نافرمانی کروں تو مجھے (قیامت کے) بڑے (مشکل) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ اے نبی! ان لوگوں سے کہیے کہ اگر خدائے برتر

کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو یہ قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں (میں نے اس مدت مدید میں کبھی کلام الٰہی اور وحیٔ آسمانی کا نام تک نہ لیا تھا) کیا تم (اتنی موٹی بات بھی) نہیں سمجھتے؟ پس اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو خدا پر افترا پردازی کرے (جو میرے لیے تجویز کرتے ہو) یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے (جس کے تم مرتکب ہو) یقیناً ایسے مجرم کبھی فلاح نہ پائیں گے (سورۂ یونس آیات ۱۵-۱۷)

یعنی میں نے منصبِ نبوت پر متمکن ہونے سے پہلے چالیس سال کی عمر تم میں گزاری۔ اتنی مدتِ مدید میں اس قسم کا کوئی خیال بھی میرے دل میں نہ آیا تھا۔ اگر قرآن میرا طبع زاد کلام ہوتا تو کس طرح ممکن تھا کہ اتنا زمانہ دراز اس قسم کا ایک فقرہ بھی میری زبان پر کبھی نہ آیا لیکن اب میں نے دفعۃً ایک ضخیم کتاب پیش کر دی ہے۔ غرض تمہارا خیال باطل ہے اور یہ یقیناً کلام الٰہی ہے جس میں کسی ادنیٰ ترمیم و تنسیخ کا امکان نہیں۔ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا تو خدا پر بہتان باندھا اور اگر یہ واقعی کلام خدا ہے تو تم جھٹلانے والوں سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے"۔

## فصل ۱۲۵۔ قرآن کے تدریجاً نازل کیے جانے پر جرح و قدح

اہلِ تمرد کا ایک اعتراض یہ تھا کہ قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا۔ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو اس کے تدریجاً اور جستہ جستہ نازل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس تدریج سے تو شبہہ ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود غور و فکر اور کدو کاوش کے بعد جتنا کچھ تیار کرتے ہیں اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں!"

اِس اعتراض کی نسبت ربِ ذوالمنن نے اپنے کلام پاک (۲۵: ۳۲) میں فرمایا کہ اے ہمارے رسول! ہم نے قرآن اس لیے بتدریج نازل کیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو تقویت پہنچائیں۔" تدریج و ترتیب متعدد حیثیتوں سے حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تقویت کا باعث تھی۔ منجملہ ان کے ایک یاد داشت کی سہولت تھی کیونکہ کسی ضخیم کتاب کا جو ضبطِ تحریر میں نہ آئی ہو یاد رکھنا عادۃً دشوار ہے لیکن تدریج کی صورت میں تھوڑے تھوڑے کلام کا حفظ و ضبط بہت آسان ہے۔

تقویت کی دوسری صورت یہ تھی کہ معاندینِ رسالت جب کبھی اپنی بطالت فروشی کا کوئی شوشہ چھوڑتے یا کوئی اور ناگوار حالت باعثِ تشویش ہوتی تو جھٹ آیاتِ قرآنی نازل ہو کر آپ کی رہنمائی فرماتیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کتاب یکبارگی نازل ہوتی اور بوقت ضرورت اس میں سے ہدایت کی روشنی تلاش کی جاتی تو اس کی نسبت اس طریق عمل میں بہت زیادہ سہولت اور تسکین و تثبیت کا سامان تھا کہ ہر معاملہ میں فی الفور آسمانی ہدایات نازل ہو کر حاملِ وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رہنمائی کریں۔

تقویت کا ایک سبب یہ تھا کہ آسمانی ہدایات و پیغامات کے بار بار آنے میں آپ کو اپنی معیتِ خداوندی کا ہر دفعہ نیا ثبوت ملتا رہتا تھا۔ اور گو کہ نزولِ تدریجی کی یہ بھی ایک ممکن صورت تھی کہ ۲۳ سال کی طویل مدت کی بجائے ایک ایک دو دو رکوع نازل کر کے قرآن کی تنزیل تھوڑی مدت میں مکمل کر دی جاتی لیکن موقع و محل کی تدریجی ہدایات و تعلیمات میں آپ کی جو رہنمائی اور تسکینِ خاطر منجانب اللہ متصور تھی وہ اُس حالت میں صورت پذیر نہ ہو سکتی۔ چونکہ مخالفتیں رسالت کی پوری مدت میں برپا رہیں اور اعدائے دین کی طرف سے اعتراضات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس لیے نبوت کی ساری ۲۳ سالہ مدت میں قرآن کو بقدرِ ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل کر کے آپ کی پشت پناہی کا سامان برابر فراہم کیا جاتا رہا۔

علاوہ ازیں صحابۂ کرام رض کی تربیت بھی اس امر کی مقتضی تھی کہ آسمانی ہدایات و احکام تھوڑے تھوڑے کر کے تدریج و ترتیب کے ساتھ اتریں تاکہ صحابہؓ کے دلوں میں تحمّل و برداشت کی پوری صلاحیت پیدا ہو سکے۔ اگر تدریج سے کام نہ لیا جاتا تو خیر الامت میں بھی اُسی طرح خامی اور کمزوری رہ جاتی جس طرح تورات کے یکبارگی نازل ہونے کے باعث بنو اسرائیل میں موجود تھی۔ جب حضرت کلیم علیہ السلام کوہ طور کو تشریف لے گئے تو سامری اغواکوشی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تربیت یافتوں کو شرکِ جلی میں گرفتار کرنے میں بسہولت کامیاب ہو گئی۔ حالانکہ اس کے مقابلہ میں حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تعلیمات اور قرآن کے تدریجی نزول نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان کا لنگر اس درجہ مضبوط کر دیا تھا کہ مُسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے سامریانِ زمانہ امتِ مُسلمہ کو راہ حق سے منحرف کرنے میں ہمیشہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے لیکن ان کی اغواکوشی کسی ایک صحابی کا زورقِ ایمان بھی کبھی متلاطم نہ کر سکی۔

# فصل ۱۲۶۔ قرآن کے عربی زبان میں نازل کیے جانے پر اعتراض

اہل مکہ میں سے بعض لوگ یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ قرآن عربی زبان میں کیوں نازل ہوتا ہے۔ اس سے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو خود ہی تصنیف کر لیتے ہیں۔ اگر کسی عجمی (یعنی غیر عربی) زبان میں نازل ہوتا تو اس کا احتمال نہ رہتا اور عجمی ہونے کی صورت میں کسی دوسری آسمانی کتاب سے متوافق بھی ہوتا۔"

### تبلیغ کا مقصد تبیین و تبلیغ ہے نہ کہ السنہ کا توافق

اس اعتراض کے جواب میں رب العالمین عز اسمہٗ نے اپنے کلام پاک (۱۴: ۴) میں فرمایا کہ ہم تمام انبیاے سلف کو بھی اُنہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجتے رہے ہیں تاکہ اُن کی زبان میں ان سے احکام الٰہیہ بیان کریں کیونکہ تنزیلِ قرآن کا اصل مقصد تبیین و تبلیغ ہے نہ کہ السنہ کا توافق۔

الغرض جب تمام انبیا علیہم السلام اپنی اپنی قومی زبان میں احکام لے کر آئے تو آپ کے لیے بھی وہی ضابطہ قائم رکھا گیا کہ گو امت میں عربی اور عجمی سب داخل ہیں، مگر آپ کی قوم کے لوگ عرب ہیں اس لیے یہ کتاب عربی زبان میں نازل کی گئی۔ عجمی زبان میں قرآن نہ نازل کیے جانے کی وجہ کلام الٰہی میں بدیں الفاظ ارشاد فرمائی گئی ہے "اگر ہم اس کو عربی کے سوا کسی دوسری زبان کا قرآن بناتے تو یہ (اہل مکہ) ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں ہماری ہی زبان میں ہم کو اچھی طرح کھول کھول کر کیوں نہیں سمجھائی گئیں۔ کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ قرآن کی زبان عجمی اور ہماری زبان عربی ہے"۔ (۴۱: ۴۴)

اب رہا یہ سوال کہ جب آپ کی امت عرب و عجم کی تمام قوموں پر مشتمل ہے تو تبیینِ احکام اس طریق سے ہمہ گیر اور سہل تر تھا کہ قرآن دنیا کی سب مشہور و مستند زبانوں میں نازل کیا جاتا"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعددِ السنہ کی صورت میں قرآن میں سخت اختلافات رونما ہو جاتے اور کوئی اصل نہ ہوتی جس کی طرف اختلاف کے وقت رجوع کیا جا سکتا اور تبیین کی سہولت کوئی ایسی اہم

مصلحت نہ تھی جس قدر کہ اختلاف کا مفسدہ خطرناک تھا حالانکہ تبیین و تشریح کا مقصد تو تراجم و تفاسیر سے بھی پورا ہو رہا ہے۔

**دوسری وجہ عربی زبان کی خصوصیت ہے۔**

عربی زبان میں نازل ہونے کی دوسری وجہ اس زبان کی خصوصیت ہے کیونکہ عربی اُمّ الالسنہ اور اشرف و اجمع اللغات ہے اور اہلِ عرب خصوصاً آپ کی برادری کے لوگ (یعنی قریش) حمیت اور نشرِ دین میں تمام قوموں سے زیادہ کامل تھے اس لیے اصل دین ان کی زبان میں نازل کیا گیا تاکہ ان کے ساتھ اوروں سے زیادہ خصوصیت رہے اور خود مختلف قبایل کے لغات میں باہم کچھ زیادہ اختلاف نہ تھا۔ اسی بنا پر قرآن لغتِ قریش میں نازل ہُوا اور گو اوایل میں کچھ مدت تک ہر اہلِ لغت کو دوسرے لغاتِ عرب کے مخصوص کلمات پڑھنے کی اجازت ہو چکی تھی لیکن جب دوسرے تمام لوگ لغتِ قریش سے مانوس و مالوف ہو گئے تو وہ اجازت مرتفع ہو گئی۔

# فصل ۱۲۷۔ قرآن خوانی کے وقت بُت پرستوں کا شور و غُل

دعوتِ اسلام کے اوّلین مخاطب اہلِ عرب تھے جن کی زبان عربی تھی۔ چونکہ وہ کلامِ الٰہی کے محاسن اور اس کی فصاحت و بلاغت کو بخوبی سمجھتے تھے اور قرآن پاک کو سن کر بے اختیار اسلام کی طرف مائل ہوتے تھے اس لیے جب کبھی حضور رسیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم یا پیرانِ اُسوۂ رسول مو برملا قرآن پڑھتے تو قریش عالمِ غیظ میں آنکھیں نیلی پیلی کرنے لگتے اور اس کوشش میں کہ یہ لوگ قرآن خوانی سے باز آ جائیں ایسی بُری طرح گھورتے کہ گویا مسلمانوں کو مسلّم ہی نگل جائیں گے۔ سورۂ قلم کی اس آیت میں قریش کے اسی غیظ و غضب کا تذکرہ ہے:

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (۶۸: ۵۱)

اور جب اہلِ کفر قرآن سنتے ہیں تو (شدتِ غضب سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو تیز نظروں سے گھور گھور کر راہِ خدا سے متزلزل کر دیں گے اور عناد کے باعث آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ یہ ضرور مجنون ہیں۔

جب قہر و غضب کی یہ بجلیاں مسلمانوں کے خرمن استقلال پر کسی طرح اثر انداز نہ ہو سکیں تو ارباب شرک نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب کبھی حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب عظام قرآن پڑھنے لگتے تو یہ لوگ غل مچاتے اور تالیاں اور سیٹیاں بجانے لگتے تاکہ داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرو تنگ آکر خاموش ہو جائیں۔ (ابن کثیر)

کلام الٰہی کی اس آیت میں شرک پسندوں کی اسی بیجا حرکت کا ذکر ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

منکر لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور (اگر کوئی پڑھنے لگے تو) اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو تاکہ (پڑھنے والا خاموش ہو جائے اور) تم غالب رہو۔

## قرآن خوانی کے بالمقابل رستم واسفندیار کی داستان

نضر بن حارث نام ایک بت پرست عراق کی طرف سوداگری کو جایا کرتا تھا۔ جن دنوں دعوت اسلام شروع ہوئی وہ وہاں سے رستم، سہراب اور اسفندیار کے قصوں کی کتابیں خرید لایا جو ایران میں مشہور پہلوان گزرے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے پیرو قرآن پڑھتے یا کوئی تقریر کرنے لگتے تو وہ بالمقابل کھڑا ہو کر رستم اور اسفندیار کی داستان شروع کر دیتا اور کہتا دوستو! یہ لوگ تو عاد اور ثمود کی تباہی کے واقعات سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار کے دلچسپ قصے سناتا ہوں۔ سب لوگ میری طرف آجاؤ۔ یہی نضر بن حارث ایک مرتبہ عراق سے نہایت خوش آواز اور خوش جمال لونڈیاں خرید لایا۔ جب کسی شخص کو اسلام کی طرف مائل دیکھتا تو اسے اپنی لونڈیوں کے پاس لے جاتا اور اُن سے کہتا لو! یہ بہت بڑے معزز آدمی ہیں ان کو گانا سناؤ اور اچھی طرح خاطر مدارات کرو۔ اور اُس سے کہتا دیکھو یہ چیزیں روح کو تازگی بخشتی ہیں یا بے لذت نماز پڑھ پڑھ کر تھکنا؟ (تفسیر ابن کثیر و دُرّ منثور) لیکن وہ بیچارہ نماز کی لذت و حلاوت اور روحانی تازگی کو کیا سمجھ سکتا تھا ع

قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی

نضر بن حارث قرآن پاک کی شان میں نہایت ناشائستہ کلمات زبان میں لایا کرتا تھا۔ جنگ بدر میں مکہ سے جا کر مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوا اور حضرت مقداد صحابی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں گرفتار ہونے کے بعد اپنے کیفر کردار کو پہنچا (تفسیر ابن کثیر و دُرّ منثور)

**ربّ العالمین کو گالیاں دینے کی شقاوت**

قریش کی ایک شقاوت اور تیرہ بختی یہ تھی کہ جب آپ نماز میں قرآن پڑھتے تو وہ قرآن کو اور اس کے نازل کرنے والے کو اور جس پر نازل ہوا سب کو گالیاں دینے لگتے۔ اس بنا پر رب العالمین کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ (۱۷: ۱۱۰)

نماز میں قراءت نہ بہت پکار کر پڑھیے اور نہ زیادہ پست آواز سے بلکہ درمیانی راہ اختیار کیجیے۔

اس حکم کے بعد آپ نہ تو اس قدر بلند آواز سے قراءت کرتے کہ جسے سن کر اعداء کو گالیاں دینے کا موقع ملتا اور نہ اس قدر پست آواز سے جو مقتدیوں کے کانوں تک بھی نہ پہنچ سکتی۔ (بخاری و ترمذی)

# فصل ۱۲۸۔ مہبطِ وحیؐ کو صابی، مجنون، شاعر، ساحر، اور کاہن قرار دینے میں اعداء کی بدباطنی

عہدِ حاضر کی مغربی قوموں کی طرح قریش کو بھی نشریہ کے فن میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہ لوگ شب و روز خدا کے برگزیدہ رسولؐ کے خلاف جذبۂ نفرت پھیلانے میں مستغرق تھے۔ جب حج کا زمانہ آتا تو رؤسائے قریش چوراستوں اور عام گزرگاہوں پر خیمے لگالیتے اور زائرینِ حرم سے کہتے دیکھو مکہ میں (معاذ اللہ) ایک صابی (بدمذہب) ظاہر ہوا ہے جو ہمارے بزرگوں کو جہنمی قرار دیتا ہے، معبودوں کی توہین کرتا ہے اور غضب یہ کہ لات اور عزیٰ تک کو برا کہتا ہے۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے میں لوگوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ میں محمدؐ نام ایک صابی ظاہر ہوا ہے (بخاری)

**دماغ چل جانے کی دروغ بافی**

قریش نے لوگوں کو اسلام سے باز رکھنے کے لیے افضل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانگی کے ساتھ بھی مشہور کر رکھا تھا۔ ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ قبیلہ ازد کے ایک رئیس تھے جنہیں جھاڑ پھونک میں بڑا دخل تھا۔

ایام جاہلیت میں حضرت سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اچھی ملاقات تھی۔ وہ مکہ معظمہ آئے تو اعیانِ قریش سے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (معاذ اللہ) جنون ہو گیا ہے اور آسیب کا خلل ہے۔ وہ آپ سے ملنے آئے اور اظہار ہمدردی کے بعد کہنے لگے محمدؐ! میں نے سنا ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے لیکن کچھ فکر کی بات نہیں۔ مجھے آسیب اور دیوانگی جھاڑنے کا منتر آتا ہے میرے ہاتھ سے بہت مریض شفا پا چکے ہیں۔ اگر خواہش ہو تو تمہیں بھی جھاڑوں"۔ یہ سن کر آپ نے ان کے سامنے توحید ورسالت کے متعلق ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ اس کو سن کر وہ گرویدہ ہو گئے اور کہنے لگے میں نے کاہنوں کا کلام، ساحروں کے منتر اور شعراء کے قصیدے سنے ہیں لیکن ایسا پُرحلاوت کلام تو کبھی سننے میں نہ آیا تھا۔ بحرِ زخار کی طرح اس کلام کی فصاحت کی بھی کوئی تھاہ نہیں ملتی۔ یہ کہہ کر التماس کی کہ حضرت! آپ ہاتھ بڑھائیے میں بیعتِ اسلام کرتا ہوں چنانچہ وہ کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں پہنچ کر سب کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا (صحیح مسلم)

یاد رہے کہ جنون اختلالِ دماغ کی تمام قسموں کو شامل ہے خواہ خللِ دماغ کسی پیدائشی یا عارضی مرض کے باعث ہو یا کسی آسیب یا سحر کی وجہ سے حادث ہو۔ انبیاء علیہم السلام پر اختلال کی تمام قسموں کا الزام لگایا جاتا رہا ہے۔ خدائے قدوس نے اپنے کلام مجید میں اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اقسامِ اختلال کی نفی کی چنانچہ فرمایا:

| | |
|---|---|
| ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (۳۴: ۴۶) | پھر غور کرو۔ تمہارے رفیق (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ بھی جنون نہیں ہے۔ |

یعنی ہر شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، اقوال اور اعمال پر غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ آپ کو (معاذ اللہ) خللِ دماغ نہیں۔ لفظ صَاحِبُكُمْ سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ اے اہلِ مکہ! تم اتنا طویل زمانہ ان کے ساتھ گزار چکے ہو اور تم کو ان کے حالات پر غور کرنے کا پورا موقع مل چکا ہے اس لیے جنون اور دیوانگی کا الزام سراسر ہٹ دھرمی ہے۔

### صحیح فہم وفراست کا اصل منبع

صحیح عقل وخرد اور حقیقی فہم وفراست کی جوبات بھی دنیا میں کہیں پائی جاتی ہے، اس کا منبع ومعدن حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات مقدسہ اور ان کی حقانی تعلیمات ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ان مبارک ہستیوں میں سے کسی کو جنون اور دیوانگی کی طرف نسبت کرنا گویا فہم وفرزانگی کا مونھ چڑانا ہے۔ جب صنادیدِ قریش عقل وخرد کے معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون کی طرف منسوب کرنے سے کسی طرح

باز نہ آئے تو ربِّ ذوالمنن کی طرف سے یہ آیتیں نازل ہو کر اعدائے رسالت پر حجت قائم کی گئی۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝

(۶۸ : ۱ - ۶)

قلم کی قسم (جس سے ہونے والے واقعات لوحِ محفوظ میں لکھے جاتے ہیں) اور اس کی جس کو (ملائکہ) قلمبند کرتے ہیں آپ اپنے پروردگار کے فضل سے (ہرگز) دیوانہ نہیں ہیں اور بلاشبہ آپکے لیے (اس دعوت و تبلیغ کا) ایسا اجر (جزیل ملنے والا) ہے جس کا سلسلہ (قیامت تک کبھی) منقطع نہ ہوگا اور بیشک آپ اخلاقِ (حسنہ) کے اعلیٰ مقام پر (فائز) ہیں (سو ان لوگوں کی زبان درازیوں کا کچھ خیال نہ کیجیے کیونکہ) عنقریب آپ دیکھیں گے اور یہ لوگ بھی مشاہدہ کریں گے کہ تم میں سے کون خبط و جنون میں مبتلا تھا۔

## زعمائے قریش کی دیوانگی کا ثبوت

اِن ارشاداتِ حقّہ کا ماحصل یہ ہے کہ اے ہمارے رسولؐ! آپ کا ہر قول و فعل موصوف باعتدال اور مقرون بہ رضائے ایزدِ متعال ہے۔ ایسے حکیمانہ اقوال اور برگزیدہ اطوار کسی مختل الدماغ شخص کے نہیں ہوسکتے۔ دیوانوں میں کسی اخلاقی جوہر کا پایا جانا تو درکنار ان کے حواس ہی بجا نہیں ہوتے۔ تو یہ راہ روانِ کوئے ضلالت بالفعل تو اپنی ہٹ پر قائم ہیں لیکن جلد وہ وقت آیا چاہتا ہے جب ساری دنیا میں آپ ہی ان کے ملجأ و ماویٰ ہوں گے۔ اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ روحانی دنیا کے جس عظیم ترین پیکر کو وہ دیوانگی اور جنون سے متہم کیا کرتے تھے، آج وہی برگزیدہ ذاتِ رحمتِ عالم، فخرِ عرب و عجم اور ساری دنیا کی نجات دہندہ ہے۔ اُس وقت انہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہو جائے گا کہ یہ لوگ رسولِ امین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون کہنے اور ان سے عناد رکھنے میں نہ صرف اپنی دیوانگی کا عملی ثبوت پیش کر رہے تھے بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ سے دشمنی کر رکھی تھی ؂

جانِ جہانیاں توئی دشمنِ جاں بود کسے؟
اے ہمہ دشمنانِ تو دشمنِ جانِ خویشتن

حق تعالیٰ متذکرۂ صدر آیت میں فرماتا ہے کہ عنقریب آپ دیکھیں گے اور یہ لوگ بھی مشاہدہ کریں گے کہ تم میں سے کس کو جنون تھا یعنی جنون کی حقیقت زوالِ عقل ہے اور عقل کی غایت نفع و ضرر کا ادراک ہے اور معتدبہ اور قابلِ اعتبار نفع و ضرر وہ ہے جو اَبدی

اور دائمی ہو۔ پس قیامت میں ان گم کردگانِ راہ کو معلوم ہو جائے گا کہ عاقل و فرزانہ اہل حق تھے جو دائمی مسرت و کامگاری سے بہرہ اندوز ہوئے یا یہ خود مجنون تھے جو اس رنج سے محروم رہ کر خسرانِ اَبدی میں گرفتار ہو گئے۔

### قلم اور نبی میں ایک گونہ مشابہت

یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام پر جنون کا شبہہ محض اس بنا پر کیا جاتا تھا کہ نزول وحی اور دعوائے نبوت لوگوں کو ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوتی تھی اور خیال کرتے تھے کہ کوئی صحیح الدماغ آدمی اتنا بڑا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر رب جلیل فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ | مگر منکروں کو اس سے تعجب ہوا کہ ان کے |
| مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ | پاس انہی میں سے ایک شخص ڈرسنانے والا بھیجا گیا؟ |
| هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ٥ (۵۰ : ۱-۲) | اور کہنے لگے کہ یہ تو عجیب بات ہے۔ |

پس ارشاد ہوا کہ قضا و قدر کے نوشتے تو تم دیکھ نہیں سکتے۔ البتہ اپنے قلم اور قلم کی تحریروں کو دیکھو تو اس کو بالکل دعوائے نبوت کے مشابہ پاؤ گے۔ قلم میں اور نبی میں یہ مشابہت ہے کہ جس طرح نبی کا یہ دعویٰ ہے کہ مجھے رب العالمین کے احکام معلوم ہیں اور انہی احکام کے اظہار و ابلاغ پر میں مامور ہوں، اسی طرح قلم کا دعویٰ ہے کہ مجھے اُس شخص کی ضمیر پر اطلاع ہے کہ جس کی انگلیوں کے بیچ میں میں حرکت کر رہا ہوں اور اُسی کے مافی الضمیر کا اظہار میرا کام ہے" جس طرح قلم کا نوشتہ اُس کے صدقِ دعویٰ کا ثبوت ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی باتیں ان کے مامور من اللہ ہونے کی دلیل تھیں اور جس طرح قلم کو کوئی ذی عقل دیوانہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ محض دوسرے کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے، اسی طرح انبیائے کرام کو دیوانہ کہنا بھی حماقت میں داخل ہے کیونکہ ان کا کام صرف خالق کردگار کے ارشادات کا لوگوں تک پہنچانا تھا۔

### شاعر ہونے کا افتراء

اعدائے ملت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری سے بھی متہم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے مضامین خیالی غیر واقعی ہیں گو منظوم نہ ہوں۔ پس شاعری سے کلام موزون مقصود نہیں بلکہ غیر واقعی مضامین کو اپنی قوتِ بیانی سے ایسے دلکش پیرایہ میں بیان کرنا مراد ہے کہ طبائع اس کی طرف مائل ہوں۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک (۳۶ : ۶۹، ۲۶ : ۲۲۴ - ۲۲۶) میں شعر اور شعراء کی نسبت جو کچھ فرمایا ہے اس کا

ماحصل یہ ہے کہ شاعروں کی مندرجۂ ذیل چار خصوصیتیں ہیں۔ لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں ان چاروں باتوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جا سکتی۔

(۱) شعراء کی تعلیم ایسے باکمال لوگ نہیں پیدا کر سکتی جیسے کامل لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے پیدا کیے بلکہ اس کے برعکس ان کی تعلیم سے عموماً گمراہی اور بداخلاقی پھیلتی ہے۔

(۲) شاعر تو ہر کوچے میں سر مارتے اور ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ زمین آسمان کے قلابے ملانا ان کا شیوہ ہے۔ ان کی شاعری میں ایسے نفیس قوانینِ حکمت نہیں پائے جاتے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہیں۔

(۳) شعراء لذاتِ فانیہ کے تذکرہ میں منہمک ہیں اور لوگوں کو انہی کی ترغیب دیتے ہیں لیکن ہمارا رسول تو خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔

(۴) شعراء خود اپنی تعلیم پر عمل نہیں کرتے لیکن ہمارا فرستادہ جو تعلیم دیتا ہے خود بھی اس پر عمل پیرا ہے۔

### رسول اللہ کے کلام میں بلاقصد موزونیت

معلوم ہو کہ شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو بالقصد شعر کے طرز پر مقفیٰ اور موزون بنایا گیا ہو۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہ تھے۔ آپ کے ارشاداتِ مبارکہ میں جو کہیں کہیں کلام موزون پایا جاتا ہے تو وہ بلاقصد زبانِ مبارک پر جاری ہوا تھا اور کلام میں بے ارادہ موزونیت آجائے تو اس کو شعر نہیں کہتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب آپ کے نطق ہمایوں میں بلاقصد بھی موزونیت آجاتی تھی تو اگر آپ شعر گوئی کا قصد فرماتے تو آپ کس درجہ بلاتکلف بہترین اشعار پر قدرت پا سکتے تھے۔ مگر ربِّ جلیل نے شعر گوئی کو آپ کے شایانِ شان نہیں سمجھا چنانچہ آپ کی نسبت فرمایا وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور شعر گوئی آپ کے شایانِ شان بھی نہیں)

یاد رہے کہ نفسِ شعر میں کوئی حسن و قبح نہیں۔ اگر شعر کا مضمون اچھا اور مفید ہو تو شعر مستحسن ہے اور اگر مضمون جھوٹ، مخربِ اخلاق یا اللہ تعالیٰ سے مہجور اور اس کی یاد سے دور کرنے والا ہو تو وہ مذموم ہے۔ لیکن چونکہ نظم عموماً شاعرانہ خیال آفرینی پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے شعر شاعری انبیاء علیہم السلام کی عظمتِ شان کے منافی سمجھی گئی۔ اور اس لحاظ سے کہ زمین آسمان کے قلابے ملانا اور ایسے مضامین باندھنا جن کو حقیقت سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا شعراء

کا عام شیوہ ہے، حق تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول ؐ کو شعر گوئی سے محفوظ رکھا۔ شاعروں کے چند خرافات نمونۃً ہدیۂ ناظرین ہیں:

عارض نے تیرے چمک چمک کر
آئینہ کی آب و تاب کھو دی
الٰہی آبرو رکھ لے مرے رشکِ مسیحا کی
اجل کے ساتھ جھگڑے ہو رہے ہیں میرے درماں پر
رہ گیا اپنا سا مونھ لے کے وہ آئینہ
تیری تصویر کو یوسف نے جو دیکھائے کر
اے رشکِ مسیحا تیری رفتار کے قرباں
ٹھوکر سے کئی بار مری لاش جلادی
اے بادِ صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے
اُس گُل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی
صبا نے اُس کے کوچہ سے اڑا کر
خدا جانے ہماری خاک کیا کی

**رسول اللہ ؐ کی موت کی آرزو**

عرب میں دستور تھا کہ امراء و اعیان ہجو گوئی کے خوف سے شاعروں کی خوشامد کرتے رہتے تھے اور جن شاعروں کو اپنا مخالف سمجھتے تھے، اگر ان پر بس چلتا تھا تو ان کو محبوس کر دیتے یا موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ورنہ آرزوئے موت پر اکتفا کرتے تھے۔ قریش حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شاعر قرار دے کر آپ کی بابت مشورہ کرنے کے لیے دارالندوہ میں جمع ہوتے۔ پہلے تو آپ کی ایذا رسانی کے منصوبے سوچتے رہے۔ اس کے بعد یہ تجویز زیر بحث رہی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قید کر دیں اور پھر یہاں تک انتظار کریں کہ زمانہ انہیں (خدانخواستہ) اُسی طرح قعرِ ہلاک میں ڈال دے جس طرح اس سے پیشتر زُہیر اور نابغہ وغیرہما کو دستِ زمانہ نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس پر ربِ مقتدر نے یہ آیت نازل فرمائی:

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ○ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ○

(۵۲: ۳۰-۳۱)

ہاں کیا یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ (محمدؐ) شاعر ہیں اور ہم ان کے بارہ میں حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ بہتر! تم (میری موت کا) انتظار کرتے رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ (انجام کار کا) منتظر ہوں۔

یعنی آپ کہیے کہ تم میرا انجام دیکھو اور میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں"۔ اس میں اشارۃً یہ پیشین گوئی ہے کہ میرا انجام کامرانی اور فلاح پر منتج ہوگا اور تمہارا مآل خسرانِ اَبَدی ہے۔ معاندینِ رسالت کے اس خیال کا یہ منشا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو مذہبی طریقہ جاری کیا ہے یہ ہرگز نہیں چلے گا۔ جب یہ خود طعمۂ اجل ہو جائیں گے تو دین بھی (معاذ اللہ) قعرِ گمنامی میں مستور ہو جائے گا لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

### آپ کے ساحر ہونے کی فسانہ پردازی

قریش آپ کو ساحر یعنی جادوگر بھی کہا کرتے تھے۔ یہ افترا محض آپ کی تعلیم کے سریع الاثر اور قوی التاثیر ہونے کی بنا پر کیا گیا تھا۔ اور کہتے تھے کہ یہ ایک جادوگر ہیں جو اپنی قوت تاثیر سے باپ بیٹے بھائی بھائی اور جورو خاوند میں تفریق ڈال دیتے ہیں۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ آپ کی تعلیم کی قوت سریع الاثر اور نہایت قوی تھی۔ پس یہ بھی آپ کا ایک اہم معجزہ ہے۔ خود قریش نے بارہا اس معجزہ کا اعتراف کیا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

| | |
|---|---|
| اِنۡ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنۡ اٰلِھَتِنَا لَوۡلَاۤ اَنۡ صَبَرۡنَا عَلَیۡھَا<br>(۲۵ : ۴۲) | قریش نے کہا کہ اگر ہم مضبوطی کے ساتھ قائم نہ رہتے تو قریب تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتے۔ |

رب العالمین عز اسمہ نے ساحری کے افترا کی نسبت ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| کَذٰلِکَ مَاۤ اَتَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ۔<br>(۵۱ : ۵۲) | اسی طرح پہلے لوگوں کے پاس بھی کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو۔ |

حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے زعمائے قریش سے فرمایا کہ چالیس سال کی عمر میری تمہارے درمیان میں گزری۔ تم میرے تمام حالات سے بخوبی واقف ہو۔ کوئی بات تم سے مخفی نہیں۔ بتاؤ کہ میں نے سحر کس سے سیکھا، کب سیکھا اور کہاں سیکھا؟ جب تم اس بارہ میں لاجواب ہو تو رجماً بالغیب مجھے سحر کا الزام دینا کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے۔

### کاہن ہونے کی افترا پردازی

کاہن غیب کی خبریں بتانے والوں اور فال گوؤں کو کہتے ہیں اور کہانت دعوائے غیب دانی اور غیب کی خبریں بتانے کا نام ہے۔ تمام قدیم قوموں میں کاہنوں کا وجود پایا جاتا تھا۔ عرب کے بت پرستوں میں بھی ہر جگہ کاہن موجود تھے اور لوگ دور و نزدیک سے اپنی تمنائیں لے کر ان کے پاس پہنچتے تھے۔ قریش میں سے بعض لوگ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہانت کی طرف بھی منسوب کرتے تھے۔ خدائے برتر نے اس افترا کی تردید میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| فَذَکِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ | پس آپ ان کو برابر سمجھاتے رہیے کیونکہ آپ اپنے |

رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ (۵۲ : ۲۶) پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون۔

خود کاہن ہونا تو کجا حضرت بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے ساتھ ہی کہانت کو گورِ گمنامی میں دفن کر دیا اور مدعیانِ غیب دانی کا زور کلیۃً توڑ دیا۔ آپ نے برملا کہہ دیا کہ خالق ارض وسماء کے سوا غیب داں کوئی نہیں اور غیب دانی کے جو کچھ دعوے کیے جاتے ہیں سب لغو اور بے سروپا ہیں۔

علاوہ ازیں کاہنوں کی غیبی اطلاعوں کا مأخذ شیاطین ہیں اور شیاطین ہمیشہ ایسے لوگوں پر اُترا کرتے ہیں جو پہلے سے دروغ گو بدکردار ہوں۔ کاہنوں کا معمول ہے کہ اپنی ابلیسی خبر رسانی کے وقت شیاطین کی طرف کان لگائے رہتے ہیں اور لوگوں سے شیاطین کی لائی ہوئی خبروں کے بیان کرتے وقت بکثرت جھوٹ بولتے ہیں چنانچہ عامل اب بھی اسی حالت میں پائے جاتے ہیں کیونکہ استاذ اور شاگرد میں باہم مناسبت لازم ہے۔ پس ظاہر ہے کہ شیطان کا شاگرد یعنی اس سے حاصل کرنے والا کاہن بھی وہی ہو گا جو دروغ گو بدکردار ہو اور اس کی باطنی توجہ کا محور ابلیسی لشکر ہو کیونکہ توجہ کے بغیر استفادہ محال ہے۔ مزید براں ظن وتخمین سے کام لے کر بہت کچھ حاشیہ آرائی بھی کرتے ہیں جو صریح کذب بیانی اور دروغ بافی ہوتی ہے۔ یہ سب کہانت کے لوازم عادیہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ میں بالعموم اور حضرت افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں بالخصوص قطعاً منتفی تھے۔ پس کہانت کا کوئی احتمال نہ رہا۔

# فصل ۱۲۹۔ محبوبِ ربّ العالمین کو ابنِ ابی کبشہ سے ملقّب کرنے کی شیطنت

فضائے عرب پر جہالت کی گھٹا چھائی تھی کہ دفعۃً اُفقِ مکہ پر برق ہدایت چمکی اور نورِ حق کا اُجالا تمام عرب پر چھا گیا۔ خیرہ چشموں کی آنکھیں تابِ نظارہ نہ لا سکیں اس لیے ظلم وتعدی پر آمادہ ہوئے تاکہ نورِ حق کی روشنی کو ظلمتِ کفر میں چھپا دیں۔ مگر سیلِ صداقت برابر بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ریگستانِ عرب رشکِ گلزار بنا دکھائی دیا۔

یہ حالت دیکھ کر کور باطن حُسّاد نے نورِ اسلام کے انطفاء کو زندگی کا مقصد وحید قرار

دے لیا اور داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام اور آپ کے پیرووں کو جسمانی اور روحانی صدمے پہنچانا جزو مذہب اور قومی شعار بن گیا۔ جس طرح مشرکین مکہ اہل حق کو بت پرستی سے باز رہنے کی بنا پر صابی (یعنی بے دین) کہتے تھے، اسی طرح اب انہوں نے پاکوں کے سردار حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ (ابو کبشہ کا بیٹا) کے نفرت انگیز لقب سے یاد کرنا شروع کیا۔

ابو کبشہ جس کی طرف نسبت کر کے ارباب شرک ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے دنیا میں پہلا شخص تھا جس نے شعریٰ کی پرستش شروع کی اور کہا کہ یہ ستارہ آسمان کو چوڑان میں قطع کرتا ہے۔ اس کے سوا کوئی ستارہ ایسا نہیں جو آسمان کو عرض میں طے کرتا ہو۔ اس خیال سے ابو کبشہ نے بت کو چھوڑ کر اس کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔

چونکہ یہ اقدام قریش کے مسلکِ اصنام پرستی کے خلاف تھا، اس بنا پر جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے لوگوں کو توحید الٰہی کی طرف بلانا شروع کیا اور انہیں ہدایت کی کہ بتوں کو پس پشت ڈال دیں تو قریش نے کہنا شروع کیا کہ یہ ابو کبشہ کا بیٹا ہے یعنی جیسے ابو کبشہ نے بت پرستی چھوڑ کر ہماری مخالفت کی اسی طرح مدعیٔ نبوت نے بھی اصنام پرستی سے موبنھ موڑ کر راہِ خلاف اختیار کی ہے۔

# فصل ۱۳۰۔ ولید بن مغیرہ پر قرآن کی اثر انگیزی

**مکّہ مکرّمہ کا رئیسِ اعظم**

حضرت سیف اللہ خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ مکہ معظمہ کا رئیسِ اعظم اور سب سے زیادہ مالدار شخص تھا۔ اس کے دس بیٹے تھے جو اس کے پاس رہتے تھے اور مال و زر کی بہتایت کی وجہ سے ان کو تلاش معاش کے لیے کہیں جانا نہ پڑتا تھا۔

قریش کی طرف سے ہر ممکن کوشش عمل میں لائی جاتی تھی کہ قرآن کی سامعہ نواز صدا کسی کان میں نہ پڑے لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی انسانی سماعت اس سے لذت اندوز ہو ہی جاتی تھی۔ ولید بن مغیرہ متموّل اور رئیسِ اعظم ہونے کے علاوہ مشہور شاعر بھی تھا جو غزلیں اور قصیدے لاجواب کہتا تھا۔ ایک دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم (جہر کی ممانعت سے پہلے) نماز میں قرآن جہراً پڑھ

رہے تھے۔ اتفاق سے ولید بھی آنکلا اور آپ کی قرأت سُن لی۔ آیاتِ قرآنی کی فصاحت و بلاغت اور لطافتِ بیان نے اسے مسحور کر دیا اور وہ اسلام کی طرف مایل ہو گیا۔

**ولید کو ابوجہل کی ملامت**

لیکن خوبیٔ قسمت کا کوئی علاج نہیں۔ جب ابوجہل کو اس کے میلانِ خاطر کی اطلاع ہوئی تو وہ دوڑتا ہوا آیا، اور کہنے لگا کہ تمہاری قوم تم سے بدگمان ہو گئی ہے کہ تم اپنے آبائی دین اور قومی رسوم سے منحرف ہو کر گودوں کے پالے بچے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کرنا چاہتے ہو۔ شہر کے رئیسِ اعظم کے لیے یہ بڑی کمینگی اور کم ظرفی اور پست فطرتی اور سخت ذلت کی بات ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ اب تم کوئی ایسا رویّہ اختیار کرو جس سے سب کو اطمینان ہو جائے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی نہیں کرو گے۔

ولید بولا تم جانتے ہو کہ آج عرب کے اندر شاعری میں میرا کوئی ہمسر نہیں لیکن میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ایسا مؤثر و لذیذ پایا ہے کہ جس کی حلاوت میں تمام عمر نہیں بھولوں گا۔" ابوجہل نے کہا یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ اگر قوم و برادری کے ساتھ تعلقات بحال رکھنا چاہتے ہو تو تمہیں کوئی ایسی روش اختیار کرنی پڑے گی جس سے قوم کی بدگمانی دور ہو۔"

**ولید شیطان الانس کی کمندِ خدع میں**

غرض اس شیطان الانس نے ولید کو بہکا کر ایسے تذبذب میں ڈال دیا کہ اسے سعادتِ ایمانی حاصل کرنے کا کسی طرح حوصلہ نہ ہوا اور مجبوراً کہنا پڑا کہ اچھا میں غور کروں گا کہ مجھے کیا کہنا اور کیا کرنا چاہیے اور ابوجہل کی کمندِ خدع میں ایسا پھنسا کہ جس سے مدت العمر نکلنا نصیب نہ ہوا۔

## فصل ۱۳۱۔ ایک مشرک کی طرف سے ولید کے گناہ اُٹھانے کی ذمّہ داری

دوسری روایت میں ہے کہ ولید بن مغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا لیکن جب قبولِ اسلام کے بعد اپنے گھر کو واپس آ رہا تھا تو راستہ میں ایک دوست ملا۔ ولید نے اس سے اپنے قبولِ اسلام کا ذکر کیا۔ وہ کہنے لگا ولید! سخت حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ تو اپنا

آبائی دین اور بزرگوں کے رسم و رواج چھوڑ کر ایک نو حادث مذہب میں داخل ہو گیا ہے"۔ ولید بولا کہ میں عذاب الٰہی سے خوف زدہ ہوا اس لیے دینِ حق قبول کر لیا"۔ اس نے کہا اگر عذاب کا اندیشہ ہے تو مجھے کچھ مال دو میں اس کے عوض میں تمہارے سارے گناہ اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ ولید نے وعدہ کیا کہ میں اس قدر مال تمہیں دوں گا لیکن اس کے بعد کچھ تھوڑا سا مال دیا اور دستاویز لکھوا کر شہادتیں کرائیں اور مرتد ہو کر مطمئن ہو بیٹھا کہ تمام گناہ بسہولت ساقط اور محو ہو گئے۔ خوب جان بچی کہ تھوڑی سی رقم پر خیر گزری۔ اس وقت سورۂ نجم کی یہ چند آیتیں نازل ہوئیں (لباب النقول) ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

"کیا آپ نے اُس شخص (کے حال) پر بھی نظر کی ہے جس نے (دینِ حق سے) رُوگردانی کی اور تھوڑا سا مال دے کر بند کر دیا؟ کیا اس کے پاس علم غیب ہے جو اس کو دکھائی دے رہا ہے (کہ دوسرا شخص اس کا عذاب آخرت میں اُٹھا لے گا؟) کیا اس کو (اس مضمون کی) خبر نہیں پہنچی جو صحائف موسیٰ میں درج ہے؟ اور ابراہیمؑ کے صحیفوں میں بھی جو بڑے وفادار (تعمیلِ احکام پر مستعد) تھے۔ (ان صحیفوں میں لکھا ہے کہ) کوئی شخص کسی کا بارِ گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب (آخرت میں) دیکھی جائے گی۔ پھر اُس کو اس کا پورا پورا معاوضہ ملے گا"۔ (۵۳: ۳۳-۴۱)

## دُنیوی کامیابیوں میں وحید العصر

یاد رہے کہ ولید مال و دولت کی بہتات اور اولاد کی کثرت اور تمام دوسری فانی وجاہتوں اور کامرانیوں میں اقران و اماثل میں ممتاز تھا اس لیے وحید مشہور ہو گیا تھا۔ اسی وحید العصر کی نسبت حق تعالیٰ نے (سورۂ مدثر میں) فرمایا:

"اے پیغمبرؐ! ہم کو اور اس (نابکار) کو چھوڑ دیجیے (کہ ہم اُس سے بھگت لیں گے) جسے ہم نے وحید بنایا اور پھر اُس کو بکثرت مال عنایت کیا اور (کثرتِ مال کے علاوہ) بیٹے جو (مجالس میں) بیٹھنے والے ہیں اور اُس کے لیے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا۔ اس پر یہ (بے جا) توقع لگائے بیٹھا ہے کہ ہم (آخرت میں بھی) اُس کو اور دیں گے۔ سو ہرگز ایسا نہ ہو گا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ (بلکہ) ہم اس کو (دوزخ کے) صعود (پہاڑ) پر چڑھائیں گے (۷۴: ۱۱-۲۶)

## مرنے کے وقت جزع و فزع

ولید بن مغیرہ ہجرت نبوی کے چند ماہ بعد طعمۂ اجل ہوا تھا کہتے ہیں کہ وہ حالت نزع میں بہت کچھ جزع فزع کرتا رہا۔

ابو جہل نے کہا چچا! جزع کی کیا وجہ ہے؟ بولا مجھے خوف ہے کہ ابن ابی کبشہ کا دین مکہ میں رائج نہ ہو جائے۔ ابو جہل نے کہا تسلی رکھو۔ میں اس بات کا ذمہ لے چکا ہوں کہ یہاں محمدؐ کا دین رواج پذیر نہ ہونے دوں گا (مدارج)

# فصل ۱۳۲۔ اعداء کی ایک اور بدسگالی

گو قریش قرآن مجید کی اثر انگیزی اور سحر بیانی کو تسلیم کرتے تھے لیکن ان میں سے بعض ازراہ شرارت یہ بھی کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں وہ کلام الٰہی نہیں بلکہ (معاذ اللہ) شیطان کا کلام ہے اور یہ سب باتیں القائے شیطانی ہیں۔

رب السموات والارض نے اس بدباطنی کے جواب میں فرمایا کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے شیطان کا نہیں۔ کیا ہم تم کو بتائیں کہ شیاطین کن لوگوں کے پاس آتے ہیں۔ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیۡمٍ (وہ جھوٹوں گنہگاروں کے پاس آتے ہیں)

یعنی اگر یہ کلام شیطان کی طرف سے نازل ہوتا تو شیاطین چونکہ جھوٹ اور بدخلقی کی تعلیم دیتے ہیں اس لیے ضرور تھا کہ اس کلام کا پیش کرنے والا خود بھی (معاذ اللہ) کذب شعار اور بدچلن ہوتا اور لوگوں کو بھی برائیوں کی تلقین کرتا حالانکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ناجائز نفسانی خواہشوں سے دست بردار ہونے اور انقطاع الی اللہ اور تعلق باللہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ان کی پاکیزگی اخلاق کی جو حالت ہے اس کا مکہ کا ہر چھوٹا بڑا گواہ ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزگی اخلاق کے موضوع پر ایک کتاب راقم الحروف کے زیر تالیف ہے جس کا نام شمائل کبریٰ ہے۔ اس تصنیف میں دنیا کے محسن اعظم و مصلح اکبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق و شمائل پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔ اگر موفق حقیقی کی نصرت و توفیق بخشی شامل حال ہوئی تو وہ کتاب مستطاب بھی ان شاء اللہ العزیز قدر دان احباب کے ہاتھوں میں جلد پہنچے گی۔

---

# فصل ۱۳۳ حضرت طُفَیل رض بن عَمرو دَوسی کے دل میں نورِ توحید کی جلوہ گری

طُفَیل بن عَمرو دَوسی رضی اللہ عنہ قبیلۂ دوس کے رئیس تھے جو یمن کے ایک گوشہ میں آباد تھا اور بڑا طاقتور تھا۔ ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا۔ حضرت طفیل رض کا شمار عرب کے فحول شعراء میں تھا۔ وہ شعر و سخن میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں عرب کے اندر شعراء کا بڑا اثر تھا۔ وہ جدھر چاہتے تھے قبیلہ کو اپنی قوت بیانی و طلاقت لسانی سے مائل کر لیتے تھے۔

### خواجۂ عالم ﷺ سے متنفّر کرنے کی ابلیسی کوشش

قریش کا معمول تھا کہ جونہی کسی نو وارد کو مکہ معظمہ میں دیکھتے اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس درجہ بہکاتے اور متنفر کرتے کہ اگر خاص آپ کی ملاقات کے لیے بھی کہ مکرمہ آیا ہوتا تو اپنا ارادہ فسخ کر دیتا۔ قریش نے سنا کہ طُفیل بن عَمرو مکہ آئے ہیں تو یہ خیال کر کے بہت پریشان ہوئے کہ اگر انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی تو اپنے قبیلہ کو اسلام کا گرویدہ بنا دیں گے۔ اس لیے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح آپ تک نہ پہنچنے پائیں۔

حضرت طفیل رض کا بیان ہے کہ جونہی میں نے مکہ میں قدم رکھا قریش کے آدمی آ آ کر مجھ سے ملنے لگے اور یہ کہنا شروع کیا کہ طفیل! تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو، اس لیے ہم از راہِ خیر خواہی آگاہ کیے دیتے ہیں کہ یہاں محمدؐ نام ایک شخص ہے جس نے ہماری جمعیت پراگندہ کر دی ہے۔ اس کی باتیں جادو کا حکم رکھتی ہیں۔ وہ اپنی قوت بیانی سے بھائی بھائی میں، اولاد اور اس کے والدین میں، میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ اس نے ہمارا قومی شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ تم یہاں نو وارد ہو اس شخص کے حالات سے بالکل بے خبر۔ اس لیے تمہاری طرف سے کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں اس کے دام میں نہ پھنس جاؤ۔ پس یہ ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم نہ اس سے ملو اور نہ اس کی بات سنو۔”

### حضرت طفیل نے کانوں میں روئی ٹھونس لی

حضرت طفیل رض کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے

مجھے آپ کی طرف سے اس درجہ نافرا اور وحشت زدہ کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ اگر بالفرض کہیں ملاقات ہو جائے تو آپ کی کوئی بات نہ سن سکوں۔ لیکن یہ احتیاط بیکار ثابت ہوئی کیونکہ دوسرے ہی دن میں نے آپ کو مسجد حرام میں کعبہ کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا۔ مجھے یہ طریق عبادت پسند آیا۔ آپ نے نماز میں قرآن کی جو آیتیں پڑھیں وہ میرے کان تک پہنچ گئیں۔ میں سننے لگا تو اس کلام میں بڑی دل آویزی معلوم ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا میں ایک شاعر، صاحب ذکا، اور مبصر ہوں۔ نیک و بد میں بخوبی تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں اس شخص کی گفتگو سے پرہیز کروں۔ اگر اس کے کلام میں کوئی خوبی اور جاذبیت ہے تو اس کے اعتراف میں بخل نہ کرنا چاہیے۔ اور اگر ناقابلِ توجہ ہوگی تو اپنا رستہ لوں گا۔ یہ خیال کر کے میں منتظر رہا۔

## ہادیٔ انامؐ کی باتیں قعر دل میں

حضرت طفیل رض کا بیان ہے کہ آپ نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ اقدس کو تشریف لے چلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ میں نے کہا محمدؐ! آپ کی قوم نے مجھے بہت بہکایا اور یہاں تک آپ سے خوف زدہ کیا کہ میں نے آپ کے کلام سے محفوظ رہنے کے خیال سے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی۔ لیکن اب یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنی رسالت کی تبلیغ کریں۔ اگر آپ کی باتوں میں حق و صداقت کی کوئی روح نظر آئے گی تو عجب نہیں کہ ان کو قبول کر لوں۔" آپ نے اسلامی اصول میرے سامنے پیش کیے۔ آپ کی باتیں میرے قعر دل میں پیوست ہو گئیں۔

اس کے بعد آپ نے قرآن کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ میں خود عربی زبان کا شاعر تھا۔ محاسن کلام کو بخوبی سمجھتا تھا۔ میں نے قرآن سے بہتر کبھی کوئی کلام نہیں سنا تھا اور نہ آپ کے ارشاداتِ گرامی کے مقابلہ میں کوئی حکیمانہ تقریر سنی تھی۔ بادۂ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گیا اور لطیبِ خاطر اہلِ حق کی جماعت میں داخل ہوا۔ میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ میری خواہش ہے کہ وطن جا کر لوگوں کو دعوتِ اسلام دوں۔ آپ نے اس کی اجازت دی۔

## گھر والوں کا سعادت ایمان سے بہرہ مند ہونا

میں آپ سے رخصت ہو کر اپنے وطن گیا۔ رات کے وقت گھر پہنچا۔ میرے والد ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ وہ میری آمد کی خبر سن کر علی الصباح میرے پاس آئے۔ میں نے کہا میں آپ کا

احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ جتلا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ آیندہ سے میرا آپ کا تعلق منقطع ہے۔" والد نے کہا کیوں فرزند کیا ہوا؟ میں نے کہا میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طوقِ غلامی گردن میں ڈال کر اُن کے دینِ حق میں داخل ہو گیا ہوں اور آپ کفر و شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں"۔ والد کی قسمت میں بھی سعادتِ ایمان لکھی تھی۔ انہوں نے کوئی تلخ جواب دینے کے بجائے کہا بیٹا! وہ دین جو تم نے اختیار کیا ہے اگر اسی میں صداقت ہے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں"۔ میں نے کہا آپ غسل کر کے پاک کپڑے پہنیئے۔ انہوں نے غسل کر کے کپڑے بدلے اور میں نے ان کو اسلام کی تلقین کی۔

بیوی کو آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھی آئیں۔ میں نے کہا آیندہ کے لیے میرے تمہارے تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ بیوی نے کہا میں قربان جاؤں اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا اسلام نے میرے تمہارے درمیان افتراق کی خلیج حایل کر دی ہے اور میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی اختیار کی ہے۔ بیوی بولیں تو میں تمہارا دین اختیار کرتی ہوں۔ میں نے کہا پہلے جا کر غسل کرو اور پاک کپڑے پہنو اور ذُوالشریٰ کی ناپاکی دور کرو۔ ذُوالشریٰ قبیلۂ دُوس کے معبود بُت کا نام تھا۔

**بے حِس بُت کی ضرر رسانی کا وہم**

میری بیوی نے کہا ایسا نہ ہو کہ ذوالشریٰ ہمیں یا ہمارے بچوں کو کوئی تکلیف پہنچائے"۔ میں نے کہا بتوں میں کوئی قدرت نہیں۔ وہ ایسے بے حِس ہیں کہ انہیں اپنی ہستی تک کا کوئی علم نہیں۔ غرض میری بیوی بھی مشرف باسلام ہوئیں۔ اسی طرح والدہ نے بھی حلقۂ ایمان میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت طُفَیل رض کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے اپنے قبیلہ دُوس کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کے قبول کرنے سے قطعی انکار کیا۔ یہ دیکھ کر میں دوبارہ عازمِ مکہ ہوا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! میرے گھر والے مشرف بایمان ہو چکے ہیں۔ دعا فرمائیے کہ میرا قبیلہ بھی جلد اسلام قبول کرے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ خدایا! دُوس کو ہدایت دے اور اس پر رحمت نازل فرما"۔ دعا کے بعد ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی اور آشتی کے ساتھ لوگوں کو پھر اسلام کی طرف مایل کرو"۔

**سرورِ عالمؐ کی دعا کا اثر**

آپ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ لوگ جُوق جُوق اسلامی برادری

میں داخل ہونے لگے۔ اس اثنا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی۔ اس کے بعد جب آپ غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے ہیں تو اس وقت میں اپنے قبیلہ کے ستر اسی گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینۃ الرسولؐ پہنچا۔ یہ سب لوگ میرے ہی ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر بڑی نوازشیں فرمائیں (سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد)

# فصل ۱۳۴۔ معاندین رسالت کا ایک خاص اجتماع

اعدائے دین انفرادی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، مجنون، ساحر وغیرہ القاب سے تو یاد کیا ہی کرتے تھے لیکن انہیں اجتماعی صورت میں کبھی یہ تصفیہ کرنے کا اتفاق نہ ہوا تھا کہ آپ کے لیے کون سا مذموم لقب اختیار کریں۔ ایک مرتبہ اس مجلسی فیصلہ کی تقریب بھی پیدا ہوگئی۔

## رسول الثقلینؐ کے لیے کوئی برا لقب تجویز کرنے کا مشورہ

قریش میں ولید بن مغیرہ بڑا گھاگ اور گرگِ باراں دیدہ تھا۔ چونکہ شہر کا رئیسِ اعظم اور بہت بڑا مال دار تھا، اس کے پاس بکثرت لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ جب حج کے دن قریب آئے تو قریش کے چند ممتاز آدمی اس کے پاس پہنچے۔ اس نے کہا اے عمایدِ قریش! اب حج کے دن قریب ہیں۔ اطراف و اکناف عرب کے لوگ تمہارے پاس آئیں گے اور تمہارے ساتھی (سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال وہ سن چکے ہیں۔ سو بتاؤ صورتِ حال کا کس طرح مقابلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا جناب! آپ بزرگ ہیں۔ جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ اس نے کہا نہیں تم اپنا خیال ظاہر کرو۔ مگر سب کو قاطبتًہ ایک ہی بات منہ سے نکالنی چاہیے کیوں کہ اختلاف بیانی ہوئی تو لوگ ہمیں دروغ گو یقین کریں گے"۔

## دیوانہ مشہور کرنے کی تجویز

ایک مقرر نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چرچا ہماری مخالفت کے باوجود دور دور تک پھیل گیا ہے اس لیے ضرور ہے کہ قبایلِ عرب جو اطراف و اکنافِ ملک سے مکہ آئیں گے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی دیکھنے جائیں گے اور شدید خطرہ ہے کہ ان کی باتیں سن کر کہیں مایل نہ ہو جائیں۔ اس لیے اس بات کی واقعی سخت ضرورت ہے کہ ان کے خلاف کسی ایسی بری بات کو شہرت دی جائے جس سے لوگ ان سے

نفرت کرنے لگیں اور دل ادھر مایل نہ ہوں۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

اب حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ جنون ایک ایسا سقم ہے کہ جس کے مقابلہ میں ہر نقص اور ہر انسانی علّت و رنجوری ہیچ ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیوانگی کے ساتھ شہرت دی جائے۔ جب باہر سے آنے والے لوگ سنیں گے کہ وہ شخص جنون زدہ اور مخبوط الحواس ہے تو دوڑ دوڑ بھاگیں گے اور کوئی ذی عقل ملاقات کا قصد نہ کرے گا۔ یہ ایسی اچھی تدبیر ہے جس سے تمہارا مقصد باحسن وجوہ پورا ہوسکتا ہے۔

## آنحضرتؐ کو ساحر قرار دینے کی تحریک

یہ سن کر ولید بن مغیرہ نے کہا یہ خیال لغو ہے کیونکہ اگر کوئی دریافت کرے گا تو دیوانگی اور جنون کی کوئی علامت نہ بتا سکو گے۔ پھر کہا گیا کہ اچھا شاعر کہو"۔ ولید بولا میں خود شاعر ہوں اور شاعروں کو بخوبی جانتا پہچانتا ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام شعر سے نہیں ملتا"۔ وہ کہنے لگا اچھا جادوگر سہی"۔ ولید نے کہا سحر کو ان سے کوئی مناسبت نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طہارت اور نظافت کو سحر سے بھلا کیا واسطہ؟ ساحر تو سخت پلید اور نجس ہوتے ہیں اور وہ کلام جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کرتے ہیں بڑا بے نظیر ہے۔ اس میں بڑی حلاوت ہے۔ اس میں ایسی تاثیر ہے کہ دلوں میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے وہ باپ کو بیٹے سے، عورت کو مرد سے جدا کرتے ہیں اور اس لحاظ سے دیکھو تو اس کلام کو سحر سے ضرور مشابہت ہے۔ اس لیے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لیے ساحر ہی کا لقب زیادہ موزون رہے گا۔ گو ہماری یہ کوشش سراسر عبث ہی دکھائی دیتی ہے۔

## افترا پردازیوں کی مخالفت میں ایک آواز

نضر بن حارث نام ایک قرشی رئیس اعدائے دین میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو عراق سے رستم اور اسفندیار کے قصے خرید لایا تھا۔ باوجودیکہ وہ ایک خطرناک دشمن تھا تاہم حضور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، کاہن، شاعر یا مجنون کہنا اُسے سخت ناپسند تھا۔ وہ بولا مجھے ان میں سے کوئی تجویز پسند نہیں کیونکہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سحر اور جنون وغیرہ کی طرف منسوب کرکے کافۂ انام کے سامنے اس بات کا عملی ثبوت پیش کرو گے کہ قوم قریش بڑی کذاب اور دروغ باف ہے"۔ غرض اجتماع ناکام اور بے نتیجہ رہا اور حاضرین کوئی فیصلہ نہ کرسکے (ابن ہشام)

**نضر کی صاف گوئی**

ایک دن قریش کے تمام بڑے بڑے رؤسا مسجد الحرام میں جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور حضور سید کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہو رہا تھا۔ مشہور عدوے رسولؐ نضر بن حارث بولا اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے۔ محمدؐ تمہارے سامنے بچپے سے جوان ہوئے۔ وہ تم میں سب سے زیادہ محبوب، راست باز اور امانت دار تھے اور تم نے ان کو "امین" کا لقب دے رکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ ان کے بالوں میں سفیدی آچلی ہے اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کی ہیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہیں۔ کاہن ہیں۔ شاعر ہیں۔ مجنون ہیں۔ میں ان سے بارہا گفتگو کر چکا ہوں اور ان کی باتیں سنی ہیں۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس قسم کی کسی بات کا کوئی شائبہ تک نہیں (سیرت ابن ہشام)

# فصل ۱۳۵ منصبِ قضا سے حضرت صدیقِ اکبرؓ کی برطرفی

قریش کعبۂ معلیٰ کے متولی اور کلید بردار تھے اس لیے تمام عرب میں ان کی مذہبی حکومت وسیادت مسلم تھی اور باوجودیکہ اس تعلق سے قریش کا کاروبار دور دور تک پھیلا ہوا تھا تاہم ان میں کوئی شخص بمنزلہ بادشاہ کے نہ تھا کہ جس کی طرف اپنے نزاعی امور میں رجوع کرتے بلکہ مختلف خاندانوں کے سرداروں نے الگ الگ محکمے اور منصب سنبھالے ہوئے تھے۔ چونکہ دیات اور مغارم کا محکمہ حضرت عبداللہ بن عثمان یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان بنو تمیم سے متعلق تھا، عہد جاہلیت میں خون بہا اور جرمانے کے مقدمات بنو تمیم کے رئیس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی فیصل فرمایا کرتے تھے۔

الغرض جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ کو اسلام میں شرفِ تفوق حاصل ہوا اسی طرح وہ عہد جاہلیت میں بھی قریش کے مقتدر رؤسا میں شمار کیے جاتے تھے اور یہاں تک صائب الرائے تھے کہ تمام اہم امور میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا (تاریخ الخلفاء سیوطی)

لیکن جب وہ اسلام لائے اور اسلام ہی کے ہو گئے اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ رہا تو اس اسلامی شغف کو دیکھ کر قریش ان سے عناد رکھنے لگے اور مقدماتِ خون بہا کے انفصال کا کام ان سے چھین لیا (اسد الغابہ)

### آنحضرتؐ کا ارشاد کہ میرے سب سے بڑے محسن ابوبکرؓ ہیں

حضرت شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دینی خدمات اور غیر معمولی ملّی قربانیوں کے پورے قدردان تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی مصاحبت اور مال خرچ کرنے کے لحاظ سے میرے سب سے بڑے محسن ابوبکرؓ ہیں اور اگر میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو خلیل بناتا تو خُلّت کے لیے ابوبکرؓ کو چن لیتا۔ لیکن ان کی محبت اور اسلامی اخوت کا جذبہ میرے دل میں ہے (بخاری و مسلم عن ابی سعید الخدریؓ)

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں حضور فخر الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ذمّہ کسی کا کوئی عطیہ ایسا نہیں کہ ہماری طرف سے جس کی مکافات نہ ہو چکی ہو سوائے ابوبکرؓ کے عطیات کے اور بلاشبہ ہمارے ذمہ ابوبکرؓ کے عطایا ہیں کہ جن کا حق تعالیٰ قیامت کے دن ان کو قرار واقعی معاوضہ دے گا اور مجھے کسی کے مال سے اتنا نفع نہیں پہنچا جتنا کہ میں ابوبکرؓ کے مال سے منتفع ہوا ہوں۔ اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو میری نگاہِ انتخاب ابوبکرؓ کے سوا کسی پر نہ پڑتی لیکن میں خلیل اللہ ہوں (ترمذی)

### حضرت صدیقؓ کے احسانات کی گرانباری

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کی برابر امت میں کسی دوسرے کو بے انتہا ثواب نہ ملے گا کیونکہ اللہ کے رسول برحق نے ان کے احسانات کا معاوضہ حق تعالیٰ کے سپرد کیا اور ربّ العزت کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ خُلّت بالکل ایک خیال میں غرق ہو جانے اور دوسری طرف سے منقطع ہو جانے کو کہتے ہیں اور یہ خصوصیت ربّ السمٰوات والارض کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سے نہ تھی۔

## فصل ۱۳۶۔ سرزمینِ حبشہ کی طرف مظلوم صحابہؓ کی پہلی ہجرت

مکّہ کے مغرور و کینہ جو بت پرستوں کی نظر میں قبولِ اسلام کا "جُرم" کچھ ایسا خفیف نہ تھا جو کسی طرح نظرانداز کیا جا سکتا۔ اس لیے وہ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے، درندوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس وقت تک درگزر نہ کرتے جب تک وہ جرم ناآشنا ان کی نظر میں قبولِ ایمان کی قرار واقعی سزا نہ پا لیتا۔ یہ کشتگانِ خنجرِ تسلیم اعدائے دین کے مظالم سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے۔

نہ تو وہ کہیں آزادی سے چل پھر سکتے تھے اور نہ کہیں باطمینان عبادت ہی بجا لانے کا موقع تھا۔ اس لیے ان کو کہیں ایسے کہف امان کی ضرورت تھی جہاں کچھ سکون واطمینان کی سانس لے سکیں۔ لیکن وہ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بغیر از خود کچھ نہیں کر سکتے تھے اس لیے آپ کے فرمان کے منتظر تھے۔ چنانچہ اب خود آپ نے نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں اپنے جان نثاروں سے فرمایا کہ جو کوئی ہجرت کا خواہش مند ہو وہ حبشہ چلا جائے۔

## حبشہ بھیجنے میں مصلحت

حضرت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم صحابہ کو حبشہ جانے کا اس لیے مشورہ دیا کہ حبشہ کا عیسائی بادشاہ نہایت نیک طینت اور معدلت گستر فرماں روا تھا۔ لوگ اس کی عملداری میں بڑے خوش حال تھے۔ حبشہ بھی شام کی طرح قریش کا تجارت گاہ تھا۔ جب قریش بغرض تجارت وہاں جاتے تو اس جگہ خوراک کی فراوانی اور امن وطمانینت پاتے اور تجارت میں خوب فائدہ اٹھاتے۔ (ابن جریر طبری)

اس ہجرت میں ایک یہ فائدہ بھی متصور تھا کہ حبشہ کے باشندے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق وعادات سے متاثر ہوں گے اور اس طرح خورشید اسلام کی شعائیں وہاں تک پھیلنے لگیں گی۔

## مہاجرین کرام کے اسمائے گرامی

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی بارہ مردوں اور چار عورتوں کا مختصر سا قافلہ فی الفور ہجرت کے لیے آمادہ ہوا۔ یہ مقدس جماعت جو راہ خدا میں غریب الوطن ہوئی مندرجۂ ذیل حضرات پر مشتمل تھی :- حضرت عثمان بن مظعون۔ (۲) حضرت عثمان بن عفّان۔ (۳) اور ان کی زوجۂ طاہرہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۴) آنحضرت ؐ کے پھوپھیرے بھائی حضرت زُبیر بن عوّام (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۶) حضرت مُصعب بن عُمیر (۷) حضرت ابو سَلَمہ بن عبدالاسد مخزومی (۸) اور ان کی بیوی حضرت اُمّ سَلَمہ بنت ابی اُمیّہ بن مغیرہ (جو حضرت ابو سَلَمہ کی رحلت کے بعد پیغمبر علیہ السلام کے شرفِ زوجیت سے ممتاز ہو کر اُمّ المومنین بنیں) (۹) امیر معاویہ کے ماموں حضرت ابو حُذیفہ بن عُتبہ اور (۱۰) ان کی بیوی سَہلہ بنت سُہیل۔ (۱۱) حضرت عامر بن ربیعہ عنزی اور (۱۲) ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حَثمہ (۱۳) حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم عامری (۱۴) حضرت سُہیل بن بیضاء (۱۵) حضرت حاطب بن عَمرو بن عبد شمس بن عبد وُدّ

اور (۱۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم (ابن جریر طبری)۔ ابن اسحٰق نے ابو سبرہ بن ابی رہم کے ساتھ ان کی بیوی اُم کلثوم بنت سُہیل بن عَمرو کا نام بھی لکھا ہے۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ ان مہاجرین الی اللہ کے امیر قافلہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے (تاریخ ابن کثیر)

تمام حضرات اکیلے دوکیلے رات کی تاریکی میں مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفّان رض اپنی اہلیۂ محترمہ سیدہ رقیہؓ سلام اللہ علیہا کے ساتھ نکلے اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد عثمان بن عفّان سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ سمیت راہ خدا میں ہجرت کی (مستدرک حاکم)

## قریش کو تعاقب میں ناکامی

حسن اتفاق سے جب تمام مہاجر یکے بعد دیگرے بندرگاہ شعیبہ پر پہنچ لیے تو اسی وقت دو تجارتی جہاز حبشہ کو روانہ ہونے والے تھے۔ چونکہ جہاز مال سے لدے ہوئے تھے جہاز والوں نے ان مہاجروں کو بہت سستے کرایہ پر بٹھالیا۔ ان نفوس قدسیہ کی روانگی کے بعد ایک عورت مکہ مکرمہ وارد ہوئی جس نے بیان کیا کہ میں نے (حضرت) عثمان رض کو بندرگاہ شعیبہ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ ان کی بیوی (حضرت) رُقیہ رض بھی ساتھ سوار جا رہی تھیں"۔ جب قریش کو اس جماعت کی ہجرت کا علم ہوا تو بہت سٹ پٹائے اور بڑی عجلت کے ساتھ بندرگاہ تک ان کے تعاقب میں گئے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے دونوں جہاز روانہ ہو چکے تھے (طبقات ابن سعد)

معلوم ہو کہ آج کل مکہ معظمہ کی بندرگاہ جدہ ہے لیکن عہد نبوی میں جدہ ایک معمولی سی بستی تھی جسے بندرگاہ کی حیثیت حاصل نہ تھی اس لیے تمام جہاز شعیبہ میں لنگر انداز ہوتے اور وہاں سے چلتے تھے۔ آخر امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنّورین رض نے اپنے عہد خلافت میں جدہ کو بندرگاہ بنا دیا۔

## حبشہ سے مراجعت

مہاجرین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں حبشہ پہنچے تھے اور نہایت امن وسکون کے دن کاٹنے لگے تھے لیکن ابھی وہاں تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انہیں ماہ شوال میں مکہ معظمہ لوٹنا پڑا۔ اس رجعت کی وجہ مکہ معظمہ کی یہ اطلاع تھی کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت چھوڑ دی ہے اور ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے جرعۂ توحید پی کر آپ کی متابعت اختیار کر لی ہے حالانکہ یہ اطلاع بالکل بے بنیاد تھی۔

# فصل ۱۳۷۔ ولید بن مُغیرہ کی حمایت و جوار سے حضرت ابن مظعونؓ کی دست برداری

حبشہ کو ہجرت کرنے والے حضرات نہایت امن وسکون کے دن گزار رہے تھے لیکن قریش کے مشرف بایمان ہونے کی اطلاع پر سب نے مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر دیا۔ تمام حضرات کو یقین کامل تھا کہ اب بلد الامین امن و عافیت کا گہوارہ بنا ہو گا لیکن مکہ سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ اطلاع بالکل بے بنیاد تھی۔ اب یہ بے خانماں جماعت سخت کشمکش و پیچ میں پڑی کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ کر جانا بھی مشکلات سے لبریز تھا اور مکہ آتے ہوئے بھی اعداء کی جفا کاریاں چشم نمائی کر رہی تھیں۔ اسی حیص بیص میں وہیں راستہ میں رُک کر سوچنے لگے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آخر بہت کچھ سوچ بچار کے بعد اکثر تو تن بتقدیر بے یار و مددگار ہی مکہ کو چلے لیکن جن حضرات کو اپنے غیر مسلم اعزہ و احباب کی حمایت حاصل ہو سکی وہ عرب کے رواج کے مطابق ان کی پناہ پا کر شہر میں وارد ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ انہی موخرالذکر حضرات میں داخل تھے۔ یہ حضرت سیف اللہ خالد رضی اللہ عنہ کے باپ ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

### اپنے امن وسکون کی حالت پر تأسف

گو ولید بن مغیرہ کے اثر و اقتدار نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اعداء کی ایذا رسانیوں سے مامون کر دیا تھا تاہم وہ اپنے مخدوم و مُطاع حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو مبتلائے آلام دیکھ کر اپنی ذاتی راحت و اطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور دل میں یہ خیال موج زن ہو کر سوہان روح ہو گیا کہ افسوس! میرے آقا و مولیٰ روحی فداہ اور میرے اخوانِ مذہب اور خویش و اقارب تو راہ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہوں اور میں ایک غیر مسلم کی حمایت میں امن وسکون کے لمحے بسر کروں"! اس خیال نے دل کو بے چین کر دیا۔ چنانچہ اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا اے ابا عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی۔ میرے لیے حضرت رسول الثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے

اصحاب کا نمونہ کافی ہے"۔

ولید نے پوچھا کیا کسی نے کچھ تکلیف دی ہے؟ فرمایا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اب مجھے بجز خدا کے کسی دوسرے کی حمایت گوارا نہیں۔ تم میرے ساتھ ابھی بیت اللہ چلو اور جس طرح حسب دستور وہاں میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اب اس کے واپس لینے کا اعلان کر دو"۔ جب ولید نے ان کو بہت مُصر پایا تو مجبوراً مسجد الحرام جا کر مجمع عام میں اس خواہش کی تعمیل کر دی۔ حضرت عثمان رضؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی اور فرمایا صاحبو! ہیں نے ولید کو نہایت باوفا اور شفقت فرما پایا لیکن چونکہ آئندہ مجھے اللہ رب العالمین کے سوا کسی دوسرے کی حمایت پسند نہیں اس لیے میں خود ہی اس بار احسان سے سبک دوش ہوتا ہوں"۔

### لبید بن ربیعہ شاعر کا اپنا قصیدہ سنانا

اس اعلان کے بعد حضرت ابن مظعونؓ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لے گئے۔ یہاں لبید بن ربیعہ جو عرب کے مشہور شاعر تھے اپنا قصیدہ سنانے لگے۔ یہ ابھی مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ جب لبید نے یہ مصرع پڑھا اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللہ بَاطِلٌ (خدا کے سوا ہر چیز باطل اور ہیچ ہے) تو حضرت ابن مظعون نے بے اختیار داد دی کہ بالکل بجا ہے۔ نہایت صحیح ہے۔ تم نے بالکل سچ کہا۔ جب دوسرا مصرع پڑھا کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ (ہر نعمت لامحالہ زوال پذیر ہے) تو حضرت ابن مظعونؓ کہنے لگے یہ دعویٰ غلط ہے۔ یہ سن کر لبید سخت برافروختہ ہوئے اور مجمع بھی ان کی طرف غضب آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اب کسی نے شعر کے مکرر پڑھے جانے کی فرمائش کی۔ لبید نے شعر دوبارہ پڑھا۔ جناب ابن مظعون رضؓ نے پہلے مصرع کی تائید کی اور دوسرے کی نسبت کہا کہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ جنت کی نعمتوں کو زوال نہیں"۔ لبید سخت خفیف ہوئے اور عالم برہمی میں بولے اے گروہ قریش! پہلے تمہاری مجلسوں کی یہ کیفیت نہ تھی اور ظاہر ہے کہ اگر یہ شخص مجھے اسی طرح ٹوکتا رہا تو پھر میں کس طرح اپنا کلام سنا سکوں گا؟

### لبید کی اشتعال انگیزی پر مجمع کا غضب آلودہ ہونا

ان اشتعال انگیز الفاظ نے مجمع کو غضب آلود کر دیا۔ ایک بت پرست بول اٹھا کہ یہ ایک جاہل شخص ہے اور اس کے ساتھی بھی چند جہلا ہیں۔ یہ لوگ ہمارے قومی مذہب سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اس کے کہنے کا کچھ خیال نہ کرو"۔ ایک بدکردار نے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کے رخ انور

پر اس زور سے طمانچہ کھینچ مارا کہ ایک آنکھ نیلی پڑ گئی۔ ولید بن مغیرہ پاس ہی کھڑا تھا۔ کہنے لگا برادر زادے! اگر تم میری حمایت میں رہتے تو آنکھ کو یوں صدمہ نہ پہنچتا۔" فرمایا میری جو آنکھ صحیح و سالم ہے وہ بھی راہ خدا میں اپنی رفیقہ کے صدمہ میں شریک ہونے کے لیے بے قرار ہے اور میں اب اُس ذاتِ بے ہمتا کی پناہ میں ہوں جو تم سے کہیں زیادہ ذی اختیار ہے۔ ولید نے کہا عثمان! بہتر ہے کہ تم بدستور میری حمایت میں آ جاؤ۔ فرمایا میرے لیے صرف خدائے برتر کی حمایت بس ہے (سیرت ابن ہشام و اُسد الغابہ)

## لبیدؓ کی سعادت اندوزیٔ ایمان

یہاں ضمناً موقع کی رعایت سے یہ جتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی شمشیرِ صداقت انجام کار عرب کے ممتاز و سربرآوردہ شاعر لبید بن ربیعہ کو بھی گھائل کیے بغیر نہ رہی۔ جو دل پہلے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و کینہ کا آتش کدہ تھا وہی اب عشق و محبت کا گلزار بن گیا۔ حضرت لبید رض کے قبولِ اسلام کا صحیح سال متعین نہیں ہو سکا لیکن قرینہ ہے کہ جب مرکزِ نبوت مکہ کے ستم کدہ سے دارالامان مدینہ کو منتقل ہوا تو اس کے چند سال بعد دعوتِ اسلام کو لبیک کہا ہوگا۔ حضرت لبید رض نے ایک سو پینتالیس سال کی طویل عمر پائی جن میں سے نوے سال کفر کی تاریکیوں میں گزرے اور پچپن سال اسلام کے نورِ سعادت میں (اصابہ و کتاب الاغانی)

## لبیدؓ کی ہجرت

لبید رض قبیلہ بنو کلاب کے چشم و چراغ تھے۔ اس قبیلہ کے تیرہ رُؤسا کا جو وفد ۹ھ میں مدینہ منورہ آیا یہ بھی اُس میں داخل تھے۔ یہ وفد رملہ بنت حارث رض کے مکان پر ٹھیرایا گیا تھا۔ ان لوگوں نے آکر بارگاہِ نبوت میں گزارش کی یا رسول اللہ! آپ کے صحابی ضحاک بن سفیان رض نے ہمیں اسلام کی دعوت دی تھی۔ ہم نے اس دعوت کو قبول کیا۔ اب ہم کتاب اللہ اور حضور کی سُنّتِ سَنیہ پر عمل پیرا ہیں۔ ضحاک رض ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کر کے ہمارے فقراء و مساکین میں بانٹ دیتے ہیں (ابن سعد)۔ جب آفتاب نبوت لبِ بام تھا تو حضرت لبید ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے لیکن جب نیّرِ رسالت رحمتِ الٰہی کے شفق میں مستور ہو گیا تو کوفہ چلے گئے اور تا دمِ واپسیں وہیں رہے۔ (اصابہ)

## قرآن کے سامنے شاعری عبث ہے

شعر میں لبید کا پایہ کتنا بلند تھا؟ اس کا اس واقعہ پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ایک مرتبہ فرزدق شاعر کوفہ گیا اور بنو اُقیصر کی مسجد کے آگے سے گزرا۔ وہاں کوئی شخص دروازے پر کھڑا لبید رض کا ایک شعر پڑھ رہا تھا۔

فرزدق شعر سن کر اسی جگہ سربسجود ہو گیا۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ یہ سجدہ کیسا ہے؟ تو بولا کہ سجدۂ قرآن تو جانتے ہو؛ اسی طرح یہ سجدۂ شعر ہے (اصابہ و کتاب الاغانی)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت لبید رضؓ نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ قرآن کے سحر آفرین کلام کے بعد شاعری کرنا ہی عبث خیال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت مُغیرہ بن شُعبہ حاکم کوفہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ لَبیدؓ اور اغلب عجلی نے مشرف با سلام ہونے کے بعد جو شعر کہے ہیں وہ سب نقل کرا کے بھیج دو۔ جب لبید رضؓ سے اپنی نظمیں پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے شعر کے بدلے ربّ ذوالمنن نے بقرہ اور آلِ عمران جیسی سورتیں عطا فرمائی ہیں اس لیے شعر کہنا قطعاً چھوڑ دیا ہے۔ جب لبید کا یہ جواب دارالخلافہ میں پہنچا تو حضرت خلافت مآب رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر ان کے سالانہ وظیفہ میں اضافہ فرما دیا (اصابہ) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لَبید رضؓ نے اس ایک شعر کے سوا حالت اسلام میں کوئی شعر نہیں کہا ؎

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ یَاْتِنِیْ اَجَلِیْ
حَتّٰی لَبِسْتُ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالًا (اصابہ)

(اس نعمت پر خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ اُس وقت تک میں موت سے ہمکنار نہ ہوا جب تک ردائے ایمان زیب تن نہ کر لی)

## فصل ۱۳۸۔ ایک پردیسی مظلوم کی دادرسی

جن ایام میں داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرووں کے خلاف جبابرۂ قریش کے غیظ و غضب کا طوفان پوری شدت سے اُٹھ رہا تھا اور ہر قائل کلمۂ توحید کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوتے تھے، اس دورِ آشوب میں بھی مصیبت زدہ لوگوں کے حال پر آنسو بہانا، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا، رانڈوں کی سرپرستی کرنا، مفلوک الحالوں اور مسکینوں کی ڈھارس بندھوانا اور مظلوموں کی دادرسی کرنا اس ذاتِ مقدس علیہ التحیۃ والسلام کا خاص شیوہ تھا جو دنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجی گئی تھی۔ یہاں مثال کے طور پر اعانت مظلوم کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

### قیمت ادا کرنے سے ابوجہل کا انکار

ایک سوداگر اونٹوں کا گلّا لے کر بغرضِ فروخت مکہ آیا۔ ابوجہل نے بھی چند اونٹ خریدے مگر قیمت نہ دی۔ سوداگر نے بہتیری منت سماجت کی لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہاں حکومت بھی کوئی نہ تھی کہ جس کے پاس فریاد کرتا۔ مایوس و ناچار ہو کر حرم کعبہ میں آیا اور قریش کی محفل میں پہنچکر کہنے لگا کہ آپ صاحبوں میں کوئی ایسی معزز ہستی موجود ہے جو مجھے عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے رقم دلوائے یا بالفعل اپنے پاس سے دے کر بعد میں اس سے وصول کرلے؟ لیکن عمائد قریش میں ایک متنفس بھی انصاف پسند اور دادخواہ نہ نکلا۔ اس وقت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد الحرام کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔

### دادرسی کی بجائے شرارت و دل لگی

چونکہ ابوجہل سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا، امرا فساق کو دادرسی کی بجائے الٹا شرارت و دل لگی کا ایک سنہری موقع ہاتھ آیا۔ رؤسا، فجار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے دیکھو وہ شخص جو مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے اس سے جا کر کہو، وہ تمہاری رقم دلوا دے گا"۔ پردیسی سوداگر حقیقتِ حال سے بے خبر تھا۔ وہ آکر حضرت اقدس سے کہنے لگا اے بندۂ خدا! عمرو بن ہشام نے میری رقم دبا لی ہے اور میں سخت بدحال غریب الوطن ہوں۔ میں نے ان لوگوں سے درخواست کی تھی کہ میری رقم دلوا دیں۔ انہوں نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ آپ چل کر میرے دام دلوا دیجئیے۔ خدا آپ پر رحم کرے گا"۔

### رقم دلانے پر آنحضرتؐ کی آمادگی

ہر چند کہ آپ سے مذاق کیا گیا تھا اور بظاہر کامیابی کی کوئی امید نہ تھی، لیکن چونکہ آپ ضعیفوں کے حامی اور بیکسوں کے ملجا و ماویٰ تھے آپ کی رگِ حمیّت و غیرت جنبش میں آگئی اور سوداگر سے فرمانے لگے چلو میں تمہاری رقم دلاتا ہوں"۔ جب آپ سوداگر کو ساتھ لے کر ابوجہل کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کے سردار متحیّر ہوئے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا لیکن یہ تو سچ مچ ابوجہل سے رقم دلانے جا رہے ہیں۔ جھٹ ایک آدمی آپ کے پیچھے روانہ کیا کہ دیکھ یہ جا کر کیا کرتے ہیں؟

### ابوجہل کا تھر تھر کانپنا

آپ نے ابوجہل کے مکان پر پہنچ کر دروازہ پر دستک دی۔ اس نے کہا کون ہے؟ آپ نے پرجلال لہجہ میں فرمایا"میں محمد ہوں زرا باہر آؤ۔ ان الفاظ میں حق و صدق کی جو روح تھی وہ اپنا کام کر گئی۔ باوجودیکہ بوجہل آپ کے نیے

خون خوار بھیڑیا تھا، تاہم آپ کی آواز سنتے ہی سہم گیا۔ جھٹ باہر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس پردیسی کے دام دے دے"۔ ابوجہل کا چہرہ خوف کے مارے زرد پڑ گیا تھا اور بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ بولا ٹھہریے۔ میں ابھی اس کے دام لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر جھٹ اندر گیا اور رقم لاکر سوداگر کے حوالے کی۔ یہ ماجرہ دیکھ کر قریش کا آدمی واپس گیا۔ زعمائے قریش نے پوچھا کیا دیکھ کر آیا ہے؟ اس نے کہا کیا بتاؤں بڑی حیرت کی بات دیکھی ہے۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمرو کے دروازے پر دستک دی وہ فوراً باہر نکل آیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر خوف کے مارے مُردنی چھائی تھی۔ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اس کی رقم دے دے تو کہنے لگا ہاں میں ابھی لاتا ہوں۔ چنانچہ فوراً رقم لاکر سوداگر کے حوالے کی"۔

### ابوجہل کو لعن طعن

اتنے میں ابوجہل بھی مجلس میں آپہنچا۔ سب لوگ کہنے لگے تیرا بُرا ہو، آج تو تو نے بڑی نامرادی دکھائی اور حماقت کا ثبوت دیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آواز دیتے ہی تیرا پاخانہ خطا ہو گیا"۔ کہنے لگا مجھے خود تعجب ہے۔ اس وقت مجھ پر محمد (علیہ التحیہ والسلام) کا کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ انکار کی کسی طرح ہمت نہ پڑی۔ (سیرت ابن ہشام)

### خوفناک اُونٹ کی دہشت

یہ رعب و جلال حقیقت میں منصب نبوت کی ہیبت تھی جس نے غریب الوطن مظلوم کی دادخواہی کے لیے اپنا جلوہ دکھایا تھا۔ اس واقعہ کو ابن اسحٰق، بیہقی اور ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے لیکن اخیر میں ابوجہل کے اس بیان کا بھی اضافہ کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر پر ایک اونٹ نے اپنی گردن بڑھائی ہے۔ میں نے اپنی عمر میں اتنی بڑی کھوپڑی، اتنی موٹی گردن اور اتنے بڑے بڑے دانتوں والا اونٹ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگر میں اس وقت انکار کرتا تو وہ مجھ کو کھا جاتا۔

## فصل ۱۳۹۔ نضر بن حارث کو اقدامِ قتل میں ناکامی

### بعثت نبوی کے لیے قریش کی دیرینہ خواہش

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جاہلی قریش کی یہ حالت تھی کہ

جب کبھی ان پر کوئی اُفتاد پڑتی تو کہنے لگتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم اس پر ایمان لا کر تیرے احکام کی پیروی کرتے۔ حق تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کا احترام فرما کر سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نائب مقرر کر کے دنیا میں بھیجا لیکن ان حرمان نصیبوں نے اس نعمت کی کوئی قدر نہ کی۔ حالانکہ اگر یہ لوگ ذرا تأمل کرتے تو سمجھ سکتے تھے کہ پیغمبر بھیجنے سے ربِ قدیر کو کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ اس میں انہی کی منفعت مضمر تھی کہ خیر و شر اور حسن و قبح پر مطلع ہو کر عقوبت سے بچ سکتے تھے ورنہ جن امور کا قبح عقلِ انسانی سے دریافت ہو سکتا ہے، اُس پر بلا ارسالِ رُسُل بھی عذاب ہونا ممکن تھا۔ لیکن اُس حالت میں اُن کو ایک گونہ حسرت رہتی کہ ہائے! اگر پیغمبر بھیج دیا جاتا تو ہم زیادہ متنبہ ہو جاتے اور اس مصیبت میں نہ پڑتے۔ اس لیے ان کے پاس رسول بھی بھیج دیا تا کہ ان کے لیے اس رنج و حسرت سے بچنا آسان ہو۔

### قتلِ رسولؐ کی پیہم کوششیں

لیکن جب رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی صداقتوں کے ساتھ دنیا میں قدوم فرما ہوئے تو وہ نہ صرف یہ کہ اس صداقت سے انکار کر کے آسمانی فیوض و برکات سے محروم رہے بلکہ اس کے برعکس اپنی ساری کوششیں اس نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلع قمع میں خرچ کر دیں اور جس طرح بنو اسرائیل اپنے متعدد انبیاء کو قتل کر چکے تھے اسی طرح ان سیاہ باطنوں نے بھی اپنے مفترض الطاعت رسول کی جان لینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ شوریدہ سر معاندینِ قریش میں سے ہر ایک کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ حضرت فخر العرب والعجم کو قتل کر کے اپنا نام بپائے عالم میں رسوا کرے لیکن نہیں جانتے تھے کہ زندانِ لعنت میں ابد الآباد تک گرفتار رہنے کا کوئی نکوہیدہ عمل اس ناپاک اقدام سے بڑھ کر عالمِ تصور میں نہیں آ سکتا۔

### سیاہ ناگوں کا منہ کھولے دکھائی دینا

مکہ مکرمہ میں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ستانی کی کوشش سے کسی عدوے حق کو کبھی فرصت نہ تھی لیکن آپ حافظِ حقیقی کی حفاظت و صیانت میں تھے اس لیے کسی دشمن کو اس ناپاک اقدام میں کبھی کامیابی نہ ہوئی۔ اس سلسلہ میں واقدی اور ابو نعیم نے عُروہ بن زبیر سے رعایت کی ہے کہ ایک مرتبہ آپ دوپہر کی گرمی میں حجون پہاڑ کی گھاٹی میں تن تنہا تشریف لے گئے۔ نضر بن حارث نے جس کا اس کتاب میں پیشتر بارہا ذکر آ چکا ہے آپ کو جاتے دیکھ کر دل میں کہا کہ اس سے بہتر موقع پھر کبھی ہاتھ

نہ آئے گا۔ تلوار لے کر بارادۂ قتل آپ کے پیچھے گیا۔ لیکن جب آپ کے قریب پہنچا تو معاً خوف زدہ ہو کر رجعت قہقری پر مجبور ہوا۔ راستہ میں ابو جہل سے ملا۔ اس نے پوچھا نضر! اس بلا کی گرمی میں کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا میں اس قصد سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے لگا تھا کہ آج اس کو ٹھکانے لگائے بغیر واپس نہ آؤں گا۔ مگر قریب پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے کالے ناگ مونھ کھولے ہوئے میری طرف آرہے ہیں۔ میں ان کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور بھاگ آنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔" ابو جہل کہنے لگا یہ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شعبدہ بازی کا ایک کرشمہ ہے۔

# فصل ۱۴۰ حضرت خبابؓ صحابی کی رقم دینے سے عاص بن وائل کا انکار

**قیامت کا تذکرہ** بخاری، مسلم، ترمذی، طبرانی اور ابن حبان نے روایت کی ہے کہ خباب بن ارتؓ صحابی رضہ لوہار کا کام کرتے تھے۔ ان کی کچھ رقم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے والد عاص بن وائل کے ذمہ تھی۔ حضرت خباب تقاضے کے لیے تشریف لے گئے تو عاص جو داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروان اُسوۂ محمدیؐ کا دشمن تھا کہنے لگا کہ جب تک تم دینِ اسلام سے دست بردار نہ ہو جاؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کفر و تبری نہ کرو، تمہاری رقم نہیں دوں گا۔" انہوں نے کہا معاذ اللہ! ایسی شقاوت کا ارتکاب بھلا مجھ سے ہو سکتا ہے؟ اگر تو مر کر زندہ ہو گا تو بھی کلمۂ کفر زبان پر نہ لاؤں گا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کسی کافرانہ لب کشائی کا مرتکب نہ ہوں گا اور ان شاء اللہ العزیز مجھے یقین ہے کہ قیامت کو اسی دینِ حق پر اٹھوں گا۔"

**جاہلانہ تمسخر** مگر گدھا کیا جانے زعفران کی بہار۔ عاص حضرت خبابؓ کا مذاق اڑانے لگا اور ازراہِ استہزار بولا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر پھر زندہ ہونے والا ہوں تو تم اسی دوسری زندگی میں آکر مجھ سے مانگنا۔ وہاں میرے پاس مال و دولت اور اولاد کی بہتات ہو گی۔ اُس وقت میں تمہارے دام فوراً بھگتا دوں گا۔" اس وقت سورۂ مریم کی آیات ۷۸ ۔ ۸۱ نازل

ہوئیں جن میں رب قدیر نے فرمایا :۔ (ترجمہ)

"بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور (ازراہِ مذاق و دل لگی) کہتا ہے کہ میں (دار آخرت میں) مال و اولاد سے بہرہ مند ہوں گا۔ کیا یہ شخص غیب کی اطلاع رکھتا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کا کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہم بالفعل اس کا مقولہ لکھے لیتے ہیں (اور وقت آنے پر یہ سزا دیں گے کہ) اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور اس کی بیان کردہ چیزوں (مال و اولاد) کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے (یعنی وہ تو ہلاک ہو کر دنیا سے گزر جائے گا اور اسے اپنے مال و اولاد پر کوئی اختیار نہ رہے گا۔ ہم ہی سب کے وارث رہیں گے اور) وہ ہمارے پاس (مال و اولاد سے) مجرد و تنہا ہو کر آئے گا۔"

## مسئلہ حشر و نشر پر مکرر بحث و تمحیص

ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے جو روایت کی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت خبابؓ رقم وصول کرنے کی کوشش میں مکرر عاص کے پاس گئے۔ باتوں باتوں میں پھر حشر و نشر کا ذکر آگیا۔ عاص کہنے لگا تم مسلمانوں کو وہم ہو گیا ہے کہ لوگ مٹی ہو جانے کے بعد پھر جی اُٹھیں گے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ مرنے کے بعد جینا بالکل ناممکن ہے اور اس پر بڑی گہری قسم کھائی۔

حضرت خباب نے فرمایا کہ دنیا میں نیک آدمی بھی ہیں اور بد بھی۔ لوگ دنیا کی چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں میں نیک و بد کی جزا و سزا کا انتظام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر ان کے خیال میں یہ بات کیونکر جم گئی کہ خدا کی بادشاہت میں جزا و سزا کا دن مقرر نہیں۔ رہا یہ گمان کہ نیک و بد کی جزا و سزا دنیا ہی میں ہو جاتی ہے، بالکل غلط ہے۔ بہت سے بدکار عمر بھر خوشحالی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور نیک آدمی آماج مصائب بنتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جزا و سزا کا دنیا میں ہرگز خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اور اس شبہہ کا کہ لوگ مٹی ہو کر پھر کیونکر پیدا ہوں گے؟ یہ جواب دیا کہ حق تعالیٰ قادر و مختار ہے۔ جس طرح اس کے حکم سے خلافِ عقل پہلی پیدائش ہوئی اسی طرح دوسری مرتبہ پیدا ہونا بھی مشکل نہیں۔ (لباب النقول و تفسیر ابن کثیر)

# فصل ۱۴۱۔ وقوعِ قیامت کے انکار پر قریش کا اصرار

### مذاہب عالم کا اختلاف

قیامت دنیا کے موجودہ نظام کی بربادی اور دارِ آخرت کے نظامِ جدید کی تمہید ہوگی۔ عقیدۂ قیامت کے متعلق مذاہب عالم مختلف البیان ہیں۔ آسمانی مذاہب کے تمام پیرو یعنی مسلمان، یہود اور نصاریٰ اس امر پر متفق ہیں کہ خاتمۂ دنیا پر تمام ذوی الارواح جسموں اور روحوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ فلاسفہ صرف معادِ نفسانی کے قائل ہیں۔ ہنود اور دہریہ جسمانی اور نفسانی ہر قسم کے معاد کی نفی کرتے ہیں۔ ہنود تناسخ کے رنگ میں مکافاتِ عمل کے قائل ہیں۔ جالینوس نے قیامت کا نہ اقرار کیا نہ انکار، بلکہ راہِ توقف اختیار کی۔

### کشتگانِ سیم و زر کی دوبارہ زندگی

لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک وقت معہود پر جس کی تعیین علّام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جانتا کائنات کو فنا کردے گا اور ذوی الارواح کے تفرقِ اجزاء کے بعد ان اجزاء کو جو مٹی یا پانی میں مل گئے ہیں ترکیب دے کر اسی طرح دوبارہ شکل و صورت بخشے گا جس طرح چاندی سونے کا کشتہ مار الحیات کے ذریعہ سے زندہ کیا جائے تو وہ از سرِ نو چاندی سونا بن جاتا ہے اور اس کا خاکسترپن، بدرنگی، بے آوازی وغیرہ تمام مُردہ صفات زائل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں وقوعِ بعث کا یقین انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے حاصل ہوا ہے اور یہ ایسی صادق القول اور راست باز جماعت تھی کہ جس کا اجتماع کذب پر عقلاً محال ہے۔

### عقلی دلائل

اربابِ عقل و خرد کے نزدیک یہ حقیقت مسلم ہے کہ باری تعالیٰ عادل اور صفتِ انصاف سے متصف ہے اور ہم ہزاروں لاکھوں انسانوں کو فسق و فجور، عیاری و غارتگری، ظلم و جور کا ارتکاب کرتے اور کفر و شرک میں ملوث پاتے ہیں۔ اکثر جرائم ایسے ہیں کہ حکومتِ وقت نے ان کی کوئی سزا ہی مقرر نہیں کی۔ گو بعض جرموں میں حکومت کی طرف سے کچھ نہ کچھ سزا دی جاتی ہے، تاہم بہت سے مجرم قانونی گرفت سے بچ جاتے ہیں۔ اور بہت سے جرم ایسے ہیں کہ تعزیراتِ حکومت ان پر دسترس ہی نہیں پاسکتی بلکہ خود بہت سے حکام ایسے ایسے ذمائم و معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ دنیا میں ان کی سزا دینے والا کوئی نہیں۔

پس اگر مجرموں کو کسی دوسری جگہ بھی سزا نہ دی جائے، مظلوموں کی دادرسی نہ ہو اور متقی اور نیک کردار لوگوں کو ان کی نیکی کا کوئی ثمرہ اور صلہ نہ ملے تو آفرینندۂ کون و مکان عزاسمہٗ کی صفتِ عدالت پر حرف آئے گا اور تخلیق کائنات کی کوئی منفعت بخش غرض ظاہر نہ ہوگی۔

پس ثابت ہؤا کہ مرنے کے بعد ہر شخص ایک معیّن وقت پر اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر کیا جائے گا۔ اسی کو ہم قیامت کہتے ہیں اور اگر کہو کہ تناسخ ارواح کی صورت میں بھی یہ غرض حاصل ہو سکتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ عقیدۂ تناسخ سراسر باطل ہے کما سیأتی۔

### دوسری دلیل

اور سنیئے۔ حق تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں یا تو اس کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے یا ضرر پہنچانے کے لیے یا نفع و ضرر دونوں کے لیے یا نہ نفع کے لیے نہ ضرر کے لیے۔ لیکن ضرر رسانی تو اس آقاے رحیم و شفیق کے کسی طرح شایانِ شان نہیں۔ اس لیے دوسری اور تیسری صورت تو باطل ٹھیری۔ آخری صورت بھی باطل ہے کیونکہ یہ حالت تو انسان کو اُس وقت بھی حاصل تھی جب وہ معدوم تھا۔ اب صرف پہلی صورت باقی رہ گئی کہ خداے برتر نے انسان کو اس کی نفع رسانی اور منفعت بخشی کے لیے پیدا کیا ہے۔

لیکن یہ نفع رسانی یا تو دنیوی زندگی میں متصور ہے یا دار آخرت میں۔ ظاہر ہے کہ خداے حکیم و خبیر نے اس سراے فانی میں تو انسان کے لیے اس نفع عاجل کا ارادہ نہیں فرمایا کیونکہ دنیا میں کوئی انسان سُکھی نہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ یہاں منافع قلیل اور مضار کثیر ہیں۔ انسان کو تھوڑی سی منفعت بھی عموماً اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک بہت زیادہ رنج اور دُکھ نہ اُٹھائے۔ پس جب یہ صورت بھی باطل ٹھیری تو انسان کی موجودہ زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی یعنی حیاتِ آخرت کی ضرورت ثابت ہو گئی جس میں خالق موجودات عزاسمہٗ اپنے اطاعت شعار بندوں کو طرح طرح کی نعمتوں اور مسرتوں سے شادکام فرمائے گا۔

### عقیدۂ تناسخ ماننے کی خرابیاں

لیکن اگر زعم ہنود کے موافق نظام عالم ہمیشہ اسی نہج پر جاری رہے اور اسے زوال و انقطاع سے کبھی سابقہ نہ پڑے یا انسان کو ابدالآباد کولہو کے بیل کی طرح یونی چکّر (تناسخ) میں گرفتار رکھا جائے تو انسان کو سچی راحت و سرور کی زندگی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ حیات دنیوی میں کوئی انسان بھی غم و اندوہ سے خالی نہیں ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ انسان اپنے خالق ورازق سے کبھی ملاقات نہیں کرسکتا اور ایسے خالق ارض وسماء کے شرفِ دید کی سرفرازی کبھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کے منکر اپنی بے راہ روی سے کبھی متنبہ نہیں ہوسکتے۔ چوتھی یہ کہ منکروں اور دہریوں کے مقابلہ میں اہلِ حق کو اپنی حق پرستی اور صدق شعاری کی کبھی سند نہیں مل سکتی۔ پانچویں یہ کہ دادخواہ مظلوموں سے کہیں اور کبھی انصاف نہیں ہوسکتا۔ چھٹی ادیانِ عالم میں کوئی دین ایسا نہیں جو اپنی صداقت کا ڈھنڈورہ نہ پیٹ رہا ہو۔ اگر قیامت برپا نہ ہو تو حق وباطل کا کبھی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

پس عقل سلیم اس ضرورت پر مُصِر ہے کہ کبھی نہ کبھی یومِ فصل وعدالت برپا ہو تاکہ حق اپنی تمامتر فیروزمندیوں کے ساتھ باطل پر انقطاعی اور فیصلہ کن فتح پاسکے۔ ربّ جلیل اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ (ترجمہ)

حق تعالیٰ قیامت کے روز اہلِ اسلام، یہود، صابئی، نصاریٰ، مجوس اور مشرکوں کے مابین فیصلہ کرے گا (کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟) اللہ تعالیٰ ہر بات کو دیکھ رہا ہے۔
(۲۲: ۱۷)

اس سوال کے جواب میں کہ قیامت کیوں برپا ہوگی ربّ جلیل فرماتا ہے۔ (ترجمہ)
تو کیا ہم نیک کردار مومنوں کو (قیامت کے روز) کفار کے برابر کردیں گے جنہوں نے کفر وشرک اختیار کرکے زمین کو فساد کا آماج گاہ بنا رکھا ہے یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے مساوی کردیں گے؟ (۳۸: ۲۸) مجرموں کو ان کی برائی کی سزا ملے گی اور اہلِ حسنات اپنی نیکیوں کا پھل پائیں گے (۵۳: ۳۱) بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اس (کے معین وقت) کو تمام خلائق سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ قیامت اس لیے قائم ہوگی کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کی جزا مل جائے
(۲۰: ۱۵)

### حشر اجساد پر ایک اعلیٰ استدلال

قرآن حکیم نے حشر اجساد پر جو عجیب بدیع استدلال کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ ربّ جلیل فرماتا ہے اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے روز اپنے جی اُٹھنے میں شک ہے تو (ہماری اس قدرت پر غور کرکے اپنا شک دور کرلو کہ) ہم نے پہلے تمہیں مٹی سے بنایا (غذا جس سے نطفہ بنتا ہے ان عناصر سے پیدا ہوتی ہے جن میں جزوِ اعظم مٹی ہے) پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر مضغۂ گوشت

سے جو کامل یا ادھورا ہو۔ اور ہم رحم مادر میں جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھیرا رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں، پھر تمہیں نشو و نمو بخشتے ہیں تا کہ جوانی تک پہنچ جاؤ۔ بعض تو جوانی سے پہلے ہی رحلت کر جاتے ہیں۔ اور بعض کو پیری کی ارذل عمر تک پہنچایا جاتا ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ پیر فانی کے ہوش و حواس برقرار نہیں رہتے۔ اسی طرح تم زمین کو دیکھتے ہو کہ خشک پڑی ہوتی ہے۔ پھر جب ہم باران رحمت نازل کرتے ہیں تو اس میں قوتِ نمو پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ وہ ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔ ان تصرفات کی علت و حکمت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی ہستی میں کامل ہے۔ وہی بے جانوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر بات پر قدرت رکھتا ہے قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ حق تعالیٰ قیامت کے روز اہلِ قبور کو ضرور مبعوث فرمائے گا (سورۂ حج)

### عقیدۂ حشر و نشر پر قریش کی خندہ زنی

قریش مکہ نے رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور دل آزاری کا جو غیر متناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس میں وقوع قیامت کے متعلق آپ سے بار بار سوال کرنے کی دل لگی بھی داخل تھی۔ ان کی عادت تھی کہ جب کبھی آپ سے ملتے یہ کہہ کر آپ کا مذاق اڑاتے کہ کہیئے صاحب! آپ کی قیامت کب آئے گی؟

اصل یہ ہے کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور جب اس تکذیب پر انہیں عذابِ آخرت کا خوف دلایا جاتا تو وہ آخرت کی بھی نفی کرنے لگتے اور بڑی سختی سے وقوعِ قیامت کا انکار کرتے اور ہر ملاقات پر آپ سے ازراہِ تمسخر قیام قیامت کے متعلق سوال کرتے۔ ایک مرتبہ ربِ قدیر نے قریش کے اس استفسار پر سورۂ نازعات کی چند آیتیں نازل کیں جن میں فرمایا کہ "یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ لیکن آپ کو اس (کے وقت کی تعیین) کا علم نہیں دیا گیا کہ ان کو بتا سکیں۔ قیام قیامت (کے معین زمانہ اور وقت) کا علم اللہ تعالیٰ پر منتہی ہوتا ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جانتا) آپ کا ڈرانا اسی شخص کو سود مند ہو سکتا ہے جو قیامت (کے حساب کتاب) سے ڈرتا ہو (اور ڈر کر ایمان لانے والا ہو) لوگ جس دن قیامت کو دیکھیں گے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ دارِ دنیا میں صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں ٹھیرے تھے (اس سے زیادہ عرصہ انہوں نے قیام نہ کیا تھا)

یعنی دنیا کی طویل مدت انہیں قلیل معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ عذاب اُخروی جس کا وہ اس اصرار سے مطالبہ کیا کرتے تھے جلد آگیا۔ حاصل یہ کہ جلدی نہ کرو۔ وقوع کے وقت اس کو جلد ہی سمجھو گے اور جس توقف والتوا کو اب توقف خیال کر رہے ہو وہ قطعاً محسوس نہ کرو گے۔ جب قریش کے انکار اور مذاق و دل لگی کا طوفان کسی طرح نہ تھما تو خدائے حکیم و برتر نے ان کی تنبیہ کے لیے قرآن کی متعدد صورتیں مثلاً مدثر، قیامہ، دہر، مرسلات، نباجن میں مستقبل کے اس سانحہ کبریٰ پر روشنی ڈالی گئی ہے نازل فرمائیں۔

**منجانب اللہ صبر کی تلقین**

ایک مرتبہ اعیان قریش قیامت کی وعید سن کر استہزاء اور تکذیب کے طور پر کہنے لگے اے ہمارے رب! (کافروں کو آخرت میں جو عذاب ہوگا) اس میں سے ہمارا حصہ ہم کو روز حساب سے پہلے ہی دیدے۔" اس قول سے ان کا یہ مطلب تھا کہ قیامت ہرگز نہ ہوگی اور اگر ہے تو ہم کو فی الفور عذاب مطلوب ہے۔ جب اصرار اور پیہم مطالبات کے باوجود عذاب نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ قیامت نہیں آئے گی"۔ رب قدیر نے ان خرافات کی نسبت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ ص کی ۱۷ویں آیت میں فرمایا کہ اے ہمارے رسول! آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے"۔

# فصل ۱۴۲۔ فرزند گرامی کی رحلت پر لاولد رہنے کا طعن

محترمہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزند متولد ہوئے تھے۔ قاسم اور عبداللہ۔ قاسم تو بعثت سے پہلے رحلت فرما ہوئے اور عبداللہ نے جو طاہر اور طیب کے لقب سے مشہور تھے اُن ایام میں دنیا سے منہ موڑا جب کہ کفار قریش کا طوفان جور و ستم پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے سروں پر مسلط تھا۔ جب عبداللہ علیہ السلام نے انتقال فرمایا تو حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل سہمی اور دوسرے مشرک طعن کرنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل منقطع ہوگئی اور یہ ابتر یعنی بے نام و نشان رہیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ دعوتِ اسلامی کے سارے ہنگامے ان کے جیتے جی تک ہیں۔ چونکہ آگے کو نسل منقطع ہے اس لیے یہ خرخشے بھی ان کے ساتھ گور گمنامی میں دفن ہو جائیں گے"۔ یہ سنکر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ملال ہوا۔ رب العالمین عز اسمہ نے آپ کے انبساط خاطر اور

تفریح طبع کیلئے اور تعزیت و تسلی کے طور پر سورت کوثر نازل فرمائی (الدر المنثور)

### ربّ العالمین کی طرف سے مزید تسکین بخشی

سورۂ کوثر میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو خیر کثیر جس میں دُنیوی خیر و برکت یعنی بقا، دین اور ترقیٔ اسلام اور خیر آخرت یعنی مراتب قرب و درجات علیا سب داخل ہیں عطا فرمائی۔ پھر اگر فرزند فوت ہوا اور اس پر مخالف خوشیاں مناتے اور آپ کا مذاق اُڑا رہے ہیں تو آپ اس پر غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے آپ کو اس سے کہیں بڑھ کر دولتِ دین عطا فرمائی ہے۔ اور آپ بے نام نشان نہیں بلکہ آپ کے دشمن ہی بے نام و نشان رہیں گے۔ خواہ ان کی ظاہری اولاد چلے یا نہ چلے لیکن دنیا میں ان کا ذکر خیر باقی نہ رہے گا۔ بخلاف آپ کے کہ آپ کی اُمت قیامت تک اور آپ کا دین ابد الدہر تک اور آپ کی یاد نیک نامی، محبت اور حسن اعتقاد کے ساتھ ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس کے علاوہ اگر پسری اولاد کی نسل نہیں تو نہ سہی جو کامرانی بقار نسل سے مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہے یہاں تک کہ دنیا سے گزر کر آخرت میں بھی آپ اس سے متمتع و کامگار ہوں گے بخلاف اس کے اعداء کو خسرانِ ابدی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ گو داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صُلبی فرزند دنیا میں موجود نہ رہا تاہم سارے مسلمان جو قیامت تک ہوں گے وہ سب آپ ہی کے فرزند ہیں اور آپ کی دینی نسل نہ صرف قیامت تک بلکہ ابد الآباد تک برقرار رہے گا۔

خیر کثیر کے عموم میں وہ حوض بھی داخل ہے جو حوض کوثر کے نام سے مشہور ہے۔ صحیح حدیثوں میں دونوں تفسیریں اور ایک تفسیر کا دوسری میں داخل ہونا مذکور ہے۔

### قاسمؓ کا جنت میں ایامِ رضاعت پورے کرنا

اوپر لکھا گیا ہے کہ قاسمؓ نے بعثت سے پہلے وحشت سرائے دنیا سے منہ موڑا تھا اور اعدائے دین نے جس فرزند گرامی کے وصال پر خوشیاں منائی تھیں وہ عبداللہ تھے لیکن ابن ماجہ کی ایک حدیث سے مترشح ہوتا ہے کہ قاسمؓ نے بعثت کے بعد دنیا کی سرائے فانی سے کوچ کیا تھا۔ جس سے اس امکان پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جناب قاسمؓ ہی کے حادثۂ مرگ پر دشمنوں کے حلقوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑی ہو۔ چنانچہ حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ قاسم گزر گئے تو ام المومنین خدیجہؓ کہنے لگیں یا رسولؐ اللہ! جس پستان سے قاسم دودھ پیا کرتا تھا اس میں دودھ جمع ہو گیا ہے۔ کاش

رب قدیر اس کو تکمیل رضاعت تک زندہ رہنے دیتا۔ آپ نے فرمایا قاسم جنت میں اپنی مدتِ رضاعت پوری کر رہا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کہنے لگیں کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے تو میرے دل کو تسلی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں مالک کردگار سے دعا کروں کہ وہ قاسمؓ کی آواز تم کو (جنت سے) سنا دے۔ حضرت خدیجہؓ کہنے لگیں یا رسول اللہ یہ کچھ ضرور نہیں۔ اللہ اور اس کے رسولِ اکرم کا بیان درست ہے (ابن ماجہ)

## حضرت زیدؓ کو متبنّٰی بنانا

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب خوردسالی میں مکہ معظمہ آکر بعوض چار سو درہم فروخت ہوئے ہیں تو وہ نزولِ وحی سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔ جناب زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تربیت میں پرورش پا کر بڑے ہوئے۔ آخر کئی سال کے بعد آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اور جب سید عبداللہؓ نے رحلت کی اور آپ کے کوئی نرینہ اولاد نہ رہی تو آپ نے زیدؓ کو متبنّٰی بنا لینے کا قصد فرمایا۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ زید مجھے ہبہ کر دو (یعنی اپنی ملک سے میری طرف منتقل کر دو)

حضرت خدیجہؓ نے ازراہِ اعتذار گزارش کی کہ یہ غلام بڑا لائق اور ہونہار ہے۔ اگر آپ کو دے دیا تو مجھے کھٹکا ہے کہ مبادا آپ اس کو کہیں فروخت کر دیں یا بذریعہ ہبہ کسی دوسرے کی ملک میں دے دیں"۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں صرف متبنّٰی بنانے کے لیے لینا چاہتا ہوں۔ اُم المومنینؓ نے انہیں آپ کو ہبہ کر دیا اور آپ نے انہیں بیٹا بنایا۔ چنانچہ وہ اسی دن سے زید بن محمدؐ کے نام سے مشہور ہوئے (مستدرک حاکم)

ابن سعد کی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو ان کے والد اور چچا اور بھائی کے مکہ آنے کے بعد ان کی موجودگی میں متبنّٰی بنایا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ آپ ان کو بہت مدت پہلے بیٹا بنا چکے تھے جیسا کہ حاکم کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ حارثہ کی آمد پر آپ نے زیدؓ کو کعبۂ معلّٰی لے جا کر از سر نو اس کا اعلان فرما دیا اور ان کے بیٹا بنائے جانے کے فعل کی تجدید فرما دی۔

# فصل ۱۴۴۳۔ آسمان سے نام بنام نوشتے اُتارے جانے کا مطالبہ

اہلِ مکہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید کے جواب میں طرح طرح کی روباہ بازیاں اور حیلہ جوئیاں کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سے کہنے لگے کہ اگر تم اپنے دعوائے نبوت میں صادق ہو تو ایسا کر دکھاؤ کہ ہم میں سے ہر شخص کے نام آسمان سے ایک ایک پرچہ نازل ہو جس میں تمہاری پیروی کرنے کا حکم ہو اور ہر ایک کے لیے دوزخ سے نجات اور بہشت دیے جانے کا وعدہ درج ہو۔ یہ پرچے تمہاری یا تمہارے اصحاب کی وساطت سے نہ آئیں بلکہ جب ہم لوگ سو کر صبح کو بیدار ہوں تو ہر ایک کے سرہانے سے اس کے نام کا پرچہ مل جائے۔ اگر ایسا کر دکھاؤ تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے۔ اس مضحکہ خیز مطالبہ پر سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں :۔

بَلْ یُرِیْدُ کُلُّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ اَنْ یُّؤْتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَۃً ۝ کَلَّا ۭ بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ۝ کَلَّآ اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ۝ (۷۵: ۵۲ - ۵۵)

بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے عطا کیے جائیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں یہ لوگ عذاب آخرت سے نہیں ڈرتے۔ پس یہ ہرگز نہ ہوگا کیوں کہ قرآن نصیحت کے لیے کافی ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے (لباب النقول)

یہ مطالبہ اس مقصد پر بالکل واضح تھا کہ ان میں سے ہر شخص عملاً نبی بننا چاہتا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اس پر بھی آسمانی صحیفے نازل ہوں مگر یہ امر محال تھا کیونکہ خدائے حکیم و مختار نے جس کو چاہا تبلیغ رسالت کے لیے چن لیا۔ اس سے قطع نظر اس درخواست کا یہ منشا نہیں تھا کہ ان کے دل قبول حق پر مائل تھے کہ اگر ان کے پاس اس قسم کے نوشتے آجائیں تو وہ ضرور اتباعِ حق کر لیں گے بلکہ وہ تو محض کٹ حجتی اور مذاق و دل لگی کر رہے تھے اس لیے نوشتے اترنے نہ اُترنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا

علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ فرداً فرداً ہر ایک کے پاس نوشتے بھیجنا ایک فعل عبث اور مصلحتِ الٰہی کے خلاف تھا۔ جب حق تعالیٰ نے ان کے پاس پہلے سے ایک عظیم الشان نوشتہ

یعنی قرآن مجید بھیج رکھا تھا تو بشرط صدق و خلوص یہی نصیحت اور رہنمائی کے لیے کافی تھا چنانچہ رب جلیل نے فرمایا کہ جس کا جی چاہے قرآن سے نصیحت حاصل کرے اور جو روگرداں رہے، خدائے بے نیاز کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے ۔ من شآء فلیؤمن و من شآء فلیکفر ۔

# فصل ۱۴۴ ۔ نت نئے معجزے دکھلانے پر قریش کا اصرار

### تین ہزار معجزاتِ باہرہ

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہزار معجزے مذکور ہیں جو آپ سے ۲۳ سال کی مدت میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہے ۔ ان سب سے قطع نظر آپ کے دو معجزے قطعی طور پر بیّن و نمایاں تھے ۔ پہلا آپ کا راست گوئی، ایفائے عہد، عفّت و پاکبازی، امانت، تواضع وغیرہ اخلاق عالیہ میں بے نظیر ہونا اور آپ کی سیرت مبارکہ کے ایک ایک جزو کا بجائے خود معجز ہونا اور دوسرا قرآن حکیم کا ظاہری، باطنی، لفظی، معنوی، تعلیمی، ادبی، اخلاقی اعتبار سے بے مثل ہونا ۔ یہ دو معجزے تو ایسے تھے جن کو معاندینِ قریش رات دن برابر دیکھتے رہتے تھے ۔

### معجزات کو جادو سمجھنے کا گردابِ تخیل

ان کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتمام حجت کے لیے وقتاً فوقتاً دوسرے معجزے دکھا کر بھی ان کو اطمینان دلانے کی کوشش فرماتے رہتے تھے لیکن اہلِ عناد کا بغض و کینہ ان میں حق و باطل کی قوت امتیاز باقی نہیں رہنے دیتا، اس بنا پر قریش بڑے بڑے معجزے دیکھ کر بھی شک و ریب کے گرداب سے باہر نہ نکل سکے ۔ وہ ہر مرتبہ معجزہ کو جادو سے تعبیر کرکے اس کی تکذیب کر دیتے تھے اور اپنی طرف سے نت نئے دوسرے معجزوں کا مطالبہ کرتے رہتے تھے ۔ اور یہ اعراض و انکار کچھ بت پرست قریش کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ انبیائے سلف کی سیرتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ ان کی اُمتیں بھی برابر سرکشی پر مصر رہیں ۔ ہر چند انہیں معجزے دکھائے گئے لیکن کینہ و عداوت کی کور باطنی ان کی چشم بصیرت کسی وقت نہ کھلنے دیتی تھی ۔

### اعجاز طلبی کا ایک نیا منصوبہ

قریش کو اپنی ہر کوشش و تدبیر میں جو ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل میں لائی جاتی تھی ذلت و نامرادی کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا تھا اس لیے ان کو اس بات کا بڑا اشتیاق تھا کہ کسی طرح آپ کو شرمندہ

اور لاجواب کریں۔ اس سلسلہ میں وہ بعض ناممکن الظہور مطالبات پیش کرنے کا منصوبہ ٹھیرا کر آپ کے پاس آئے اور حسب روایت نسائی، امام احمد، حاکم و طبرانی کہنے لگے کہ آپ اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہیں اور انبیاے سابقین کو واہب کردگار نے بڑے بڑے معجزے عطا کیے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا مسخر کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام کے ہوا تابع کر دی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بعض مُردوں کو زندہ کیا۔ اب اگر تم بھی اللہ کے سچے رسول ہو تو مکہ کی سرزمین سے پہاڑوں کو ہٹا کر ہماری کھیتی وغیرہ کے لیے صاف اور ہموار زمین نکال دو اور پھر اس زمین میں پانی پہنچانے کے لیے کچھ نہریں بھی جاری کر دو۔ اگر تم اس اعجاز نمائی میں کامیاب ہو گئے تو عجب نہیں کہ ہم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو کر تمہاری پیروی اختیار کریں"۔

**منہ مانگے معجزے نہ دکھانے کی حکمت**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیِ الٰہی کے انتظار میں بالفعل اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل امین علیہ السلام من جانب اللہ یہ آیت لے کر نازل ہوئے:۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ
نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ
كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ
وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ
مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ
مَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا
تَخْوِیْفًا ۝ (۱۷: ۵۹)

اور ہم کو خاص (فرمایشی) معجزوں کے بھیجنے سے صرف یہی وجہ مانع ہوئی کہ پہلے لوگ ان (کے ہم جنس فرمایشی معجزوں) کی تکذیب کر کے ہلاک ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قوم ثمود کو اُونٹنی کا کھلا ہوا معجزہ عطا کیا تھا۔ سو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئے، (اور ہلاک کر دیے گئے) اور ہم ایسے معجزے صرف (بندوں کو) خوف زدہ کرنے کے لیے بھیجا کرتے ہیں (کہ ایمان لائیں)

اس آیت میں خداے حکیم و برتر نے حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کی تمثیل پیش کر کے فرمایا کہ جن معجزوں کا ان لوگوں نے مطالبہ کیا ہے وہ پتھر میں سے اُونٹنی پیدا ہونے سے کچھ بڑھ کر عجائبات نہیں ہیں۔ صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اونٹنی کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی تھی۔ قریش نے ملک شام کے سفر میں قوم ثمود کی تباہ شدہ بستیوں کو بارہا دیکھا ہو گا کہ جب ان کا منہ مانگا معجزہ ظاہر ہوا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان کا انجام کیا ہوا۔ اسی طرح اگر قریش بھی منہ مانگے معجزہ کے بعد ایمان سے روگردان رہے تو یہ بھی قوم

ثمود کی طرح ہلاک کر دیے جائیں گے"۔

**منہ مانگا معجزہ نہ دیا جانے کی دعا**

اس آیت کے نزول کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں التماس کی الٰہی! قریش کو ان کا کوئی فوری منہ مانگا معجزہ نہ دیا جائے بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ میں انہیں آہستہ آہستہ ہدایت کی باتیں سناؤں اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا رہوں اور پھر تیری طرف سے انہیں توفیقِ ایمان ارزانی ہو"۔ چنانچہ فتح مکہ پر آپ کی دعا کا اثر ظاہر ہوا کہ تمام منکر و متمرد جو اس وقت تک زندہ تھے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے (ابن کثیر)

**مدت معینہ تک تاخیر**

یاد رہے کہ جس طرح افراد کی زندگی اور موت کی مدت مقرر ہے اسی طرح قوموں کی ہلاکت و بربادی کے لیے بھی ایک خاص میعاد من جانب اللہ مقرر تھی چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ (ہر قوم کے لیے ایک زمانہ مقرر ہے) اس لیے اس قسم کے معجزات کے صدور میں اس مدت معینہ تک تاخیر کی جاتی تھی اور پیغمبر اور امتِ دعوت کے سرکش افراد دونوں اس کے ظہور کے منتظر رہتے تھے۔ ارشادِ باری ہے (ترجمہ) اور کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ (جیسا ہم چاہتے ہیں) کیوں نہیں اترتا؟ آپ کہیئے کہ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (۱۰: ۲۰)

یہی وجہ تھی کہ جن انبیاء علیہم السلام کو خدائے رؤف نے اپنی رحمت کا مظہر بنایا، ان کے ہاتھوں پر تحدی اور مطالبہ کے معجزات کے ظہور میں تاخیر و التواء سے کام لیا جاتا تھا۔

# فصل ۱۴۵۔ صدقِ نبویؐ جانچنے کے لیے نزولِ عذاب کا احمقانہ معیار

**حافظِ حقیقی اپنے رسولؐ کا محافظ تھا**

قریش کی قساوتِ قلبی کا کمال یہ تھا کہ جوں جوں قرآن مجید میں انواع و اقسام کی ہدایت و فہمائش نازل ہوتی تھی ان کی سرکشی بھی اسی قدر رو بہ ترقی تھی اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلزمِ دل میں ان

لوگوں کی ہمدردی و بہی خواہی کا جذبہ جتنا زیادہ موج زن تھا اسی قدر زیادہ ان کی عداوت شدّت اختیار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ یہ حرماں نصیب آپ کا رشتۂ حیات منقطع کر کے اس صدائے حق کو ہمیشہ کے لیے بند کرنے میں کوشاں و منہمک تھے۔ لیکن یہ نادان اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ جس برگزیدہ ہستی کو ربّ العالمین نے اپنی رسالت اور وحی کے لیے منتخب فرمایا ہے وہ ہر طرح سے اس کا محافظ و کارساز ہے۔ چنانچہ اس معنیٰ میں رب قدیر نے فرمایا۔

(ترجمہ)

> جو شخص (رسول اللہ کی مخالفت کر کے) یہ گمان کرتا ہے کہ خدا دنیا اور آخرت میں اپنے پیغمبرؐ کی مدد نہیں کرے گا تو اسے چاہیئے کہ آسمان کی طرف (یعنی اپنے گھر کی چھت سے) رسّی باندھ لے (اور اپنے گلے میں پھانسی لگا لے) اور (اپنا گلا گھونٹ کر) دیکھ لے کہ آیا اس تدبیر سے (یعنی غصّہ سے ہلاک ہو کر) وہ چیز (وحیٔ الٰہی) دور ہو سکتی ہے جو اسے غضب آلود کر رہی ہے۔ (۲۲ : ۱۵)

یعنی حامل وحی ہونے کی حیثیت سے نُصرتِ الٰہی آپ کے ساتھ ہے اس لیے آپ کو ناکام کرنے کی کوشش کرنا حماقت ہے۔

### نزولِ عذاب کا مطالبہ

داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے تبلیغ رسالت کا کوئی ادنیٰ لمحہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے لیکن قریش کی سرشاریٔ ضلالت کی بوالعجبی دیکھیئے کہ ایک مرتبہ آپ نے قریش کے مجمع کے سامنے مختصر سی تقریر فرمائی تو یہ لوگ دَوران تقریر میں برابر تکذیب کرتے اور استہزاء سے پیش آتے رہے۔ جب آپ کا بیان ختم ہوا تو اکابرِ قریش میں سے کسی نے آپ کی تبلیغ کے جواب میں کہا کہ اگر تم سچے ہو اور ہم بُت پرستی میں مسلکِ باطل کے پیرو ہیں تو اس کے امتحان کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے خدا سے جس نے تم کو پیغمبر بنایا ہے درخواست کر کے ہم پر عذاب نازل کرا دو"۔ اس کے جواب میں خدائے حکیم و برتر نے اپنے کلام پاک (۶ : ۵۷) میں فرمایا کہ اے ہمارے رسولؐ! آپ ان سے کہیئے کہ میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل (اعجازِ قرآن) ہے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ جس چیز (عذاب) کا تم تقاضا کرتے اور اس کے لیے جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں۔ حق تعالیٰ امرِ حقیقی کو ظاہر فرما دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔

### عذاب حق تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے

ربّ العزت نے اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئیے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میری اور تمہاری باہمی نزاع فیصل ہو چکی ہوتی۔"

ان دونوں آیتوں کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے علیم کے علم میں جب مناسب ہوگا عذاب نازل ہو جائے گا خواہ دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ہو خواہ صرف آخرت میں کہ جہنم کا ایندھن بنو گے۔ غرض نہ مجھ کو قدرت ہے کہ عذاب نازل کر لوں اور نہ اس کے نزول کا موزون وقت مجھ کو معلوم ہے اور نہ اس کی کوئی حاجت ہے۔ ربِ قدیر عذاب وغیرہ جو چیز جس وقت چاہتا ہے ظہور میں لے آتا ہے۔ الغرض ذات ایزدی کے سوا کسی اور کو اس پر قدرت نہیں اور جس طرح قدرتِ تامّہ اس قادر مطلق کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح علم تام بھی اسی علیم خبیر کے ساتھ مخصوص ہے۔

### اپنے اوپر پتھر برسنے کی دعا

ایک اور مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعیانِ قریش میں تبلیغ کی تو ابوجہل بڑا غضب ناک ہوا اور تمام قریش کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو باتیں کہی ہیں اگر وہ سچی ہیں تو خدا کرے ہم پر پتھروں کا مینہ برسے یا کوئی اور دردناک عذاب جو خارقِ عادت ہوتے ہیں بارانِ سنگ کی مانند ہو نازل کیا جائے۔ اس پر سورۂ معارج کی ابتدائی آیتیں اُتریں جن کا ترجمہ یہ ہے:-

"ایک (عاقبت نااندیش) درخواست کرنے والے نے (براہ انکار) اُس عذاب کی درخواست کی جو منکروں پر وارد ہونے والا ہے (اور) جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (یہ عذاب) اللہ کی طرف سے وارد ہوگا جو ان سیڑھیوں کا مالک ہے جن سے فرشتے اور ارواح اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ اس (دن) کا اندازہ (مجرموں کے لیے دنیا کے) پچاس ہزار سال کا ہے۔ سو آپ (ان لوگوں کے انکار پر) صبر جمیل اختیار کیے رہیں۔ یہ لوگ اس دن کو بعید دیکھتے (محال سمجھ رہے) ہیں لیکن ہمارے نزدیک (نہ صرف ممکن بلکہ) قریب (الوقوع) ہے۔

### قادر ذوالجلال کی طرف سے انتباہ

ان آیات میں خدائے ذوالجلال نے فرمایا کہ قریش عذاب الٰہی کو محال اور ممتنع الوقوع سمجھ کر ایسی یاوہ گوئی کر رہے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ قادر ذوالجلال کے نزدیک گزشتہ اُمتوں کی طرح ان کا برباد کر دینا کچھ بھی

مشکل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دنیا ایک دن ضرور ہی ختم ہونے والی اور عذاب آخرت سامنے آنے والا ہے۔ اگر ان کی سرتابی علیٰ حالہا قائم رہی تو دنیا میں بھی ان کی سزا پائیں گے اور آخرت میں بھی عذاب الیم میں گرفتار ہوں گے۔ اور اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ذرا صبر اور توقف سے کام لیجئے اور وقت معہود کا انتظار کیجئے۔ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

چنانچہ آگے چل کر دنیا نے دیکھ لیا کہ ابوجہل، نضر بن حارث اور دوسرے تمام وہ اشقیاء جو نزول عذاب کے لیے مُصِر رہتے تھے، کس طرح بدر کے دن یا بعض دوسری ارضی وسماوی آفتوں میں گرفتار ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے اور آخرت کا عذاب ابدی اس پر مستزاد ہے۔

# فصل ۱۴۶۔ فی الفور عذاب نازل نہ ہونے کے وجوہ واسباب

جب قریش کے مطالباتِ عذاب کو کسی طرح قابلِ التفات نہ سمجھا گیا اور ان کی باطل پرستی اور مخالفتِ رسولؐ کے باوجود ان پر عذاب الٰہی نازل نہ ہوا تو اپنے کفر پر ناز کرنے لگے اور از راہِ نادانی کیشِ بُت پرستی پر اترانا شروع کیا لیکن وہ ان موانع وعوائق کو نہ سمجھتے تھے جو ان کی راہِ تعذیب میں حایل تھے۔ یہ سنت اللہ ہمیشہ جاری رہی ہے کہ جب تک کسی اُمت میں اس کا رسول موجود رہا یا معاندینِ رسالت نے استغفار کو اپنا معمول بنائے رکھا، خدائے رؤف نے ان کو عذاب سے مصون ومحفوظ رکھا۔

اسی اصول کے ماتحت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اُمت دعوت کے نافرمان ہر قسم کے عذاب سے محفوظ تھے۔ چنانچہ ربِ السموات والارض اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ (ترجمہ):-

> "اور انہوں (قریش) نے دعا کی کہ یا اللہ! اگر یہ (اسلام) ہی دین حق ہے اور تیری طرف سے اُترا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب نازل کر۔ لیکن (اے ہمارے رسولؐ!) خدا ایسا نہیں کرے گا کہ آپ ان لوگوں میں موجود ہوں اور وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے

اور ایسا بھی نہ کرے گا کہ ان کے استغفار کے باوجود ان کو معذب کرے"۔

(۸ : ۳۳)

چونکہ رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے اور وہ استغفار بھی کرتے رہتے تھے اس لیے عذاب کے مستحق اور اس کے طلب گار ہونے کے باوجود عذاب سے مامون رہے۔ گو استغفار کسی کے فاقد الایمان ہونے کی حالت میں اس کے لیے کچھ بھی منفعت بخش نہیں تاہم ایک اعلیٰ درجہ کا عمل صالح ہونے کے لحاظ سے قریش کو اُن کی دُنیوی زندگی میں بہت کچھ سودمند تھا۔ الغرض عذاب وعقوبت کے ورود میں دو مانع تھے۔ ایک اُمت کے رسول کی موجودگی اور دوسرا قریش کا طواف وغیرہ میں غُفْرَانَکَ غُفْرَانَکَ کہنا جو عہد جاہلی کے غیر مسلموں میں رائج چلا آتا تھا۔

مگر باوجود اس کے قریش کو متنبہ کر دیا گیا کہ وہ ان دو موانع کے پیش نظر عذاب خداوندی کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف نہ ہو جائیں کیونکہ جس طرح امور مذکورہ مانع عذاب ہیں اسی طرح ان کی غیر مختتم چیرہ دستیاں مقتضیٔ عذاب بھی ہیں۔ پس جس طرح موانع وعوائق امتناع عذاب میں اثرانگیز ہیں، اسی طرح عذاب کے مقتضیات ان کو شکنجۂ عذاب میں بھی کس سکتے ہیں۔

قریش کی بعض حشرانگیزیاں جن پر وہ سخت قابل مؤاخذہ تھے یہ تھیں۔ (۱) سلطان الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروؤں کی توہین وتفضیح (۲) مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے اور نماز پڑھنے سے روکنا (۳) مسجد کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانا وغیر ذالک۔

ان ظلم آرائیوں کا مقتضا یہ تھا کہ اُن پر معمولی اور عادی قسم کا کوئی نہ کوئی عذاب ضرور نازل کیا جاتا۔ اسی معنیٰ میں ربّ قدیر نے اپنے کلام مجید میں فرمایا کہ کوئی وجہ نہیں کہ حق تعالیٰ ان کو ایسی حالت میں بھی سزا نہ دے کہ یہ (اہلِ ایمان کو) مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ روکنے والے اس کی تولیت کے ہرگز اہل نہیں۔ اس کے اہل تو پرہیزگار ہی ہیں لیکن منکرین میں سے اکثر اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اور خانۂ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا ہے؟ پس اپنے کفر کے بدلے عذاب کے مزے چکھو۔

(۸ : ۳۴ - ۳۵)

چنانچہ غزدۂ بدر میں تمام اعدائے دین اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں سے فرداً فرداً خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے فلان بن فلان! اے

فلاں بن فلاں! کیا تم نے رب قدیر اور اس کے رسولؐ کے وعدۂ عذاب کو پورا ہوتے دیکھا؟ میں نے تو حق تعالیٰ کے اس وعدے کو جو اس ذات برتر نے مجھ سے کر رکھا تھا سچا پا لیا ہے (صحیح مسلم)

# فصل ۱۴۷ ۔ نبوت محمدیؐ پر قریش کے سہ گانہ اعتراضات

پتھروں کے پجاری حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے اور شبہات کی تاریکی میں اپنی حق بینی کی صلاحیتوں کو گم کر دیتے تھے۔ وہ نبوت محمدیؐ کے متعلق عام طور پر تین شبہے پیش کیا کرتے تھے۔ اوّلاً وہ لوگ بعث و نشر کو قطعاً محال سمجھتے تھے اور اس سے آپ کی نبوت کی نفی پر استدلال کرتے تھے چنانچہ حق سبحانہٗ نے سورۂ سبا کی آیات ۷۔ ۸ میں فرمایا کہ "وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا کہتے ہیں کہ بھلا ہم ایسا آدمی بتائیں جو تمہیں خبر دیتا ہے کہ جب تم (مر کر) بالکل پارہ پارہ ہو جاؤ گے تو نئے سرے سے پیدا ہو گے"۔ یا تو اس نے خدا پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے جنون ہے"۔

قیامت کی نسبت قریش کے کئی شبہات تھے۔ ایک یہ کہ اگر قیامت آنے والی ہے تو اس کا وقت بتلاؤ۔ دوسرا یہ کہ جن اجزاء کو جمع کر کے ان میں حیات پیدا کرنا بتلایا جاتا ہے جب ان کا کہیں نشان ہی نہ رہے گا تو وہ جمع کیسے ہوں گے؟ حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں (آیت ۳۴ : ۳) کے اندر اپنے علم محیط کا ذکر کیا چنانچہ فرمایا کہ اس کے علم سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی مخفی نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں (بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں) اور نہ کوئی چیز اس مقدار سے چھوٹی اور نہ اس سے کوئی بڑی ہے جو علم الٰہی کے احاطہ میں داخل ہونے کی وجہ سے لوح محفوظ میں مرقوم نہ ہو"۔

اس آیت سے شبہۂ اول کا جواب ہو گیا کہ قیامت کے معین دن کا علم حکمت و مصلحت کی بنا پر باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ اگر علم النبیؐ اس کو محیط نہیں تو اس سے اس کا عدم وقوع لازم نہیں آتا چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (کہہ دیجئے کہ وقوع قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے علم میں ہے) اور اپنے علم محیط کے اثبات سے ان کے اس شبہہ کا جواب دیا گیا جو کہتے تھے کہ اجزاء انسانی تو زمین میں مختلط اور ہوا میں منتشر

ہو چکے ہوں گے پھر وہ کس طرح جمع ہو سکیں گے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اجزاء ہمارے علم و قدرت سے خارج نہ ہوں گے ہم جب چاہیں گے ان کو جمع کریں گے۔

قریش کا ایک واہمہ یہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو انکارِ نبوت پر جس عذاب کی آپ وعید سناتے ہیں وہ کیوں نہیں آتا؟ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے (آیت ۱۳: ۷ میں) فرمایا کہ یہ لوگ عافیت (کی میعاد ختم ہونے) سے پہلے آپ سے مصیبت کے نازل ہونے کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر آپ نبی ہیں تو جلدی سے عذاب منگا دیجیے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب کے وقوع کو سخت بعید سمجھتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے کفار پر واقعات عقوبت گزر چکے ہیں تو ان پر عذاب کا آنا کیا بعید ہے؟

اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک (۱۳: ۸) میں ان کے تیسرے شبہہ کا جواب دیا اور فرمایا یہ منکر قدحِ نبوت کی غرض سے یوں بھی کہتے ہیں کہ ان پر خاص معجزہ (جو ہم چاہتے ہیں) کیوں نہیں نازل کیا گیا) لیکن ایسی فرمایش محض کج فہمی ہے کیونکہ آپ معجزات کے مالک نہیں بلکہ) آپ (عذابِ خدا سے منکروں کو) ڈرانے والے (یعنی نبی) ہیں اور نبی کے لیے مطلق معجزہ کی ضرورت ہے جو کہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں نہ کہ فرمایشی معجزوں کی اور (آپ کوئی انوکھے نبی نہیں بلکہ) ہر قوم کے لیے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں (ان میں بھی یہی قاعدہ چلا آیا ہے کہ اثبات نبوت کے لیے ہمیشہ مطلق دلیل کافی قرار دی گئی خاص دلیل کا کبھی التزام واہتمام نہ کیا گیا)

# فصل ۱۴۸۔ خزانہ نازل نہ ہونے یا فرشتہ کے مُشایعت نہ کرنے کا اعتراض

حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے قرآن پاک کے معجز کلام ہونے پر بار بار تحدی کی گئی لیکن صدائے برنخاست کے سوا اس تحدی کا کبھی کوئی جواب نہ ملا۔ اہلِ تمرد سے بارہا کہا گیا کہ اگر تم کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے اور سمجھتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو وہ تو ناخواندہ ہیں کسی سے کبھی

ایک حرف نہیں پڑھا۔ لیکن تم فصاحت و بلاغت میں شہرۂ آفاق ہو قرآن جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ چھوٹی سی چھوٹی سورت لے لو۔ اس کی سی فصاحت و بلاغت اپنی تحریر میں ادا کر دو۔ لیکن کبھی کسی سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا اور معارضہ و مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ باوجود اس کے وہ قرآن کا اعجاز تسلیم نہ کرتے اور کہتے تو یہ کہتے کہ اچھا صاحب! اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) واقعی نبی ہیں اور خدا ہی نے ان کو بھیجا ہے تو ان پر آسمان سے کوئی خزانہ کیوں نہیں اُترا؟ یا ان کی تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ ضرور تھا کہ کوئی مقرب فرشتہ آکر لوگوں میں ان کی نبوت کی شہادت دیتا تا کہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہتی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر سناتے اور پند و موعظہ کرتے تو وہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے اور قہقہے لگاتے۔ یہ دیکھ کر آپ تنگ دل ہوتے۔ آئینۂ خاطر عاطر غبار ملال سے آلودہ ہوتا۔ ان حالات میں خدائے ودود نے سورۂ ہود کی بارھویں اور تیرھویں آیت نازل کر کے آپ کی رہنمائی فرمائی کہ مبادا آپ ملول اور تنگ دل ہو کر تبلیغ رسالت میں کمی کر دیں۔ چنانچہ فرمایا۔ (ترجمہ):-

> "پس شاید آپ اُس وحی میں سے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے (لوگوں کو سناتے وقت) کچھ تھوڑا سا چھوڑ دینا چاہیں اور لوگوں کے اس قول پر تنگدل ہوں کہ اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا (اس کی تصدیق کے لیے) اس کے ساتھ (خدا کی طرف سے) کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ سو آپ تبلیغ میں کوتاہی نہ کیجیے (اور ان کی اس ژاژ خائی پر تنگ دل نہ ہوجیئے) کیونکہ آپ تو ان کے حق میں نذیر ہیں"۔

یعنی آپ صرف ہمارے احکام پہنچانے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ ان کو سعادتِ ایمانی سے بہرہ اندوز کرنا یا ان کے فرمایشی خوارق کا ظاہر کرنا آپ کے اختیار سے باہر ہے۔ تو آپ کو اس کی فکر کیوں ہو اور اس فکر سے آپ تنگ دل کیوں ہوں۔ آپ اپنا کام کیے جائیں۔ آخر سب کو بعد از مرگ ہمارے ہی پاس تو لوٹ کر آنا ہے۔ ہم ان کو آتش جہنم میں جھونک دیں گے (مدارک التنزیل)

# فصل ۱۴۹ - اشقیائے قریش کا قول کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں

وہ کفار قریش جو خدائے علیم کے علم ازلی میں نامقبول قرار پا چکے تھے جب ان کو قبولِ ہدایت کی تحریک کی جاتی تو وہ طرح طرح کی حیلہ سازیاں اور روباہ بازیاں کرنے لگتے۔ ایک مرتبہ ان کے چند ممتاز رؤساء بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا تمہیں اسلام میں داخل ہونے سے کون چیز مانع ہے؟ وہ بولے محمدؐ! جو کچھ تم کہتے ہو۔ نہ ہم اس کو سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں۔"

چنانچہ ابوجہل نے اپنے انکار و تمرد کو اس عملی رنگ میں پیش کیا کہ اُٹھ کر اپنے اور سرورِ دو جہان کے درمیان ایک چادر تان لی اور کہا کہ بس اسی طرح ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگا ہوا ہے۔ اس وقت حضرت جبریل امینؑ نازل ہوئے اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ کافر نافرجام اس قول میں جھوٹے ہیں کہ ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگے ہیں اور ہمارے دلوں پر پردے ہیں اس لیے سنتے سمجھتے نہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت یہ پوری طرح سنتے اور سمجھتے ہیں مگر اپنی حرمان نصیبی اور شقاوت پسندی کے باعث اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اگر یہ اپنے قول میں صادق ہوتے تو کیوں نفرت کرتے اور بھاگتے؟ رب العالمین فرماتا ہے وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا (اے رسولؐ! جب آپ قرآن میں اللہ وحدہٗ کا ذکر کرتے ہیں تو یہ پیٹھ موڑ کر بھاگتے ہیں)

راوی کا بیان ہے کہ جب صبح ہوئی تو ان میں سے متعدد اشخاص آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے اور التماس کی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر اسلام پیش کیجئے۔ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت ظاہر کی اور تعلق باللہ پر تبصرہ فرمایا۔ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہو چکے تو فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحمدللہ! ربِ قدیر کی نصرت بخشی نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی مگر کل تمہارا کیا حال تھا جو کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں،

اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگے ہیں۔ نہ ہم سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں!! ان لوگوں نے التماس کی یارسول اللہ! کل ہم جھوٹے تھے۔ اگر ہم سنتے یا سمجھتے نہ ہوتے تو آج ہدایت کا راستہ کیونکر اختیار کرتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اہل کفر جھوٹے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

# فصل ۱۵۰۔ علمائے یہود کے پاس قریش کی سفارت

قریش کی یہ بڑی عزیز آرزو تھی کہ کسی طرح کوئی ایسی حجت قاطع ہاتھ آئے جس سے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعوائے نبوت کا ابطال کرسکیں اور ان لوگوں کو جو اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں بتائیں کہ تم ایسے شخص کی متابعت کرکے اپنا آبائی دین کیوں ترک کرتے ہو جس کا دعوائے نبوت ہی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے بیان کردہ معیاروں پر پورا نہیں اترتا چنانچہ اس خیال کے پیش نظر قریش نے عُقبہ بن ابی مُعَیط اور نضر بن حارث کو یثرب (مدینہ منورہ) بھیجا کہ وہاں جاکر علمائے یہود سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات وصفات بیان کرکے دریافت کرو کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہود اہل کتاب ہیں اور انہیں کُتب انبیاء اور آسمانی تعلیمات پر پورا عبور ہے۔

### عبداللہ بن سلام رض کی تلقین کہ جاکر مدعیٔ نبوت سے تین باتیں دریافت کرو

یہ دونوں اعدائے دین مکہ سے چل کر یثرب وارد ہوئے اور علمائے یہود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کا ذکر کرکے کہا تم لوگ اہل کتاب ہو۔ ہم تم سے یہ دریافت کرنے آئے ہیں کہ اس شخص کا دعوائے نبوت سچا ہے یا نہیں؟ ان ایام میں عبداللہ بن سلام رض یہود کے سب سے ممتاز اور سربرآوردہ عالم تھے۔ انہوں نے کہا تم جاکر مدعیٔ نبوت سے تین باتیں دریافت کرو۔ اگر ان کے جواب باصواب دیے تو یقین کرنا کہ نبیٔ مرسل ہیں ورنہ نہیں۔ وہ تین امور یہ ہیں۔ ایک تو ان جوانوں (اصحاب کہف) کا حال دریافت کرو جن کے سفر کا عجیب وغریب واقعہ ہے۔ دوسرا اس شخص (ذوالقرنین) کی نسبت سوال کرو جنہوں نے زمین کے مشارق ومغارب تک کی سیر کی اور تیسرا روح کے متعلق معلوم کرو۔ اگر یہ سوالات حل کردیے تو یقین کرنا کہ وہ مؤید بالوحی ہیں۔ ایسی حالت میں ضرور ان کا اتباع کرنا ورنہ جو کچھ تمہاری مرضی میں آئے کرو۔

### حامل نبوتؐ کی طرف سے فردا کا وعدہ

دونوں قاصد یہ سوالات حاصل کر کے خوشی خوشی مکہ واپس آئے اور اکابر قوم سے کہنے لگے کہ ہم ایسی فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی قضیہ باقی نہ رہنے دے گی۔ علمائے یہود کے پیش رو عبداللہ بن سلام نے یہ تین سوال بتائے ہیں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے صحیح جواب دیئے تو بلاشبہہ نبی ہیں ورنہ نہیں۔ اب قریش کے چند سربرآوردہ افراد آں جنابؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے محمدؐ! ہم کو ان جوانوں کا حال بتلاؤ جنہوں نے عہد سابق میں سفر کیا تھا اور ان کے سفر کا واقعہ عجیب و غریب ہے۔ دوسرا اس شخص کا واقعہ بیان کرو جس نے مشرق و مغرب کی سیاحت کی۔ تیسرا روح کے متعلق اپنے معلومات پیش کرو"۔ آپ نے ان سوالوں کا کچھ جواب نہ دیا اور اس بھروسہ پر کہ جبریلؑ آئیں گے تو پوچھ لوں گا وعدہ فرمایا کہ کل بتا دوں گا مگر ان شاء اللہ کہنا ذہن سے اُتر گیا۔

### اِن شاءَ اللہ نہ کہنے پر گرفت

پیغمبروں کو خداے قادر نے بہت بڑے رُتبوں سے نوازا تھا لیکن ع

جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

آپ پر اتنی سی چُوک کے لیے بھی گرفت ہوئی۔ چنانچہ پندرہ دن یا کم و بیش وحی منقطع رہی اور آپ سخت مغموم و محزون رہے۔ کفار نے زبانِ طعن دراز کی اور حلقۂ اعدار میں انکار و تکذیب کی گرم بازاری رہی۔ آخر حضرت جبریلؑ سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں ان تینوں سوالوں کے جواب موجود ہیں۔ آپ نے جبریلؑ سے فرمایا کہ تم نے تو اب کی دفعہ آنے میں بہت دیر لگا دی میں تمہارا سخت منتظر رہا۔ انہوں نے کہا اللہ کا حکم نہیں ہوا تھا۔ ہمارا اترنا ایزدِ متعال کے فرمان کے بغیر ناممکن ہے اور آیندہ کے لیے اسی سورۂ کہف کی ۲۳-۲۴ آیتوں میں حکم ہوا کہ آپ کسی کام کی نسبت یہ نہ کہا کیجیے کہ میں اس کام کو کر دوں گا مگر ہاں یوں کہا کیجیے کہ خدا چاہے گا تو کر دوں گا"۔

آپ نے سورۂ کہف کے نزول کے بعد قریش کے تینوں سوالوں کے جوابات ان کے گوش گزار کر دیے مگر ان حرمان نصیبوں میں سے کسی کو قبولِ حق کی توفیق ارزانی نہ ہوئی (سیرت ابن ہشام۔ لباب النقول)

### صدقِ محمدیؐ کی روشن دلیل

سورۂ کہف کی شانِ نزول میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبیٔ صادق ہونے کی روشن دلیل ہے۔ اصحابِ

کہف کے حالات یہود کے آسمانی صحیفوں میں مرقوم تھے۔ انہوں نے یہ معلوم کرکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناخواندہ شخص ہیں، اہل کتاب میں سے کسی کے ساتھ بھی ان کا ربط ضبط نہیں کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے حالات کسی سے سنے ہوں یا اب دریافت کرنے پر معلوم کر سکیں اس لیے یہ امر یقینی ہے کہ وہ ان سوالات کے سامنے لاجواب رہ جائیں گے۔ لیکن با ایں ہمہ انہوں نے ان سوالات کا تفصیلی جواب پایا۔ یہ جوابات اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ آپ وحیٔ الٰہی سے مؤید تھے ورنہ اس کے سوا ان حالات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ آپ کو میسّر نہ تھا۔

## فصل ۱۵۱۔ ایک علمی استفسار کے لیے یہودی قاصد کا ورودِ مکہ

### یعقوبؑ اور یوسفؑ کی نسبت سوال

بروایت ضحاک حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ علماے یہود نے امام الانبیا سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کے لیے تین سوال تو قریش کے نمایندوں کو بتائے تھے لیکن اس کے بعد براہِ راست بھی دو یہ سوال حضرت سید موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں بھیجے جو در اصل ایک ہی سوال کے دو حصے ہیں :۔

(۱) اس پیغمبر کا حال بتائیے جن کی بود و باش شام میں تھی اور ان کا فرزند مصر کی طرف نکال دیا گیا تھا۔ وہ اپنے فرزند کے غم میں اس قدر روئے کہ بصارت جاتی رہی۔

(۲) یعقوب علیہ السلام کی اولاد شام سے مصر کیونکر پہنچی ؟

اس استفسار پر ربّ السمٰوات والارض نے اپنے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ یُوسُف نازل فرمائی جس میں دونوں سوالوں کا جواب بالتفصیل مذکور ہے۔ چونکہ مکہ معظمہ میں اہلِ کتاب میں سے کوئی شخص موجود نہ تھا اور نہ کوئی ایسا دوسرا آدمی تھا جو انبیاے سابقین کے حالات کا علم رکھتا ہو، یہود کا نمایندہ مفصل وشافی جواب پا کر حیرت زدہ ہوا اور اس نے واپس جا کر علماے یہود کو تمام بیان کردہ واقعات کہہ سنائے۔ (خازن، بیضاوی وغیرہما)

ان جوابات میں یہود کو کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ یہ واقعات دریافت کیے تھے، حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل مل سکتی تھی بشرطیکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے

سوچتے اور غور کرتے۔ مگر حرمان نصیبی کا کوئی علاج نہیں۔

حسب بیان وحی یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند گرامی سے فرمایا تھا بیٹا! اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو مت ظاہر کرنا کیونکہ خاندانِ نبوت کے افراد ہونے کے باعث وہ اس کی تعبیر جانتے ہیں۔ اگر انہیں اس کا علم ہوگیا تو وہ تمہاری ایذا رسانی کے لیے کوئی خاص تدبیر کریں گے۔ خواب کی تعبیر تو بالیقین ظاہر ہوگی مگر ان کے شر سے مامون نہیں رہو گے۔"

## بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کی تدبیر

سورۂ یوسف میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو ایک تدبیر سے اپنے پاس رکھ لیا۔ اس تدبیر کی شرح و تفصیل ملاحظہ ہو۔

جب سوتیلے بھائیوں نے حسب وعدہ بنیامین کو لا حاضر کیا تو یوسف علیہ السلام بھائیوں کے ساتھ بڑی خاطر مدارات سے پیش آئے۔ جب کھانا کھانے لگے تو آپ نے دسترخوان پر دو دو بھائیوں کو ساتھ بیٹھنے کے لیے فرمایا۔ سب بیٹھ گئے تو بنیامین تنہا رہ گئے۔ یہ دیکھ کر وہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ کاش میرا بھائی یُوسف زندہ ہوتا تو میں اس کے ساتھ بیٹھتا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا اچھا تم میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اسی طرح دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھیرایا اور بنیامین کو ان کے تنہا رہ جانے کے باعث اپنے پاس رکھ لیا۔

جب رات ہوئی تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا اے بن یامین! مجھے اپنے مرے ہوئے بھائی یوسف کے قائم مقام سمجھنا پسند کرتے ہو؟ بنیامین نے کہا کہ آپ جیسا مہربان بھائی تو روئے زمین پر کہیں نہ مل سکے گا۔ یہ تو میرے لیے باعث افتخار ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ آپ میرے باپ یعقوبؑ اور ماں راحیل سے پیدا نہیں ہوئے۔ حقیقی بھائی یوسف کی آتش فراق کیونکر بجھ سکتی ہے؟ یہ سن کر یوسف علیہ السلام رو دیے اور بنیامین کو گلے لگا کر فرمایا کہ میں ہی تمہارا مہجور بھائی یوسف ہوں۔ اور یہ رب العزت کا فضل و احسان ہے کہ مجھے اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم کو مجھ سے لا ملایا۔ یہ سن کر بنیامین کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اب وہ اس بات پر مُصر ہوئے کہ میں آپ کے پاس سے ہرگز نہ جاؤں گا۔"

یوسف علیہ السلام نے بھائی کا یہ اصرار دیکھ کر فرمایا کہ اچھا میں تمہارے لیے یہ تدبیر کرونگا کہ بار برداری کے وقت تمہارے حصّہ کے غلہ میں اپنا پانی پینے کا کٹورا رکھوا دوں گا اور تلاشی کے بعد جب تم چور سمجھے جاؤ گے تو بظاہر تم کو مجرم قرار دے کر سزا میں تم ہی کو رکھ لونگا (مدارک)

# فصل ۱۵۲- اسلامی رفعت و ترقی کا وعدہ عروجِ یوسفیؑ کے رنگ میں

جن ایام میں مسلمانوں کے سروں پر قریش کی طرف سے جور و مخالفت کی آندھیاں چل رہی تھیں رب السموات والارض نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ یوسف نازل فرمائی تاکہ کفار کی مسلسل و پیہم مخالفتوں اور ایذا رسانیوں نے آپ کو جو رنج و غم سے ہم کنار کر رکھا تھا اس کا مداوا ہو جائے۔ اس سورہ میں آپ کی تسکین خاطر کے لیے رب قدیر نے بیان فرمایا کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں کی مخالفت اور عناد پروری کوئی نقصان نہ پہنچا سکی اسی طرح آپ کو بھی آپ کی قوم کی مخالفت مضرت رساں نہ ہوگی اور جس طرح برادران یوسفؑ نے خود یوسف علیہ السلام کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ان کی وہی کوشش انجام کار یوسفؑ کی ترقی و عروج کا ذریعہ بن گئی اسی طرح قریش کی مخالفت بھی اسلام کی ترقی و عروج کا باعث ہوگی۔"

اس سورہ کے آغاز میں خدائے برتر نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہم آپ کو ایک اچھا دل آویز واقعہ سناتے ہیں جس سے آپ پیشتر بالکل بے خبر تھے۔ اور اس سے بے خبر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے نہ کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ کسی تعلیم یافتہ آدمی کے پاس آپ کی کبھی نشست و برخاست ہوئی تھی۔ اور عوام الناس میں سے بھی کسی کو اس واقعہ کا علم نہ تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو کلام آپ نے قرآن کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا وہ سراسر حق اور منجانب اللہ تھا۔ اسی سورت میں اعدائے رسولؐ و منکرینِ قرآن کی بدانجامی کی پوری طرح وضاحت کی گئی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ قرآن میں اس واقعہ کو احسن القصص کیوں فرمایا گیا؟ روح المعانی میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ سورت دوسری دلچسپ تشریحات کے علاوہ ان امور پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی ماسوی اللہ ہستی بھی قضا و قدر کی دافع اور مانع نہیں۔ جس کسی کو حق تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمانا چاہے اس کو وہ نعمت بہرحال پہنچتی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ حسد سے محسود کو کوئی مضرت نہیں پہنچتی بلکہ خود حاسد ہی کو نقصان و خذلان پہنچتا ہے۔

صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ تدبیر کرنا بشرطیکہ جائز ہو اور اس میں شریعت حقہ کے احکام کی کوئی خلاف ورزی نہ ہو قرین دانش ہے۔ امور معاش کی اصلاح میں عقل سے بہت کام نکلتا ہے۔

اس سورہ میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ خدائے قدیر نے جو یوسف علیہ السلام کو انتہائی بےکسی اور بےبسی کی حالت سے اُٹھا کر سلطنت و رفعت پر پہنچا دیا اس سے اہل ایمان کو بڑی عبرت حاصل ہوئی اور ان کی قوتِ ایمانی میں اضافہ ہوا۔

## فصل ۱۵۳ قریش کے سامنے تصدیق نبوت کے سہل معیار

حضرت نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اہل عرب کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی جس کا انہیں قدر شناس ہونا چاہیے تھا خصوصًا ایسی حالت میں کہ اہل عرب کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ ان میں کوئی نبی مبعوث ہو لیکن افسوس انہوں نے اس نعمت کبریٰ کی قدر نہ کی بلکہ اُلٹا تکذیب و مخالفت پر کھڑے ہو گئے اور اس بات کا مطلق احساس نہ کیا کہ تکذیب کا وبال بہت سخت ہے چنانچہ ان سے پہلے جن کفار نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اُن پر بری طرح دار و گیر ہوتی رہی۔

حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک (سورۂ سبا آیت ۴۵) میں فرمایا کہ پہلے کافروں نے بھی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی جن پر اخذ و بطش کی تلوار پوری شدت کے ساتھ چلتی رہی، حالانکہ یہ مشرکین عرب تو اُس دولت وثروت اور ساز و سامان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا یعنی نہ ان کو پہلوں کی سی جسمانی قوت دی گئی ہے۔ نہ ان کے برابر عمریں ہیں اور نہ ان کے مقابلہ میں ان کو کچھ دولت وثروت سے حصہ ملا ہے اور دنیوی زندگی میں اہل دنیا کے لیے یہی چیزیں مایۂ غرور اور مابہ الافتخار ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیچاروں کی کیا بساط ہے ان کے پاس تو اتنا مال و دولت اور ساز و سامان بھی نہیں جو پہلے کفار کو حاصل تھا۔ جب وہ دولت وثروت ان کے کسی کام نہ آئی تو یہ کس دھوکے میں پڑے ہیں۔ اور جب ان کے پاس مال و دولت کی بھی کمی ہے جو سب سے زیادہ سرمایۂ غرور و انانیت ہوتا ہے تو انکار و مخالفت میں ان کا جرم بھی زیادہ شدید ہے۔ پھر یہ مؤاخذۂ خداوندی سے کس طرح بچ جائیں گے؟

**تصدیق کا پہلا طریقہ** یہاں تک معاندینِ رسالت کو تکذیب نبوت پر تہدید فرما کر اگلی آیت میں خدائے برتر نے ان کو تصدیق نبوت کا ایک طریقہ بتلایا

اور فرمایا اے ہمارے رسول! آپ ان سے کہیئے کہ میں تم کو مختصر سی ایک بات سمجھاتا ہوں جس سے حق و باطل میں فصل کی دیوار کھڑی ہو جائے گی اور وہ یہ ہے کہ تم تعصب اور نفسانیت سے الگ ہو کر خالصتہً للہ ایک ایک دو دو آدمی مل کر آؤ۔ بہت زیادہ مجمع کی ضرورت نہیں (کیونکہ زیادہ مجمع میں اکثر قوتِ فکریہ مشوش ہو جاتی ہے) اور میرے دعاوی پر غور کرو۔

مثلاً میں کہتا ہوں کہ قرآن کا مماثل ممکن نہیں۔ اس قسم کا دعویٰ دو ہی شخصوں سے صادر ہو سکتا ہے۔ یا تو اس سے جس کو خلل دماغ کا عارضہ ہو کہ اس کو اپنے انجام دعویٰ کا احساس نہ ہو یا اس شخص سے جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہو اور جس کو اپنے دعویٰ کے صدق اور منجانب اللہ ہونے پر پورا اعتماد ہو ورنہ اگر نبی نہ ہو اور عاقل بھی ہو تو وہ دعویٰ کرتے وقت مستقبل کی رسوائی حال سے خوف کھائے گا اور غور کرے گا کہ اگر کوئی اس کا مماثل بنا لایا تو میری کیا درگت بنے گی۔ اس بیان کے بعد میرے مجموعی احوال پر غور کر کے سوچو کہ آیا مجھ پر جنون و دیوانگی کا کچھ اثر ہے؛ پس اگر نظر انصاف سے دیکھو گے تو تم کو یہ امر بالبداہت نظر آئے گا کہ مجھ میں جس کے تمام حالات شب و روز تمہارے مشاہدہ میں آتے ہیں قطعاً جنون کا کوئی شائبہ نہیں۔ اور جب یہ امر متحقق ہو گیا کہ مجھے جنون و دیوانگی سے دور کی بھی کوئی نسبت نہیں تو ثابت ہو گیا کہ میں نبی ہوں اور جو کچھ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں منجانب اللہ پیش کرتا ہوں۔"

یعنی تم تنہائی میں بھی اور مجتمع ہو کر بھی غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس طرح آپ بعثت سے پہلے عاقل و دانا تھے اور آپ کی فرزانگی اور دانش مندی عالم میں مُسلّم تھی اسی طرح دانا اور عاقل آپ اب بھی ہیں اور آپ کی کسی بات کو جنون اور دیوانگی سے کوئی علاقہ نہیں۔ آپ کو وحیٔ الٰہی کی وساطت سے اُمم سابقہ کے نافرمانوں کے حالات و واقعات معلوم ہیں اور جانتے ہیں کہ خدا کی نافرمانی سے عذاب آیا کرتا ہے اس لیے تم کو سرتابی اور اعراض سے منع کرتے ہیں اور عذاب خداوندی سے ڈراتے ہیں اور یہ تبلیغ و انذار تو سراسر عقل و دانائی کا نتیجہ ہے۔ اس میں جنون و سودا کی کون سی بات ہے؟

### سچے نبی کی شناخت کے دو اور معیار

مدعیانِ نبوت میں سے صادق اور کاذب کی شناخت کے دو اور معیار بھی ہیں۔ ایک سابق اور دوسرا لاحق۔ معیارِ سابق یہ ہے کہ سابق نبی آیندہ نبی کی بعثت کی بشارت اپنی اُمت کو سناتا رہا ہو اور وہ بشارت اس امت میں شائع ہوئی ہو۔ اسی بنا پر خدائے قدوس نے نصاریٰ پر حجت

قائم کرنے کے لیے فرمایا:-

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ۔ (۶۱ : ۶)

(عیسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلیوں سے کہا) اور میں تم کو ایک پیغمبر کی خوشخبری سناتا ہوں جن کا نام نامی احمد ہوگا۔

اور قرآن کی نسبت یہود پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا:-

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ (۲۶ : ۱۹۷)

کیا اس (قرآن) کی صداقت کی یہ کافی دلیل نہیں کہ اس کی پیشین گوئی اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے اور علمائے بنی اسرائیل اس کو بخوبی جانتے ہیں۔

غرض جب بھی آیندہ زمانہ میں کوئی صاحب شوکت رسول مبعوث کیا جانے والا ہوتا تو آسمانی نوشتوں میں پہلے سے اس کی بشارت دی جاتی۔

**سچے نبی کا تیسرا معیار**

اور معیار لاحق یہ ہے کہ دوسرا پیغمبر پہلے پیغمبر اور اس کی شریعت کا مصدق ہو اور معجزات باہرہ اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہوں چنانچہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سابقہ انبیاء اور ان کی کتابوں اور شریعتوں کی تصدیق فرمائی اور قریباً تین ہزار معجزے آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔

## فصل ۱۵۴ بعض زعمائے قریش کی طرف سے مجلسِ نبوی میں حاضر ہونے کی خواہش

مکہ معظمہ کے اندر اعدائے رسالت کا جو جم غفیر ہر وقت اوچھے ہتھیاروں سے مسلح دکھائی دیتا تھا اس میں چند ایسے نفوس بھی تھے جن کی طرف سے داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے پیرووں کے خلاف کسی غیر شریفانہ حرکت کا دانستہ ارتکاب کبھی مشاہدہ میں نہیں آیا تھا بلکہ جب کبھی موقع ملتا یہ لوگ اعدائے ملت کو پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے جان نثاروں کی ایذا رسانی سے منع کیا کرتے تھے۔ اس قلیل جماعت میں حارث بن نوفل، مطعم بن عدی اور

عتبہ بن ربیعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ گو یہ لوگ آپ کی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے تاہم ان لوگوں کی یہ رائے تھی کہ قریش کو اپنے بت پرستانہ مسلک پر قائم رہتے ہوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت و ارتباط رکھنے اور رواداری برتنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔

### کم حیثیت لوگوں کو مجلس سے اُٹھا دینے کا مطالبہ

ایک مرتبہ ان مودت پسند لوگوں نے پیغمبر علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا دل آپ کے پاس آنے کا خواہش مند ہے لیکن بلال، عمار، صہیب، خباب اور سلمان جیسے کم رتبہ لوگوں میں بیٹھتے ہوئے ہماری طبیعت گھبراتی ہے۔ اس لیے آپ حکم دے دیجئے کہ ہمارے آنے کے وقت یہ لوگ مجلس سے اُٹھ جایا کریں کیونکہ ہم ایسے چھوٹے لوگوں کے ساتھ شریکِ مجلس ہونے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ہم قوم کے سردار ہیں۔ ہمارے درجہ اور حیثیت کا امتیاز ضروری ہے"۔ لیکن ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو مساوات اور اخوتِ انسانی کے سب سے بڑے معلّم تھے اور آپ نے بڑائی چھوٹائی کا امتیاز اُٹھا کر آقا غلام، امیر غریب سب کو ایک ہی دسترخوان پر بٹھا دیا تھا، اس مطالبہ کو کسی طرح منظور نہیں کر سکتے تھے چنانچہ آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے مکرر کہلا بھیجا کہ ہم آکر اسی حالت میں آپ کے پاس بیٹھ سکتے ہیں کہ ہماری آمد سے پہلے یہ لوگ اُٹھ جایا کریں"۔

ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ جو کبر و غرور کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف تھا۔ جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے وہ بارگاہِ الٰہی میں اسی قدر زیادہ معزز و محترم ہے۔ درگاہِ رب العزت میں شرافت و امارت کی تقویٰ و طہارت کے بغیر کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ وہاں خلوصِ نیت اور حسنِ کردار مقبول ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ان غریب و مفلوک الحال صحابہؓ کو جو نہایت خلوصِ نیت سے دربارِ نبوت میں حاضر رہتے تھے محض اس امیدِ موہوم پر دھتکار دیا جاتا کہ یہ شرفائے قریش خوش ہو کر مسلمان ہو جائیں گے۔

### اشرافِ قریش کی خواہش کے پورا کرنے کی ممانعت

الغرض خدائے حکیم و برتر نے یہ آیت نازل فرما کر اشرافِ قریش کی خواہش پوری کرنے کی ممانعت فرما دی۔

(ترجمہ):۔

> "اے نبیؐ! آپ ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) نہ نکالیے جو صبح شام اپنے رب کی خوشنودی و رضا جوئی کے لیے عبادت کرتے ہیں۔ نہ تو ان (کے اعمال)

کی جواب دہی کسی طرح آپ کے ذمہ ہے اور نہ آپ کی جواب دہی کسی طرح ان کے ذمہ ہے کہ (اس جواب دہی کے خوف سے) ان کو نکال دیں۔ (اگر آپ ایسا کریں گے) تو آپ ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔ (۶: ۵۲)

اس فرمان کے بعد آپ نے ان سرداروں کو دوبارہ کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان مساکین کے اٹھا دینے کی ممانعت فرما دی ہے اس لیے میں ہر طرح سے آپ لوگوں کی خواہش پر عمل کرنے سے قاصر ہوں۔"

**دوسری درخواست کہ ایک دن ہمارے لیے، ایک دن غرباء کے لیے**

انہوں نے کہا اچھا ایک دن ہمارے لیے مقرر فرمائیے اور ایک دن ان کے لیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایسا کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اچھا ایسا کیجئے کہ مجلس تو ایک ہی ہو لیکن آپ ہماری طرف منہ اور ان کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھا کریں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل، ابن کثیر، خازن)۔

(ترجمہ):۔

"اے نبیؐ! آپ اپنے کو ان لوگوں کی معیت پر مجبور اور مقید رکھیئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی رونق اور اس کے ساز و سامان کے خیال سے آپ کی نظرِ التفات ان پر سے ہٹنے نہ پائے اور ایسے شخص کا کہنا ہرگز نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے (اس کی پیہم سرکشیوں کے باعث) اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑا ہے اور اس کی یہ حالت حد سے گزر گئی ہے۔

**جمال اسلام کا مدار اخلاص و اطاعت پر ہے**

خدائے برتر نے ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کی معیت پر مقید رکھیئے۔" اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک یہ لوگ نہ اُٹھیں آپ برابر بیٹھے رہا کریں بلکہ غرض یہ ہے کہ آپ بدستور سابق اپنی توجہات ان کی طرف معطوف رکھیئے اور ان کو برابر اپنی طول مجالست سے مشرف فرماتے رہیئے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور اس سے ان کو کوئی دنیوی غرض مقصود نہیں ہے۔"

اور فرمایا کہ دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی توجہات ان سے ہٹنے نہ پائیں"۔ رونق سے یہ مراد ہے کہ رؤسا مسلمان ہو جائیں تو اسلام میں زیادہ جمال و کمال پیدا ہو جائے گا۔ پس فرما دیا کہ اس ظاہری سامان سے اسلام کو جمال و کمال نصیب نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا مدار اخلاص و اطاعت پر ہے گو مساکین ہی سے ہو اور آپ اس بات کو قطعاً دل میں جگہ نہ دیں کہ اگر بڑے لوگ اسی طرح مخالف رہے تو دین کو کس طرح ترقی ہو گی؟ دین تو یقیناً ترقی کے تمام مدارج طے کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کے وعدوں کو بدل سکے۔ یعنی مخالفوں کو یہ قدرت نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کوئی وعدہ پورا کرنا چاہے اور وہ اس کو پورا ہونے سے روک دیں۔ پس آپ رؤسائے کفار سے بالکل مستغنی رہیں۔ خدائے قدیر دین کو خود بامِ عروج پر پہنچائے گا"۔

## پیغمبرِ خدا کے دل میں مفلوک الحال صحابیوں کی قدر و منزلت

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں اپنے نادار و مفلوک الحال صحابیوں کی کتنی قدر و منزلت تھی اس کو اس واقعہ پر قیاس کر لینا چاہیے کہ حُدَیبیہ کے مقام پر سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ مکہ میں جو دہ سالہ معاہدہ ہوا تھا قریش نے اس کو ڈیڑھ ہی سال میں توڑ دیا۔ اس کی وجہ سے اہلِ اسلام اور اہلِ مکہ میں از سرِ نو حالتِ جنگ قائم ہو گئی، لیکن قریش کو جلد اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے نادم ہو کر ابوسفیان بن حرب کو اس غرض سے سفیر بنا کر مدینہ منورہ روانہ کیا کہ از سرِ نو معاہدہ ہو جائے۔ ابوسفیان بن حرب نے مدینۃ الرسولؐ جا کر قریب قریب اُن تمام مہاجروں سے ملاقاتیں کیں جنہیں مکہ معظمہ سے ترکِ وطن پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں دو سلمان فارسی، صُہیب رومی اور بلال رضی اللہ عنہم کے پاس بھی آئے۔ یہ تینوں حضرات ابوسفیان کی موجودگی میں آپس میں کہنے لگے حیف ہے کہ خدائے برتر کی کسی تلوار نے اب تک اِس دشمنِ خدا کی گردن الگ نہیں کی" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس وقت وہیں موجود تھے۔ وہ یہ دیکھ کر کہ قریش کے قائدِ اعظم کی دل شکنی ہوئی ابوسفیان کی دل جوئی کے لیے فرمانے لگے کیا تم قریش کے اس سردار اور مقتدا کی نسبت کہتے ہو؟ لیکن وہ تینوں حضرات خاموش رہے۔

اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا اے ابوبکر! شاید آپ نے یہ کہہ کر

ان (حضرات) کو خشم آلود کر دیا ہو گا۔ اور ایک روایت میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ان کو ناخوش کیا تو یقیناً حق تعالیٰ کو خشم گیں کیا۔" یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے الفاظ پر تاسف ہوا اور وہاں سے اُٹھ کر تینوں حضرات کے پاس عذر خواہی کے لیے تشریف لائے اور فرمایا بھائیو! میں دیکھتا ہوں کہ میں نے ابوسفیان کی دل جوئی کے لیے کچھ کہہ کر آپ حضرات کو ناخوش کیا۔ انہوں نے جواب دیا بھائی! خدا ہے تعالیٰ آپ کو بخشے۔ ہم رنجیدہ نہیں ہوئے (صحیح مسلم)

### ایک مسکین صحابی کو حضرت عمرؓ کا اپنی مسند پر بٹھانا

معلوم ہو کہ دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کو عظمت و شرافت کا معیار قرار دے کر مساوات اسلامی کا جو اصول قائم کیا، خلفاے راشدین اور آپ کے دوسرے سچے پیرو اس پر برابر عمل پیرا رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت خباب بن اُرَت رضی اللہ عنہ امیر المومنین عمر فاروقؓ کے پاس آئے تو خلافت مآب رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی مسند پر بٹھا لیا اور فرمایا کہ ایک شخص کے سوا ان سے زیادہ اس جگہ کا کوئی مستحق نہیں۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون؟ فرمایا بلالؓ (ابن سعد)

گو حضرت خباب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما اوائل میں قریش کے غلام رہ چکے تھے اور اس بنا پر فراعنۂ قریش انہیں ذلیل و حقیر سمجھتے تھے لیکن چونکہ اسلام نے ان حضرات کا رتبہ بڑھا کر انہیں آسمانِ عزت پر بٹھا دیا تھا اور خصوصاً اس وجہ سے کہ ان دونوں پاکبازوں کو قبولِ اسلام کی وجہ سے ایسی ایسی اذیتیں دی گئی تھیں کہ شاید اتنی تکلیفیں کسی دوسرے بزرگ کو نہ دی گئی ہوں گی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے خاص طور پر قدردان تھے

وہ مفلوک و خستہ حال صحابہ جو قریش کی غلامی کا جوا اپنی گردن میں ڈال چکے تھے، قبولِ اسلام اور حصولِ آزادی کے بعد کئی سال تک عموماً مفلس و نادار ہی رہے اور غیر مسلموں کی تحقیر اس پر مستزاد تھی لیکن بایں ہمہ خستگی و بیچارگی اسلام نے ان کو بامِ رفعت پر جگہ دے کر نہ صرف سردارانِ قریش کا ہمسر بنایا بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ معزز و سربلند کر دیا۔ ذیل میں اس دعویٰ کا عملی ثبوت ملاحظہ ہو:۔

### مساکین ملت کو سردارانِ قریش سے پہلے شرفِ باریابی بخشنا

ایک مرتبہ ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام جو ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے اور قریش کے چند دوسرے نو مسلم سردار امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ

کی بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ بعض بدری صحابیوں نے بھی اجازت طلب کی۔ امیر المومنین نے اہلِ بدر کو جن میں حضرت صُہَیب، حضرت بلال اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم بھی تھے سب سے پہلے شرفِ باریابی بخشا۔ ابوسفیان بن حرب ؓ جو فتح مکہ سے پہلے تک قریش کے سب سے بڑے سرگروہ تھے اور بُت پرستوں کی طرف سے فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابِ کرام ؓ کے خلاف رزم خواہ رہا کرتے تھے اُن کے دماغ میں اب تک زمانۂ جاہلیت کا غرور باقی تھا۔ ابوسفیان ؓ نے سخت ناگواری کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کہ قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اندر جانے کا اذن ملتا ہے اور ہم لوگ بیٹھے انگڑائیاں لے رہے ہیں“ حضرت سُہَیل بن عَمرو رضی اللہ عنہ بھی جو سردارانِ قریش میں سے تھے وہاں انہی کے ساتھ منتظر بیٹھے تھے۔ وہ ابوسفیان ؓ اور دوسرے قُرشی سرداروں سے کہنے لگے تمہارے چہروں پر غصہ کے آثار نمایاں ہیں لیکن تم لوگوں کو خود اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیئے کیونکہ اسلام نے تو سب کے ساتھ بلکہ سب سے پہلے تم لوگوں کو قبولِ حق کی طرف بلایا تھا لیکن یہ لوگ آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہ گئے۔ (اسد الغابہ)

# فصل ۱۵۵۔ نابینا صحابی ؓ سے بے اِعتنائی کرنے پر مشفقانہ انتباہِ خداوندی

**تعریف** اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ ؓ کے ایک ماموں زاد بھائی ابن اُمّ مکتوم کی کنیت سے مشہور تھے۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے عبداللہ اور دوسروں نے عَمرو لکھا ہے اور یہی مؤخر الذکر نام زیادہ مشہور ہے (استیعاب) بعض کے نزدیک ان کا اصل نام حُصَین تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عبداللہ کے اسم گرامی سے موسوم فرما دیا۔ ان کے والد کا نام قیس بن زائدہ تھا اور والدہ عاتکہ بنت عبداللہ معروف بہ اُمِ مکتوم مخزومیہ تھیں۔ ان کے والد قیس بن زائدہ ام المومنین حضرت خدیجہ ؓ کی والدہ فاطمہ کے حقیقی بھائی تھے (اصابہ)

حضرت ابن اُم مکتومؓ جس طرح قدیم الاسلام تھے، اسی طرح ہجرت میں بھی انہیں شرف اوّلیت حاصل تھا کیونکہ مکہ معظمہ سے دو حضرات سب سے پہلے ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے تھے مُصعب بن عُمیر اور ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہما۔ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضرت بلالؓ کی طرح وہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذّن تھے۔ (استیعاب)

### تبلیغی مصروفیت میں قطع کلام

ابن ام مکتومؓ کا ایک واقعہ جس کو تفسیروں اور سیرت کی کتابوں میں نمایاں جگہ حاصل ہے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار عُتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل، اُمیّہ بن خلف، ولید بن مُغیرہ وغیرہم مسجد الحرام میں حضرت ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جمع ہوئے۔ عُتبہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ متین و سنجیدہ آدمی مانا جاتا تھا آپ کا مطمح نظر معلوم کرنا چاہا۔ اس امید پر کہ اگر یہ عمائد و اعیان حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں تو ہر کس و ناکس اسلام کی طرف مایل ہو گا آنحضرتؐ کو ان کے مشرف بایمان ہونے کی بڑی آرزو تھی اس لیے آپ ان کو تبلیغ کرنے لگے۔ آپ نے ابھی محاسن اسلام پر تقریر شروع ہی کی تھی کہ ابن اُم مکتومؓ آپ کا پتہ لگاتے لگاتے وہاں آ پہنچے اور آتے ہی یہ کہنا شروع کیا یا رسول اللہ! مجھے فلاں فلاں سورت سکھائیے"۔ آپ یہ فرما کر کہ ابھی ذرا ٹھیرو پھر رؤسا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابن اُم مکتومؓ شاید اس بات کا احساس کیے بغیر کہ آپؐ رؤسائے قوم کی تبلیغ میں مصروف ہیں، اپنی درخواست کا بار بار اعادہ کرنے لگے۔ آپ پر ان کا قطع کلام شاق گزرا اور چیں بہ جبیں ہوئے اور ان کی طرف التفات کیے بغیر سرداران قوم کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔

### سُورۂ عَبَس کا نزول

چونکہ ربّ العالمین مسکینوں اور بےکسوں کا والی اور ملجا و ماویٰ ہے اس ذات برتر کو آپ کا یہ اعراض پسند نہ آیا۔ اسی وقت سورۂ عَبَس کی عتاب آمیز آیتیں نازل فرمائیں جن میں ارشاد ہوا۔ (ترجمہ) :-

> "تیوری چڑھائی اور منہ پھیر بیٹھے (اس بات پر) کہ ایک نابینا ان کے پاس آیا اور (اے پیغمبرؐ!) آپ کیا جانیں۔ شاید (آپ کی تعلیم سے) وہ سنور جاتا یا نصیحت (کی باتیں) سنتا تو اس کو نصیحت سود مند ہوتی۔ جو شخص (دین کی طرف سے) بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تو آپ خوب توجہ کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ (راہ راست پر نہ آئے اور) پاک نہ ہو تو آپ پر

کچھ الزام نہیں اور جو شخص ایسی حالت میں آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا کہ وہ (خدا سے) ڈرتا ہے تو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ معلوم ہو کہ یہ ایک نصیحت ہے"۔

جبریل امین یہ آیتیں پڑھتے جاتے تھے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ فق ہوتا جاتا تھا۔ آخر جب جبریلؑ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (معلوم ہو کہ یہ ایک نصیحت ہے)، پہنچے تو آپ کو اطمینان ہوا کہ یہ رب جلیل کی طرف سے فہمائش ہے سرزنش نہیں۔ اس کے بعد آپ فوراً ابن اُمِّ مکتوم رضؓ کے گھر جو آپ کی بے رُخی دیکھ کر واپس چلے گئے تھے تشریف لے گئے۔ ان کو واپس لا کر اپنی چادر بچھائی اور اس پر اُن کو بٹھایا۔ (تفسیر عزیزی و رُوح المعانی)

**ابن اُمِ مکتوم رضؓ کا اعزاز و اکرام**

اس واقعہ کے بعد حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت کچھ اکرام کیا کرتے اور انہیں دیکھ کر فرماتے کہ اس شخص کو مرحبا ہو کہ جس کی وجہ سے رب السموات والارض نے مجھ پر عتاب فرمایا اور ان سے پوچھتے کہ کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟ اس کے بعد ہمیشہ معمول رہا کہ جب آپ سفر کو جاتے تو مدینہ منورہ میں عموماً انہی کو اپنا جانشین اور امام نماز مقرر فرما کر جاتے چنانچہ وہ تیرہ مرتبہ آپ کی غیر حاضری میں لوگوں کی امامت کرتے رہے ہیں (استیعاب)

**اندھا کہنے کی مصلحت**

ظاہر ہے کہ کسی نابینا کو اندھا کہنا اس کی توہین ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ جب اس سے بہتر طرزِ تعبیر بھی ممکن تھا تو کلام پاک میں جو دنیا کی سب سے اعلیٰ اخلاقی و روحانی کتاب ہے بہتر طریق تعبیر کو چھوڑ کر انہیں اندھا کیوں کہا گیا؟ اس شبہہ کا جواب ہمارے علماء نے یہ دیا ہے کہ قرآن میں لفظ اعمیٰ (نابینا) کے استعمال سے خدائے حکیم و خبیر کو یہ جتلانا منظور تھا کہ انہوں نے تشاغل بالقوم کے وقت جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قطع کیا تو اس میں وہ بوجہ کوری معذور تھے۔ اور اگر ان کے کور ہونے کا ذکر نہ کیا جاتا تو ان کی معذوری ظاہر ہو سکتی تھی۔

# فصل ۱۵۶۔ اپنے مفترض الطاعۃ نبی کی جان لینے کیلئے مخزومیوں کی سازش

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے لوگوں کو ازراہِ شفقت و رحمت ساحلِ مراد کی طرف بلاتے تھے لیکن وہ لبیک کہنے کے بجائے الٹا آپ کو گالیاں دیتے تھے۔ آپ انہیں منزلِ فلاح کی طرف کھینچتے تھے لیکن انہیں شب و روز آپ کے قتل کی سازشوں سے فرصت نہ تھی۔

**اقدام قتل پر ولید کی آمادگی**

ایک مرتبہ قبیلہ بنو مخزوم کے چند لوگوں نے ایک جگہ مجلس منعقد کر کے آپس میں مشورہ کیا کہ ان روز روز کے جھگڑوں سے نجات پانے کی آسان صورت یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے۔ اس کے بغیر مکہ میں امن و سکون قائم نہ ہوگا اور حالات سازگار نہ ہوں گے۔ آخر باتفاق رائے معاہدہ ہوا کہ اولین فرصت میں دل و جان کے اس کانٹے کو نکال دیا جائے۔ اس قرارداد میں ابوجہل اور ولید بن مغیرہ نے نہ صرف شرکت کی بلکہ دراصل وہی اس کے محرک تھے۔ چنانچہ اس کے بعد ایک رات آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان لوگوں نے قرارت کی آواز سنی تو باہم صلاح کی کہ ولید جا کر آپ کو ٹھکانے لگا دے۔ چونکہ ملک میں کوئی حکومت نہیں تھی جس سے خوف کیا جاتا۔ کوئی پولیس نہ تھی جس کی طرف سے پکڑ دھکڑ کا کوئی اندیشہ ہو سکتا، ولید معاً اقدام قتل پر راضی ہو گیا۔

**قرارت کی آواز آتی تھی لیکن آپ نظر نہ آتے تھے**

ولید اس جگہ پہنچا جہاں سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم ادائے نماز میں مشغول تھے لیکن ولید یہ کرشمۂ قدرت دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ وہ قرارت کی آواز تو برابر سن رہا تھا لیکن آپ اس کو نظر نہ آتے تھے۔ اس نے بار بار اپنے اندازے کے مطابق خلا میں بھی تلوار چلائی لیکن اس کی تمام کوشش بے نتیجہ رہی۔

ولید بحالتِ ناکامی واپس ہوا اور اپنے منتظر ساتھیوں کے پاس آ کر یہ حیرت انگیز واقعہ

بیان کیا۔ انہوں نے اس واقعہ کو ولید کی بُزدلی پر محمول کیا اور سمجھے کہ اس نے یہ بات دل سے بنالی ہے۔

### اب آواز پیچھے سے آنے لگی

چنانچہ اب وہ سب مل کر آئے لیکن جب اُس مقام پہنچے جہاں سے قرارت کی آواز آرہی تھی اور آپ وہاں مصروف نماز تھے تو یک بیک آواز پیچھے سے آنے لگی۔ آخراس طرف کو بڑھے۔ وہاں پہنچے تو آواز پھر پیچھے سے آنے لگی۔ اسی طرح وہ چکر کھاتے پھرے۔ ناچار یہ کہتے ہوئے واپس آئے کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے۔

سورۂ یٰسٓ کی اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ
سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۝
(۳۶ : ۹)

اورہم نے ایک دیوار ان کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے اور پھر اوپر سے اُن کو ڈھانک دیا تو وہ نہیں دیکھ سکتے۔

آیت کی یہ تفسیر بیہقی نے دلائل میں بسند اسدی الصغیر بروایت کلبی ابو صالح اور کلبی نے حضرت ابن عباس رضؓ سے نقل کی ہے۔ اور بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ (ابن ابوجہل) سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے۔

# فصل ۱۵۷۔ افضل الاُمّتؓ پر شوریدہ سر اعدائے دین کی یورش

اِس وقت اسلامی دعوت اس نازک دَور میں تھی جبکہ پیروانِ اُسوۂ محمدی پر اعدائے دین کی تیغ جفا شب و روز جھکی ہوئی تھی اور ہر بُت پرست مسلمانوں کی مذہبی ہستی کو گرداب فنا میں نابود کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ چونکہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیرووں کو مخالفوں پہ ہاتھ اُٹھانے سے منع کر رکھا تھا، اس لیے ارباب شرک کو مسلمانوں کی درماندگی اور بے دست و پائی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا سنہری موقع ملا ہوا تھا۔ پس کوئی مومن قانت ایسا نہ تھا جو معاندینِ ملت کی عصبیت اور برہمیٔ مزاج کا شکار نہ ہو۔ گو حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دردِ دل سے بے تاب اور ظالموں کی بے مہری سے سینہ ریش تھے، لیکن مومنوں کے

جراحتِ قلب پر ہمدردی کا مرہم رکھنے کے سوا آپ کو کسی چارہ سازی کی قدرت نہ تھی۔

## توحید کے موضوع پر اسلام میں باقاعدہ پہلی تقریر

فدائے ملّت حضرت عبداللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ اہلِ شرک بُت پرستی کی ظلمت سے نجات پائیں اور توحیدِ الٰہی کی بالا علان گھر گھر منادی ہو تاکہ بُت پرست اپنی مذہبی زیاں کاری کا احساس کرکے ورطۂ ہلاک سے نکل سکیں۔ اس آرزو کے پیشِ نظر جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس تک پہنچ چکی تو انہوں نے ہادیٔ دین صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ دینِ حق کے ببانگِ دہل اظہار و اعلان کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر! ابھی ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے۔ جب جمعیت زیادہ ہو جائے گی تو ایسا کرنا لابدو ناگزیر ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ دیکھ کر سخت قلق ہوتا ہے کہ اہلِ شرک تو علانیہ بت پرستی کریں اور حق محجوب و مستور رہے۔

شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی دل شکنی گوارا نہ کی اس لیے اظہار و اعلان کی اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکرؓ اور چند دوسرے قدح خوارانِ بادۂ توحید دعوتِ اسلام کے لیے مسجد الحرام پہنچے۔ حضرت صدیق اکبرؓ صنادیدِ قریش کی موجودگی میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ یہ سب سے پہلی تقریر تھی جو دعوتِ اسلام کے موضوع پر باقاعدہ کسی مسلمان کی زبان سے نکلی۔

## قریش کی درماندگی

قریش جو جہالت کے بحرِ ظلمات میں سرگرداں تھے اس دعوت کو ٹھنڈے دل سے بھلا کہاں گوارا کر سکتے تھے ان کا طوفانِ غضب اہلِ توحید پر امنڈ آیا۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعداء چاروں طرف سے ہجوم کرکے حملہ آور ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کو خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں کو عموماً نہایت بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا۔ باوجودیکہ عُتبہ بن ربیعہ (حضرت معاویہؓ کا نانا اور ہند جگر خوار کا باپ) قریش میں بڑا متین، سنجیدہ اور بردبار مانا جاتا تھا، تاہم توحید کی دعوت اور شرک باللہ کی مذمت پر وہ بھی آگ بگولا ہو گیا اور حضرت صدیقؓ کے سابقہ شرف و مجد اور اپنی روایتی اعتدال پسندی کو بالائے طاق رکھ کر ان کی طرف جھپٹا اور انہیں نہایت وحشیانہ طریق پر پوری قوت سے ضرب لگائی جس سے ان کا چہرۂ مبارک بہت بری طرح زخمی ہوا۔ گو خود داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسلمانوں میں موجود تھے، لیکن دشمنوں نے کچھ تو ہاشمیوں اور

ہاشمیوں کے سردار ابو طالب کی وجاہت کے پیشِ نظر اور کچھ حضرت خدیجہ رضی کی زوجیت کا لحاظ کرکے آپ سے کوئی تعرض نہ کیا۔

### بنو تیم کا آکر مزاحم ہونا

جب حضرت ابو بکر رضی کے خاندان بنو تیم کو معلوم ہوا کہ ابو بکر رضی کو بہت بُری طرح مجروح کیا گیا ہے تو وہ بڑی تیزی سے آکر مشرکوں کے مزاحم ہوئے اور انہیں ان کے پنجۂ بیداد سے بچایا۔ مگر حضرت ابو بکر رضی اتنا پٹ چکے تھے کہ ان کی حالت قریب بمرگ ہوگئی اور کسی کو ان کے جانبر ہونے کی امید نہ رہی۔ اس لیے بنو تیم سخت برآشفتہ ہو کر کہنے لگے کہ اگر ابو بکر رضی جانبر نہ ہوئے تو ہم اس کا انتقام لیں گے۔ اس کے بعد بنو تیم نے جناب صدیق اکبر رضی کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بحالت بیہوشی ان کے گھر پہنچایا۔ دوسرے مسلمان بھی جو زخموں سے نڈھال تھے اپنے اپنے گھر پہنچائے گئے۔

### زبان کھلنے پر صدیق اکبر رضی کا استفسار

اس عامۃ الورود ابتلا میں مضروب صحابہ میں سے کسی کو اپنے اخوانِ مذہب کا حال معلوم نہ تھا اور چونکہ حضرت ابو بکر رضی اپنے حال میں گرفتار تھے، انہیں اس کی خبر نہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری۔ عصر کے بعد جب صدیق اکبر رضی ہوش میں آئے اور زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف کا شکوہ کرتے، برادری کے آدمیوں سے پوچھنے لگے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ یہ لوگ جو غیر مسلم تھے حضرت ابو بکر رضی کا عشقِ رسول ﷺ دیکھ کر ان کو ملامت کرنے لگے کہ ایسی نازک حالت میں بھی کہ تمہارے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ تھی تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال نہیں چھوڑتے۔ یہ کہہ کر عالمِ برافروختگی میں ان کی والدہ سے یہ کہہ کر چل دیے کہ تم خود ہی ان کی خبر گیری اور تیمار داری کرو۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی ان کے چلے جانے کو خاطر میں نہ لائے۔ معلوم نہیں اس روز ان کے والد ابو قحافہ عثمان رضی کہاں تھے۔

### اپنے ہادی ﷺ کے دیکھے بغیر کھانے پینے سے انکار

برادری کے ناراض مجمع کے چلے جانے کے بعد والدہ نے بڑی کوشش کی کہ کچھ کھائیں پئیں۔ مگر انہوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور یہی پوچھتے رہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ اب اپنی والدہ سے درخواست کی کہ آپ (حضرت عمر رضی کی ہمشیرہ) ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاکر (جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں) نبی اللہ ﷺ کا حال دریافت کیجیے۔ ان کی والدہ اُم جمیل رضی کے پاس گئیں لیکن انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور ان کی والدہ کے ہمراہ پرسش

کے لیے آئیں۔ اُم جمیلؓ ان کی حالت زار دیکھ کر سخت مغموم و مضطرب ہوئیں اور بہت کچھ آہ و زاری کی۔ آخر وہ بھی منتیں کرنے لگیں کہ کچھ کھا پی لیجیے۔ لیکن صدیق اکبرؓ کو اپنے مقتداء کا حال معلوم کیے بغیر بھلا کہاں چین تھا۔ برابر یہی کہتے رہے کہ مجھے ہادیٔ برحق کی خیر و عافیت کا حال بتاؤ۔ آخر الامر اُم جمیلؓ نے کہا حضور انور بحمد اللہ صحیح و سالم ہیں۔ تم کچھ فکر نہ کرو۔ پوچھا آپ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا دارِ ارقم میں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا واللہ! جب تک میں آپ کو نہ دیکھ لوں گا اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔"

## والدہ کا تھام کر بارگاہِ نبویؐ میں پہنچانا

یہ سن کر ان کی والدہ ایک آدمی کی مدد سے تھام کر انہیں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں۔ حضرت صدیقؓ بارگاہ نبوی میں پہنچ کر اپنے آقا کے قدموں پہ گر پڑے اور قدم بوسی کی۔ آپ کی حالتِ زار دیکھ کر شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! یہ میری نیک بخت مادر محترمہ ہیں۔ ان کے مشرف باسلام ہونے کی دعا فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور انہیں آتش جہنم سے مخلصی نصیب کرے گا۔ آپ نے ان کے لیے دعا کی اور وہ فی الفور قبولِ اسلام کی سعادت سے بہرہ مند ہوئیں۔ (الریاض النضرہ، اسد الغابہ، اصابہ)

## حضرت ابوبکرؓ پر سیّد کائناتؐ کی شفقت

اس حادثہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وقعت پہلے سے بھی بہت بڑھ گئی اور وہ آپ کے خاص صلاح کار، راز دار اور محبوب بن گئے۔ ان دونوں میں اس درجہ کا پیار و محبت اور خلوص و ارتباط بڑھا کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب تک آپ مکہ مکرمہ میں رہے آپ کا معمول ہو گیا کہ روزمرہ دو مرتبہ حضرت صدیقؓ کے مکان پر تشریف لیجاتے چنانچہ حسب روایت عُروہ بن زُبیر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا' اپنے والدین کو دینِ اسلام پر پایا اور (مکہ معظمہ میں) ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جس میں حبیب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ دو مرتبہ صبح اور شام ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں (بخاری)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر تیمیہ تھا۔ اُم الخیر ان کی کنیت تھی اور وہ کنیت ہی سے مشہور تھیں۔ طبرانی نے ہیثم بن عدی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر

صدیق ؓ کی روح مطہر نے جسم عنصری سے مفارقت کی ہے تو اس وقت ان کے والدین حضرت اُم الخیر اور حضرت عثمان بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما دونوں زندہ تھے اور دونوں نے ان کی میراث کا حصّہ پایا تھا (اصابہ)

# فصل ۱۵۸ - قوم کے اعراض و تمرد پر رحمتِ عالم کا رنج و قلق

داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ حق کی راہ میں جو پریشانیاں لاحق تھیں وہ دو طرح کی تھیں۔ ایک یہ کہ آپ کے ہم قوم آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو جسمانی اور روحانی صدمے پہنچا رہے تھے۔ دوسری یہ کہ خوارق اور معجزاتِ باہرہ کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی آپ کی تکذیب کرتے تھے اور اس سے آپ کے قلب مبارک کو اپنی خلقی رحمت و رأفت کے اقتضاء سے ٹھیس لگتی تھی۔

## منکروں کے اصرار علی الکفر پر رنج اُٹھانے کی مشفقانہ نہی

قرآن پاک میں بے شمار ایسی آیتیں موجود ہیں جن میں قوم کے ہدایت قبول نہ کرنے پر آپ کا رنجیدہ اور غم زدہ ہونا مذکور ہے۔ یہ صدمہ آپ پر اس قدر شاق تھا کہ رب قدیر نے اپنے کلام پاک میں جا بجا بڑے اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے۔

مثلاً کہیں فرمایا ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (اے نبی آپ ان لوگوں پر گماشتہ نہیں ہیں) یعنی ان کے ایمان سے محروم رہنے کی ذمہ داری آپ پر عاید نہیں ہوتی۔ ایک جگہ فرمایا وَقُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (کہو میں تم لوگوں پر کچھ محافظ کی طرح تو مسلط نہیں) کہیں یہ فرمایا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت پر نہیں لا سکتے) یعنی کسی کو ہدایت یاب بنانا آپ کے بس کا کام نہیں اور جو کام اپنے بس کا نہ ہو اس کے فقدان پر رنج کرنا بے سود ہے۔ کہیں آپ کو رنج و غم کرنے کی حکماً ممانعت فرمائی گئی چنانچہ ارشاد فرمایا وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں ان کی یہ مسارعت آپ کو رنجیدہ نہ کرے) کہیں افسوس ناک لہجہ میں آپ کے رنج و غم اُٹھانے اور روحانی صدمے برداشت کرنے پر تاسّف کی سی کیفیت ظاہر فرمائی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (کیا آپ اس غم و اندوہ سے کہ وہ مسلمان نہیں ہوتے اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھیں گے؟)

اسی طرح خدائے حکیم و برتر نے بہت جگہ اُمَمِ ماضیہ کے کفر پر مُصِر رہنے کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی۔ چنانچہ سورۂ فاطر کی آیات (۱۹۔۲۳) میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کے لیے لوگوں کے مختلف احوال بیان کیے اور فرمایا کہ حق کے قبول کرنے میں لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں، اس لیے ان کے اصرار علی الکفر پر آپ رنج میں نہ پڑیں۔ آپ کے ذمہ تو فقط وحیِ آسمانی کا پہنچا دینا ہے۔ منکروں نے سب سے پہلی مرتبہ آپ کو جھوٹا نہیں کہا اور تکلیفیں نہیں دیں بلکہ انبیائے سلف کو بھی ان کے زمانوں کے لوگ اسی طرح جھٹلاتے اور تکلیفیں دیتے رہے ہیں۔"

### انبیاء کی طینت قدسیہ میں بندگانِ خدا کی بہی خواہی کا جذبہ

گو ان ارشاداتِ گرامی نے شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم کی تلخی میں بہت بڑی تخفیف کر دی تھی تاہم ظاہر ہے کہ امتِ دعوت کے انکار و اعراض کے صدمہ کا اثر آپ کے قلبِ مبارک سے بالکلیہ زائل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ خدائے رؤف و رحیم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی طینتِ قدسیہ میں اپنے بندوں کی محبت اور بہی خواہی کا جو جذبہ ودیعت فرما رکھا تھا وہ ان کو کسی طرح چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اس فطری محبت کو کسی دوسری محبتِ ماسوی اللہ پر قیاس نہ کرنا چاہیے کیونکہ انسان کو سب سے عزیز و محبوب اپنی جان ہے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی بدرجہا زیادہ محبت تھی۔ چنانچہ ربِّ جلیل فرماتا ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (نبی علیہ السلام مومنوں کے ساتھ خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفقت اور تعلق رکھتے ہیں)۔

## فصل ۱۵۹۔ عامۂ قریش کے قبولِ اسلام اور اتباعِ رسول کی پیشین گوئی

دوسرے لوگوں کو کسی واقعہ کا علم وقوع کے بعد ہوتا ہے لیکن وحیِ آسمانی انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بعض واقعات کی اطلاع پہلے سے کر دیتی تھی۔ چنانچہ مخبر صادق حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیکڑوں ہزاروں پیشین گوئیاں کتبِ حدیث میں درج ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پوری

ہوتی رہی ہیں اور قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔ آپ کی ایک پیشین گوئی مکہ کے دشمنانِ دین کے قبولِ اسلام سے متعلق تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ خواجۂ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں تشریف لے گئے۔ ابوجہل آپ کو دیکھ کر ازراہِ تحقیر و تمسخر کہنے لگا اے بنو عبد مناف! دیکھو تمہارا نبی آرہا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نانا تھا بولا ہمیں کیا انکار ہے۔ کوئی نبی بنے یا فرشتہ کہلائے ہر شخص مجاز ہے"۔

### ابوجہل کا مذاق اُڑانا اور زعمائے قریش کو آپ کا انتباہ

آپ یہ باتیں سن کر ان کے قریب آئے اور فرمایا اے گروہِ قریش! تم آج میرا مذاق اُڑاتے ہو اور مجھے تکلیفیں دے رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ وہ ساعت قریب آ رہی ہے جبکہ قریش میں کوئی متنفس ایسا نہ مل سکے گا جو میرا پیرو نہ ہوگا اور آج جس دین کی سچائی سے لوگوں کو انکار ہے کل کو اسی کا اتباع ان کے لیے مایۂ صد ناز و افتخار ہوگا اور ابوجہل سے فرمایا وہ وقت دور نہیں جبکہ تم تھوڑا ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔ (مسند امام احمد، تاریخ محمد بن جریر طبری)

یہ پیشین گوئی اُس وقت کی گئی تھی جبکہ اعداء ہر وقت نرغہ کر رہے تھے اور حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرو عالمِ بے بسی میں دشمنوں کے مذاق اور خندہ زنی کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ مخالفوں نے اس احتمال پر کہ مبادا یہ پیشین گوئی پوری ہو جائے اسلام کا (خدانخواستہ) قلع قمع کرنے کے لیے بیش از پیش کوششیں شروع کر دیں لیکن خدائے قادر و توانا کے کام عاجز بندوں سے نہیں رُک سکتے۔ انجام کار طاقتور اور مغرور دشمنوں کو اسی بیکس داعی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ سے نیچا دیکھنا پڑا اور خدائی کاموں کے سامنے کسی کی پیش نہ گئی ؎

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے؟

### اعداء کی اولاد حلقۂ اسلام میں

یہ پیشین گوئی جو اوپر درج ہوئی ہجرت سے پیشتر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے نطقِ مبارک پر جاری ہوئی تھی۔ اس کے قریباً دس سال بعد یعنی فتح مکہ تک حرف بحرف پوری ہوگئی اور قریش میں کوئی متنفس ایسا نہ رہ گیا جو اصنام پرستی سے بیزار ہو کر عَلَمِ توحید کے نیچے نہ آچکا ہو۔ اس سے پیشتر تمام بڑے بڑے جتھادری دشمنانِ دین کہ سعادتِ ایمانی جن کی قسمت میں نہ تھی یا تو غزوۂ بدر میں مارے گئے

تھے یا دوسری ارضی وسماوی آفتوں میں مبتلا رہ کر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکے تھے۔

## ابوجہل کی ساری اولاد اور دو بھائیوں کی پیرویٔ اسلام

اسلام کے بڑے بڑے دشمن یہ تھے۔ ابوجہل، عُقبہ بن ابی مُعَیط، ابولہب، اُمیّہ بن خلف، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، ابوسفیان بن حرب اور عُتبہ بن ربیعہ۔ مثال کے طور پر انہی آٹھ کو لے لیجیے۔ ابوجہل بن ہشام سب سے زیادہ خوفناک دشمن تھا۔ اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس اُمت کا فرعون ہے۔ ابوجہل جنگ بدر میں مارا گیا۔ اس کے فرزند حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور اس کی بیٹی اور اس کے دو بھائی سلمہ بن ہشام اور حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عکرمہؓ نے بڑی بڑی اسلامی خدمات انجام دیں۔ آخر جنگ یرموک میں شہید ہو کر دارین میں سرخرو ہوئے۔ حضرت حارث بن ہشام جو فضلائے صحابہ میں تھے سنہ ۱۵ ہجری میں تسخیرِ شام میں شامل رہ کر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

## عُقبہ اور ابُولہب کی اُولاد کا شرفِ ایمانی

عُقبہ بن ابی مُعَیط نے جنگ بدر میں جرعۂ ہلاک نوش کیا تھا۔ اس کا بیٹا ولید اور بیٹی اُم کلثوم سعادتِ ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ محترمہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بھائی سے پہلے پرتوِ ایمان سے مستنیر ہوئیں۔ وہ عقبہ کی ہلاکت کے بعد ایسے وقت میں اپنے بھائی ولید اور دوسرے اقربا کو حالتِ کفر میں چھوڑ کر مکہ سے تن تنہا مدینہ منورہ چلی گئی تھیں جبکہ ان کا گھر اسلام دشمنی سے تیرہ و تار ہو رہا تھا۔ عبدالعزّیٰ معروف بہ ابولہب جنگ بدر کے چند روز بعد ہلاک ہوا تھا۔ اس کے بیٹے عُتبہ اور معتب اور دو لڑکیاں سُبَیعہ اور دُرّہ نے بھی اپنی قسمت اسلام سے وابستہ کر دی۔

## اُمَیّہ، ولید اور عاص کی اَولاد دائرۂ اسلام میں

اُمَیّہ بن خلف بھی جنگ بدر کی نذر ہوا۔ اس کے فرزند حضرت صفوان رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ولید بن مغیرہ کے دونوں بیٹے حضرت ولید بن ولید اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما جرعۂ ایمان سے سرشار ہوئے۔ خصوصاً حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلام کے حلقۂ دام میں اسیر ہونے کے بعد وہ اسلامی خدمات انجام دیں کہ ان کے کارنامے رہتی دنیا تک بچے بچے کی زبان پر رہیں گے۔ عاص بن وائل کے لڑکے حضرت ہشام بن عاص اور عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے بھی سرکارِ رسالت کی کفش برداری اختیار کی۔ صیقلِ اسلام حضرت ہشام بن عاص کے زنگِ شرک کو تو ان کے باپ کی زندگی ہی میں صاف کر چکا تھا۔ اور جس وقت

ان کے بھائی عَمرو بن عاص اہل شرک کی نمایندگی کرنے کے لیے حبشہ گئے تھے یہ ان دنوں حبشہ ہی میں بحیثیت مہاجر غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور پھر ان دونوں بھائیوں میں حضرت عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تو وہ بزرگ ہیں جنہوں نے عہدِ فاروقی میں ملک مصر فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا تھا۔

### ابوسفیان رضؓ اور ان کا سارا گھرانا آغوشِ اسلام میں

ابوسفیان بن حرب نے نہ صرف خود مشرف بایمان ہو کر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی بلکہ ان کا سارا گھرانا سعادتِ ایمانی سے مستفید ہوا۔ ان کے فرزند حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ گزرے ہیں۔ ابوسفیان جنگِ یرموک میں جو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ابوعُبَیدُ بن الجراح کے زیرِ قیادت قیصرِ روم کے خلاف لڑی گئی تھی اپنے بیٹے یزید بن ابوسفیان اور بیٹی جویریہ اور بیوی ہند کے ساتھ شریکِ غزا ہوئے تھے۔ ان کے بیٹے یزید میسرہ کے سپہ سالار تھے۔ ھند کا باپ عُتبہ بن ربیعہ خود تو غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا لیکن اس کے فرزند حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ باپ کی زندگی میں ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے جرعۂ توحید پی کر پہلے دارالامان حبشہ کو اور پھر مدینہ منورہ کو ہجرت کر چکے تھے۔

### شقاوت پسند ٹولی کی رحمتِ عالمؐ کے سرچشمۂ فیض سے محرومی

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح بارانِ رحمت نیک و بد سب کے لیے عام ہے اور دریا نے اپنی فیض گستری کے دروازے ہر ذی روح پر یکساں کھول رکھے ہیں اسی طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اور یہ ابرِ رحمت ہر کس و ناکس پر یکساں آبِ حیات برسا رہا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابوجہل اور اس کی شقاوت پسند ٹولی اپنی اولاد کے برخلاف اس رحمت عامّہ سے کچھ بھی حصہ نہ پا سکی۔ اگر ان تہی دستانِ قسمت کو بھی سعادت مند لوگوں کی طرح اس سرچشمۂ رحمت سے ایک جام ہدایت مل جاتا تو عارف شیرازی کو یہ کہنے کی نوبت نہ آتی ؎

حُسن ز بصرہ، بلال از حبش، صُہیب از رُوم
ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

### اعدائے دین کی محرومیٔ قسمت کی مثال

لیکن اس سوال کا جواب خود رحمت عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی ایک تمثیل میں ملتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مجھ کو مبعوث فرمایا اس کی مثال اُس ابر کی سی ہے جو کسی زمین میں برسا۔ اس سرزمین میں ایک قطعہ بڑا سیر حاصل اور زرریز تھا۔ اس نے پانی کو قبول کیا اور گھانس اور سبزہ خوب اُگایا۔ اور ایک قطع زمین سخت (اور نشیب) تھا۔ اس میں پانی ٹھیر گیا۔ حق تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا۔ لوگوں نے خود بھی پیا۔ چوپاؤں کو بھی پلایا اور زراعت بھی کی۔ اور دوسرا قطعہ بالکل چٹیل میدان تھا۔ نہ اس نے پانی کو محفوظ رکھا اور نہ گھانس چارہ اُگایا۔ پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے دینِ حق میں بصیرت حاصل کی۔ اِن لوگوں نے علم وہدایت سے خود بھی نفع اٹھایا اور لوگوں کو بھی نفع پہنچایا۔ دوسری مثال اُس عالم غیر عابد کی ہے جس نے اپنے علم سے چنداں خود فائدہ نہیں اُٹھایا۔ البتہ اس سے دوسروں کو بہت نفع ہوا۔ تیسری مثال ان حرمان نصیبوں کی ہے جنہوں نے نہ تو میری تعلیمات کی طرف توجہ کی اور نہ میرے علم وہدایت کو قبول کیا (بخاری ومسلم)

## فصل ۱۶۰۔ زعمائے قریش کو اُن کے غرّہ اموال و اولاد پر سرزنش

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم زعمائے قریش اور دوسرے اعدائے دین کی عنا آفرینیوں اور ضلالت کوشیوں سے طبعی طور پر اکثر مغموم رہتے تھے۔ خدائے حکیم وبرتر نے سورۂ سب (کی آیات ۳۴ - ۳۸) میں آپ کو شفقت آمیز فرمان بھیجا کہ اے ہمارے حبیبؐ! آپ اپنے معاندوں کی مخالفت اور جہالت سے مغموم نہ ہوں کیونکہ یہ معاندانہ سلوک صرف آپ کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ ہم نے کسی جگہ کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس کے خوشحال لوگوں نے آپ کی برادری کے لوگوں کی طرح اپنے پیغمبر سے یہ نہ کہا ہو کہ ہم اُن احکام کو تسلیم نہیں کرتے جن کے ساتھ تم کو بھیجا گیا ہے اور یہ کہہ کر فخر نہ کیا ہو کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے فائق ہیں۔ اور مال و اولاد کی اس فوقیت وبرتری کو عنداللہ اپنے مقبول ومکرم ہونے پر استدلال نہ کیا ہو۔ اور اپنی مزعو مقبولیت کی بنا پر اس بات پر بھروسہ نہ کر بیٹھے ہوں کہ وہ ہرگز عذاب خداوندی میں گرفتار

نہ ہوں گے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا اے ہمارے رسولؐ! آپ ان باتوں پر غم نہ کیجیے۔ البتہ ان کے اس زعم باطل کی تردید میں کہیئے کہ وسعت رزق اور کثرت اولاد کا مدار قبول عند اللہ پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق محض مشیّت الٰہی سے ہے۔ چنانچہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے اور رب قدیر کے ہر دو طریق عمل حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان چیزوں کا مدار فضیلت عند اللہ پر نہیں بلکہ دوسرے مصالح و حِکَم پر ہے۔

اس کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا اے ہمارے نبیؐ! ان لوگوں سے کہیئے کہ تمہارے اموال و اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو خدائے بزرگ و برتر کے مقرب بنا دیں۔ ہاں جو کوئی ایمان لا کر اعمال صالح کا خوگر ہو اس کا ایمان اور اعمال صالحہ ایسی چیزیں ہیں جو بلاشبہ قرب و مقبولیت کا ذریعہ ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ان کے نیک عملوں کا چند در چند صلہ ملے گا اور وہ بالاخانوں میں راحت و چین سے گزر بسر کریں گے اور جو لوگ محض مال و اولاد پر مغرور اور ایمان و اعمال صالحہ سے بیگانہ ہیں وہ عذاب مخلّد میں گرفتار رہیں گے۔

# فصل ۱۶۱۔ زعمائے قریش کی ہلاکت کی پیش گوئی

**فراعنۂ قریش کی شقاوت**

قریش مکہ شب و روز اس کوشش میں منہمک تھے کہ تبلیغ حق پروان نہ چڑھے اور خداوند عالم جلّ سلطانہٗ سالہا سال اپنے کلام پاک میں مختلف حیثیتوں سے نظائر پیش کر کے ان سرگشتگان بادیۂ ضلالت کو سمجھاتا رہا کہ دینِ حق کی مخالفت اور فسق و فجور سے باز آجاؤ ورنہ اسی طرح برباد کر دیے جاؤ گے جس طرح پہلی نافرمان امتیں صفحۂ ہستی سے محو کر دی گئیں۔ مگر فراعنۂ قریش کے دلوں پر انکار اور مخالفت کی ایسی موٹی تہیں چڑھی تھیں کہ کسی طرح قبولِ حق پر آمادہ نہ ہوئے۔

رب عزیز نے سورۂ والشمس میں جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی فرمایا کہ قوم ثمود نے بھی ازراہ شرارت و بداندیشی صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی۔ خدائے برتر نے حکم دیا تھا کہ ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) کا احترام ملحوظ رکھنا لیکن انہوں نے الٹا اس کو ہلاک کر دیا جس کی پاداش میں

ان پر تیغ غضب بے نیام کر دی گئی اور یہ قوم اس طرح صفحۂ دہر سے نابود کر دی گئی کہ کسی متنفس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

**اعدائے دین کو انتباہ** اسی طرح قریشی اعدائے رسالت کو بھی بار بار متنبہ کیا گیا کہ مخالفتِ حق سے باز آؤ ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو قوم ثمود کا ہوا تھا لیکن ان حرماں نصیبوں پر اس انتباہ کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کی مخالفتِ حق برابر رو بہ ترقی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے ان تمام سرداروں پر جو قوم کے قبولِ حق سے مانع تھے، صاعقۂ عذاب جنگِ بدر کی شکل میں برقِ خاطف بن کر گرا اور وہ بھی قوم ثمود کی طرح دنیا سے بالکل بے نشان کر دیے گئے لیکن چونکہ قریش کے بہت سے دوسرے افراد وقتاً فوقتاً دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر غضبِ الٰہی کی آگ کو دھیما کرتے رہتے تھے اور کچھ مدت کے بعد قریش کی ساری قوم ہی مشرف بہ ایمان ہونے والی تھی اس لیے وہ اپنے پیش رو ثمود کی طرح قاطبۃً من حیث القوم قعرِ ہلاک میں پڑنے سے بچ گئے۔

**اضافتِ تشریفی** صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اس لیے فرمایا گیا کہ خدائے قدوس نے اس کو صالح علیہ السلام کی دلیلِ نبوت ٹھیرایا تھا۔ اس نسبت کو اضافتِ تشریفی کہتے ہیں۔ یعنی کسی کی عزت افزائی کے لیے اس کو کسی بڑی ہستی کی طرف منسوب کر دینا۔ جیسے کعبۂ معلیٰ کو ربِّ قدیر کی طرف منسوب کر کے بیت اللہ کہا جاتا ہے ورنہ خدائے بے کیف کا کوئی گھر نہیں کہ جس میں بود و باش رکھتا ہو اور نہ اس کی کوئی سواری ہے کہ کوئی اونٹنی اس اعتبار سے اس کی اونٹنی کہلائے اور یوں تو دنیا کی ہر چیز رب العالمین ہی کی ملک ہے مگر اونٹنی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانِ صدق تھی اس لیے ناقۃ اللہ کے معزز لقب سے ممتاز ہوئی۔

## فصل ۱۶۲۔ سرورِ انبیاءؑ کو اپنے قبیلہ قریش سے شغف

صادق کی ایک علامت یہ ہے کہ فریقِ مخالف و حزبِ مقابل خواہ کسی درجہ میں آمادۂ پرخاش اور برسرِ عناد کیوں نہ ہو، وہ اس کی عناد پسندیوں سے متاثر ہو کر حق و صدق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے بلکہ اس میں کوئی خوبیاں ہوں تو فراخ دلی سے ان کا اعتراف کرے اور اس کی قدر و منزلت

کامیاب رہے۔ باوجودیکہ قلیل التعداد قریشیوں کے سوا جو آپ پر ایمان لائے، تمام قبیلۂ قریش آپ کا دشمن جان تھا، تاہم آپ کو قریش سے جو محبت تھی، اس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

### قریش کے تسلّط وحکمرانی کی بشارت

حسب بیان شاہ ولی اللہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش کی کوئی خوبی بیان کی جاتی تو آپ نہایت محظوظ ہوتے یہاں تک کہ تمام حاضرین فرحت وسرور کے آثار آپ کے چہرۂ مبارک پر نمایاں دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم مکۂ معظمہ میں قبایلِ عرب پر اسلام پیش کیا کرتے تھے اور ان کو برملا غلبۂ اسلام کی پیش گوئی سنایا کرتے تھے۔ بعض لوگ پوچھتے کہ آپ کے بعد حکومت وسرداری کس کی ہوگی تو آپ خاموش رہتے کیونکہ اس کے متعلق کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی :-

وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ
وَ سَوْفَ تُسْــَٔلُوْنَ ۝
(۴۳ : ۴۴)

اور اس میں شک نہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے اور آپ کی قوم کے حق میں نصیحت ہے اور آگے چل کر تم سب سے بازپرس ہوگی۔

تو اس وقت سے آپ اس سوال کے جواب میں فرمانے لگے کہ میرے بعد مملکت وحکمرانی قریش کی ہوگی۔

### ۱۲ سالہ اعراض وانکار کے بعد

اس مژدۂ جانفزا کے باوجود مشرکین قریش آپ کی دعوت حق کو ہمیشہ پائے حقارت سے ٹھکراتے رہے۔ آغاز وحی کے قریباً بارہ سال بعد جب اہلِ مدینہ نے مکہ مکرمہ آکر بیعتِ اسلام کی تو اس وقت بھی قریش کو قبول حق کی توفیق ارزانی نہ ہوئی۔ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ معجزے ظاہر ہوتے رہتے تھے لیکن آپ کی قوم کے لوگ ان کو جادو کہہ کر پسِ پشت ڈال دیتے تھے اور آپ سے کہتے تھے کہ ہم تمہیں نبی اُس وقت مانیں گے جب ہماری فرمایش کے بموجب معجزے دکھاؤ۔ لیکن فرمایشی معجزوں کے صُدور میں خرابی یہ تھی کہ اگر ان کے ظہور پر بھی حیل وحجت کرتے تو پہلی نافرمان امتوں کی طرح فی الفور تہس نہس کر دیے جاتے اور شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی تباہی گوارا نہ تھی۔ آخر فتح مکہ پر یعنی قریباً ۱۲ سال کے اعراض وانکار کے بعد قریش بھی من حیث القوم دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

### قریش کی محبت

حسب بیان شاہ ولی اللہؒ عدی بن حاتمؓ نے یہ بھی فرمایا کہ میں ایک مرتبہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ خدائے علیم وخبیر کو بخوبی معلوم ہے کہ میرے دل میں میری قوم کی کہاں تک محبت ہے اور جس طرح خدائے ودود نے میری عزت افزائی فرمائی اسی طرح میری قوم کو بھی شرف وکرامت سے نوازا، چنانچہ اس نے اپنے کلام پاک میں فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ۔

اسی طرح رب العالمین نے دوسری جگہ فرمایا:۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۲۶ : ۲۱۴)

اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے اور جن مسلمانوں نے آپ کا اتباع کیا ہے ان سے بتواضع پیش آئیے۔

یہ آیت پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے افراد کو صدیقین، شہداء اور ائمہ بنایا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ رب ذوالمنن نے لوگوں کے حسب و نسب کو دیکھا تو اس نے دنیا بھر میں عرب کو اور عرب میں قریش کو بہتر پایا۔

### شجرۂ طیبہ سے قریش مراد ہیں

حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں تیسری جگہ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ
مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا
فِي السَّمَآءِ (۱۴ : ۲۴)

کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا نے کیسی مثال بیان کی کہ پاکیزہ بات گویا ایک پاکیزہ درخت ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شجرۂ طیبہ سے قریش مراد ہیں جنہیں توفیق الٰہی نے انجام کار نعمت ایمان نصیب کرکے عزت ونمود بخشی۔

## فصل ۱۶۳۔ غلبۂ روم کی پیشین گوئی

مملکت روم جس کے ایشیائی مقبوضات پر عہد فاروقی میں اسلام کا پرچم لہرایا، زمن نبوت میں رومی عیسائیوں کے عمل ودخل میں تھی۔ اسی طرح ایران عہد رسالت میں مجوس یعنی

آتش پرستوں کے زیرنگین تھا۔ ان ایام میں ایرانی حکمران کا نام خسرو پرویز تھا اور رومی تاجدار کو ہرقل کہتے تھے۔

### آور قوم کی اچانک یورش اور کی تسلط۔

رُومی قلمرو جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا، مشرق میں ایشیائے کوچک، عراق، شام، فلسطین اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ راجح قول کے بموجب ہمارے ہادی و مقتدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ۶۱۰ء میں وحی نازل ہوئی اور دعوتِ اسلامی کا آغاز ہوا۔ اسی سال شاہ ہرقل تخت نشین ہوا۔ اس وقت رومی قلمرو داخلی انتشار میں مبتلا تھی۔ اس خلفشار سے فائدہ اٹھا کر ترکوں کی ایک زبردست اور جنگ جُو قوم نے جس کو آور کہتے تھے سرزمینِ رُوم پر اچانک حملہ کر دیا اور آسٹریا کی سرحد سے لے کر تھریس تک کے تمام علاقے رومیوں سے چھین لیے۔

### بیت المقدس پر مجوس کا عمل ودخل

جن ایام میں سلطنت رُوم ان مصائب میں گرفتار تھی، خسرو پرویز والئ ایران کی بوالہوسی کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے رومیوں کے زوال سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ رُوم اور ایران کے حدودِ سلطنت دریائے دجلہ اور فرات کے کناروں پر آ کر ملتے تھے۔ ایرانیوں نے اچانک شام پر حملہ کر دیا اور ۶۱۴ء میں مجوسی فوج دمشق پر قابض ہو گئی۔ اب ایرانیوں نے دمشق کو فوجی مرکز قرار دے کر فلسطین کے خلاف بڑے پیمانے پر فوجی کارروائی شروع کر دی۔ شام کے ۲۶ ہزار یہودی بھی عیسائیوں سے مذہبی منافرت رکھنے کے باعث ایرانیوں کے ساتھ مل گئے اور ایرانیوں اور یہودیوں کی متحدہ جمعیت نے اسی سال (۶۱۴ء میں) بیت المقدس کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔

اس معرکہ میں مسیحی درگاہ ہلینا کا کلیسا، قسطنطین کا گرجا اور عیسائیوں کے تمام دوسرے مقدس مقامات اور تاریخی یادگاریں یا تو بالکل منہدم کر دی گئیں یا آگ کے شعلوں نے ان کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچایا۔ حملہ آور افواج نے مسیحی دنیا پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ تمام دوسری یادگاروں کے ساتھ مسیح (علیہ السلام) کی "اصلی صلیب" بھی اٹھا لے گئے۔

### "اصلی صلیب" کا مفہوم

اسلامی عقیدہ کے بموجب وقت کی رومی حکومت نے حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کو مصلوب کرنے کی کوشش کی تھی لیکن خدائے قدیر نے آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا اور آپ کے ایک خطرناک یہودی دشمن کو جس نے آپ کے خلاف مخبری کی تھی آپ کا ہم شکل بنا دیا۔ حکومت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اسی کو مسیح سمجھ کر دار پر کھینچ دیا۔ وہ

بہتیرا چیختا چلاتا رہا کہ میں مسیح نہیں ہوں لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی اور وہ حرمان نصیب اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ یہود و نصاریٰ غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسیح علیہ السلام ہی مصلوب و مقتول ہوئے تھے حالانکہ سولی پانے والا ایک عدوے رسول تھا۔ الغرض جس صلیب پر مسیح علیہ السلام کے شبیہ نے جان دی اور جس کو نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی "اصلی صلیب" قرار دے کر عظیم الشان یادگار کی حیثیت سے بیت المقدس میں بحفاظت رکھا ہوا تھا، حملہ آور سپاہ یہودیوں کی انگیخت پر اس کو بھی ایران اٹھا لے گئی۔ حالانکہ حسب بیان سر پرسی سائیکس یہ صلیب عالم مسیحیت میں نہایت بیش بہا خزانہ خیال کی جاتی تھی۔

## مسلمانوں کو رومی فتح کی آرزو

جب بیت المقدس پر ایرانی حملہ کی خبر مکہ معظمہ پہنچی تو مسلمان رومیوں کو ان کے اہل کتاب ہونے کی بنا پر مظفر و منصور دیکھنا چاہتے تھے لیکن بت پرست قریش کو آتش پرست مجوس کے غلبہ کی تمنا تھی۔ آخر جب کچھ دنوں کے بعد یہ خبر آئی کہ ایرانیوں نے بیت المقدس اور فلسطین کے دوسرے حصے فتح کرنے کے بعد مصر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے تو قریش کو مسلمانوں کے خلاف زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل گیا اور وہ از راہ شماتت کہنے لگے کہ رومیوں پر ایرانیوں کی فتح ہمارے لیے نیک فال ہے۔ جس طرح آتش پرست ایرانی اہل کتاب نصاریٰ پر غالب آئے ہیں اسی طرح ہم بت پرست بھی تم اہل قرآن پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔"

چونکہ ان محاربات کا نتیجہ مسلمانوں کی آرزو کے سراسر خلاف اور قریش کے حسب خواہش برآمد ہوا، مسلمان اس خبر سے رنجیدہ و ملول ہوئے اور ان پر شہر میں ہر طرف آوازے کسے جانے لگے اور قریش کو مذاق و دل لگی کا ایک اچھا مشغلہ ہاتھ آ گیا۔

## نو سال کے اندر غلبۂ روم کی بشارت

اس وقت حملہ آور افواج رومیوں کو برابر دباتی چلی جا رہی تھیں اور مؤخر الذکر کے پنپنے اور سرسبز ہونے کی کسی کو امید نہ رہی تھی۔ جب عامۂ قریش کی طعن و تشنیع کا سلسلہ دراز ہوا تو بعثت سے غالباً پانچویں سال ۶۱۵ء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر صورت حال عرض کی۔ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیٔ الٰہی سے اطلاع پا کر فرمایا کہ "رومی نو سال کے اندر ایرانیوں پر فتح پائیں گے"۔ اس پیشین گوئی کی تصدیق میں پیشگاہ رب العالمین سے سورۂ روم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں :۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ یَوْمَىِٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ

(۳۰: ۱-۵)

اہل روم سرحد پر مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ آئندہ نو سال کے اندر غالب آجائیں گے۔ پہلے بھی ہر قسم کا اختیار اللہ ہی کو تھا اور اب بھی ہے۔ اس روز اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے۔

اس ارشاد ربانی میں فتح روم کی مدت بِضْعِ سِنِیْنَ بتائی گئی ہے۔ سِنِیْنَ عربی میں برسوں کو کہتے ہیں۔ بِضْع کا لفظ تین سے نو یا دس تک کے لیے بولا جاتا ہے۔

## ارباب ایمان کی تسکین خاطر

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کی اچھی طرح تسکین خاطر کر دی کہ گو اس وقت فتح و ظفر مجوس کی ہم رکاب ہے تاہم انہیں نو سال کے اندر ہزیمت کا سامنا ہو گا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ کے گلی کوچوں میں اس پیشین گوئی کو خوب مشتہر کیا اور مذاق اڑانے والوں سے فرمایا کہ زیادہ خوش نہ ہو۔ ہمارے ہادی برحق نے جن کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اطلاع دی ہے کہ نصاریٰ روم نو سال کے اندر ایرانیوں پر فتح پائیں گے۔"

اُبَی بن خلف نے جو ایک نامور عدوے اسلام تھا، حضرت صدیق اکبرؓ کے بیان کی تکذیب کی اور ان کا بُری طرح مذاق اُڑایا۔ چونکہ یہ پیشین گوئی حالات حاضرہ کے لحاظ سے سخت بعید از قیاس اور ناقابل یقین تھی، اُبَی بن خلف نے اس کے صحیح نکلنے کی حالت میں حضرت ابو بکرؓ سے سَو اُونٹ ہارنے کی شرط لگا دی اور غلط نکلنے کی صورت میں اُن سے بھی سَو اونٹ دینے کا عہد لے لیا۔ اُس وقت تک جانبین سے اس قسم کی شرط شرعاً حرام نہیں ہوئی تھی۔

## ایک انگریز مؤرخ کا استعجاب

اس واقعہ کے قریباً ساڑھے بارہ سو برس بعد ایک انگریز مؤرخ ایڈورڈ گبن اپنی مشہور کتاب ہسٹری اوف ڈیکلائن اینڈ فال اوف رومن ایمپائر (رومی سلطنت کا زوال) میں اس حیرت انگیز پیشین گوئی کے متعلق رقم طراز ہے:-

"مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر پیغمبر عربی ان

دونوں کی ایک دوسرے کے تباہ کرنے والی کوششوں کو بنظرِ امعان دیکھ رہا تھا اور عین اُس وقت جبکہ ایرانی اپنی پیہم فتوحات سے دل شاد تھے اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی علم اقبال پر سایہ فگن ہوگی جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی، کوئی بات اس پیش گوئی سے زیادہ بعید از قیاس نہیں ہو سکتی تھی۔" (تاریخ زوال روم گبن جلد ۵ ص ۸۶)

## مزید مجوسی فتوحات

تسخیر شام و فلسطین کے بعد ایرانی سپاہ نے مصر، عراق اور ایشیائے کوچک پر بھی تسلط جما لیا۔ ایرانی فوجیں ایشیائے کوچک کو زیر و زبر کرتی ہوئی باسفورس کے ایشیائی ساحل پر پہنچیں اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا ٹکرائیں۔ فتح مند لشکر نے قسطنطنیہ کے سامنے باسفورس کے ایشیائی ساحل پر اپنے خیمے کھڑے کیے جہاں وہ برابر دس سال تک خیمہ زن رہا۔ جہاں جہاں سے رومی بساطِ سیاست الٹتی گئی، ہر جگہ آتش کدے تعمیر ہوتے گئے اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش رائج کی جاتی رہی۔

رومیوں کی پیہم ہزیمتوں نے ان کی کمر پہلے ہی توڑ رکھی تھی، اب ان کے مصائب میں دو مزید مشکلات کا اضافہ ہوگیا۔ ایک تو دارالسلطنت قسطنطنیہ میں قحط رونما ہوا اور وبائیں پھوٹ پڑیں۔ دوسرے آوروں کے حملے کا اچانک خطرہ ہر وقت سوہانِ روح بن گیا۔ اس وقت رومیوں کی نہایت وسیع و عریض سلطنت سمٹ سمٹا کر یونان، اٹلی، افریقہ کے باقی ماندہ اقطاع اور شہر قسطنطنیہ تک محدود رہ گئی تھی۔ باقی تمام مقبوضات پارسیوں اور آوروں نے چھین لیے تھے۔

## شمالی افریقہ بھاگ جانے کا منصوبہ

چونکہ رومیوں میں ان دو خوفناک دشمنوں سے عہدہ برآ ہونے کی تاب نہ تھی اور کسی طرف سے کوئی فوجی امداد پہنچنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا، شاہ ہرقل نے صبر کی باگ ہاتھ سے چھوڑ کر اور آس بالکل توڑ کر ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ کو اس کی قسمت پر چھوڑ کر کارتھج بھاگ جائے۔ تونس کا یہ شہر جو شمالی افریقہ کے منتہائے شمال میں بحرِ روم کے مغربی ساحل پر واقع تھا نسبۃً ایک محفوظ مقام تھا۔ جب اس نقل مکانی کا قطعی فیصلہ ہوگیا تو بادشاہ نے بڑی خاموشی اور راز داری کے ساتھ اس کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں قصرِ شاہی کا خزانہ اور تمام ضروری سامان جہازوں پر لاد دیا گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ شاہ ہرقل وہاں سے چمپت ہو، لاٹ پادری کے کانوں میں اس کی بھنک پڑ گئی۔ وہ مزاحمت پر آمادہ ہوا اور رعایا کو اکسا کر مخالفت اور ہنگامہ آرائی شروع

کرا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہرقل کو اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ اب لاٹ پادری نے بادشاہ کو سینٹ صوفیہ کے گرجے میں لے جا کر اس سے حلف اٹھوایا کہ وہ روپوش ہونے کا خیال ترک کر کے حسبِ سابق زندگی اور موت کی کش مکش میں برابر رعایا کا شریکِ حال رہے گا۔

## دو لاکھ ستر ہزار رومیوں کی اسیری

ایرانی سیلاب باسفورس کے ایشیائی ساحل پر پہنچ کر تھم گیا تھا اور سرِدست اس محاذ پر بالکل سناٹا چھایا تھا، لیکن آوروں کی حرص و آز نے رومیوں کو از سرِ نو تذلل و ادبار کے گرداب میں ڈال دیا۔ اس وقت آوروں کا خان تھریس کے میدانوں میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ وہ بظاہر تو شہر ہرقلی کے پاس شاہ ہرقل سے ملاقات کرنے کے لیے نامہ و پیام کر رہا تھا اور لوگوں کے زعم میں اس نے اپنے گرد و پیش مصالحت کی فضا پیدا کر رکھی تھی، لیکن اس کے عقب میں آوروں کے غول قسطنطنیہ پر یورش کرنے کے لیے خان کے اشارۂ چشم کے منتظر کھڑے تھے۔

چنانچہ آوروں نے رومیوں کو غافل کر کے قسطنطنیہ پر اچانک ہلہ بول دیا۔ جونہی شاہ ہرقل کو اس تاخت کی اطلاع ہوئی، جھٹ اپنے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور تاجِ شاہی کو اپنے بازوؤں پر لپیٹ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حملہ آوروں کی گرفت سے نکل گیا۔ آوروں کے سوار قسطنطنیہ کے سنہری دروازہ سے شہر میں داخل ہوئے اور جب پوری طرح شہر پر تسلط جما چکے تو قتل و نہب کا بازار گرم کر دیا۔ اس وقت کسی شہری کی جان و مال، عزت و ناموس محفوظ نہ تھی۔ بوالہوس مفسدہ پرداز شہر کو لوٹ کر اور تمام بڑی بڑی عمارتوں کو نذرِ آتش کر کے خاک سیاہ کر چکے تو فوج اور رعایا کو قیدی بنانا شروع کر دیا چنانچہ دو لاکھ ستر ہزار جرم نا آشنا رومیوں کو قید کر کے دریائے ڈینیوب کے پار لے گئے۔

## قسطنطنیہ کی خوفناک تباہی

اس حملہ میں قسطنطنیہ کو ایسی خوفناک تباہی سے سابقہ پڑا جو چشمِ زمانہ نے کہاں کبھی نہ دیکھی تھی۔ بادشاہ کو جب اطلاع ہوئی کہ دشمن قسطنطنیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر واپس جا چکا ہے تو بحالتِ تباہ شہر میں داخل ہوا اور دارالسلطنت کی حالتِ زار دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو رویا۔ آبادی کے ہر حصہ میں بُکا و بین اور گھر گھر شیون و شین بپا تھا۔ اس وقت خزانہ لُٹ چکا تھا۔ فوج یا تو جنگ کی بھینٹ چڑھ چکی تھی یا قید کر لی گئی تھی، یا منتشر ہو چکی تھی۔ شاہ ہرقل کے سر پر ہر وقت خوف و ہراس اور یاس و قنوط کی ایک برہنہ تلوار جھکی ہوئی تھی۔ وہ اشک آلود آنکھوں سے کارخانۂ قدرت کے نمونے دیکھ دیکھ کر ہر وقت اس

ادھیڑبن میں رہتا تھا کہ اس غمِ جگر سوز سے کیونکر نجات حاصل ہو؟

## غالب دشمنوں سے ملاقات

ایسے وقت میں کہ ہرقل گردشِ زمانہ سے تباہ وخستہ ہو کر آوارۂ دشتِ ادبار تھا اس نے سنا کہ آور قوم کا سردار چالسیڈن کے کنارے خیمہ زن ہے۔ بادشاہ نے اس کے جذباتِ رحم کو حرکت میں لانے کے لیے ملاقات کا قصد کیا۔ چنانچہ ایک معتمد کے توسط سے شرفِ ملاقات بخشنے کی درخواست کی۔ خان نے آنے کی اجازت دی اور شفقت آمیز گفتگو کرنے کے بعد اسے رخصت کیا۔ اس کے بعد ہرقل نے اس ایرانی سپاہ کے قائد سے بھی ملاقات کرنے کا قصد کیا جو باسفورس کے ایشیائی ساحل پر خیمہ زن تھی۔ چنانچہ خود جا کر اس سے ملا۔ سپہ سالار نے جس کا نام شاہین تھا، شاہِ ایران کی مرضی معلوم کیے بغیر از خود ہرقل کو مشورہ دیا کہ شاہِ ایران کے پاس سفارت بھیج کر عفوِ تقصیرات کی درخواست کرے۔ چنانچہ ہرقل نے ملک کے صائب الرائے مدبروں اور ممتاز سیاست دانوں کی ایک جماعت دارالسلطنت مدائن روانہ کی۔

## کسریٰ کے دربار میں رومی سفارت

پرویز نے کہ کثرتِ فتوحات کے نشہ نے اس کا دماغ پھیر دیا تھا، ان کی کوئی بات نہ سنی بلکہ اُلٹا اُن کو قید کر دیا، حالانکہ دنیا کے کسی آئین میں قاصدوں سے بدسلوکی روا نہیں۔ پرویز ایلچیوں کے لیے قید کا حکم دینے کے بعد بڑے غرور سے کہنے لگا کہ سفارت کے بجائے لازم یہ تھا کہ والیٔ روم پا بزنجیر با دولت کے تختِ سلطنت کے سامنے حاضر کیا جاتا۔ اس کے بعد بولا کہ میں اُس وقت تک اس کی طرف مصالحت کا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا جب تک وہ اپنے مصلوب خدا کی عبادت چھوڑ کر سورج دیوتا کی پرستش نہ شروع کر دے۔

## خراج کے ذلت آفرین شرائط

پہلے خسرو پرویز کا ارادہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ پر عمل و دخل کر کے رومیوں سے ان کے باقی ماندہ مقبوضات بھی چھین لے لیکن اب اس نے سالانہ خراج وصول کرنے پر اکتفا کی۔ چنانچہ سپہ سالار شاہین نے فرمانِ شاہی کے بموجب رومیوں سے مندرجۂ ذیل سالانہ خراج کا مطالبہ کیا۔

(۱) ہزار ٹالنٹ[ـہ] سونا۔

---

[ـہ] ان ایام میں فلسطین کا ٹالنٹ قریباً ساڑھے تین سو اشرفی کا اور رومیوں کا ٹالنٹ نوّے اشرفی کا ہوتا تھا۔ اگر یہاں رومی ٹالنٹ سمجھا جائے تو نوّے ہزار اشرفی سالانہ کی رقم بنتی ہے۔

(۲) ہزار ٹالنٹ چاندی۔
(۳) ہزار ریشمی خلعت۔
(۴) ہزار اعلیٰ نسل کے گھوڑے۔
(۵) ہزار کنواری لڑکیاں۔

چونکہ رومیوں کی پستی و بدحالی انتہا کو پہنچ چکی تھی، ہرقل اور اس کی رعایا نے خراج کی ساری شرطیں منظور کر لیں اور لطف یہ ہے کہ آخری ذلت آفرین دفعہ بھی بے کم و کاست تسلیم کر لی اور کان تک نہ ہلائے۔

## پیغمبر عربیؐ کی باطنی توجہ

حضرات! آپ نے رومیوں کی اس خوفناک پستی کا مرقع دیکھا۔ خراج کی شرطوں اور بالخصوص اس کی آخری دفعہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ رومیوں کی روح بالکل مردہ ہو چکی ہے۔ احساس اور عزت نفس کا نام تک نہیں رہا۔ اس نازک دور میں کہ جسم قومیت کے اعضائے رئیسہ بالکل مضمحل ہو چکے تھے کسی ایسے عیسیٰ نفس روحانی طبیب کی ضرورت تھی جس کی باطنی توجہ ان کے مردہ جسم میں از سر نو زندگی کی روح پھونکے اور ان کی قومی کشتی کو ساحل مراد پر پہنچانے میں ممد ہو۔ اس وقت قسطنطنیہ سے قریباً دو ہزار میل کی مسافت پر خدا کا ایک خاص برگزیدہ بندہ صدیوں کی پھیلی ہوئی گمراہیوں کو مٹا کر دلوں اور روحوں کے تزکیہ میں مصروف تھا۔ اس یگانۂ عالم کی روحانیت کبریٰ نے رومیوں کی قومی کشتی کو منجدھار سے نکالنے کے لیے قضا و قدر کے ہاتھوں سے جو اہتمام کرایا، اس کی کیفیت ملاحظہ ہو:۔

## رومیوں میں احساس خودداری

جب کسی قوم کے دل میں اپنی پستی کے درد و کرب کی ٹیس اٹھتی ہے تو اس سے صد گونہ نطق زندگی پیدا ہوتا ہے۔ ہزار لڑکیوں کی فراہمی کا مسئلہ قوم کے لیے سخت اضطراب کا موجب بن گیا۔ اس وقت رومیوں کو احساس ہوا کہ سونے اور سو رہنے کی سزا کیا ہے۔ در اصل ہر سوتی ہوئی قوم کو جگانے کے لیے اس قسم کے تازیانوں کی اشد ضرورت ہے مگر افسوس ہے کہ بعض قوموں کی روح کچھ اس درجہ مردہ ہو جاتی ہے کہ وہ ایسے تازیانوں سے بھی عبرت پذیر نہیں ہوتیں۔ اس تازیانہ نے رومیوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور انہیں احساس ہوا کہ اپنے جگر گوشوں کو بوالہوسوں کی نذر کرنے سے تو ڈوب مرنا اور صفحۂ ہستی سے مٹ جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔

## حربی تیاریاں

دشمن نے خراج کی پہلی قسط ادا کرنے کے لیے چند ماہ کی مہلت دی تھی۔ چونکہ پیغمبرِ عربی کی باطنی توجہ نے زندگی کی روح پیدا کر دی تھی، تمام قوم نے عضوِ جسد بن کر اور رُوئے دل کو ہر طرف سے پھیر کر عزم صمیم کر لیا کہ اس مہلت میں حربی قوت فراہم کر کے اپنے آپ کو دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار کریں گے۔ چنانچہ ہر طبقہ کے ہر رومی نے اس تیاری میں اپنی بساط سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہرقل کے سامنے اپنی غیرتِ ملی کا عملی ہدیہ پیش کر دیا۔

## یلغار

جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو شاہ ہرقل سنہ ۶۲۲ء میں ابانیہ کے وسیع میدانوں سے نکل کر ہرکان کے سلسلۂ کوہ سے ہوتا ہوا عراق میں جا نکلا اور فاتحانہ یلغار کرتا ہوا ایران کے جگر میں قزوین اور اصفہان تک جا پہنچا۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں آج تک کسی رومن فاتح کے قدم نہیں پہنچے تھے۔ ایرانیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اہلِ روم مستقبل قریب میں ایران کے سامنے سر اٹھا سکیں گے۔ جب خسرو پرویز کو اپنے مفتوح دشمن کی اچانک تاخت کا علم ہوا تو اس نے جھٹ دو کام کیے۔ ایک تو اپنی وہ فوجیں جو دریائے نیل اور باسفورس جیسے دور دست مقامات پر پڑی ہوئی تھیں واپس بلا لیں۔ دوسرے آوروں سے رابطۂ دوستی قائم کر کے ان سے رومیوں کے دارالسلطنت پر چڑھائی کرنے کا وعدہ لیا۔ مجوس اور آوروں میں جو معاہدہ ہوا، اس میں طے پایا تھا کہ دونوں قومیں مل کر رومیوں کو مغلوب کریں گی۔ اس کے بعد ان کا ملک آپس میں بانٹ کر رومی سلطنت کا نقشِ وجود ہمیشہ کے لیے مٹا دیں گی۔

## قسطنطنیہ کا محاصرہ

اب ایسے وقت میں کہ رومی فوجیں دارالسلطنت سے بہت دُور پارسیوں کے خلاف مصروفِ کارزار تھیں، آور حوصلہ مند معاہدہ کے مطابق قسطنطنیہ پر اچانک چڑھ آئے اور پیرا اور غلطہ کے گرد و نواح سے لے کر بلاچرن اور سات برجوں تک قسطنطنیہ کے ہر حصہ کو محاصرے میں لے لیا۔ یہ حملہ ایسا منظم اور خوفناک تھا کہ محاصرہ کے فوراً بعد یورپی اور ایشیائی ساحلوں کے روشن میناروں سے آگ کے شعلے اُٹھتے دکھائی دینے لگے۔ اہلِ شہر یہ دیکھ کر سخت خوف زدہ ہوئے تاہم وہ بڑی بہادری سے مدافعت کرتے رہے۔ آوروں کے خان نے محصورین کو پیغام دیا کہ تم لوگ شہر کو کسی طرح نہیں بچا سکتے اور دو قوموں کی متحدہ فوجی طاقت کے سامنے ٹھیرنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے تمہاری فلاح و بہبود اس میں ہے کہ شہر کے دروازے کھول دو۔ ہم تمہیں امان دیں گے"۔ لیکن محصورین نے اس پیغام کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔

### زرہ بکتر پوش فوج کی کمک

اس وقت محاصرین شہر پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے لیکن محصورین ہر مرتبہ ان کے مونہہ پھیر پھیر دیتے تھے۔ حملہ آور لشکر شہر پناہ میں شگاف کرنے کے لیے کہیں کہیں تو نقب لگا رہا تھا اور کسی طرف منجنیقوں سے پتھر برسا کر اس کے توڑنے کی کوششوں میں منہمک تھا۔ اب غنیم نے لکڑی کے بارہ بُرج تیار کرکے ان کو فصیل شہر کے قریب کر دیا اور اپنے سپاہیوں کو ان پر چڑھا کر کوشش کی کہ فصیل پر چڑھ جائیں۔ لیکن ابھی یہ کوشش بروے کار نہ آئی تھی کہ شاہ ہرقل کی طرف سے بارہ ہزار زرہ بکتر پوش فوج کی کمک آ پہنچی۔ کمک کی آمد پر جنگ کا نقشہ بالکل بدل گیا۔ اس فوج نے آتے ہی محاصرین سے دست بدست لڑائی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن محاصرہ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

### رومی فتوحات

رومی فوج نے عراق اور ایران میں بڑی بہادری سے لڑ کر ہر معرکہ میں ایرانیوں کو نیچا دکھایا اور بار بار کران کے پرچچے اڑا دیے اور خدائے معز ورافع کی کرم فرمائی دیکھو کہ عین اُس روز جب ۶۲۳ء میں مسلمانوں نے ہجرت مدینہ کے ۱۹ مہینے بعد بدر کے میدان جنگ میں قریش کو شکست دی، رومیوں کے مظفر و منصور ہونے کی خبر بھی مدینہ منورہ پہنچ گئی۔ رومی مغلوب دشمن کو برابر مارتے اور رگیدتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے ۶۲۵ء تک اپنا ایک ایک شہر واپس لیا اور پارسیوں کو ان کے سابقہ حدود یعنی دجلہ اور فرات کے سواحل کی طرف بھگا دیا۔

### مخبر صادق ؐ کی پیشین گوئی کا پورا ہونا

الغرض مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ساتویں سال حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس غیر معمولی صداقت نے دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ اس کو دیکھ کر قریش کے بہت سے آدمی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سو اُونٹ حاصل کرکے بارگاہِ نبوی میں لا حاضر کیے۔ گو اس وقت تک اس قسم کی شرط حرام نہ ہوئی تھی تاہم آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ شرط کے اونٹوں کو اپنے پاس نہ رکھو بلکہ خیرات کر دو"۔ انہوں نے تمام اونٹ حاجتمندوں میں بانٹ دیے (ترمذی، مسند احمد، نسائی، تفسیر دُرِّ منثور، ہسٹری اُوف پرشیا سر پرسی سائیکس مطبوعہ لندن جلد اوّل ص ۴۸۲ - ۴۸۶، ہسٹری اُوف دا ڈکلاین اینڈ فال اُوف رومن ایمپائر مصنفہ ایڈورڈ گبن جس کو جے، بی بُری نے ایڈٹ کیا مطبوعہ لندن جلد ۵

ص ۷۶ - ۸۶)

### ایران کے قصر شاہی کا تجمل

خسرو پرویز کا شاہی محل جس کو بادآور کہتے تھے دارالسلطنت مدائن سے ۶۰ میل شمال کی طرف دریائے دجلہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ محل کے چاروں طرف سرسبز چراگاہیں، باغات اور جنگلات تھے جن میں ہر قسم کے چرند پرند موجود تھے۔ خصوصاً تیتروں، موروں، شترمرغوں، ہرنوں، جنگلی سوٴروں اور شیروں کی وہاں بڑی کثرت تھی۔ نوسو ساٹھ ہاتھیوں کی قطاریں شاہانہ تجمل اور شوکت وحشمت کی شہادت دے رہی تھیں۔ اسباب اور ڈیرہ خیمہ اُٹھانے کے لیے بارہ ہزار قدآور اور آٹھ ہزار پست قامت اونٹ تھے۔

شاہی اصطبل میں چھ ہزار گھوڑے اور خچر بندھے تھے جن میں شبدیز اور بآرید نام کے دو گھوڑوں کو اپنی تیز رفتاری اور حسن وجمال میں عالمگیر شہرت حاصل تھی۔ محل شاہی کے صدر دروازہ پر شب وروز چھ ہزار گھڑ چڑھے سوار پہرہ دیتے تھے۔ شاہی محل کے اندر بارہ ہزار غلام تھے جن کو مختلف خدمات سپرد تھیں۔ اسی طرح تین ہزار کنواری لڑکیاں تھیں جن کی خودآرائی وزیبائی نے محل کی رونق وزیبائش پر چار چاند لگا رکھے تھے۔ سونے چاندی، جواہرات، ریشم اور عطریات کے ذخائر توشہ خانوں کی الماریوں میں محفوظ تھے۔

دربار شاہی کا عمارتی تزک واحتشام اور اس کے تکلفات بھی بیان سے باہر ہیں۔ تیس ہزار بیش قیمت دیوارگیریوں اور پردوں کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ چاندی، سنگ مرمر اور اعلیٰ قسم کی لکڑی کے ۴۰ ہزار حریر پوش ستونوں نے محل شاہی کی حسین وجمیل چھت کو سر آنکھوں پر بٹھا رکھا تھا۔ سونے کے ہزار گولے اس غرض سے گنبد میں آویزاں تھے کہ نجوم وکواکب کی رفتار اور ان کے اجتماع کی کیفیت معلوم ہو سکے۔

جن ایام میں کسریٰ غیر معمولی تزک واحتشام کے ساتھ اپنے قصر بادآور میں دادِ عیش دیتا اور رنگ رلیاں منا رہا تھا، پیغمبر عربی محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاصد آپ کا ایک تبلیغی نامہ لے کر اس محل میں پہنچا لیکن رعونت پسند فرماں روا نے اس خط کو پڑھوا کر چاک کر دیا (ہسٹری اوف ڈیکلاین اینڈ فال اوف رومن ایمپائر جلد ۵ صفحہ ۷۴ - ۷۵)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:-

### نامہ مبارک بنام کسریٰ

نبیوں کے سردار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں

والیانِ حکومت اور فرماں رواؤں کو تبلیغِ حق کے نامے لکھواتے تھے۔ خسرو پرویز شاہِ ایران کے نام جو مکتوب لکھا گیا، اُسے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔ (ترجمہ) :-

> "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ رئیسِ فارس کے نام ہے۔ وہ شخص سلامتی اور عافیت میں رہے جو راہِ راست کی پیروی کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اے کسریٰ! میں تمھیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بلاشبہہ تمام دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلاؤں۔ اے کسریٰ! تم خدا سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تو سلامت رہو گے ورنہ تمام قومِ مجوس کے انکار و اعراض کا گناہ اور وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔"

## نامۂ مبارک کا چاک کیا جانا

عہدِ قدیم میں ملوکِ فارس ومداین کسریٰ کے لقب سے مشہور تھے۔ اور قاموس میں ہے کہ کسریٰ خسرو کا مُعَرّب ہے کہ بمعنیٰ واسع الملک ہے۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ فرماں رواؤں کے نام جو عرضداشتیں بھیجی جاتی تھیں ان کے عنوان پر بادشاہ کا نام پہلے درج ہوتا تھا لیکن اقلیمِ روحانیت کے فرماں روا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبِ گرامی میں پہلے خدائے قدوس کا نامِ پاک، پھر رسول اللہ کا اسمِ مبارک اور اس کے بعد شاہِ ایران کا لقب درج تھا۔ جب یہ مکتوب کسریٰ کے سامنے پڑھا گیا تو وہ عالمِ غیظ میں بولا اس شخص نے اپنا نام میرے نام سے پہلے کیوں لکھا؟ اس کے بعد از راہِ نخوت و غرور بے ادبانہ کہنے لگا کہ کیا کوئی ادنیٰ غلام بھی اپنے شہنشاہ کو ایسا لکھ سکتا ہے؟ اور عرب کی بساط ہی کیا ہے کہ وہاں کا کوئی باشندہ اتنے جلیل القدر شہنشاہ کو خط لکھنے کا حوصلہ کرے۔ غرض جھنجلا کر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا۔

ان ایام میں یمن کی سرزمین بھی جو عرب کا ایک حصّہ ہے ایرانی قلمرو میں داخل تھی۔ کسریٰ نے عالمِ آشفتگی میں شاہِ باذان حاکمِ یمن کے نام حکم بھیجا کہ حجازی نبی کو گرفتار کر کے ہمارے پاس حاضر کرو۔" اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ جس برگزیدہ ہستی کو وہ نظرِ حقارت سے دیکھتا اور ایک معمولی متنفس سمجھ کر اس کی گرفتاری کا حکم دے رہا ہے، کل کو اسی کے کفش بردار تاج و تختِ ایران

کے مالک ہوں گے اور جس دار السلطنت سے وہ عاقبت نا اندیشانہ فرمان جاری کر رہا ہے عنقریب اس پر اور اس کی ساری عملداری پر سرکارِ رسالت کے غلاموں کا پرچم اقبال لہرائیگا۔

جب شاہ نبوت کے قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آئے اور گزارش کی یا رسول اللہؐ! کسریٰ نے حضور کا مکتوب گرامی ازراہ تحقیر چاک کر ڈالا تو آپ نے دعا کی الٰہی! جس طرح اس نے میرے نامہ کو چاک کیا ہے اسی طرح تو بھی اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر"۔

اہل علم جانتے ہیں کہ یہ دعا کس طرح موقفِ اجابت پر پہنچ کر حرف بحرف پوری ہوئی۔ ایران کی سلطنت چند ہی سال کے اندر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی اور ایرانی شاہزادیاں مسلمانوں کی لونڈیاں بنیں۔ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سعادت میں ایران فتح ہوا تو اسیران جنگ میں یزدجرد شاہ ایران کی بیٹی شہربانو بھی داخل تھیں جنہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو عطا فرمایا۔ سید علی بن حسین معروف بہ امام زین العابدینؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

### یمن کے دو افسر مدینہ منوّرہ میں

اب فرمان کسروی کا انجام سنیئے۔ جب کسریٰ کا حکم یمن پہنچا تو شاہ باذان نے بآذیہ اور خرخسرہ نام دو ہوشیار عہدہ داروں کو مدینہ منورہ روانہ کیا اور زبانی پیغام کے ساتھ ایک سرکاری فرمان بھی لکھ دیا جس میں تاکید کی گئی تھی کہ تم فی الفور ان دونوں افسروں کے ساتھ شہنشاہِ ایران کی خدمت میں مدائن حاضر ہو جاؤ"۔

قاصد بلد الرسول پہنچ کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور شاہ باذان کا خط پیش کیا۔ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے کسی خواندہ آدمی سے خط پڑھوایا اور اس کا مضمون سن کر نہایت بے پروائی کے ساتھ تبسم فرمایا۔ اب قاصدوں نے زبانی کہنا شروع کیا کہ ہمارے شہنشاہ نے ملک باذان کو آپ کی گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ مناسب ہے کہ ہمارے ساتھ فی الفور چل کھڑے ہو جیئے ورنہ کسریٰ کا مزاج سخت برہم ہے۔ نہ صرف آپ خود ہلاک کر دیئے جائیں گے بلکہ آپ کے پیرو بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے اور شہنشاہ تمہارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا"۔

ایسے نازک وقت میں بڑے بڑے دعویداروں کے قدم ہمت ڈگمگا جاتے ہیں لیکن

قیوم السموٰات والارض انتہائی نازک مرحلہ پر بھی اپنے انبیاء ورُسل کو پوری طرح ثابت قدم رکھتا تھا اور دنیا کی کوئی ماسوی اللہ طاقت ان کی استقامت کے مضبوط قلعوں کو متزلزل نہیں کر سکتی تھی۔ اگر آپ کی جگہ (معاذ اللہ) کوئی خود ساختہ نبی ہوتا تو امتثالِ امر کے سوا چارہ کا نہ دیکھتا لیکن آپ ان کی دھمکی کو خاطر میں نہ لائے اور کمال سکون و وقار کے ساتھ فرمایا کہ آج تو تم آرام کرو۔ صبح کو میرے پاس آؤ۔ اس کا جواب دیا جائے گا۔ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نبوت کا جو قدرتی رعب و جلال تھا اس سے دونوں قاصد مرعوب تھے اس لیے دوبارہ لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی اس کے علاوہ صحابۂ کرام کی فدویت اور عقیدت مندی کے جو منظر تھوڑی سی دیر میں دیکھ چکے تھے وہ بھی کسی حجت یا اصرار کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ غرض قاصد عزت کے ساتھ ٹھیرائے گئے۔

### بے ادب تاجدار کی ہلاکت

اب آپ وحیٔ الٰہی کا انتظار فرمانے لگے۔ چنانچہ آپ کو اسی رات منجانب اللہ اطلاع دی گئی کہ پرویز کے بیٹے شیرویہ نے اس کا پیٹ چاک کر ڈالا ہے۔ جب قاصد دوسرے دن ۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ھ کو بدھ کے روز آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ آج ہی رات سات ساعتیں گزرنے پر شیرویہ نے تمہارے شاہ پرویز کو قتل کر ڈالا ہے یہ سن کر قاصد محو حیرت رہ گئے اور ایک طویل سکوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے کہنے لگے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے وحشت انگیز بیان کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہمارا شہنشاہ آپ کو اور آپ کی قوم کو فنا کر دے گا اور اس سرزمین کی خاک بھی دنیا سے بے نشان ہو جائے گی"۔

آپ نے فرمایا تم اس فکر میں مت پڑو اور جا کر باذان کو میری طرف سے کہہ دو کہ پرویز قتل ہوا اور عن قریب اس کی ساری مملکت اسلام کے حیطۂ اقتدار میں آ جائے گی۔ اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تم کو یمن کی حکومت پر بحال رکھوں گا ورنہ نتیجہ کے تم خود ذمہ دار ہوگے"۔ یہ سن کر قاصدوں کے دل میں کچھ ایسا ہول سمایا کہ یارائے گفتار نہ رہا۔

### فرمانروائے یمن اور اکثر قبائل حلقۂ اسلام میں

قاصد مدینہ طیبہ سے رخصت ہو کر یمن پہنچے اور تمام ماجریٰ ملک باذان کے گوش گزار کیا۔ باذان نے کہا اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو وہ یقیناً خدا کے سچے نبی ہیں اور ملوکِ عالم میں سب سے پہلا فرماں روا میں ہوں جو ان پر ایمان لائے گا"۔ باذویہ نے کہا میں نے بڑے بڑے امراء و سلاطین

کے دربار دیکھے ہیں لیکن ایک قدرتی رعب اور ہیبت کے ساتھ ایسے اعلیٰ اخلاق کہیں نہیں دیکھے۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ باذان کے نام شاہ شیرویہ کا فرمان صادر ہوا جس میں لکھا تھا کہ کسریٰ پرویز ظالم نابکار تھا اس لیے میں نے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور تمہیں تمہارے عہدہ پر بحال رکھتا ہوں اور حجاز میں جو صاحب مدعیٔ نبوت ہیں تا حکم ثانی ان سے کچھ تعرض نہ کرو۔"

یہ اطلاع پاکر شاہ باذان اسی وقت اپنے دونوں بیٹوں سمیت مشرف بایمان ہوا اور یمن کے اکثر قبائل بھی سعادتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے۔ شاہ باذان نے اپنے اور اہل یمن کے قبولِ حق کی اطلاع مرکزِ نبوت میں بھیج دی۔ اس طرح یمن کی حکومت ایران سے منقطع ہو کر اسلامی عمل ودخل میں آگئی اور سلطنت کے طول و عرض میں اسلامی قوانین نافذ ہو گئے۔ لیکن چند ہی مہینے گزرے تھے کہ باذان رح کا آفتابِ حیات رحمتِ الٰہی کے شفق میں غروب ہو گیا (مسند امام احمد، ابن سعد، بزار، طبرانی)

## حکومت یمن کی نئی تقسیم

تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کی رحلت کے بعد یمن کی حکومت مختلف حصوں میں تقسیم کر دی۔ صنعا اور اس کے ملحقات شہر بن باذان کو تفویض ہوئے۔ مارب کا علاقہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو عطا ہوا۔ عمرو بن حزم نجران کے حاکم بنائے گئے۔ نجران اور زبید کے درمیانی علاقہ کی حکومت خالد بن سعید بن عاص کو بخشی گئی۔ عامر بن شہر ہمدان کے عامل مقرر ہوئے۔ عک کی سرزمین طاہر بن ابوہالہ کے سپرد ہوئی۔ جُند کا علاقہ یعلیٰ بن اُمیّہ کے زیر حکومت دیا گیا۔ حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ محکمۂ تعلیم کے افسرِ اعلیٰ مقرر کیے گئے۔ انہیں پیشگاہِ نبوی سے حکم ہوا کہ یمن اور حضرموت میں ہر جگہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کا انتظام کریں (تاریخ کامل ابن اثیر)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ہنگامی اور عارضی انتظام تھا۔ اس کے بعد یمن دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اقصائے یمن جس میں جُند اور مدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے اور دوسرا یمنِ ادنیٰ یا زیریں یمن۔ اوّل الذکر پر حضرت معاذ بن جبل انصاری مامور ہوئے اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کا تقرر ہوا۔ مقتدائے انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی کہ رعایا کے ساتھ نرمی سے پیش آنا سختی نہ کرنا۔ انہیں خوش رکھنا، متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا (بخاری کتاب المغازی)

## ابوموسیٰ اشعریؓ کا تقرر

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین

رضی اللہ عنہم کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب کسی جگہ کے لیے کوئی عامل مقرر کرنا ہوتا تھا تو کسی کو اس کا اہل دیکھ کر خود نامزد فرماتے تھے اور اگر کوئی اس کے لیے درخواست کرتا تو اس کو قطعاً مسترد فرما دیتے تھے کیونکہ خود درخواست کرنے والے جو عموماً نا اہل ہوتے ہیں، عام طور پر سفارش لا کر یا کوئی بیرونی اثر ڈال کر یا حاکم مجاز کی مٹھی گرم کر کے عہدہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے انصاف و عدالت کی گتھیاں سلجھانا امر محال ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے عامل یمن مقرر ہونے کی تقریب یہ پیدا ہوئی کہ تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابوموسیٰ رضؓ کو ساتھ لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی درخواست کی اس وقت آپ مسواک کر رہے تھے۔ اس سوال پر دفعۃً مسواک رک گئی۔ آپ نے ابوموسیٰؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا ابوموسیٰ! ابوموسیٰ!" انہوں نے خجل و محجوب ہو کر التماس کی یا رسول اللہﷺ! قسم ہے اُس ذات برتر کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں ان کے دلی ارادہ سے واقف نہ تھا اور اس بات سے بالکل خالی الذہن تھا کہ یہ کسی عہدہ کی درخواست کریں گے"۔ ارشاد ہوا جو کوئی خود بخود کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو میں ہرگز مامور نہ کروں گا۔ البتہ ابوموسیٰ! تم خود یمن جاؤ۔ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا (صحیح بخاری)

## پارسی شہنشاہی کا زوال

جس ساعت میں خلیفۃ اللہ علی الارض سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق ہمایوں سے پارسی فرماں روائی کے زوال کی دعا نکلی تھی اسی وقت سے اس کے نیر اقبال کو گہن لگ چکا تھا اور نظام سلطنت میں ابتری شروع ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ عہد فاروقی میں اس کے پُرزے اُڑ گئے۔ کسریٰ کا خاندان ہزارہا سال سے برسر حکومت تھا اور ایران کی سلطنت ایسی زبردست اور عظیم الشان فرماں روائی تھی کہ پردۂ زمین پر اس کے مدمقابل کوئی نہ تھی۔ آخر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایران کے طول و عرض پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ اور پارسیوں کی فرماں فرمائی دنیا کے نقشہ سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی۔ اِس وقت صفحۂ دہر پر آتش پرست پارسیوں کی کہیں حکومت نہیں۔ ہر جگہ اغیار کی رعایا ہیں۔ یہ سزا ہے نبیٔ برحق کا نامۂ مبارک چاک کرنے اور آپ کی تحقیر کرنے کی۔

# فصل ۱۶۴- وصالِ نبویؐ کے بعد بعض پیش گوئیوں کے ظہور کا وعدۂ خداوندی

خدائے قادر و قیوم اپنے کلام پاک (سورۂ زخرف آیات ۴۱-۴۲) میں فرماتا ہے کہ اے ہمارے رسول! خواہ ہم آپ کو قبل ظہور وعدہ ابھی دنیا سے اٹھا لیں اور پھر کفار قریش کو سزا دیں یا ہم اپنے وعدے دکھائیں اور آپ کے روبرو ان کو سزا دیں، آپ کو بہرحال تشویش نہ کرنی چاہیئے کیونکہ آپ راہ راست پر ہیں"۔

اس کا خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ اے پیغمبرؐ! ہم بعض وعدے آپ کو دکھائیں گے اور بعض آپ کے بعد ظہور میں آئیں گے۔ سو آپ جن باتوں کا وعدہ چاہیں ان سے کریں۔ بیشک وہ وعدے پورے کیے جائیں گے۔ چنانچہ خارج میں یہی ظہور پذیر ہوا۔

## تسخیرِ روم و ایران کے وعدے

اور بتواتر حدیث ثابت ہوا ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آغاز بعثت سے تا ایام وصال روم اور ایران کی فتح کا وعدہ فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی فرمایا کہ رب قدیر اس دین کو کیا اہل قریٰ اور کیا اہل بادیہ و صحرا غرض سب کے گھروں میں پہنچائیگا۔ خواہ بعزت اور خواہ بذلت۔ بعزت اس طرح کہ وہ مشرف باسلام ہوں گے اور بذلت یہ کہ جزیہ اور خراج دیتے ہوئے دین اسلام کے مطیع و منقاد ہوں گے۔

## خلفاء کے ہاتھوں سے تکمیل

اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں جو مذکور ہوئیں خود حضرت فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمن سعادت میں ظہور پذیر نہیں ہوئیں بلکہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفائے راشدین کے ہاتھوں سے ان کی تکمیل ہوئی۔

اور اگلی (۴۴ ویں) آیت (وَاِنَّهٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ) کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے پیغمبرؐ! جماعت قریش میں سے چند وہ حضرات ہیں جو کمال ایمانی سے ممتاز ہو کر آپ کے مددگار اور آپ کے بعد آپ کے خلیفہ ہوں گے اور ہمیشہ دین حق کے پشت پناہ

رہیں گے۔

**زبور کی پیش گوئی**

اہل کتاب نے اُن تمام صحیفوں اور کتابوں کو جو منجانب اللہ آسمان سے نازل ہوئے اور پھر اُن میں ہر زمانہ کے اندر من مانی تحریفیں اور تبدیلیاں کی جاتی رہیں اور ان تصنیفات کو جو انبیاء بنی اسرائیل میں سے کسی کی طرف منسوب تھیں، ایک جگہ جمع کر کے ان کو بائیبل کے نام سے موسوم کیا۔ بائیبل کے دو حصے ہیں۔ عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کی کتابیں عہد نامۂ قدیم کہلاتی ہیں اور وہ کتابیں جن کا تعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت اور مسیحیت سے ہے ان کو عہد نامۂ جدید کہتے ہیں۔

عہد نامۂ قدیم میں ایک کتاب زبور ہے جو اگرچہ محرّف ہے تاہم تحریف کی ظلمت میں سے حق و صدق کی کوئی نہ کوئی کرن پھوٹ کر نکل ہی آئی ہے۔ اس محرّف زبور میں لکھا ہے:۔

> بدکار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن وہ جو خداوند کے منتظر ہیں زمین کو میراث میں لیں گے کہ تھوڑی سی مدت ہے کہ شریر نہ ہوگا تو غور کر کے اس کا مکان ڈھونڈے گا اور وہ نہ ہوگا۔ لیکن وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے اور بہت سی راحت پاکے خوش دل ہوں گے۔" (داؤد کا زبور۔ ۳۷: ۱۰-۱۱ مطبوعہ فیروز پور صفحہ ۹۰۹)

قرآن پاک میں زبور کی اس پیش گوئی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (۲۱: ۱۰۵)

اور ہم زبور میں پند و نصائح کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

یہ آیت سورۂ انبیاء کی ہے اور سورۂ انبیاء مکہ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کہ پیروانِ اُسوۂ محمدی سخت مظلومی اور بے بسی کی حالت میں گرفتار تھے اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ دعوت اسلامی بھی کبھی اس عروج کو پہنچے گی کہ اس کے پیرو والیانِ ملک اور فرمانروایانِ سلطنت ہوں گے۔

**حکمرانی کی بشارت**

اس پیش گوئی میں صحابۂ کرامؓ کے لیے حکمرانی کی بشارت تھی تاکہ وہ نیک کردار رہیں اور خدا کی عبادت میں کوتاہی نہ کریں اور سمجھیں کہ

عبادتِ الٰہی اور نیک کرداری کا صلہ نہ صرف دارِ آخرت پر موقوف ہے بلکہ دنیا میں بھی خدا ایسے لوگوں کو سلطنت و حکومت دیتا ہے۔ پس اگر کسی اسلامی حکومت کے فرمانروا متقی، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور نیک کردار نہ ہوں تو سمجھنا چاہیئے کہ انہیں عنانِ فرماں روائی اپنے نیکوں ہی کی بدولت حاصل ہے۔ اس نظریہ کی صحت حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں نظر آئے گی:۔

| | |
|---|---|
| هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ (رواہ البخاری) | تمہیں اپنے ضعیفوں ہی کی برکت سے مدد دی جاتی ہے اور رزق عطا کیا جاتا ہے۔ |

ضعفاء سے مراد نیک کردار مساکین ملت ہیں۔

# فصل ۱۶۵۔ صحابۂ کرامؓ کو معبودانِ باطل پر سبّ وشتم کا اِمتناع

حضرت سیدالاوّلین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام آغازِ دعوت میں بتوں اور اہلِ شرک کے دوسرے معبودانِ باطل کی عیب جوئی کیا کرتے تھے اور جو کچھ کسی میں کوئی برائی یا گمراہی ہوتی تھی اس کو برملا بیان فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ راستہ میں ابوجہل سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ کہنے لگا محمدؐ! تم ہمارے بتوں کو ناروا کہنا چھوڑ دو ورنہ ہم اس کے جواب میں تمہارے اس خدا کو برا کہیں گے جس کی تم پرستش کرتے ہو۔ چنانچہ اس وقت ربِ جلیل کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا:۔

| | |
|---|---|
| وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ (۶ : ۱۰۸) | اے اہلِ ایمان! تم اِن (معبودانِ باطل) کو بُرا نہ کہو جن کی یہ لوگ خدائے برتر کی جگہ پرستش کرتے ہیں ورنہ وہ ازراہِ جہالت خدائے برحق کو بُرا کہہ بیٹھیں گے۔ |

اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے بتوں کے عیب بیان کرنے ترک کر دیئے اور صرف دعوتِ حق پر اکتفا کی (سیرت ابن ہشام)

بعض مفسرین نے اس آیت کی شانِ نزول یہ لکھی ہے کہ جب مکہ کے کفار رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے نازل کرنے اور لانے والے کے خلاف دریدہ دہنی کرتے تو صحابۂ کرام بعض اوقات اپنے جوشِ ایمانی سے مجبور ہو کر بتوں اور اہلِ کفر کے دوسرے معبودانِ باطل کو بُرا بھلا کہنے لگتے ربّ العالمین نے یہ آیت نازل کر کے اس کی ممانعت فرما دی۔

علماء نے لکھا ہے کہ ادیان و مذاہبِ باطلہ سے مناظرہ کرنا اور ان کی تردید کے درپے رہنا

توجہ و تبلیغ ہے لیکن دشنام گوئی اور اہل باطل کے اکابر کے حق میں توہین آمیز اور دل خراش الفاظ استعمال کرنا ممنوع ہے۔ بتوں کو برا کہنا فی نفسہٖ جائز و مباح ہے لیکن اگر یہ بدگوئی ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یا اکابر دین کی شان میں گستاخی کا ذریعہ بن جائے تو قبیح و حرام ہو جائیگی

اسی اصول کے ماتحت علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مباح کسی امر حرام کا سبب بن جائے تو وہ جائز نہیں رہتا بلکہ وہی جائز و مباح فعل حرام ہو جاتا ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ کلام پاک کی بعض آیتوں میں باطل معبودوں کی تحقیر و تفضیح پائی جاتی ہے مگر وہ بقصد بدگوئی و سب و شتم نہیں بلکہ بطور استدلال اور فریق مقابل پر الزام اور حجت قائم کرنے کے لیے ہے۔ کسی تحریر کے سیاق و سباق اور قرائن حالیہ سے ہر ذی فہم دیکھ سکتا ہے کہ اس میں تحقیر و تخفیف منظور ہے یا احقاق حق۔ اگر محض دوسرے کی تخفیف و تذلیل منظور ہو تو اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

# فصل ۱۶۶۔ رضاعی والد کی سعادت اندوزیٔ بیان

نسب کے جن رشتوں میں نکاح حرام ہے، رضاعت کے ان رشتوں میں بھی عقد مناکحت ممنوع ہے۔ جس طرح نسبی بہن، بھتیجی، بھانجی، خالہ، پھوپھی مرد کے سلک ازدواج میں منسلک نہیں ہو سکتیں، اسی طرح رضاعی بہن، بھتیجی وغیرہ بھی حبالۂ زوجیت میں نہیں آ سکتیں۔ سلوک و برتاؤ میں بھی نسبی اور رضاعی اقربا، ایک حکم میں داخل ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دودھ کے شریک بھائی بہنوں یعنی محترمہ حلیمہ کی اولاد سے وہی برتاؤ کرتے تھے جو حقیقی بھائی بہنوں سے کیا جاتا ہے۔ آپ حلیمہ کو والدہ اور ان کے شوہر کو والد کہہ کر پکارا کرتے تھے اور ان کا والدین کا سا احترام فرماتے تھے۔

یونس بن بکیر کی روایت ہے کہ حرث بن عبدالعزّیٰ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ تھے ایک دفعہ مکہ معظمہ آئے۔ صنادید قریش ان سے کہنے لگے حارث! تم نے اپنے بیٹے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقولہ سنا ہے؟ انہوں نے پوچھا وہ کیا کہتے ہیں؟ بولے وہ شخص کہتا ہے کہ خدا لوگوں کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ کہ اللہ نے دو مقام تیار کر رکھے ہیں۔ ایک میں اپنے بے فرمانوں اور سرکشوں کو عذاب دے گا اور دوسرے میں اپنے اطاعت شعاروں اور فرماں برداروں کا اکرام فرمائے گا۔ اس شخص نے ہمارے تمام

امور میں انتشار پیدا کر دیا ہے اور ہماری جمعیت میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔"

یہ سن کر حرث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے بیٹا! کیا وجہ ہے کہ تمہاری قوم تم سے سخت نالاں ہے۔ بقول ان کے تمہارا خیال ہے کہ لوگ موت کے بعد مبعوث ہوں گے پھر حسب اعمال جنت یا دوزخ میں ڈالے جائیں گے"۔ یہ سن کر ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک! میں یہی کہتا ہوں۔ اے والد محترم! اگر آج قیامت کا دن ہوتا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر اس کا مشاہدہ کرا دیتا۔"

پس حرث اس کے بعد مشرف باسلام ہوئے اور اپنے اسلام پر خوب ثابت قدم رہے۔ وہ قبول اسلام کے بعد کہا کرتے تھے کہ اگر میرا فرزند میرا ہاتھ پکڑ لیتا تو میں ان شاء اللہ العزیز اس کے بیان کا بچشم خود مشاہدہ کر لیتا یہاں تک کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر دیتا (الروض الانف)

# فصل ۱۶۷۔ ابو طالب کے پاس قریش کا وفد

جب زور و قوت اور ترغیب و تحریص سے اسلام کی اشاعت و ترقی رکتی نظر نہ آئی تو سرداران قریش معاملہ کو صلح و آشتی سے سلجھانے کے درپئے ہوئے۔ چنانچہ یہ رائے قرار پائی کہ ایک وفد بھیج کر بنو ہاشم کے سردار ابو طالب سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شکایت کی جائے۔ عجب نہیں کہ ابو طالب کی توجہ سے تمام الجھنیں دور ہو جائیں۔ یہاں ضمناً یہ معلوم کر لینا ضرور ہے کہ حضرت بشیر و نذیر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے دس بیٹے متعدد بیویوں سے تھے۔ ان میں سے حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبد اللہ اور ابو طالب ماں جائے یعنی حقیقی بھائی تھے۔ اسی لیے حضورؐ کے جدِّ امجد عبد المطلب نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا تھا اور آپ انہیں صلبی فرزندوں سے زیادہ عزیز تھے۔ اور محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ ابو طالب سوتے تو آپ کو ساتھ لے کر سوتے اور گھر سے باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

## رؤسا کا مطالبہ کہ اپنے برادر زادہ کو روکو یا آپ بیچ سے ہٹ جاؤ

اہلِ مکہ کا جو وفد ابو طالب کے پاس آیا اس میں قریش کے تمام بڑے بڑے رئیس مثلاً عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ رض کا نانا) اور اس کا بھائی شیبہ

بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہؓ کے والد)، ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ (حضرت سیف اللہ خالدؓ کا باپ)، عاص بن وائل (حضرت عمروؓ فاتح مصر کا باپ) اسود بن مطلب (اُم المومنین خدیجہؓ کا عم زاد بھائی) وغیرہم شریک تھے۔

ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں (بتوں) کو عیب و قبیح ٹھیراتا ہے۔ ہمارے دین (بت پرستی) کی مذمت کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ اور ہمیں احمق و لایعقل بتلاتا ہے۔ اس لیے یا تو تم اسے ان باتوں سے روک دو یا ہمارے اور اس کے بیچ میں سے ہٹ جاؤ، ہم اس سے خود نبٹ لیں گے۔ اور بولے کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ تمہارا اور ہمارا دین ایک ہے۔ تمہارے معبود بھی وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ اس طرح وہ تمہارے دین اور تمہارے معبودوں کی بھی توہین کر رہا ہے اور تم ہو کہ اس کی حمایت کرتے جا رہے ہو۔" ابوطالب نے انہیں نرمی سے سمجھا کر رخصت کیا اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم برابر علی الاعلان دین حق کی دعوت دیتے رہے۔

## قریش کی دُوسری سفارت

چونکہ اس سفارت کے بعد بھی قریش کی شکایتیں دور نہ ہوئیں اور دور کس طرح ہوتیں جبکہ آپ اپنے فرض منصبی سے کسی طرح دست بردار نہیں ہو سکتے تھے اور مُصلح کا یہ کام نہیں کہ ہوا کا رُخ پہچانے یا لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائے اور عوام الناس کے جذبات کی غلامی کرے بلکہ اُس کا تو یہ فرض ہے کہ بادِ مخالف کی پروا نہ کرکے دنیا میں کوئی مفید انقلاب برپا کرے۔ بدعتوں کو مٹائے۔ برائیوں کو دور کرے۔ اہلِ رسوم کے سامنے نہ جھکے بلکہ اپنی زبردست اخلاقی قوت اور روحانی لشکروں کی مدد سے انہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرے اور باطل کی قوتوں کو پاش پاش کر دے۔ اس لیے اعیانِ قریش دوسری مرتبہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابا طالب! تم قریش کے اندر سن و سال میں بڑے اور شرف و منزلت میں ممتاز ہو۔ ہم نے تم سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ہماری مخالفت سے روک دو لیکن تم نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ واللہ! اب تو پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہمارے معبودوں کی توہین کی جائے اور بزرگوں کو بے وقوف بنایا جائے اور ہم بے غیرتی کا لباس پہنے بے حس و حرکت خاموشی کے ساتھ بیٹھے سنا کریں۔ اب ہم پھر ملتجی ہیں کہ اپنے برادر زادہ کو ان باتوں سے منع کرو ورنہ اس کے ساتھ تم بھی میدان میں آؤ کہ فریقین میں سے ایک کے حق میں فیصلہ ہو جائے۔

### تمام عرب پر حکومت کرنے کا وعدہ

ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو کہا اے برادر زادے! یہ تمہاری قوم کے سردار ہیں۔ یہ سب تم سے یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بتوں کی مذمت نہ کرو۔" آپ نے فرمایا اے عم محترم! میں انہیں ایک چیز کی طرف بلاتا ہوں جو ان کے حق میں ان کے تمام معبودوں سے بہتر ہے۔" ابوطالب نے پوچھا تم انہیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو؟ فرمایا میں ایک کلمہ کی دعوت دیتا ہوں جس کی برکت سے یہ لوگ تمام عرب پر حکومت کریں اور عجم ان کا فرماں بردار ہو۔" ابوجہل پوچھنے لگا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا قابل پرستش کوئی نہیں) سرداران قریش کہنے لگے یہ نہیں البتہ اس کی جگہ کسی اور بات کی خواہش کرو تو ہم بسر وچشم منظور کریں گے۔ ہمارے لیے یہ بالکل ناممکن ہے کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں بلکہ اس قسم کا خیال اور تصور بھی ہمارے لیے سخت تکلیف دہ ہے۔

### کلمۂ توحید کے سوا مصالحت کا عدم امکان

آپ نے فرمایا کہ اگر بالفرض تم لوگ آفتاب کو نیچے اتار کر بھی میرے ہاتھ پر رکھ دو تو میں کلمۂ توحید کے سوا تم سے کسی چیز پر راضی نہ ہونگا۔ عمائد قریش غضب ناک ہو کر چلے گئے اور رب جلیل نے سورۂ صٓ کی آیات ۴ تا ۷ نازل فرمائیں جن کا ترجمہ یہ ہے:-

"ان لوگوں (قریش) کو تعجب ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آیا اور کہنے لگے یہ شخص جادوگر اور (دعوائے نبوت میں) جھوٹا ہے۔ بھلا یہ شخص اس حالت میں کیونکر سچا سمجھا جا سکتا ہے جب کہ اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی ہستی کو قابل پرستش قرار دیا ہے۔ یہ تو سخت تعجب خیز امر ہے۔ (توحید کی تعلیم سن کر) اعیان قوم آپس میں یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ اپنے معبودوں کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ توحید جس کی (ہم سے) خواہش کی گئی ہے ایک ایسی چیز ہے جو ہم نے اپنے بزرگوں سے بھی نہ سنی تھی۔ پس یہ محض من گھڑت افسانہ ہے۔"

### ابوطالب کو آنحضرتؐ کا انتباہ کہ میرا حامی و ناصر رب العالمین ہے

اس سفارت کے بعد قریش نے علانیہ عَلَم مخالفت بلند کر دیا۔ ابوطالب پر قوم کی جدائی اور مخالفت سخت شاق گزری اور یہ دیکھ کر کہ صورت حالات سخت مخدوش ہے

اور قوم کے افراد آئندہ اپنی طرف سے کوئی کمی نہ کریں گے پیغمبر علیہ السلام کو بلا بھیجا اور کہا بیٹا! سنو۔ تمہاری قوم کے اکابر ہمارے سخت دشمن ہو گئے ہیں۔ میری رائے میں مناسب ہے کہ تم میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کا میں متحمل نہ ہو سکوں اور تم خود سمجھ سکتے ہو کہ میں اور تم دو متنفس ساری قوم کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ اس لیے مصلحت یہ ہے کہ قوم کی مخالفت چھوڑ دی جائے اور کوئی مزید لڑائی مول نہ لی جائے"۔

یہ سن کر حضرت سید موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقین ہو گیا کہ اب چچا صاحب میری طرف سے مدافعت کرنے کے متحمل نہیں اس لیے آئندہ ان کی شفقت میرا ساتھ چھوڑنے والی ہے آپ نے فرمایا چچا جان! شاید آپ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ میں دین کا کام آپ کی تائید اور حمایت کے بھروسہ پر کر رہا ہوں۔ حاشا و کلا میرا حامی و ناصر وہی پروردگار عالم ہے جس نے مجھے اس کام پر مامور فرمایا ہے۔ جب تک یہ رسالت کسی کامیاب انجام تک نہیں پہنچ جائے گی میں اپنی کوششوں سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ اگر آپ میری تائید و نصرت کریں تو آپ کی سعادت ہے ورنہ مجھے تائید آسمانی کافی ہے"۔

### دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے میں تبلیغ سے دست بردار نہ ہوں گا

اس کے بعد آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا چچا جان! اگر بالفرض یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں کرۂ آفتاب اور بائیں ہاتھ پر کرۂ ماہتاب ہی لا کر کیوں نہ رکھ دیں میں اپنے فرض منصبی اور تبلیغ رسالت سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ یا تو میں امر دین کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کے چھوڑوں گا یا اسی کوشش میں خود مٹ جاؤں گا ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

آپ نے فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند رکھ دیں"۔ اس ارشاد گرامی کا یہ مطلب تھا کہ دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے جب بھی میں دعوت اسلام سے باز نہ رہوں گا۔ اور حسب زعم کارائل اشک باری کا باعث یہ خیال تھا کہ چچا تو مہربان ہے لیکن جس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے وہ عظیم الشان اور دشواریوں سے گھرا ہوا ہے۔

### ابوطالب کا عہد کہ میں تم کو کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا

آپ کا بیان سن کر ابوطالب پر رقت طاری ہوئی لیکن انہیں اس بات کا

اطمینان ہو گیا کہ ان کا لنگر مضبوط ہے اور بادِ مخالف کے تھپیڑے ان کی کشتی عزم کو کسی طرح جنبش نہیں دے سکتے۔ جب آپ اپنی بات ختم کر کے واپس چلے تو ابو طالب نے آواز دی کہ برادر زادے! ذرا ادھر آنا۔ آپ لوٹ آئے۔ چچا نے کہا بیٹا! جاؤ جو جی میں آئے کرو۔ میں تم کو کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا اور جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص تمہارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا (ابن ہشام و محمد بن جریر طبری)

## رسول اللہؐ کے قتل کے لیے قریش کا مطالبہ حوالگی

جب قریش نے دیکھا دوسری سفارت بھی بے نتیجہ رہی تو اکابر قریش تیسری مرتبہ (حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی) عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس پہنچے اور کہنے لگے اے ابا طالب! یہ عمارہ بن ولید قریش میں نہایت توانا، عقیل اور حسین و جمیل نوجوان ہے۔ اس کو ہم تمہاری نذر کرتے ہیں۔ تم اسے اپنا بیٹا بنا لو یا جس حیثیت سے چاہو اپنے قبضے میں کر لو اور اس کے عوض میں اپنا بھتیجا جو تمہارے اور تمہارے آبا و اجداد کے دین کا دشمن ہے اور جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور تمہارے بزرگوں کو بے وقوف بتاتا ہے ہمارے حوالے کر دو تاکہ اسے قتل کر کے دین کی مخالفت کا بدلہ لیں۔ غرض آدمی کے بدلے آدمی دینے میں تمہیں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔"

## ابو طالب کا قطعی انکار

ابو طالب نے جواب دیا کہ یہ تو بڑا مذموم سودا ہے جو میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم اپنا لڑکا اس غرض سے مجھے دیتے ہو کہ میں اس کے کھانے، کپڑے اور تمام ضروریاتِ زندگی کا کفیل بنوں اور اس کے معاوضہ میں اپنا بھتیجا قتل کرنے کے لیے تمہیں دے دوں؟ واللہ! یہ کبھی نہ ہو گا۔ (حضرت جبیر صحابی رضہ کا باپ) مُطعم بن عدی (بن نوفل بن عبد مناف) پاس سے بول اٹھا ابو طالب! تمہاری قوم نے پورا پورا انصاف کیا ہے کیونکہ گتھی کے سلجھانے کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم تم سب روز روز کے بکھیڑے سے نجات پا جائیں گے اور سب لوگ آپس میں بھائی بھائی بن کے رہیں گے۔ پس تمہیں قوم کی یہ درخواست بلا تامل قبول کر لینی چاہیئے۔ ابو طالب نے جواب دیا واللہ! قوم جادۂ انصاف سے دور نکل گئی ہے۔ اصل یہ ہے کہ تم لوگوں نے میری ذلت اور خذلان کا تہیہ کر لیا ہے اور چاہتے ہو کہ مجھے مرعوب و مجبور کر کے میرے بھتیجے کی جان لو۔ سو اب میں برملا کہتا ہوں کہ جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ میں قطعاً

تمہارا مطالبہ منظور نہ کروں گا۔ (ابن جریر و ابن ہشام)

## فصل ۱۶۸۔ رسول اللہ کی جان ستانی کا متفقہ فیصلہ

جب مکرر سہ کرر وفد بھیج کر ابو طالب کی طرف سے قطعی مایوسی ہو چکی تو قریش نے مجلس مشاورت منعقد کر کے اس امر پر غور کرنے کا قصد کیا کہ صورتِ حال کا کیونکر مقابلہ کیا جائے۔ اصل میں اکابر قریش بہت دنوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے لاگو بنے ہوئے تھے۔ اعدائے رسالت سب کے سب مرفہ الحال اور معیشت کی طرف سے بالکل بے فکر تھے۔ اگر انہیں کوئی فکر تھا تو (حاکم بدہن) داعیٔ توحید صلے اللہ علیہ وسلم کے استیصال اور اسلام کے قلع قمع کرنے کا لیکن جب ان پر اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ دینِ اسلام بیرونی قبائل میں بھی برابر نشو و نما پا رہا ہے تو اور زیادہ انگاروں پر لوٹنے لگے تھے اور جب انتھک جانکاہیوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کے مٹانے میں جتنی کوششیں کی جاتی ہیں اسی قدر زیادہ پھلتا پھولتا ہے تو وہ گھبرا کر ابو طالب سے ملتجی ہوتے اور جب وہاں بھی ناکامی ہوئی تو اب یہ سوچنے لگے کہ (نصیبِ اعداء) خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو منزل فنا میں پہنچا کر سلسلہ اسلام کو درہم برہم کر دیں۔

### قریش کو پہلے قتل کی جرأت کیوں نہ ہوتی تھی

لیکن چونکہ آپ ابو طالب کی پناہ و کفالت میں تھے اور ابولہب کے سوا تمام ہاشمیوں کے دلوں میں ان کی محبت و وقعت جاگزیں تھی، اس بنا پر قریش کو آپ کی جاں ستانی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب میں کوئی شخص قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کا قبیلہ اس کا ضرور انتقام لیتا تھا اور قاتل و مقتول کے خاندانوں میں جنگ و جدال کا ایک غیر متناہی سلسلہ چھڑ جاتا تھا۔ قریش اس سے پیشتر خانہ جنگیوں میں برباد ہو چکے تھے اور اب لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے، اور جانتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان لی گئی تو بنو ہاشم ان کے خون کا ضرور انتقام لیں گے اور پھر تمام مکہ از سر نو جنگ کی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ قریش کا کوئی خاندان اب ایسا نہ رہ گیا تھا جس میں کوئی نہ کوئی آدمی مشرف بایمان نہ ہو چکا ہو اور اس قبیلہ والوں کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے

کسی نہ کسی درجہ میں ہمدردی نہ ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر آپ کی جاں ستانی کی جرأت نہ کرتے تھے لیکن جب ابو طالب بھی ان کے زخم ہائے دل پر تثبیت و تسکین کی کوئی مرہم نہ رکھ سکے تو انہوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہر قیمت پر قتل کر دیا جائے اور ہاشمیوں کی انتقام جوئی کو اصلا خاطر میں نہ لایا جائے۔

### پیغمبر علیہ السلام کی حفاظت کا عہد

جب ابو طالب کو قریش کے فیصلہ قتل کا علم ہوا تو انہوں نے ہاشم اور مطلب کی اولاد کو جمع کیا اور سب کو تاکید کی کہ جس طرح بن پڑے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دشمنوں کی دست برد سے بچائیں۔ ایک ابو لہب کو چھوڑ کر ہاشمیوں اور مطلبیوں کے تمام افراد خواہ مسلمان تھے یا غیر مسلم سب اس بات پر متفق ہوئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی جائے۔ ان میں سے جو مسلمان تھے انہوں نے ایمان و یقین کے ساتھ اس قرارداد میں شرکت کی اور جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بھی حمیتہً شامل ہو گئے۔

### سرداران قریش شمشیر بکف ہاشمی جوانوں کے رحم پر

جس روز سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظتِ جان کے لیے ہاشمیوں اور مطلبیوں میں قول و قرار ہوئے، اتفاق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی شام مفقود الخبر ہو گئے۔ بہت تلاش کی گئی کوئی پتہ نہ چلا۔ ابو طالب کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں آپ موت کے گھاٹ نہ اتار دیے گئے ہوں۔ انہوں نے معًا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام جوانوں کو جمع کیا اور کہا کہ سب کے سب مسلح ہو کر میرے پیچھے چلو اور جب ہم مسجد میں داخل ہوں تو تم میں سے ہر ایک جوان فرداً فرداً سرداران قریش کے پاس جا بیٹھے اور میرے اشارے کا منتظر رہے۔ سب نے امتثال امر کا عہد کیا۔ جب اٹھ کر چلنے لگے تو اتنے میں آنحضرت کے متبنیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ وہاں آ پہنچے اور ابو طالب اور تمام مجمع کو مضطرب الحال پایا۔

ابو طالب نے زیدؓ سے پوچھا میرے بھتیجے کی کوئی خبر جانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! میں ابھی ان کے پاس سے آ رہا ہوں۔ ابو طالب بولے جب تک میں اس کو بچشم خود نہ دیکھ لوں گا یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ زیدؓ نے بڑی تیزی سے بارگاہ نبوی کا رخ کیا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دار ارقم میں بیٹھے اپنے اصحاب کرامؓ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ جب حضرت زیدؓ نے جا کر صورت حال بیان کی تو آپ ابو طالب کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا برادر زادے!

تم کہاں تھے؟ خیر و عافیت تو ہے؟ فرمایا الحمد للہ بخیریت ہوں؟

اگلے دن ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیا۔ تمام ہاشمی اور مطلبی جوان بھی ہمراہ تھے۔ مسجد میں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے مجالس قریش کے بیچ میں کھڑے ہو گئے اور کہا اے گروہ قریش! کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ کل سر شام ہم نے کیا قصد کیا تھا؟ عمایدِ قریش نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ ابوطالب نے گزشتہ شام کا واقعہ ان کے گوش گزار کر کے اپنے مسلح جوانوں کو اشارہ کیا کہ ہر ایک اپنی اپنی تلوار بے نیام کر لے۔ معاً سرداران قریش کیا دیکھتے ہیں کہ ہر ایک کے سر پر ایک ایک شمشیر بکف جوان بلائے ناگہانی کی شکل میں کھڑا ہے۔

اس کے بعد ابوطالب کہنے لگے واللہ! اگر تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتے تو آج کے دن نہ تم میں کوئی جانبر ہوتا اور نہ ہم میں سے کوئی عافیت کا منہ دیکھ سکتا۔ تمام زعماء تواضع و انکسار اور تملق سے پیش آئے۔ بالخصوص ابوجہل جو موقع شناسی کا چکنا گھڑا تھا سب سے زیادہ متواضع و منکسر المزاج دکھائی دیتا تھا۔ (ابن سعد)

**حفاظت جان کا شبینہ انتظام**

گو ابوطالب نے اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے ہنگامی طور پر اپنی دھاک بٹھا دی تاہم وہ اعدائے دین کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ آنحضرتؐ کے تحفظ کے لیے ہر احتیاطی تدبیر عمل میں لائی گئی۔ انہوں نے آپ کی ذاتی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ تمام بنو ہاشم آپ سے پہلے محوِ خواب ہو جاتے۔ اس کے بعد جب رات کا بڑا حصہ گزر جاتا تو ابوطالب اپنے کسی بیٹے، بھتیجے یا کسی دوسرے ہاشمی کو بیدار کر کے اس کو آپ کے بستر پر اور آپ کو اس کی جگہ سلا دیتے۔ اس انتظام کی وجہ سے دشمنوں کو جو رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر حضور پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش میں منہمک تھے آپ کا سراغ لگانے میں کبھی کامیابی نہ ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، تاریخ ابن جریر طبری، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح)

# فصل ۱۶۹۔ ابوطالب کو تمام قبایلِ عرب کے چڑھ آنے کا خدشہ

**ابوطالب کا قصیدہ**

ان ایام میں قریش کا دل پسند مشغلہ یہ تھا کہ جس کسی سے ملتے حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان لگاتے اور اس کو آپ سے متنفر کر کے آپ کا دشمن بنانے کی انتہائی کوشش کرتے یہاں تک کہ انہوں نے بے پناہ نشریہ کر کے

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عرب بھر میں جذبۂ نفرت پھیلا دیا۔ جب ابو طالب کو احس کہ سارا عرب ہمارا دشمن ہوگیا ہے تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں عرب کے تمام قبائل م ہو کر میری قوم کے ہمنوا نہ ہو جائیں اور یہ سب متفق و مجتمع ہو کر ہم پر حملہ آور نہ ہوں۔

اس خدشہ کے پیش نظر انہوں نے ایک قصیدہ کہا جس میں حرم محترم سے اپنے تعلقا ور کعبۂ معلیٰ کی پناہ میں آنے اور اپنی قوم کے مقتدر افراد سے محبت اور دوستی قائم رکھنے کی کا اظہار اور اپنے غیر مسلم ہونے کی اطلاع تھی اور یہ بھی جتلایا تھا کہ میں تا حین حیات محمد علیہ وسلم) کی حمایت و صیانت سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ اس طویل قصیدہ میں متذکرہ اشراف قریش کا بالخصوص ذکر تھا :-

(۱) ابو سفیان صخر بن حرب (۲) مُطعِم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف (۳) زُہیر بن اُمیّہ (۴) اور اس کی والدہ عاتکہ بنت عبد المطلب جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھی (۵) عثمان بن عبید اللہ جو حضرت طلحہ بن عبید اللہ صحابی رض کا بھائی تھا (۶) عتبہ بن ربیعہ جو معاویہ رض کا نانا اور ابو سفیان کا خسر تھا (۷) ابو الاخنس بن شریق ثقفی وغیرہم (ابن ہشام)

## یکہ و تنہا ذات پر اعداء کا ہجوم

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی برادری کے لوگ یعنی عائد ہی آپ کے دشمن جان نہ تھے بلکہ تمام دوسرے فرقوں کے پیرو بت پر دہریے، ملحدین، صابئین اور گبر بھی آپ کی مخالفت پر کمر بستہ تھے۔ قری کی طرح اور بھی بہتیرے آدمی تھے جن کے دلوں میں آپ کی جاں ستانی کا جذبہ رات دن پرور پا رہا تھا۔ ایک یکہ و تنہا ذات پر اعداء کا اتنا ہجوم کہ خدا کی پناہ۔ نہ اتنی قوت تھی، نہ مال تھا نہ قلیل التعداد رفقاء کے سوا کوئی جمعیت تھی جو اعداء کے جم غفیر کے مقابلہ میں آپ کی طرف مدافعت کرتی۔

## کارلائل کا تبصرہ

کارلائل لکھتا ہے کہ دائمی مخالفت و نفرت اور خفیہ و علانیہ خطرات ہر دم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گھیرے رکھا۔ قریش برابر دانت پیستے سازشوں کے جال پھیلاتے رہے۔ ان میں سے ہر سر برآوردہ شخص نے آپ کو قتل کر دینے قسمیں کھا رکھی تھیں۔ اس وقت آپ کی ظاہری حالت سخت مخدوش تھی۔ بارہا بظاہر ایسا معل ہوا کہ بس خاتمہ ہوگیا لیکن دشمنوں کو حصولِ مقصد میں ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی مانع پیش آجاتا رہا ور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دین کا خاتمہ ہو جاتا اور پھر کبھی دنیا میں ان کا ذکر نہ سنا جاتا لیک لیکن اس کا انجام مقدر نہ تھا (ہیروز اینڈ ہیرو شپ مطبوعہ لنڈن)

75

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہ

# سیرتِ کبریٰ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور انبیا سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

## جلد اوّل

جو دیباچہ اور ۷۲ صفحات کے مقدمہ اور ۱۶۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں ضرورت وحی
منصب نبوت کی حقیقت، اس کے لوازم وخصائص اور قبل از اسلام دنیا کے متمدن
ممالک اور خصوصاً عرب کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا تذکرہ ہے۔ اصل کتاب میں آپکا
نسب مبارک، حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لے کر آپ کے والد امجد تک خاندانی
حالات آپکی بعثت کی بشارتیں، عہد طفلی، قبل از بعثت کی چہل سالہ زندگی، نزول وحی،
برملا تبلیغ حق کا فرمان خداوندی، دعوت کی مشکلات، مخالفت قریش کے اسباب،
قریش کی چیرہ دستیاں، صحابہ کی مظلومی، حبشہ کیطرف پہلی ہجرت۔ راہ تبلیغ میں قریش کی
مزاحمتیں اور آپ کے قتل وجان ستانی کی پیہم کوشش وغیرہ، کوائف وحالات بالتفصیل درج ہیں

مرتبہ

مولانا ابوالقاسم رفیق مدظلہ دلاوری مصنف ائمہ تلبیس، سیرت ذوالنورین، سیدہ فاطمہ، شمائل کبریٰ

رئیس قادیاں وغیرہ

ناشر: مکتبہ صدیقیہ بیرون لوہڑ دروازہ ملتان شہر

بار اول　　تعداد ۱۲۵۰　　قیمت ۔/۸۱۴ Rs.